تحقیق الاعوان

معروف بہ

تاریخ الاعوان ہزارہ

علوی الاعوان قوم کی چودہ سو سالہ مستند و جامع تاریخ۔ کمیاب، مستند، معتبر و مشہور کتب عربی، فارسی، اردو۔ تاریخ کا نچوڑ، محمد الاکبرؒ بہ مشہور ابن الحنفیہؒ (امام حنیفؒ) فرزند حضرت علیؓ کے مستند حالات زندگی۔ میر قطب حیدرؒ مجاہد بہ مشہور عون قطب شاہ علوی (مورث وسطی)، اعوان قطب شاہی کے حالات، مجاہدانہ کارنامے، سلسلہ نسب و رد اعتراضات و بے سروپا منسوبات کے جو قوم اعوان اور قطب شاہؒ کے سلسلہ نسب میں آج تک وارد کئے گئے۔ اعوان کے لفظ و خطاب کی مکمل تحقیق ہند قدیم میں انکی آمد از راہ جنوبی و شمالی ہند سابق۔ ذکر فقرائے اعوان، اندرون ہند و بیرون ہند کی قدیم و حال کی معروف علوی شخصیات کا ذکر۔ سادات اہل بیتؓ کا مختصر تعارف، موجودہ اعوان شجاعت و زراعت اخلاق وغیرہ کا مفصل بیان ہزارہ کی ہر تحصیل کی اعوان شخصیات و گھرانوں کا مختصر تعارف تحصیلوار و علاقہ وار گاؤں کی فہرست تحصیل مانسہرہ کے ۱۹۲۳ء سے بعد کے مشاہیر کا سرسری، گوشوارہ، تاریخی و علمی ذوق رکھنے والے ہر خاص و عام کیلئے نادر معلومات کا ذخیرہ۔

مصنف و مؤلف ——— ایم خواص خان ڈگولڑہ اعوان

موضع ——— ہیڑاں (علاقہ کونش)

تحصیل ——— مانسہرہ۔ ——— ضلع ——— ہزارہ

سال طبع اول ۱۹۶۶ء جنوری ۱۳۸۵ھ ——— تعداد بار اول ——— ۵۰۰

قیمت قسم اول کاغذ سفید چھ روپے (۶) قسم دوم چار روپیہ آٹھ آنے (۴/۸)
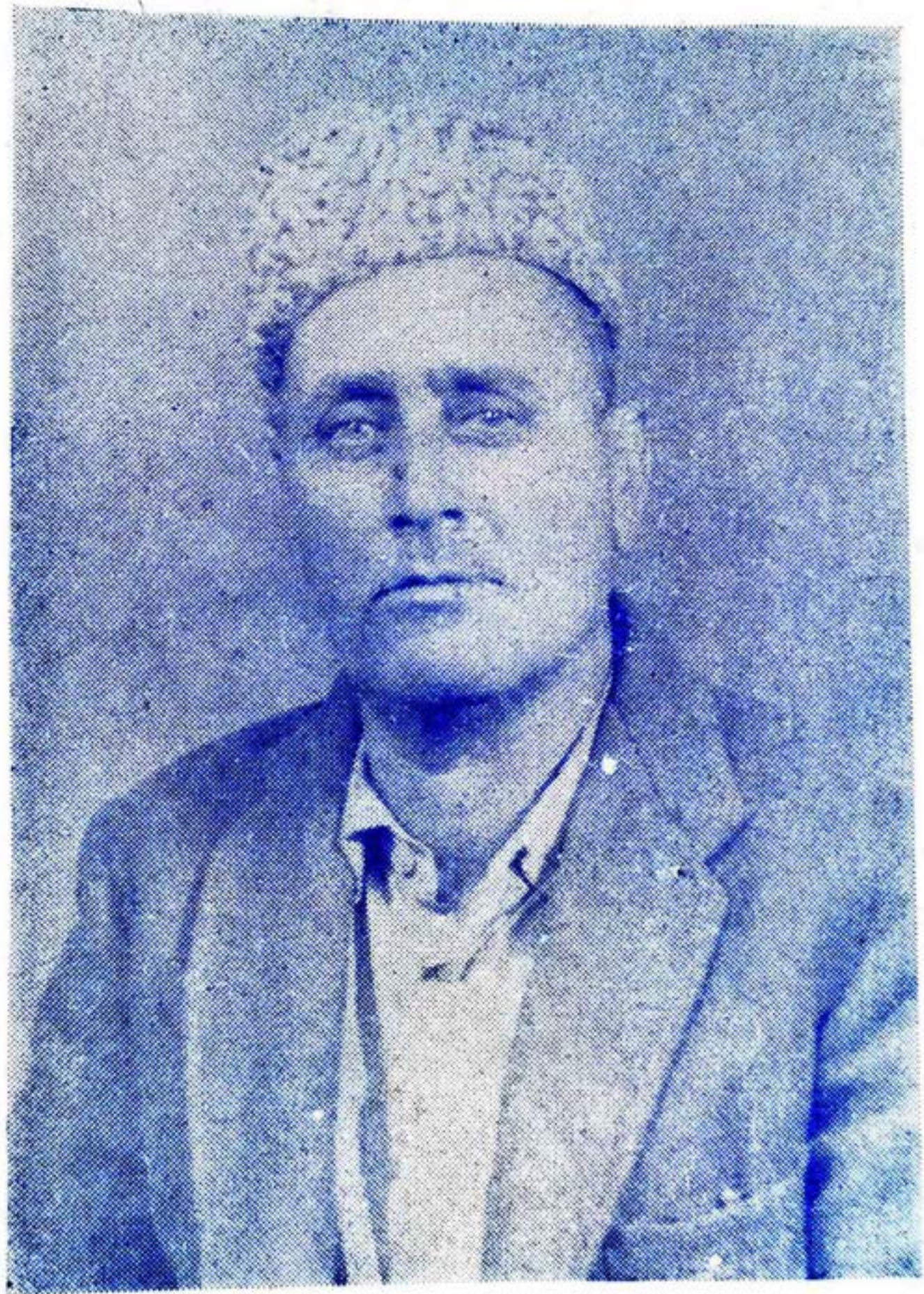
ایم خواص خان ہزاروی

تحقیق الاعوان تالیف: محمد خواص خان گولڑہ اعوان ہیڑاں مانسہرہ ہزارہ (1966ء بمطابق 1385ھ)

جناب محترم خواص خان گولڑہ اعوان ساکن ہیڑاں مانسہرہ نے ''تحقیق الاعوان'' 21 مارچ 1964ء کو تالیف فرمائی اور جنوری 1966ء کو شائع کی۔ جناب خواص خان اعوان نے ملک بھر سے 35 شجرہ ہائے نسب حاصل کرتے ہوئے تحقیق الاعوان میں من وعن شائع کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ملک بھر کے قطب شاہی علوی اعوانوں کے پاس شجرہ نسب کی صدیوں پرانی روایات حضرت محمد حنفیہؒ کی اولاد کی ہی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ منبع الانساب فارسی 830 ہجری میں سید معین الحق جھونسوی نے قطب شاہی اعوانوں کا جو شجرہ نسب شائع کیا جناب خواص خان کو تو منبع الانساب دستیاب نہ ہوسکی لیکن انہوں نے سید محبوب شاہ داتا کے حوالہ سے شجرہ نمبر 31 صفحہ 156 پر یوں شائع فرمایا:۔ سالار مسعود غازی بن عطاءاللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ غازی بن آصف غازی بن عون عرف قطب غازی بن علی عبدالمنان غازی بن حضرت ابوالقاسم امام حنیفؒ بن حضرت علیؓ ''۔ اور آج انساب کی درجنوں قدیم کتب سے مندرجہ بالا شجرہ نسب تصدیق ہو چکا۔

جناب محبت حسین اعوان نے خواص خان گولڑہ اعوان کی خدمات پر 1975 میں ان ہی کی کتاب ''تحقیق الاعوان'' کے نام سے ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان قائم کیا اور درجنوں کتب تصانیف کیں 1999ء میں آپ نے اس سے قبل لکھی جانے والی تمام کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے جامع کتاب '' تاریخ علوی اعوان'' تصنیف فرمائی۔ جناب محبت حسین اعوان نے بھی مندرجہ بالا شجرہ نسب تاریخ علوی اعوان ایڈیشن 1999ء اور ایڈیشن 2009ء کے صفحہ 360 پر شجرہ نمبر 28 کے طور پر درج کیا ہے۔ تاریخ علوی اعوان کی پی ڈی ایف بھی ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔

علم الانساب سے ناواقف کچھ بھائی سر سلسلۃ العلویہ کے حوالہ سے علی بن محمد حنفیہ کو لاولد قرار دے رہے ہیں کاش کہ اعتراض کرنے والے اپنا حوالہ بھی سر سلسلۃ العلویہ سے ثابت کرتے۔ بہرکیف سر سلسلۃ العلویہ سے 100 سال قدیم کتاب نسب قریش عربی (156۔234ھ) کے صفحہ 77 پر عون بن علی بن محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد لکھی ہے اور عون کے نام کی نسبت سے ''بنی عون'' بھی درج ہے۔ یہ کہ المعقبون عربی 277ھ، مقالات بالفرق 301ھ میں بھی علی بن محمد الاکبر المعروف محمد حنفیہؒ کی اولاد درج ہے۔ سر سلسلۃ العلویہ کے بعد بھی لکھی جانے والی بے شمار کتب میں علی بن محمد حنفیہ کو صاحب اولاد لکھا گیا ہے جن میں جمہرۃ الانساب العرب عربی 384ھ، تہذیب الانساب عربی 449ھ کے صفحہ 273، 274، منتقلۃ الطالبیہ 471ھ کے 303، 332، 352، 215، پر نہ صرف عون بن علی بن محمد حنفیہؒ کی اولاد درج ہے بلکہ ان کی اولاد کا ہندآنا بھی درج ہے۔ ان کے علاوہ المجدی 500ھ،، الفخری 600ھ، المنتخب فی نسب قریش وخیار العرب عربی 656ھ، و بحر الانساب عربی 900ھ وغیرہ کے علاوہ عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب عربی 848ھ کے صفحہ 147-145 پر علی بن محمد حنفیہؒ کی نہ صرف اولاد درج ہے بلکہ یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ سر سلسلۃ العلویہ کے مولف ابونصر بخاری نے جس علی کو درج یعنی لاولد لکھا تھا وہ علی اصغر تھے۔ ان کتب کے علاوہ منبع الانساب فارسی 830 ہجری میں علی کا پورا نام ''علی عبدالمنان'' درج ہے۔ اور منبع الانساب میں علی عبدالمنان کے فرزند عون عرف قطب غازی لکھے ہیں اور سالار مسعود غازی کو سلطان محمود غزنوی کا بھانجا لکھا ہے اور مکمل شجرہ نسب یوں درج ہے'' سالار مسعود غازی بن عطاءاللہ غازی بن طاہر غازی بن طیب غازی بن شاہ محمد غازی بن شاہ غازی بن آصف غازی بن عون عرف قطب غازی بن علی عبدالمنان غازی بن حضرت ابوالقاسم امام حنیفؒ بن حضرت علیؓ ''۔

منبع الانساب فارسی 830ھ تالیف سید معین الحق جھونسوی میں درج شجرہ نسب جناب خواص خان گولڑہ اعوان اور جناب محبت حسین اعوان نے قدیم روایات کے مطابق کتب میں درج کیا تھا۔ اور اس شجرہ نسب کی تصدیق مندرجہ بالا انساب کی عربی اور فارسی کتب سے بھی ہو چکی۔ لہٰذا یہ تصدیق ہوا کہ اعوانوں کی حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہونا اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ جہاد والی روایات 100 فیصد درست ہیں۔ اور علی بن محمد حنفیہ کی نہ صرف اولاد تھی بلکہ انہی کا نام علی عبدالمنان تھا ۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخ قطب شاہی علوی اعوان تالیف محمد کریم اعوان ساکن اعوان منزل دبن سنگولہ و ملک مشتاق الٰہی اعوان ساکن مردوال وادی سون سکیسر، تاریخ خلاصۃ الاعوان تالیف محبت حسین اعوان، اعوان شخصیات ہزارہ تالیف محمد عظیم ناشاد، متاع رفتہ تالیف پروفیسر بشیر احمد سوز اور حضرت بابا سجاول علوی قادریؒ تاریخ کے آئینے میں تالیف محمد کریم علوی قادری کا مطالعہ کریں ان کتب کی بھی پی ڈی ایف دستیاب ہیں۔

مطبع منظور عام پریس پشاور

ملنے کا پتہ :-

(۱) محمد نظیر اینڈ سنز پبلشرز، بکسیلرز اینڈ سٹیشنرز تحصیل مانسہرہ ہزارہ ڈسٹرکٹ

(۲) میاں عبدالغفور اینڈ سنز صدیقی برادرز۔ قصہ خوانی بازار پشاور

(۳) کتبخانہ حقانیہ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین تحقیق الاعوان

فہرست ماخذ تحقیق الاعوان

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	تفسیر مواہب الرحمٰن	سید امیر علی
۲	تاریخ اقوام پونچھ	محمد دین فوق ۱۹۳۵ء
۳	کشمیر " "	" " "
۴	زادالاعوان	مولوی نورالدین پٹھان کفروی ۱۹۲۳ء
۵	باب الاعوان	" " "
۶	تاریخ الاعوان	شیر محمد خان کالاباغ ۱۹۵۶ء
۷	تاریخ سندھ	عبدالحلیم شرر
۸	تاریخ اسلام کامل	علامہ قاری احمد پیلی بھیت
۹	" "	عبدالرحمان شوق امرتسری
۱۰	" "	جسٹس سید امیر علی
۱۱	" مراکش حصہ دوم	۱۳۳۳ھ حمیدیہ پریس لاہور
۱۲	" لب لباب اسلام کی (اعلیٰ کتاب)	مولانا رحیم بخش لاہور
۱۳	" ادب اردو	عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور
۱۴	" سوانح عمری	عرفان احمد
۱۵	تواریخ ہزارہ	مجبور پریس ۱۸۷۴ء
۱۶	تاریخ گوجر	رانا حسن علی چوہان کراچی۔
۱۷	" شان گوجر	عبدالمالک بہاولپوری
۱۸	الفاروق	علامہ شبلیؒ
۱۹	تذکرہ بہادران اسلام حصہ دوم	صوفی کرم الٰہی ڈنگوی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۰	بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء	سیوطی
۲۱	خلافت راشدین	معراج الدین ندوی
۲۲	تاریخ خٹک	سرفراز خان عقاب خٹک
۲۳	مقدمہ ابن خلدون ترجمہ اردو	علامہ عبدالرحمٰن
۲۴	خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام	عبدالحئی وکیل بدایونی دہلی بار دوم ۱۳۰۶ھ
۲۵	تاریخ سالار مسعود غازیؒ	عنایت حسین بلگرامی
۲۶	سالار مسعود غازیؒ	وحشی محمود آبادی
۲۷	سوانح حیات سلطان باہوؒ	محمد حمید اختر
۲۸	سرزمین پوٹھوہار	کرم حیدری ایم اے پی ای
۲۹	تاریخ حیدری	مولوی حیدر علی لدھیانوی
۳۰	التشیع فی الاسلام	قاری محمد طیب دیوبند
۳۱	رسالۃ الانساب	مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند
۳۲	منیر رپورٹ	جسٹس منیر۔ تحقیقاتی کمیشن
۳۳	امام ابن تیمیہؒ	یوسف کوکن عمری
۳۴	رحمۃ للعالمین جلد دوم	علامہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری سیشن جج
۳۵	جمہرۃ الانساب لابن حزم اندلسی عربی	۴۵۶ھ مطبوعہ مصر
۳۶	سر السلسلۃ العلویہ (عربی)	لابی نصر بخاری ۱۳۶۲ھ مطبوعہ نجف
۳۷	کتاب نسب قریش مصعب زبیری (عربی)	عہد ۱۵۶ھ تا ۲۳۶ھ مطبوعہ مصر
۳۸	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (عربی)	۸۲۸ھ
۳۹	منتہی الآمال فی ذکر النبی و آل (فارسی)	طبع ایران ۱۳۶۱ھ
۴۰	سلسلۃ الاعوان۔	ماسٹر فقیر اللہ سنگلوری ضلع مظفرآباد
۴۱	الہارون۔	مصباح الدین احمد خواجہ برقی پریس دہلی
۴۲	سید احمد شہید	غلام رسول مہر
۴۳	سوانح عمری فردوسی۔	علامہ شبلیؒ
۴۴	سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری	سید ابوالحسن ندوی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۵	سوانح حیات حضرت علیؓ	غلام حسین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور
۴۶	سوانح حیات معین الدین اجمیری	پیر غلام دستگیر نامی
۴۷	سلطان الشہدائے ہند	مولوی چراغ الدین رام نگر ضلع بنارس ۱۹۲۶ء
۴۸	شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	مولانا عبید اللہ سندھی
۴۹	آئین اکبری	ابوالفضل نولکشور پریس
۵۰	انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری	سید احمد رضا صاحب بجنور۔ یو۔ پی
۵۱	جماعت مجاہدین	غلام رسول مہر
۵۲	تاریخ گجرات	پروفیسر سید ابو ظفر ندوی (دہلی)
۵۳	مسلمانوں کی سیاسی تاریخ	مجلس ترقی ادب اردو
۵۴	طبقات الاولیاء ترجمہ طبقات الکبریٰ	اصل از عبد الوہاب شعرانی ترجمہ عبد الغنی دار الاشاعت کراچی ۱۹۶۵ء
۵۵	شہادت حسینؓ	ابو الکلام آزادؒ
۵۶	تحقیق سید و سادات	محمود احمد عباسی
۵۷	خلافت معاویہؓ و یزید	" "
۵۸	تحقیق مزید	" "
۵۹	عبد اللہ بن زبیرؓ	طالب ہاشمی
۶۰	یزید نامہ	خواجہ حسن نظامی
۶۱	سفرنامہ بغداد، عراق عرب ۱۹۱۰ء	مولوی محبوب عالم لاہور
۶۲	تحفۃ الاخبار ترجمہ مشارق الانوار	رضی الدین حسن بن حسن صنعانی ماوراء النہر
۶۳	تاریخ تجارت عرب قبل الاسلام	سید شمس الدین قادری۔
۶۴	المامون	علامہ شبلیؒ
۶۵	سیف چشتیائی	مہر علی شاہ گولڑوی۔
۶۶	تحقیق فدک	احمد شاہ بخاری سرگودھا
۶۷	ملفوظات شاہ عبد العزیز	مولوی عظمت النبی۔ مطبع ہاشمی میرٹھ۔
۶۸	شبیہ روضہ مہر علی شاہ	عبد الاحد مولوی فاضل
۶۹	تنبیہ الواعظین اردو ترجمہ انیس الواعظین	اصل ابو بکر سندی، مصنف انیس الواعظین

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۷۰	گوجر اور راجپوت	قمر راجوروی حال نواں شہر تحصیل ایبٹ آباد
۷۱	مصیبت کے بعد راحت	محمد شفیع صاحب دیوبند
۷۲	جنگ نامہ امام حنیف	
۷۳	پنجاب کاسٹس	از سر ڈینزل ایبٹ سن
۷۴	گلیسری آف دی ٹرائبز اینڈ کاسٹس آف پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹرن پراونس	" " "
۷۵	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۷۶	تذکرہ شیخ رحمکار (کاکا صاحب)	سیاح الدین کاکاخیل مطبوعہ لائلپور
۷۷	مقالات مرضیہ المعروف ملفوظات مہریہ (سید مہر علی شاہ گولڑوی)	گل فقیر احمد پشاوری حصہ اول و دوم
۷۸	جغرافیہ ضلع گجرات	مقبول حسین شاہ ہیڈ ماسٹر
۷۹	جغرافیہ ضلع اٹک جدید	مہتاب سنگھ ۱۹۲۹ء

(۲) ماخذ تحقیق الاعوان از قسم رسائل

۱	رسالہ اعوان پنڈی بہاؤ الدین ۱۹۲۵ء گجرات
۲	نظام المشائخ اپریل ۱۹۲۵ء
۳	رسالہ الاعوان ماہنامہ لاہور ۱۹۱۳ء
۴	ماہنامہ الصدیق ملتان، محرم ۱۳۷۰ھ
۵	ماہنامہ دیوبند، مارچ ۱۹۵۸ء
۶	ماہنامہ اسرار حکمت لاہور دسمبر ۱۹۶۵ء
۷	اخبار کوہستان ۹ دسمبر ۱۹۶۳ء
۸	اخبار جنگ [illegible] دسمبر ۱۹۶۵ء

(۳) مکتوبات متفرقہ

۱۔ مکتوبات سید غلام حسن شاہ کاظمی۔ مظفرآباد آزاد کشمیر۔

۲ مکتوبات محمد افضل خان اعوان، خانوال ضلع جہلم

(۴) فہرست کتب خانہ جات

(۱) فہرست کتب خانہ کلاں مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

(۲) فہرست کتب۔ احسن المطابع شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ کتاب منزل لاہور

(۳) فہرست کتب خانہ مطبع علیمی۔ دہلی چوڑی والاں

سرزمین ہزارہ (پاکستان)

صدر فیلڈ مارشل خان محمد ایوب خان - ہزاروی

جہاں تک نوشتہ تاریخوں کا تعلق ہے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ ابدالیوں کے دور عروج میں ہزارہ افغان سلطنت میں شامل تھا۔ اور کشمیر کے راستے پر واقع ہونے کے باعث انکی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ لیکن افغان حکمرانوں نے مقامی رؤسا و خوانین کے انتظامی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ بلکہ لکھا ہے کہ کوئی گورنر تک بھی اس علاقہ کے لئے نہیں بھیجا۔ تھوڑے سے میدانی علاقہ سے کچھ مالیہ وصول کر لیتے تھے۔ اور یہ میدانی علاقہ اٹک کے حاکموں (کارداروں) کی تحویل میں تھا۔ رؤسا اندرونی طور پر خود مختار تھے مگر رؤسا کی کشمکش کا کوئی واقعہ پیش آتا تو ابدالی حکمران فریقین کے مابین افہام و تفہیم کرادیتے۔ ضرورت کے وقت تنخواہ دار فوج بھرتی کر لیتے۔

ابدالیوں کے نزدیک امن قائم رکھنا اور کشمیر کے راستہ کی حفاظت اہم مقصود تھی۔ شاہی حکام جب کشمیر جاتے تو یہ سرداران ان کے قافلوں کی مہمانداری کرتے۔ اور دریائے گذرنے کیلئے کشتیاں مہیا کردیتے۔ اور ابدالی حکمران اس صورت سے مطمئن تھے

جب حکمران افغانوں میں باہمی خونریزیاں ہو کر سلطنت ضعیف ہو چکی تو رؤسا ہزارہ سے بھی یہ رسمی تابعیت اٹھ گئی۔ تمام گروہوں نے اپنی مستقل سرداریوں کی داغ بیل ڈال دی۔ جنمیں علاوہ دیگر خاندان قوموں کے افراد کے ایک نجیب اللہ خان ترین بھی تھے۔ جو اٹھارہویں صدی کے آخر پر ہزارہ کے میدانی علاقہ پر قابض و حکمران تھے۔

ابدالیوں سے پہلے ترک پورے ہزارے کے سردار تھے۔ جب انکی قوت رفتہ رفتہ گھٹتی گئی۔ تو چند دیہات میں انکی زمینداریاں باقی رہ گئیں۔ ان میں ایک ماکھڑائے بھی تھا۔ سنہ ۱۷۹۸ء میں ہاشم خان ترک سکنہ ماکھڑائے نے کسی خانگی تنازعہ کے باعث اپنے ہم عصر چوہٹی کے آدمی کمال خان ترک کو قتل کردیا۔ تو اس وقت محمد خان ترین مقتول کے وارثوں کا مددگار بن گیا۔ اور یہ کشمکش ہزارے میں سکھوں کی آمد کا باعث بن گئی۔ اور اہل ہزارہ پر ہولناک مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا۔ کئی سال خونریز لڑائیوں میں ان کا خون پانی کی طرح بہتا رہا۔ سردار محمد خان ترین نے سکھ سرداروں سے کئی معرکے کر کے سکھوں کو کافی زک پہنچائی۔ اور آخر اسی کشمکش کی نذر ہو گئے۔

صدر محمد ایوب خان موصوف اسی مشہور سردار محمد خان کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا آبائی گاؤں ریحانہ ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کی فوج میں لفٹیننٹ بھرتی ہوئے، امتیازی خدمات کے عوض ترقی کرتے کرتے پاکستان کے پہلے کمانڈر انچیف۔ پھر سپریم کمانڈر بنے۔ فیلڈ مارشل بننے کے بعد اکتوبر سنہ ۱۹۵۸ء میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست پاکستان کو سیاسی اور اقتصادی دیوالیہ پن سے بچا کر نئے نئے اصلاحات منصوبوں اور قانون کے ذریعے داخلی و خارجی استحکام و اعتماد پیدا کرنا انکے مقدر میں لکھا تھا۔ انکی رہنمائی میں پاکستان نے ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت کی حالیہ جنگ میں عوامی اتحاد، اعتماد اور تنظیم کی وہ مثال پیش کی جو پاکستان بننے کے وقت بھی نہ تھی۔

پاکستان کے درخشاں مستقبل کی امیدیں انکی ذات سے وابستہ ہیں۔ ہم انکی درازئ عمر کیلئے دعا مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک عظیم مملکت پاکستان کے مسلم رہنما ہونیکی حیثیت سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ داخلی و خارجی امور دنیوی میں انہیں استحکام بخشا ہے۔ اسی طرح امور دینی میں بھی اجرائے احکام شرعیہ و ملک کے استحکام کی اللہ تبارک تعالیٰ انہیں توفیق بخشے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد۔ سرزمین ہزارہ زندہ باد۔ صدر پاکستان محمد ایوب خان۔ زندہ باد

سرزمین کالا باغ

ملک امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان

بعض قدیم اور جدید اردو، انگریزی اور قومی تاریخوں میں اس خاندان و گھرانے کا اپنے مقام پر ذکر اجمالاً وارد ہوا ہے۔ پاک و ہند میں اعوان قوم کا بڑا گھرانا قدیم سے تسلیم شدہ چلا آتا ہے۔ بیشتر سلطنتوں کے تغیر و تبدل کے ہر دور میں انکی خاندانی ریاست و مرتبے کا لحاظ ملحوظ خاطر ہی رہا۔

آپ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں اپنے مرحوم والد ملک عطا محمد خان کے جانشین ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت چیفس کالج لاہور میں ہوئی۔ اور پھر اعلیٰ تعلیم انگلینڈ میں پائی۔ حصول پاکستان کی جدوجہد میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۱ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی اور ۱۹۵۵ء میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور پھر ۱۹۵۶ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے بلا مقابلہ ممبر چنے گئے۔

گذشتہ کئی سالوں سے مغربی پاکستان کے گورنر کے عہدے پر فائز ہیں جو بدستور ابتک اپنی ان تھک کوششوں اور محنتوں سے استحکام پاکستان اور خوشحالی عوام کے کاموں میں صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دست راست کی حیثیت سے مصروف زندگی گذار رہے ہیں، اور اعوان قوم کے موجودہ چیف ہیں۔

پاکستان پائندہ باد

ملک امیر محمد خان زندہ باد۔

اعوان کاری

ایئر مارشل نور خان

اعوان کاری اکی وسعت حدود آبادی اور آباد کاروں کے متعلق اس کتاب میں قدرِ تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ اعوان قوم کی اکثریت ہی کی وجہ سے یہ علاقہ اعوان کاری کہلایا جانے لگا۔ قلیل لوگ مختلف قبائل کے بھی ہیں۔ رشتہ داریاں اور گہرے تعلقات کی بناء پر انہیں سے شمار ہوتے ہیں۔

ایئر مارشل نور خان، اختر حسین ملک اور کئی دیگر نامی عہدہ داران افواج پاکستان و مجاہد اسی خطۂ اعوان کاری کے بہادر نوجوانوں سے ہیں۔ اور ان کا مولد و مسکن بھی ہے جنہوں نے حالیہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں وہ کارہائے نمایاں ادا کئے جو تاریخ عالم میں سنہری باب کی حیثیت سے لکھے جائیں گے۔ ٹھیک آج سے ربع آخر چوتھی صدی و شروع پانچویں صدی ہجری میں محمود غزنویؒ اور انکے بہادر و پرجوش مجاہد جرنیلوں، میر عطاء اللہ غازیؒ، میر ساہو سالار، قطب شاہؒ دجویشتوں سے غازیوں کے نام سے مشہور چلے آتے تھے کی یاد تازہ کر دی۔ اضلاع شمالی پنجاب۔ جن کے بعض حصے (پوٹھوہار) اعوان کاری کے نام سے اب مشہور ہوگئے ہیں۔ فتح کرکے آگے بڑھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس جنگ میں جن جن شہروں کے لوگوں اعلیٰ کوئی ایک افراد نے کارنامے و خدمات انجام دی ہیں، ہر پاکستانی کیلئے باعث فخر ہیں۔ چونکہ متفرق اوقات میں متفرق شہریوں اور اس سرزمین کو جدا جدا خراج تحسین و عقیدت پیش کیا گیا ہے اسی طرح بخطہ اعوان کاری۔ کو بھی اپنے بہادر سپاہیوں اور مجاہدوں کے جذبہ پر فخر ہے یہ شکریہ جنگ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۵ء میں جو نقش حسین تبسم نے خطۂ اعوان کاری کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے درج ذیل کرتا ہوں۔

خطۂ اعوان کار

فضل حسین تبسم

مرحبا۔ اے خطۂ اعوان کار
حریت کے باغ کی تجھ سے بہار
مرحبا اے شیرزادوں کے وطن
اے نگہباں خانۂ اسلام کے
تجھ سے دنیا میں وفا کی ہے نمود
رفعت افلاک تجھ سے پست ہے
حق کی الفت تیری مٹی کا خمیر
تیرے بیٹے خاک پائے بوتراب
صولت محمود ہیں ٹیپو کی شان
برق خاطف بہر اعدائے وطن
لاج رکھ لی سرزمین پاک کی
دشمنوں کی یورشوں کو دیکھ کر
ڈٹ گئے میدان میں بنکر پہاڑ
پھر گئے منہ ہندیوں کے جب اٹھے
جھک گئے اعدائے گردن کش کے سر
نور خان، اختر حسین، عبدالعلی
تیری آغوش محبت میں پلے
لیتی ہے ان کے قدم فتح مبیں
ان پہ سایہ ہو خدائے پاک کا!
اے وطن کے بازوئے شمشیر زن
تو سدا آباد ہو شاداب ہو

جندا۔ اے مولد مردان کار
تیرے دم سے ہے شجاعت کا نکھار
اے تہور اور جرأت کے دیار
سرفروشی کا ہے تجھ سے اعتبار
مہر اور اخلاص کا تو ہے مدار
تیری مٹی مظہر عز و وقار
حق پہ مرنا تیرے بچوں کا شعار
مرحبان ہند کو ہیں ذوالفقار
عزم و استقلال کے یہ کوہسار
خرمن احباب کے یہ پاسدار
تیرے فرزندوں کی غیرت کے نثار
گھر سے یہ نکلے قطار اندر قطار
سب کے سب ہی کیا صغار و کیا کبار
یہ پیادے۔ یہ ہوا باز و سوار
وہ فلک پرواز ہیں اب خاکسار
اور سرافراز ہے دشمن شکار
یہ افسران فوج پاک نامدار!
جب اترتے ہیں میدان کارزار
ان سے پاکستان کا ہے افتخار
ارض پاکستان کے روئیں حصار!!
تجھ پہ برسے رحمت پروردگار

آخر میں بحیثیت ادنیٰ پاکستانی ہونے کے فضائی، بری اور بحری افواج پاکستان کے جذبۂ جہاد سے سرشار [illegible] ہر ایک سپاہی [illegible] کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرتا ہوں۔ حسن گر قبول افتد زہے عز و شرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

معزز قارئین کرام پر واضح ہو کہ جہاں تک میری معلومات اور غور و فکر کا تعلق ہے سب سے پہلے اعوان قوم کے متعلق جو چند کتابیں اس برّ اعظم پاک و ہند میں لکھی گئیں انکی ترتیب و تصنیف اس طرح ہے کہ پہلے تاریخ علوی مولوی حیدر علی لدھیانوی نے لکھ کر شائع کی جو ایک رسالہ کی شکل میں تھی اور اسی عصر میں مولوی نورالدین صاحب چھان سیمانی۔ کفری تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور پنجاب نے پہلے زاد الاعوان پھر اسکے بعد باب الاعوان یکے بعد دیگرے ۱۸۹۵ء و ۱۹۰۰ء میں تصنیف کرکے شائع کیں اور انکی وجہ بھی بیان کی ہے۔ پھر ۱۹۲۳ء میں مولوی حیدر علی کی دوسری کتاب تاریخ حیدری انکے فرزند نے انکی وفات کے بعد شائع کی۔ جسمیں زاد الاعوان و باب الاعوان کا رد تھا۔

مولوی نورالدین صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے ملک احمد خان ولد ملک اللہ یار خان اعوان رئیس قصبہ اچھالی سون سکیسر اور انکے بعد اُن کے معاون میاں محمد رضا اعوان قصبہ غفری[عله] بھی ملتجی ہوئے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ انکے کہنے پر تو مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ مگر بعدہ زبدۃ الحکماء حکیم و ڈاکٹر غلام نبی خان صاحب اعوان جو پہلے امرتسر سے اٹھارہ میل دور اعوان نام گاؤں میں سکونت پذیر تھے اور پھر لاہور میں اقامت گزیں ہوئے تو ان سے مولینا کی ملاقات ہوئی۔ طباعت۔ اشاعت وغیرہ جملہ اخراجات زبدۃ الحکماء مرحوم مذکور نے اپنے ذمہ لئے اور انکی سعی مشکور کارگر ہوئی۔ اور ہر دو کتب "زاد الاعوان" و "باب الاعوان" تصنیف ہو کر شائع کی گئیں۔

عله موضع کا اصلی نام کفری ہے۔ لو مشہور نام ہے۔ مولوی نورالدین صاحب نے اسے غفری کی شکل میں بار بار ظاہر کیا۔ اور پھر اسی سے اپنی وطنی نسبت غفروی مقرر کی۔

سال ۱۹۵۶ء میں "تاریخ الاعوان" مصنفہ شیر محمد خان (اعوان) پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کالا باغ شائع ہوئی۔ جسمیں مولوی نورالدین صاحب کی کتب مذکورہ پر مکمل کر دہ تائیدی تنقید کی گئی[1] اور اعوان قوم خصوصًا محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سمجھنے اور کہلانے والوں کے لئے قوم کی جانب سے قابل فخر اور مستحق شکریہ ہیں۔ جو قوم کو مزید دوبارہ تحقیق کی شاہراہ عام پر ڈال گئے ہیں۔

راقم الحروف کو جب اول اول قومی حالات معلوم کرنے کا شوق و خیال دامن گیر ہوا۔ تو بلا مذکورہ بالا کتب سب کی سب سوائے تاریخ علوی کے یکے بعد دیگرے دیکھنے و مطالعہ میں آئیں۔ آج سے قبل ساٹھ، ستر سالہ تصنیف شدہ نایاب و معدوم کتابوں کا ملنا و دیکھنا ایک معمہ تھا۔ لیکن میری تسلی و معلومات کیلئے میری والہانہ جستجو بروئے کار آکر کامیاب رہی اور مجھے ابتدائی کتابیں دیکھ کر یکگونہ تسلی ہوئی

سکھوں سے پنجاب وغیرہ لینے کے بعد انگریزوں نے سرحد و پنجاب کا بندوبست کیا۔ پنجاب کی بڑی بڑی شخصیتوں اور قوموں کے حالات کے متعلق کتابیں لکھیں۔ مردم شماری کی اور اضلاع کے گیزیٹیر مرتب کئے گئے۔ سب سے پہلے بشمول دیگر قوموں کے اعوان قوم کے متعلق بھی پوچھ گچھ جو سابقہ ہندوستان میں اس وقت کی گئی وہ انگریز قوم ہی نے کی تھی۔ اور اس سے سابقہ کے قومی حالات یا تاریخ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ان انگریز مصنفین کی یہ پہل بھی ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ آج ہم خود اپنے حالات انکی کتابوں میں ڈھونڈتے اور ان کے دست نگر ہیں۔

حیرت اس بات پر نہیں کہ وہ روز اول ہی سے مسلمانوں اور انکے نام و نشان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے کیوں درپے ہیں۔ بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے سابقہ ہندوستان میں بسنے والی قوموں کے حالات اگر مؤرخانہ حیثیت سے ذکر کئے ہیں جن میں سے ایک قوم اعوان بھی تھی۔ جنھوں نے خواہ کسی بھی وجہ سے کہ انکے پاس مکمل نسب نامے یا روایات تو ملی تھیں ہی نہیں۔ یا کسی کے پاس تھے بھی تو پیش نہیں کر سکے۔ لیکن اگر ان کو کمتر درجہ پر بھی یہ باور و یقین کرایا و سنایا گیا تھا۔ یا کوشش کی گئی تھی کہ اعوان حضرت

[1] اور یہ تنقید تاریخ حیدری کے تتبع اور روشنی میں تھی۔ جو مولوی حیدر علی لدھیانوی کی ۱۹۲۲ء کی شائع شدہ تصنیف ہے۔

مولوی صاحب مذکور نے ان کتابوں کی تصنیف و تالیف کی غرض بھی بتائی ہے کہ اول تو خود اعوان کے نسب ناموں میں اختلاف پھیلا چلا آتا تھا۔ اس اختلاف کا رفع کرنا بھی مقصود تھا نیز دوسری بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اعوان قوم کو متضاد اقوال کے پیش نظر آخر بے نسب ہونے کا الزام بھی ان پر لگایا گیا ہے۔

حکیم غلام نبی خان اپنے علاقہ و ماحول میں وقت کی نامور شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ان کے کان میں بھی پہنچی تو انہوں نے مستعدی سے ان بلاؤں کا خاطر خواہ دفاع کیا۔ زبدۃ الحکماء حکیم غلام نبی خان صاحب کو خداوند تعالیٰ غریق رحمت کرے۔ بیشک انکی مساعی جمیلہ رہتی دنیا تک یادگار رہینگی۔ اور خود مصنفین کتب مذاکو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و بخشش سے نوازے۔ جنھوں نے اعوان قوم کی تاریخ لکھنے کی داغ بیل ڈالدی۔ آمین۔

مولوی نورالدین صاحب کہتے ہیں کہ پہلے حکیم صاحب مذکور ہی کی تحریک سے مولوی حیدر علی لدھیانوی نے "تاریخ علوی" رسالہ کی شکل میں لکھ کر شائع کی تھی۔ تاریخ علوی کے ماخذ سرکاری مردم شماری کی کتابیں، جدی کاغذات مصنف اور روایات مرقوم تھیں۔ متقدمین کی کتاب کا حوالہ بھی نہ تھا اور بقول نورالدین صاحب وہ کچھ نامکمل سی تھیں۔ اور بعض حالات صحیح بھی نہ تھے۔ اسلئے ان پر اعتراضات کئے گئے۔ پس حکیم صاحب کی سعی اخلاص سے یہ ہر دو کتب حسب ترتیب بیان کردہ اول لکھی گئیں۔ جو بحوالہ کتب قدیم واولین تھیں۔ اور اسکے مابعد جتنی کتابیں و رسالے، ماہنامے نکل کر شائع ہوئے انھیں ہر دو کتابوں کے بیان کی موافقت، متابعت اور روشنی میں شائع ہوئیں[1]۔

سال ۱۹۳۵ء میں "تاریخ اقوام پونچھ و کشمیر" مصنفہ محمد دین فوق چھپ کر شائع ہوئی۔ جسمیں قوم اعوان کے متعلق بھی جداگانہ باب باندھ کر کچھ بیان کیا گیا۔ جن میں زاد الاعوان وغیرہ پر ہلکی سی تنقید کی گئی اور بعض نظریوں کو مشتبہ و مشکوک قرار دیا۔

[1] مولوی حیدر علی مصنف تاریخ علوی نے بعد شائع ہونے زاد الاعوان و باب الاعوان کے ماہ مئی ۱۹۰۹ء میں ایک مسودہ تیار کیا جو زاد الاعوان اور باب الاعوان کے نظریہ کے مکمل رد میں تھا۔ مگر وہ چونکا تون رہ گیا اور مصنف فوت ہو گئے۔ وہی مسودہ انکے فرزند نے ۲۵ مارچ ۱۹۲۲ء کو شائع کیا جس کا نام مصنف نے تاریخ حیدری رکھا رسالہ ۵۵ (قوم اعوان کے حالات)

علیؓ کی دجو داماد رسول اللہ صلعم تھے) ان دوسری بیویوں کی اولاد سے ہیں جو سوائے حضرت فاطمۃ الزہراء دختر رسول اللہ صلعم تھیں۔ تو پھر انھیں یہ افسانے گھڑنے اور اندازے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ انھیں ہندی، ترکی، ایرانی اور افغانی الاصل وغیرہ ہونے کے مختلف قسم کے اقوال انکی جانب منسوب کر دیئے گئے جن کا مفصل ذکر اپنے اپنے موقع و مقام پر آئیگا۔

اگر انکی یہ تاریخ بیان کرنی مورخانہ نظر سے تھی تو مورخین کا یہ ایک قاعدہ ہے کہ وہ روایات کی روشنی میں تحقیق و تلاش کرتے ہیں روایات کو مسخ نہیں کرتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا جس کا بیان آگے آئیگا کہ انکے بیان اعوان قوم کی ابتدائی تاریخ کے متعلق خلاف کتب قدیم عرب تاریخ حالات اور واقعات کے ہیں اور ہندو بھی اس بارے میں انکے ہمنوا ہو گئے تھے۔

آج جبکہ ان کتابوں یعنی انگریزی تاریخ و بیان میں پوری صدی گذرنے کو ہے وہ انگریز قوم بھی ہندوستان قدیم چھوڑ کر اپنے وطن سدھار چکی ہے اس تمام عرصہ میں صرف ایک دو کتابیں وہ بھی ادھوری اور ناکمل شکل میں کچھ تردیدی اور ترمیمی طور پر شائع ہوئیں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ اور اس سے ایک اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں خصوصًا خود اعوان قوم میں بے حسی و بے شعوری کا یہ عالم ہے کہ پورے سو سال گذرنے پر بھی کسی نے بھی اپنی مسخ شدہ روایات کی طرف تردیدی و تحقیقی نکتہ نگاہ سے جواب دینے کی کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اور نہ ہی صحیح قومی تاریخ مرتب کرنیکی طرف کوئی قدم اٹھایا جو صد بار قابل افسوس ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ میں اس قومی تاریخی کمی کو پورا کر رہا ہوں اور نہ ہی یہ میرے بس کی بات ہے۔ البتہ قوم کو قدر معلوم سے روشناس کرانیکی طرف ناکمل اور حقیر سی کوشش ضرور ہے۔ اس باب میں ابھی بہت کچھ تحقیق و تلاش کی ضرورت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام نہ تو اتنا آسان ہے اور نہ کسی ایک فرد کی کوششیں بڑے کار آمد کر بار آور ہو سکتی ہیں البتہ کوئی انجمن یا ادارہ ہی اس قوم کی تاریخ مرتب کرنے کا قدم اٹھا سکتا ہے اور کام بھی کر سکتا ہے۔ منتشر قومی شجرہ ہائے نسب، کتب، روایات، تاریخی مواد اکٹھا کرنے اور جہاں جہاں یہ قوم آباد ہو، حالات و روایات معلوم کرکے تاریخی نکتہ نگاہ سے جانچ پڑتال کے بعد ہی کہیں جا کر صحیح قومی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ ورنہ جتنی بھی تاریخیں لکھی جائینگی وہ جزوی اور

ناکمل ہونگی۔ صرف پاکستان اور پھر ہندوستان کے اعوانوں کی تاریخ لکھنے کی طرف نظر اٹھانا اور تصور میں لانا ہی ایک تکلیف دہ امر نظر آتا ہے۔ لیکن میں تو علویوں کی تاریخ عرب و عجم کیا، کرہ ارض پر منتشر اوراق کی طرح انباروں کے انبار بھرے پڑے بکھرے دیکھتا ہوں۔ ایک اجتماعی ہمت اسکی شیرازہ بندی کر سکتی ہے۔

قوم باوجود انقلابات زمانہ دیکھنے کے خدا کے فضل سے اب بھی اتنی گئی گذری نہیں ہے۔ سینکڑوں اصحاب فکر و تدبر اور جاہ و ثروت موجود ہیں ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں اس روشنی، متمدن اور عروج کے زمانہ میں جب افراد اور شخصیتوں کی سوانح اور تاریخیں لکھی جاتی ہیں خیال آتے ہی انجمنیں، ادارے، کمیشن بیٹھ جاتے ہیں، کسی قوم کی تاریخ لکھنا کوئی معیوب امر تو نہیں ہو سکتا مگر جس چیز کی کمی نظر آتی ہے وہ بے حسی اور بے شعوری کا عالم ہے، جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

عربی کا مقولہ ہے:۔ مالا یدرک کلہٗ لا یترک کلہٗ۔

منتشر خیالات، روایات، نایاب و کمیاب کتب کی نادر معلومات آپ تک بہم پہنچانیکی خاطر عمومًا اعوانان پاکستان خصوصًا ضلع ہزارہ کی اعوان برادری کی آگاہی کے لئے اضطرارًا کچھ لکھ دیا ہے اور مزید اس پر یہ بھی ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ کہہ گئے ہیں :۔

غرض نقشیت کز ما یاد ماند، کہ ہستی را نمی بینیم بقائے

یہ تھے وہ ابتدائی حالات اعوانوں کی تاریخ لکھنے لکھانے کے یا ذکر اذکار کرنے کے جو بیان کر دیئے گئے۔ وباللہ التوفیق

محمد خواص خان اعوان گواڑہ
ہیڑاں۔ تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ

۹ مارچ ۱۹۶۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

الحمد للّٰہ رب العالمین ○ یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ الخ الآیۃ ۔ ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی ○ یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ○

فاما بعد۔

تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس ضعیف و ہیچمدان کے دل میں قومی تاریخ اور حالات جاننے کا شوق پیدا ہوا تو ساتھ یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ ہزارہ کے اعوانوں کی بھی مختصر تاریخ ہوتی تو تعارف و معلومات میں اضافے کا باعث ہوتی۔

ابتدائی تصور تو یہاں تک ہی تھا کہ ہزارہ میں وہ دیہات معلوم کرنے ہونگے، جہاں جہاں یہ قوم آباد ہوگی ہم اکٹھے کر لئے جائیں گے۔ اور چند شجرہ جات (نسب نامے) اگر مل گئے تو اعوان قوم کا ایک نسب نامہ بھی چھاپ دیا جائے گا۔ جس کے سر انجام دینے کو آتنا مشکل نہیں سمجھتا تھا مگر کسی نے کہا ہے ع

کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔

خود میرے پاس اپنے کنبہ و خاندان کے چند گذشتہ پشتوں کے نام اور چند سطور میں سما جانیوالی خاندانی تاریخ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ بھی وہ تھی جسکو باپ دادوں سے نسل بہ نسل سنتے آئے تھے کہ ہم گوڑے (جو اعوان قوم کی ایک گوت یا شاخ ہے) حضرت علیؓ کے بیٹے امام محمد حنیفؒ کی اولاد سے ہاشمی و قریشی ہیں۔ اور یہ امام حنیفؒ امام حسنؓ و امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی تھے جو حضرت علیؓ کی دوسری بیوی حنفیہؒ کے بطن سے تھے۔ اور خود ہمارے آباؤ اجداد اعوان کاری تخ راولپنڈی سے کسی تنازعہ قتل وغیرہ کی بناء پر پہلے اگرور اور تناول نواب صاحب امب کے پاس رہے۔ اور پھر وہاں سے سکھوں کے عہد میں گلی باغ اور گلی باغ سے پھر اگرور درہ اربوڑہ میں زندگی گذارتے رہے۔ اور پھر آخر ۱۸۷۲ء کے بندو

بست کے دوران ۱۸۸۰ء ۱۸۷۷ء جبکہ وہ درہ اربوڑہ سے بیدخل کئے گئے تقریباً نوے سال عرصہ کیلئے قیام پذیر و مسکن گزیں ہو گئے۔ خاندانی بہادری و انقلاب کی چند روایتوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہاں ایک آدہ پرانے کاغذ پر لکھا ہوا شجرہ نسب بھی تھا جو یہ واضح کرتا تھا اور زبانی متواتر سینہ بسینہ روایات کی تصدیق کرتا تھا کہ ہم لوگ امام حنیفؒ بن حضرت علیؓ کی اولاد سے جانتے ہیں۔ بس میرے پاس یہی خاندانی معلومات اور خود اپنی خاندانی روایات کا ذخیرہ تھا جو کتاب لکھنے سے پہلے میں جانتا تھا۔ اور یہ جو کچھ پیش کر رہا ہوں یہ سب مابعد کی باتیں ہیں جو اس قلیل مدت میں تلاش و جستجو میں مجھے حاصل ہو سکیں۔

ہوتے ہیں کہ اس دیہہ مقام ہیڑاں علاقہ کونش میں مضطربانہ زندگی گذارنے کے بعد کچھ

مجرد تصور و خیال کے آتے ہی یا کرنے سے تو کوئی کام سرانجام نہیں ہو جاتا۔ مجھے گوناگوں مایوسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور میں دل ہی دل میں اپنے اس تجسس اور ارادہ کرنے پر پشیمان ہو رہا تھا۔ اور شیخ سعدیؒ کا ایک شعر بار بار مجھے شرمندہ کر رہا تھا ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

تو اور کوئی تاریخ حلقۂ احباب و جان پہچان میں رابطہ قائم کرنیکے لئے خطوط لکھ چکا تھا۔ میں نے اپنے ابتدائی خیال اور ما فی الضمیر سے آگاہ کرتے ہوئے نسب نامے اور وہ دیہات جن میں اعوان قوم رہتی ہو، قومی روایات یا کتابوں کا نشان جو اس بارہ میں ان کے پاس ہوں لکھ بھیجنے کی استدعا کی تھی۔

میں جانتا ہوں کہ جس قوم نے پوری ایک صدی گذارنے کے باوجود کتابیں دیکھنے اور پڑھنے کی سعی نہیں کر سکی۔ ان پہاڑوں میں نسب نامے یا تاریخی قومی روایات کہاں؟ جبکہ قوم کے بڑے بڑے بھی اس ضمن میں خاموش اور ساکت پائے۔ اور ایک قوم اعوان کا کیا۔ عموماً سب قوموں کا تقریباً یہی حال ہے۔ وہ اپنی نسلی تاریخ کنبہ و قبائل سے تعارف نہیں رکھتے اور جو رکھتے بھی ہیں وہ بہت قلیل ہی ہونگے۔ الاماشاءاللہ!

(۲) میری دوسری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ آج اس فانی مگر مادی دنیا میں ملکی، علاقائی، نسلی، قومی، تعصب، فخر بالانساب، گوناگوں تفریقی اسباب و سینکڑوں

قسم کے بت چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ نہ میں ان کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہوں اور
نہ کسی دوسرے مسلمان کو ایسا کرنیکی اباحت یعنی اجازت و جواز ہے۔ مسلمان کے لئے
پیش اقوام عالم کو صرف دو باتوں اور نظریوں سے دیکھتا ہے" اسلام یا کفر" کوئی
کتاب کو قومی بت کھڑا کرنا تصور نہ کرے اور بجائے کسی فائدہ کے نقصان ہو۔ ایک
روایات کی ریسرچ یا تلاش ہے۔ اور اعوان قوم کی تاریخ بیان کرنے سے کسی دوسری قوم
کی دلآزاری، فخر و تکبر، تحقیر، برتری، مبالغہ میرے مدعا میں شامل اور پیش نظر نہیں ہے
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الآیۃ کے تحت غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارا نسل
قابل مدح و ستائش نہیں تو کسی شے سے بڑے آدمی حتیٰ کہ پیغمبرؐ سے نسب نامے ملانا
مغل، پٹھان، اعوان وغیرہ وغیرہ بننا ہمارے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتے۔ اور اگر عمل
بالشرع موجود ہے اور یہی ایک مسلمان کا مطمع نظر و مقصود زندگی ہے۔ تو مجہول
النسب ہونا کوئی نقصان دہ نہیں۔ سب کی پیدائش آدم سے ہے۔ البتہ جس نے کفر
کیا وہ ایک علیحدہ فرقہ و قوم بن گیا۔ انسان ہی کی اولاد سے پیغمبر، صدیق، شہید
صالحین، مومنین بھی ہوئے اور کافرین، مشرکین، ظالمین، منافقین بھی انہیں سے جا ہوئے

مایہ زندگی از گہر خویش گیر تا بکے ایں غرہ و نلو واب عم داشتن

اور اسی سلسلہ میں ایک شعر شرف الدین قلندر پانی پتیؒ کا بھی ملاحظہ ہو۔ شعر پنجابی

شرفا گور ڈراونی بیچ اندھیری رات
وہاں کوئی نہ پوچھے کہ کون تمہاری ذات

مزید ان باتوں کا ثبوت خود کتاب سے ملے گا:-

(۳) میری تیسری غرض یہ ہے کہ میں نہ تو اتنا تعلیم یافتہ ہوں۔ نہ ادیب واقف
نہ صاحب قلم و کلام ہوں۔ ہر قسم کی بے بضاعتی و پریشانی میرے شامل حال ہے
باوجود کمال اختصار کی کوشش کے کچھ زیادہ ہی قلم سے نکل گیا ہے۔ مجھے کسی پیش
آئندہ بات کو زیادہ تر مذہبی نکتہ نگاہ سے جانچنے اور پرکھنے کا سودا رہتا ہے۔ سرمایہ
آخرت کیلئے کچھ کانٹے نقوش اور بعض ضمنی مضامین آگئے ہیں۔ شاید اسی لئے سلسلہ
سے بعض افراد کو بے ذوق و بے مطلب نظر آئیں جسکے لئے معذرت خواہ ہوں۔
تاریخی حالات و روایات کسی کے حرف آخر نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً جبکہ مدون
تاریخوں میں بھی موافق یا مخالف ہر قسم کی متعدد روایتیں مل جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض

سے بھی اخذ و قبول میں اپنے عندیہ کے ماتحت دانستہ یا نادانستہ طور پر کوئی امر واقعہ
رہ گیا ہو۔ یا کڑیاں واقعات کی ملانے یا بیان کرنے میں مقدم یا مؤخر ہونیکی لغزش نہ ہوئی
ہو گی۔ بہر حال حتی المقدور جو کچھ ملا اور سمجھا وہی بیان کرنیکی کوشش کی ہے کتابت
طباعت، ناتجربہ کاری وغیرہ کی جملہ خامیاں میرے پیش نظر ہیں۔ تصنیف و تالیف کا کام
آسان نہیں ہوتا۔ ان مشکلات سے وہی واقف ہو سکتا ہے جسنے کبھی اس میدان میں
بے سروسامانی کی حالت میں تن تنہا چلنے کی زحمت گوارا کی ہو۔ غلط حالات، بے ربط عبارات
ناپسندیدہ الفاظ و اغلاط سے آگاہ فرما کر یا خود اصلاح کر کے شکریہ کا موقع بخشیں۔
(۴) چہارم عرض یہ ہے کہ بسا اوقات مؤرخین کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ ضعیف اور غلط
روایات بھی سنی سنائی ہوئی یا کسی دیگر کتاب سے لکھی ہوئی بیچ میں لا ڈالتے ہیں اور وہ
کئی طرح کے نظریوں کی حامل ہوتی ہیں۔
(۱) بعض اوقات تو وہ خود شاکی ہوتے ہیں کہ مبادا ایسا ہی ہوا ہو اور ہم نہ لکھیں۔
(۲) بعض اوقات ہر رطب و یابس روایات لانے سے ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہماری
سماعت و روایت میں یا نقل میں جو کچھ آیا ہے وہ صحیح بھی ہے بلکہ بسا اوقات ایسے اقوال
روایات سے ناظرین کو روشناس کر کے رد کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور عقل و نقل کی
کسوٹی پر پرکھ کر رد کر دیتے ہیں۔ یا کبھی ذکر کر کے سامعین و قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں
ان کا مطلب اس بارے میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ فلاں فلاں روایات و اقوال بھی آئے تو ہیں
مگر وہ عقل و درایت کے نزدیک بے حقیقت ہیں اور بعض سرے سے ہی غلط یا مردود وغیرہ
سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں اور کتابوں میں جبتک ایسے اقوال و روایات علم سے تہی دست و
داماں حضرات کیلئے تو باعث صد تشویش و غم و شبہ تو ہو سکتے ہیں مگر اہل علم و دانش
پر ایسے لغو اقوال کا پوشیدہ رہنا خواہ تفسیری ہوں یا تاریخی محال ہوتا ہے۔ نقل و عقل
کی کسوٹی پر پرکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکال لیتے ہیں چونکہ ان کا منبع
علم وسیع ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنا نور کھویا نہیں ہوتا۔ ظلمت کی گھٹا ٹوپ اندھیروں
میں بھی وہ اپنی منزل مقصود دیکھتے اور پا لیتے ہیں اور کوئی چیز انہیں راہ حق سے ادھر
ادھر نہیں لے جا سکتی۔ اور وہ ہر وقت حق و باطل میں تمیز کرنیکے اہل ہوتے ہیں اور ملکہ
رکھتے ہیں۔ ان کے اصلی سرچشمہ حیات کو کوئی گندگی مکدر نہیں کر سکتی اور نہ کبھی کیا ہے

یکلم الناس علی قدر عقولہم کا نہ تو ہم ملکہ رکھتے ہیں نہ تجربہ۔ اسلئے اس
مختصر میں بھی ہر قسم کے نظریات و روایات جو مطالعہ میں آئے ہیں قلم سے اضطراراً
ٹپک پڑے ہیں تاکہ کچھ بھی تاریخی حالات و اعترافات جو کبھی وارد کئے گئے ہیں یا قائم ہو
سکتے ہیں پوشیدہ نہ رہیں اور آپکے لئے کوئی نئی بات نہ ہو۔ آپکی قوت برداشت میں اضافہ
ہو اور بطریق احسن اسکے دفاع میں کمربستہ ہوں۔ تنقید اور تحقیق کی روشنی میں آپکا ایک
قدم آگے ہو۔ اور راہ عمل کی تلاش میں تھوڑا سستا کر آگے چل پڑیں۔

(۵) پنجم۔ اس سائنسی و ایٹمی دور اور تقلید اقوام مغرب میں ہم اپنی صلاحیت تدبر
و فکر کو پس پشت ڈال کر یہاں تک کہ ہم قرآنی حقیقتوں کو بھی سائنسی تحقیقات، اقوام
یورپ کے اقوال و کتب میں ڈھونڈنے کے کچھ عادی سے ہو رہے ہیں (آگے بیان آئیگا) اس
لئے مجھ سے یہ نہیں ہو سکا نہ میں اس کا اہل ہوں اور نہ قائل۔ میرے سوچ و بچار کا ڈھنگ
ہے تو پرانا ہی۔ مگر شاید تجدد پسند طبیعتوں کو راس نہ آئے اسلئے ابتداً میں نے تاریخی
دور کی ارتقائی منزلوں پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی ڈالنے و بیان کرنے کی اہمیت محسوس کی ہے۔

(۶) ششم۔ میری دیگر خواہشات کی طرح ایک خواہش یہ بھی ہے کہ ہزارہ کے باذوق و با
علم حضرات سرزمین ہزارہ کے تاریخی حالات، اقوام ہزارہ کی تاریخ، متعدد و نامور شخصیات
دیگر معدنیات، جنگلات وغیرہ کے بیانات کے متعلق دلچسپی لیتے ہوئے تاریخی مشغلہ کے
ساتھ ساتھ اس پسماندہ ضلع کی ترقی و بہبود کے مسائل و وسائل پر غور کر کے علمی و فنی جہالت
کو دور کریں۔ جس سے دینی و دنیوی فوائد دونوں ہی حاصل ہونگے بہتر سے بہتر مواقع میسر آ
سکتے ہیں۔ جہالت اور غیر ضروری خاموشی آہستہ آہستہ رفع ہو۔

ہزارہ کی تاریخ ۱۸۷۲ء میں انگریزوں کی بنائی ہوئی اور لکھی کی ہوئی روایات کا
ایک مفصل و جامع ابتدائی واقعات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ وہ آج کل کمیاب ہے۔ اور عام
ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ مشاہیر ہزارہ کی ابتدائی تاریخ اس سے مرتب کرنے میں مدد
مل سکتی ہے۔ اور مابعد کی شخصیات ہزارہ کی تلاش و جستجو سے مزید ترقی یافتہ صورت میں
مرتب کی جا سکتی ہے۔

(۷) ہفتم۔ قومیں تنظیم سے بنتی اور بدنظمی سے بگڑتی و گم ہو جاتی ہیں۔ تاریخ ایک یہ اصول
بھی بیان کرتی ہے کہ قلیل منظم جمعیت، کثیر غیر منظم جمعیت پر غالب آجاتی ہے، جس کی

تازہ مثال و تصدیق ہمارے دور میں بھی بچہ سقہ کا شاہی تخت کابل پر قابض ہو جانا تھا۔
ایسی قومیں دین و دنیا دونوں کھو بیٹھتی ہیں۔ تاریخی اوراق اسی پر شاہد ہیں اسی لئے کہا گیا ہے
کہ جو قوم اپنی تاریخ و تنظیم نہیں رکھتی وہ مردہ ہے۔ اور کسی خوش آئند مستقبل کی حقدار
نہیں۔

اعوان قوم خود اپنی خانہ جنگیوں، رقابتوں میں الجھ کر تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اور
کچھ بھی آپس میں اتفاق نہیں رکھتی۔ اپنی دیرینہ روایات کو پس پشت ڈالکر گم کردہ راہ ہو
کر بکھر رہی ہے۔ ان کے لئے اب بھی سوچ و بچار کا مقام و وقت باقی ہے ؎

اپنے مستقبل کو تو ماضی کے آئینہ میں دیکھ
نام کر پیدا کہ اب تک کچھ نشاں باقی تو ہے

(۸) ہشتم۔ میرے ابتدائی تصور کے پیش نظر کتاب کا نام "تاریخ الاعوان ہزارہ"
ہونا مناسب تھا۔ لیکن جب تحقیق کی یہ حد پہنچی تو میں اس کا نام "تحقیق الاعوان معروف بہ
تاریخ الاعوان ہزارہ" رکھنا زیادہ موزوں و مناسب سمجھتا ہوں۔ اور یہ کتاب میں نے
ذاتی مطالعہ و کاوش سے لکھی ہے۔ اگر اسمیں خوانندگان کرام کو حسن و خوبی نظر آئے تو یہ
محض فضل ربی ہے اور اگر اسمیں خامیاں نظر آئیں تو انکے لئے میری ذات ذمہ دار ہے۔
ذکر اعوان قوم خصوصاً قطب شاہی اعوان۔

(۹) نہم۔ میری شہرت و لیاقت اس درجہ نہیں تھی کہ کوئی صاحب علم و فکر اسے
ہفوات کا پلندہ نہ سمجھ کر ایک آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ مقدمے، تقریظیں وغیرہ لکھنا تو امر
دیگر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے نام اور اسی کے سپرد کرتا ہوں ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

(۱۰) دہم۔ بندہ گنہگار ہوں۔ قارئین کرام سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کا امیدوار ہوں
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

عوض نے میرے جرم و گناہ وحید کا الٰہی تجھکو غفور الرحیم کہتے ہیں!

محمد خواص خان دگوتڑہ (اعوان) مقام ہیڑاں
علاقہ کونش۔ تحصیل مانسہرہ۔ ہزارہ
[illegible]

باب اوّل

فوائد تاریخ :- کون ہے جسکو تاریخ کے جاننے کے فوائد سے انکار ہوگا۔ اقتصادی سیاسی، تمدنی، عقلی امور میں ترقی اور واقفیت عامہ حاصل ہونے کا شک و شبہ کرتا ہوگا۔ یہ سب امور تاریخ کے علم ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ناامیدی نہیں پیدا ہوتی۔ مقامات کی تلاش کا موقع ملتا ہے۔ گذشتہ اور موجودہ دور کی حکومتوں واقعات کی نسبت رائے قائم کر سکتا ہے۔ عادل و نیک کردار لوگوں و حاکموں کے مدارج پر نظر پڑتی ہے۔ جبار و قہار لوگوں کی ناکامی و قعر مذلت میں گرنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے غرض ماضی کو مستقبل کے آئینہ میں دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ خود خالق دو جہاں نے متعدد مقامات میں بیان قصص و مقاصد کو واضح فرمایا ہے۔ بطور تبرک و استدلال کے چند آیات کے پیش کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ قولہ تعالےٰ

نحن نقص علیک احسن القصص الآیۃ - ہم آپ پر بہترین قصے بیان کرتے ہیں۔ دیگر:- فاقصص القصص لعلھم یتفکرون الآیۃ ترجمہ:- پس بیان کرو قصے تاکہ وہ فکر کریں۔ دیگر قولہ تعالےٰ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الابصار ترجمہ:- بیشک ان قصوں میں عقلمندوں کیلئے عبرت ہے۔ ان آیات و انکے مثل دیگر آیات سے واضح کیا گیا ہے کہ قصے بیان کئے جائیں۔ جن کے سننے اور سیکھنے کے بعد اصحاب بصیرت کو عبرت حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی طرح متعدد آیات مثلاً

افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم الآیۃ

ترجمہ:- پس نہیں سیر کیا انہوں نے بیچ زمین کے۔ پس دیکھتے وہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو پہلے تھے۔ دیگر قولہ تعالےٰ افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب

یعقلون بھا او اذان یسمعون بھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور الآیۃ ترجمہ:- کیا انہوں نے سیر نہیں کی اگر ان کے دل ہوتے تو سمجھتے ساتھ انکے یا کان ہوتے تو سنتے ساتھ انکے۔ انکی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ دل ہیں جو سینوں میں ہیں۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی بحکم آیت افلا یتدبرون القرآن الآیۃ قرآن میں فکر و تدبر کا واضح حکم بار بار فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ یعنی قصے بیان کرنے اور سفر کرنیکی اجازت دیگئی ہے۔ اور جس غرض کیلئے دیگئی ہے وہ بھی بیان کی گئی ہے کہ مقصود تاریخ جاننے سے عبرت حاصل کرنی ہوتی ہے۔

غرض ابتدائے حضرت آدمؑ سے لیکر محمد رسول اللہ صلعم تک کے بعض پیغمبران و امم ماضیہ کے حالات و قصے بیان فرمائے ہیں۔ بلکہ یوں کہئیے کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اس آخر دنیا تک اور اس جہان فانی کے بعد ایک دوسرے جہان آخرت تک کی خبر دی ہے۔ اس زمین و آسمان کی جملہ اشیاء موجودہ و حاضرہ کی درجہ بدرجہ حسب ضرورت انسانی و منشاء خداوندی ایک ایک کی حقیقت و تاریخ بیان کی ہے۔ خصوصاً انسانی تاریخ میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر اہم اور مقدس و مقدم مقام رکھتا ہے۔ اور انکے وقت کی کافرہ و مسلمان امم و افراد کی کہانیاں قصے نہایت ہی سچے اب تک ہم میں مشہور و معروف چلے آتے ہیں۔ اور قائم و دائم رہینگے۔

طول الطویل زندگی گذرنے، تغیر و تبدل حالات و واقعات زمانہ سے وہ واقعہ کے لحاظ سے نہ غلط اور جھوٹ ہو سکتے ہیں۔ اور نہ تغیر پذیر ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

مسلمانوں پر اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم بیحد و حساب ہے کہ ان کے پاس ایک ایسی جامع و سچی زندہ کتاب موجود ہے جو دوسری اقوام عالم کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود خدائے بزرگ و برتر نے اٹھایا ہو۔ اور جسکی ایک سورت کے مانند بنانے یا لانے کا چیلنج اقوام دنیا کو دیا گیا ہو۔ نہ کسی نے بنا سکی اور نہ قیامت تک کوئی بنا سکے گا۔ پس ایسی واضح حقیقت کے بعد بھی ان امور میں، ان واقعات و حالات میں جن کا ذکر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور مل جاتا ہے شک و شبہ کی گنجائش کیا خطرہ یا خیال لانا بھی ایک مسلمان کے ایمان کے زوال کا باعث بن جاتا ہے۔

اور حدیث شریف کا لازوال ذخیرہ جو اس اجمال کی تفصیل میں وارد ہے۔ ہمارے

ہر قدم و لمحہ لمحہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ کیا ہوا ؟ کیا کرنا ہے ؟ کیا ہوگا ؟ کے مشکل سے مشکل سوالات کا جواب مل جائے گا۔ جو سب سچے ہونگے۔ قرآنی حقیقتوں کی تلاش، چند انسانی انکھوں و تجربوں پر انحصار نہیں رکھتی۔ اسلئے جو لوگ قرآنی روایات کو شریعت کی کسوٹی پر جنہیں علماء کی زبان میں قال اللہ و قال الرسول اللہ صلعم کہا جاتا ہے ماپنے تولنے سے گریز کریں گے۔ وہ روایات اور وہ خود حق پر نہیں ہونگے۔ تاریخی روایات اور سائنسی، ضعیف انسانی معلومات کو قرآن کے مخالف سند جواز میں پیش کرنا عمل سے راہ فرار اختیار کرنے کیلئے بے وقعت اور بے ثبوت کام ہے۔

اُمم ماضیہ۔ مثل عاد، ثمود، ارم وغیرہ جن کی تعمیری عظمت و قوت کا بیان قولہ تعالےٰ لم یخلق مثلھا فی البلاد الآیۃ ترجمہ :۔ نہیں پیدا کئے گئے انکی مانند شہروں میں نہ جیسے حقیقی قول رب العالمین سے واضح کر دی گئی ہے۔ ہمیں قطعاً اسباب کی ضرورت نہیں اور نہ انکی ذمہ داری ہم پر عائد کر دیگئی ہے کہ ہم ان نشانوں کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ اور ہم ان قرآنی بیان کردہ حقیقتوں پر اس وقت ایمان لائیں جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ہماری سائنسی تحقیقات و معلومات کے وہ مخالف نہ ہوں۔ ہرگز نہیں۔ قرآن کے بتلانے سے جو خدا کا کلام ہے یقینی نشان و عبرت ہمیں حاصل ہو گئی۔ کہ ضرور ایسا ہی ہوا۔

اگر آج کوئی نادان اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ آیات کی صحت کے دارومدار و معیار ان کی آبادیوں اور نشانوں کا پالینا ہی مقرر کر دے اور وہ یہ کہے کہ کہاں ہیں وہ اصحاب کہف اور ان کا وہ غار ؟ وہ سد سکندری کہاں گئی ؟ وہ یاجوج ماجوج کہاں ؟ جو دیواریں شگاف کرنے میں مساعی میں قیامت تک لگے رہیں گے۔ غرض وہ تمہارا جنت و دوزخ کہاں ؟ وغیرہ جو تمہارے قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے تو دنیا کا کونہ کونہ ڈھونڈھ اور چھان مارا۔ ہمیں تو کچھ نظر نہ آیا اور نہ ہم نے انکو پایا۔ تو انھیں جواب دیا جائے گا۔ او عقل کے اندھو۔ تمہیں وہ ملیں یا نہ ملیں۔ تمہیں اتنی طاقت ملی ہی کہاں سے گئی ہے ؟ کہ تم مخلوق ہو کر خالق کی باتوں کو جھٹلا سکو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمکو آثار نہ ملنے ہماری قرآنی حقیقتوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا آثار کی باعث عبرت سمجھ لینا قطعاً قرآن کا منشاء نہیں ہے۔ البتہ ان میں قرآنی حقیقتوں سے متعلق جو آثار مل ہی رہے ہیں اور جو آئندہ کبھی ملیں گے تو مسلمان کیلئے مزید اطمینان قلب کے لئے ایک مژدہ جانفزا ہوگا۔

باوجود اسکے کہ قرآن میں بیان آجانے سے یعنی عبرت حاصل بھی ہو گئی تو بھی اگر کوئی طاقت رکھتا ہو چل پھر کر تمام روئے زمین پر یہ سب تماشہ آثار و عجائبات قدرت اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ دیکھنے والے کی نیت و ارادے نیک ہوں۔ اور کسی خواہش نفسانی اور شر و فساد کے لاحق ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ خود انبیا علیہم السلام نے سفر کئے ہیں اور جو سفر نیک مشقت کیساتھ ہو اس میں عروج و ترقی زیادہ ہے۔ اور بہت بزرگوں نے تو سفر میں مقامات پائے ہیں۔ انہیں تقویت ملی و حاصل کی ہے۔ یہاں ایک سوال وارد کیا گیا ہے۔

سوال :۔ اہل یورپ اور مالدار لوگ تمام سمندر و خشکی میں مارے مارے پھرتے ہیں اور باوجود صنعت و حرفت کی دانائیوں کے کہاں یہ عبرت نصیب ہوئی ؟

جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان کم بختوں کو عبرت و آیات قدرت کیونکر نظر آویں؛ بدنیت لذتیں اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے سے عبرت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ برعکس گمراہی میں انہماک زیادہ ہوگا اور بجائے ہدایت کے ضلالت میں زیادہ ڈوب جاوینگے۔

لم یخلق مثلھا فی البلاد الآیۃ اور کانوا اشد منھم قوۃ و اثارا فی الارض فاخذھم اللہ بذنوبھم وما لھم من اللہ من واق الآیۃ

ترجمہ :۔ اور انکی طاقت اور نشانیاں ان سے زیادہ تھیں۔ پس انکو اللہ تعالیٰ نے پکڑا گناہوں کی وجہ سے۔ اور ان کے لئے نہ تھا اللہ تعالیٰ کی جانب سے بچانیوالا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر دیکھتے کہ یہ لوگ قوت، ثروت اور طاقت میں زیادہ تھے۔ جب عذاب خداوندی آیا تو لامحالہ تباہ ہوگئے۔ اور جس دنیا کے پیچھے انہوں نے کفر کیا تھا وہ بالکل منقطع ہو گئی۔) عبرت حاصل ہو گئی۔ بس اگر ایسی شوکتوں اور عروج پھر تباہی و زوال پر غور کیا جائے تو توطن دنیا سے دل ہٹ کر آخرت کی منزل سامنے نظر آئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ آخرت کی منزل کیا ہے ؟

جب یہ عالم انسانیت کون و مکان فنا ہو کر دوبارہ حشر نشر ہوگا۔ بعد حساب کتاب سزا و جزا تو عبرت حاصل کرنیوالے سچے خدا و سچائی کے پیرو جنت کو جائیں گے۔ اور ما سوائے انکے جنھوں نے چشم بصیرت دنیا میں وا نہ کی۔ جانب دوزخ ہانکتے ہوئے داخل کر دیئے جائیں گے۔ جہاں پھر دوبارہ کبھی موت واقع نہ ہوگی۔ اور یہ وہ عالم آخرت جنت و دوزخ ہے جسکی تاریخ و بیان قرآن میں موجود ہے۔ قصص الاولین موعظۃ الآخرین تو ایسے ہی لوگوں کے حق

میں متورد پیش کیا گیا ہے۔ جو عبرت حاصل کریں کسی نے کہا ہے ؎

چشم و بند و لب ؟ بند و گوش بند گر نہ بینی نور حق بر من بخند !

جھوٹی تاریخ

جس قوم کی کتاب اسکے عمل و کردار، انکی تہذیب و تمدن، غرض جملہ حالات و واردات میں سچی کتاب قرآن مجید کے بیان سے مطابقت نہیں کھاتے وہ کتاب وہ افسانے وہ تاریخ جھوٹی و کردار غلط ہیں۔ جس قوم نے حضرت باری تعالیٰ پر جن کی شان لم یلد و لم یولد آیتہ سے واضح ہے کی جناب میں اولاد کے بہتان لگانے سے باک نہ کیا۔ آسمانی کتابوں کو محرف و مسخ کیا جو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو نہ مانے۔ زمانہ ہی زمانہ جن کی نظروں میں رہا بھلا اس قوم کو جھوٹے قصص بیان کرنے و روایات گھڑ لینے سے کچھ باک ہو گا؟ اور پھر وہ روایات جو خالص مذہبی نوعیت کی ہوں کچھ سبق حق سیکھ سکتے ہیں؟ سچ معلوم کر سکتے ہیں؟ یا توقع ہی رکھ سکتے ہیں؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔

جب انکی الہامی کتابوں کا یہ حال ہے تو سیرو تواریخ کی کتب کا پایۂ اعتبار کیا ہو گا؟ یا التزام ہی کیا ہو گا خصوصاً وہ واقعات، حالات و روایات جو مسلمانوں کے مذہب و دین سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کی تصدیق نہیں فرمائی۔ بلکہ تصدیق کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ سند جواز و ثبوت میں پیش کی جائیں۔ جیسا کہ آج کل عموماً رواج بنتا چلا جاتا ہے۔ اور دیگر مسلمان مورخین کی کتب سے زیادہ وقعت اور استحسان سے دیکھا جانے لگا ہے۔ اور جو انکی کتابوں و تاریخوں میں نہ ہو ہمارا دل ان روایات پر تسلی نہیں کھاتا۔ اور اس سے میرا یہ کچھ مطلب نہ سمجھا جائے کہ وہ سب کاروباری، فنی وغیرہ مہارت کلی سے ہی بے خبر اور ہمیشہ جھوٹ ہی لکھتے اور کہتے ہو گئے تھے۔

ملہ تاریخ مراکو میں ۱۸۰۰ صد مدم پر جو خط بنام عیسیٰ کی تو نقل درج ہے اسمیں لکھا ہے کہ گذشتہ تیس سال سے حضور والا سلطان مراکش، انگریزوں کے احوال کو ملاحظہ اور اخلاق پر غور فرما رہے کہ ہمیشہ اور ہر موقع پر یہی ظاہر ہوا کہ وہ قول کے سچے ہرگز نہیں ہیں۔ ان میں اور کوئی تعریف نہیں سوائے اسکے کہ وہ دروغ گوئی میں بڑے مشاق ہیں۔

اور ایسی قسم کی وہ روایات ہیں جن کو علماء اسرائیلیات کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ روایات ہیں جنکو انہوں نے ہمارے مذہب کی روایات کو خلط ملط کرنے کی خاطر بیان کیا ہو یا پہلے ہی سے انکی محرف و مسخ شدہ کتابوں میں موجود ہوں اور ہمارے علماء نے انھیں اپنی مذہبی کتابوں میں کیا بلکہ خود تفسیر قرآنی کی کتابوں میں مدلل طور پر درج کر دیا ہے اور ان روایات کے متعلق جو انھوں نے اپنی پرانی آسمانی کتابوں کی طرف منسوب کر دیں۔ وہی حکم احکام بھی بیان کر دیئے۔ اور اشارہ کرتے چلے گئے کہ یہ اسرائیلیات ہیں مگر آج کل ہر قصہ تاریخ کے باب و بیان کرنے میں زیادہ تر دارومدار و انحصار رکھنے والے دین اسلام پر انھیں روایات کی روشنی میں الزام و اعتراضات وارد کرتے ہیں۔

سیر معتبر روایتیں، فضول کہانیاں، ناول، شاہنامے، سکندر نامے رستم و اسفندیار کے قصے، امیر حمزہ کی داستان، جنگ نامے وغیرہ جو مسلمان مصنفین ہی سے تعلق رکھتی ہیں اور لمبے لمبے شجروں کا نام تاریخ نہیں ہے۔

ابتدائی تاریخ کا تصور اور موجودہ دور کی تاریخ کا حال

جب کسی بھی مرحلہ میں اس عنوان پر سوچ و بچار کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے عرب دنیا یا دنیا کے کسی خطے کی تاریخ کا کیا حال ہو گا؟ آج کل کے دور کی طرح کسی قوم اور ملک کی تاریخیں ہونگی؟ یا کوئی کام کیا گیا ہو گا؟ متعدد سوالات ذہن میں آنیکے بعد آنکھیں بند کر کے سوچتے ہیں تو ایک دھندلا سا خاکہ دکھلائی دیتا ہے۔ اور ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہاں ضرور ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ یہود تھے، نصاریٰ تھے، کافر تھے وغیرہ۔ اور توریت، زبور، انجیل، صحیفے ابراہیم اور موسیٰ کے غرض سب نقشہ سامنے پھر جاتا ہے جو قرآن پاک میں ان کتب کے اذکار کے بیان سے متعلق ہے۔ دیکھیں وہی لوقا متی، یوحنا، مرقس وغیرہ تو اب بھی عیسائیوں کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہیں۔ کتب عہد عتیق اور جدید کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں۔ اور جو خالص مذہبی نوعیت کی ہیں۔

لیکن جب انکو قرآن کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا جاتا ہے تو ایک مایوسی سی چھا جاتی ہے
جبکہ قرآن کی متعدد آیات میں انکی نسبت تحقیق بیان کر دی ہے۔ قولہٗ تعالیٰ یحرفون
الکلم عن مواضعہ الآیۃ اور ان کے مثل دیگر آیات بہتیری ہیں اور بحث اتنی طویل ہے
کہ اس عنوان پر عیسائیوں کو دندان شکن جواب دینے کی خاطر مختلف اوقات میں
متعدد علمائے دین نے کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ ان آیات کے پیش کرنے کا مقصد صرف
یہ تھا کہ وہ تصور جیسے ہی پیدا ہوا ویسے ننانوے کے گھاٹ اتر بھی گیا کہ ان سابقہ موجود محرف
و مسخ شدہ کتابوں کو آسمانی نسبت کرنا بھی نادانی اور علمی جہالت ہے اور پھر ان کی
روشنی میں تاریخ وغیرہ کا حال کوئی ان سے مختلف نہ ہوگا اور ان کے علاوہ کوئی اور کتاب
ایسی معلوم نہیں ہوسکی جو قدیم ہو۔

پھر ہندوؤں کی کتابوں رامائن اور مہابھارت پر نظر پڑتی ہے تو بندروں کی لڑائی
اور تیر پھینکنے اور یہ کہ فلاں پہلوان نے اپنے تیر پر بٹھا کر اتنے ہزار کوس پر پھینک دیا۔[1]
ذرا تاریخ دانوں سے پوچھئے کہ انکی کیا حقیقت ہے۔ چند فرضی قصے درج ہونگی نشان
دہی کی بناء پر دعویٰ تو کر سکتے ہیں مگر ایسے دعوے بلا دلیل تو ماننے کی حقیقی کشش
ان میں کہاں ہے؟

فارس و ایران کی بادشاہت کو زوال ہونے لگا تو یزدگرد نے نامہ خسرواں تیار
کروایا۔ رستم و دیوان مازندراں وغیرہ کی جنگ کے قصے ہزاروں اس قسم کے ہیں کہ
عام تاریخ جاننے والا انکی اصلیت سمجھ سکتا ہے کہ کیا تھی۔ فردوسی نے اپنی کتاب[2] کے دیباچے
زلیخا میں لکھا ہے ع

دو صد زاں نیرزد بہ یک مشت خاک!

---

[1] ہندوؤں کی کتابوں میں کسی شخص کی عمر چودہ لاکھ سال بتائی جاتی ہے۔ کسی کو جادو وغیرہ کی تاثیر سے عورت بنا کر پیٹ سے بچے جنوائے جاتے ہیں۔ کسی کے جسم میں کثیر التعداد سر لگا ہیں۔ کسی کے ایک جسم پر دس سر اور بیس ہاتھ بتلائے ہیں (سوانح خواجہ معین الدین چشتی از عبدالرحمٰن شوق ص ۳۳ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور)

[2] زلیخا از فردوسی ایک دوسری سوائے زلیخا جامی کے بھی ہے۔ فہرست کتب خانہ تجارتی خلاصی ٹولہ ۸۵ - محمد سعید تاجر کتب کلکتہ میں عنوان کتب درسیہ فارسی میں درج ہے۔ سوانح عمری فردوسی ص ۱۳

یعنی نامہ خسرواں و بادشاہوں کے قصے و وقائع جو عوام کی زبان پر ہیں ایسے دروغ
و بیہودہ ہیں کہ ایک مٹھی خاک کی قیمت انکی دو سو داستانوں سے زیادہ ہے۔ کہانی بن جانے
کے بعد بادشاہوں کو سوتے وقت میں سناتے چلے آتے ہیں۔ فارس و ایران میں ہزاروں
بادشاہ گذرے۔ اور سچ وقائع ہوئے۔ مگر تاریخ کا یہ حال ہے کہ کوئی نادر واقعہ ہوا۔
لوگوں نے اپنی زبان میں طرح طرح کے حاشیے ملا دئیے اور زمانہ گذرنے کے بعد کہانی بن گئی۔ وقائع
نگار عجیب پیرایہ میں باندھ کر درباروں میں گایا کرتے۔ ہر زمانہ گویا صفر ہستی کا ایک سادہ
ورق ہوتا تھا۔ انگریزوں کے اقوال کو سند ماننے والو۔ انگریز بھی اس بیان سے متفق ہیں
اب انگریزوں کے اس خطہ کا حال یعنی ایشیائی ملکوں میں کچھ تہذیب تھی۔ اور
یورپی خطہ جنگل تھا اور تاریخوں میں لکھا ہے کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ڈیڑھ
سو برس پہلے قبل از اسلام انگلستان تو بہت بڑا بھاری جانور خانہ تھا۔ عربوں کی بے
تعصبی اور علم دوستی تھی کہ علوم و ترقی کیساتھ ساتھ اس علم نے ترقی کی۔ دوست اور دشمن
میں فرق نہ کیا۔ گوناگوں فنون کیساتھ تاریخ کے فن پر بھی توجہ دی اور نہایت صحت اسناد کے
ساتھ جو بات لکھی تحت شرائط اسناد میں ثقاہت رکھی۔ ہر قسم کے وقائع خواہ بادشاہوں یا
عام آدمی کے۔ بدنام کرنیوالے ہوں یا نیک نام بے کم و کاست لکھ دیئے۔ برخلاف اس کے
اگلی قومیں اس پر فخر کرتی تھیں کہ ان کے شاعر و گیت خوانوں نے برائی کا تو نام نہ لیا۔ ہر
برائی بھلائی بنکر رہ گئی۔

عرب کو دیکھ کر دوسری قومیں بھی ہوش میں آئیں[1]۔ تاریخ کا سلسلہ نکالا۔ مگر
اب کیا ہو سکتا تھا۔ پرانے افسانے کسی قدر سیاسی رنگ سے رنگے اور جو شکل میں
معلوم ہوا قیاس کے موافق لکھ دیا۔ یورپ والوں نے کمال کر دیا۔ اگلوں کی داستانوں میں
سے جو اسلام سے پیشتر وقائع ہوئے خوب تراش خراش کر لی۔

اور مسلمانوں میں جو تاریخیں ہیں مذہب ہیں انکی تحقیق بلاشبہ پایۂ اعتبار پر موزوں
ہے۔ مگر تاریخی روایات کو جزو مذہب مان کر انکی تحقیق سے پرہیز کرنا بھی ہماری غلطی
ہوگی۔ تاریخ کا فن واقعات پر ہے توہمات، تخیلات اور مذہبی رعایت کا دخل نہیں
ہوتا اور نہ ہونا چاہیئے۔ اور ایسی ہی کتابیں معتبر ہونگی۔

---

[1] الفاروق ص ۴ - یہ ڈاکٹر [illegible] کا اعتراف منقول ہے۔

یہ بات واضح طور پر عرض کروں کہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض گم کردہ راہ اور بے خود غلط لوگ قرآن کے نازل ہونے کے وقت جو قرآن مجید میں مذکور ہے اسکی تصدیق کیواسطے غیر ملکوں کی تاریخ کا حوالہ چاہتے ہیں۔ مثلاً جیسے شق القمر کا معجزہ واقع ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ مورخوں نے اسکو نہیں لکھا تو یہ متواترات کا انکار اور کفار کی تاریخ میں قرآن کی تصدیق و تلاش ہے جو مبنی بر جہالت و گمراہی ہے۔ قرآن کے قطعیات کا تاریخوں سا میں نہ ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ تاریخیں قرآن سے صحیح کی جائیں نہ کہ قرآن تاریخ و سائنس کے اصولوں سے مطابق کیا جائے۔ خصوصاً اس وقت کے مورخوں کا حال تو ذکر ہی ہو چکا ہے۔ سائنس تصدیق نہ کرے یا کھنڈرات نہ ملیں تو اصلی واقعہ سے ہی انکار کیا جائے حیرت برائے حیرت ہے۔

تو ہاں میں یہ لکھ رہا تھا کہ ہمارے موجودہ دور کی تاریخوں کی بناء و ابتداء رسول اللہ صلعم کے بعد ہوئی۔ علامہ شبلیؒ نعمانی نے اپنی کتاب۔ الفاروق ؔ کے ابتدائی صفحات میں ان جملہ امور کے متعلق ارتقائی منزلوں اور تاریخ کی ابتدائی کتابوں، ان کے مصنفوں مورخین کی غلطیوں وغیرہ سے مکمل بحث کی ہے۔ صاحب ذوق رجوع فرما سکتے ہیں۔ اہل مغرب کی تاریخوں سے بڑھ کر عرب کے قدیم مورخوں کی تاریخیں ہی معتبر ہو سکتی ہیں۔ خلافت کے راویوں اور رپورٹروں سے موقعہ ان قدیم مورخین ہی کو مل سکتا تھا۔ نہ کہ مغربیوں کو اسلئے ہمیں اپنی صحیح تاریخ اپنے ہی مورخوں سے زیادہ صحیح واقعات پر مشتمل مل سکنے کی زیادہ امیدیں ہیں۔ برخلاف مغربی مورخین اور انکی کتابوں کے۔

اسلام اور کفر کی تاریخ

واضح ہو کہ جب سے یہ دنیا آسمان و زمین عالم وجود میں آئے۔ ملائکہ و شیطان کا وجود سب سے مقدم نظر آتا ہے۔ ملائکہ کی پیدائش نور سے اور شیطان کی پیدائش نار سے ہوئی۔ جب آدمؑ پیدا کئے گئے تو اللہ تعالےٰ نے ملائکہ و شیطان کو آدمؑ کے آگے سجدہ کرنیکا حکم دیا۔ ملائکہ نے حکم مان کر سجدہ کیا۔ اور شیطان ناری نے فخر و تکبر کرتے ہوئے انکار کیا۔ ابتدائی مسکن سے شیطان راندہ درگاہ خداوندی ہوکر ملعون ہوا اسی لئے مسلمان اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ؕ میں اسی راندہ درگاہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ آدمؑ کا ہبوط بھی بحکم و منشاء خداوندی زمین پر ہوا۔ شیطان کی آہ و زاری پر وسعت رحمت خداوندی نے اسے قیامت تک جینے کی مہلت دیدی۔ تو اسی دن سے کفر و اسلام کی داغ بیل پڑ گئی وَکان من الکافرین الآیۃ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک بہت بڑی گراں مایہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے اور آگے بہت سے موافق یا مخالف حالات کو جانچنے اور موازنہ کرنے میں مدد ملے گی۔ اور آسانی غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ مولٰینا قاری محمد طیبؒ صاحب اپنی کتاب "التشبہ فی الاسلام" میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"کہ عالم اوّل سے عہد نبوتیہ تک اصولاً دین ایک ہی رہا ہے جس کا نام اسلام ہے۔ اور جو شخص کسی غیر اسلام دین کی تابعداری کریگا وہ اس سے مقبول نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمان خداوندی انّ الدین عند اللہ الاسلام ومن یتبع غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ الآیۃ۔ ترجمہ۔ بیشک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو شخص سوائے اسکے اور دین طلب کرے وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اسکی شرائع حسب اقوام بدلتی رہتی ہیں لیکن سب میں روشنی اسی دین توحید کی رہی ہے ایک ہی بحر بے پایاں ہے جسنے زلال حیات مختلف نہروں کے ذریعے تقسیم کئے۔ اور اسی لئے

یہ دین سب سے پہلے عالم میں ظاہر ہوا۔ پس جس قدر بھی باطل مذہب پیدا ہوئے وہ اس دین سے خلاف کرنے والے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے نمودار ہوئے۔ اسلام کی بنیاد عہد آدمؑ سے لیکر عہد نبوت تک کسی غیر مذہب کے خلاف پر نہیں بلکہ باطلہ مذاہب عالم کا سنگ بنیاد اسلام کیخلاف رکھا گیا۔ پس اگر اسلام غیروں سے مشابہت قطع کر کے انکی موافقت سے ہٹا کر صرف اپنی موافقت پر مجبور کرتا ہے تو اسکے یہ معنی تو ہو سکتے ہیں کہ اسلام اپنے خلاف سے اسلئے روکتا ہے کہ اس کا وجود مستقل ہے۔ اور باقیوں کا غیر مستقل اور خلافی ہے وہ اپنا وجود دوسرے مذاہب سے نہیں کسب کرتا۔ اور نہ دوسرے مذاہب کا خوشہ چین ہے۔ بلکہ دنیا کے ہر خرمنِ خلائق میں اگر کوئی پر مغز دانہ ہے تو اسی خرمن اسلام کا ہے اگرچہ چور اپنی سارقانہ کاروائیوں کا اقرار نہ کریں ؎

قمریاں پاس غلط کردہ خود میدانند ورنہ یک سرو دریں باغ باندام تو نیست

آدمؑ۔ ہابیلؑ، نوحؑ۔ صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ وغیرہ جملہ انبیاءؑ علیہم السلام حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلعم کے وقت تک شیطان، قابیل، کنعان، آزر، نمرود، شداد، فرعون، بنی اسرائیل، یہود، نصاریٰ، عاد ثمود، عمالقہ، مدین ایکہ، ورس، اخدود وغیرہ امم ماضیہ کافرہ سے واسطہ پڑا کسی کو آگ نے جلایا کسی کو نوحؑ کی دعا قبول فرماتے ہوئے جب کہا تھا۔ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا الآیۃ۔ طوفان نوحؑ میں غرق کیا۔ نمرودیوں پر مچھر مسلط کئے ایک دوسرے کو مار مروا کر بھیجا نکلوا دیا۔ کسی پر ہوا چھوڑی۔ کسی قوم کو ہولناک آواز سے موت کی آغوش میں ہمکنار کر دیا۔ کبھی بارش، ٹڈیوں اور خون وغیرہ کا عذاب نازل کیا۔ فرعونیوں کو سمندر میں غرق کیا۔ کوئی قوم بوجہ زلزلہ کے اوندھے منہ لٹا کر زمین میں دھنسا دیگئی۔ تو کوئی کونوا قردۃ خاسئین الآیۃ کے حکم سے ہو جاؤ بندر ذلیل۔ کی شکل میں مسخ کر کے مٹا دیئے گئے۔ اور آخر میں ہمارے نبی رحمتؐ کی امت کے کفار بعض جنگ بدر میں ملائکہ کی مدد بھیج کر واصل جہنم کئے۔ غرضیکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر کفار عذاب میں مبتلا کئے گئے اور جیسے کہ انہوں نے اپنے کفر و طغیان کے دور میں انبیاء کو قتل کیا ویسے ہی کافروں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب خوب سزا پائی۔ اور پاتے رہیں گے۔ البتہ نبی رحمتؐ

کی برکت سے اور آخری قوم ہونیکی وجہ سے یکلخت عذاب آکر تباہ و برباد ہو جانیسے کچھ عرصہ کیلئے محفوظ رہے۔ کبھی ایک وقت میں انھیں غلبہ ہوا تو دوسرے وقت میں تاتاری گھاٹ اترتے رہے۔ اور حقیقی غلبہ کبھی اس دنیا میں تلواروں سے اور کبھی حجت سے اور پھر آخر میں جنت میں داخل ہونے کے بعد انتم الاعلون فی الارض الآیۃ اور بقول الا ان حزب اللہ ھم الغالبون الآیۃ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ اپنی کفر و نجاست کے باعث دوزخ میں رہیں گے۔ وہ خود اپنی گوناگوں مصیبتوں و عذابوں میں دم توڑ رہے ہونگے۔ لا یموت فیھا ولا یحییٰ الآیۃ مگر مریں گے نہیں کہ عذاب سے چھوٹ جائیں۔

اتنی طویل تمہید بیان کرنیسے میرا مقصد مختصراً اسلام اور کفر کی تاریخ بیان کرنا تھا۔ اور بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنی چاہی۔ اور یہ معلوم ہوا کہ اسلام اور کفر کی تاریخ کوئی نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے۔ اسلام اور کفر ابتدائے عالم ہی سے پہلو بہ پہلو سفر کرتے چلے آرہے ہیں اور یہ اسلام و کفر کی نہایت مختصر مگر سچی تاریخ ہے۔ جو قرآن میں بیان کیگئی ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ گم ہو رہی ہے

کوئی یہ عنوان پڑھنے سے کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ واقعی مسلمان گم ہو رہے ہیں۔ مسلمان تو خدا کے فضل سے قیامت تک باقی رہیں گے۔ کرہ ارضی پر کسی نہ کسی جگہ ان کا وجود قائم و دائم رہے گا۔ اکثر نہ ہونگے تو قلیل ہونگے۔ بادشاہ نہ ہوں گے تو محکوم ہونگے۔ مراد یہاں یہ ہے کہ اکثریت مسلمان کہلانے والوں کی علم اور کردار کھو رہی ہے۔

مسلمانوں کے سابقہ خلیفوں سے لیکر بادشاہوں تک۔ بنو امیہ و بنو عباس بلکہ مابعد کے بھی کثیر با قلیل ایسے ہو گذرے ہیں کہ وہ اپنے دینی علوم سے اتنے بیگانے اور بے بہرہ نہ ہوا کرتے تھے۔ اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنے

وقت کے علماء دین اہل حل و عقد سے مدد و مشورہ کو ایک حد تک ضروری و اہم سمجھتے تھے بلکہ قاضی القضاۃ کے عہدے مسلمان قوم کے ہر اس ملک و شہر میں ہوا ہی اسلئے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے قضایا و خصومات کا فیصلہ از روئے شریعت صادر کریں۔ اور بادشاہ و افواج، دفاع، جہاد اور ملکی تعمیری و اندرونی اور بیرونی فسادوں کے اہتمام و انصرام میں مصروف رہتے۔ دین اور دنیا دونوں امور میں علمائے دین کی پیشوائی منظور و تسلیم رہی۔ اور اکثر شعبہ ہائے امور سلطنت میں انکی خدمات لابدی سمجھی جاتی تھیں بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جب خلق خدا کا ہجوم و عقیدت ان لوگوں سے بڑھ گئی جو علم دین کا پرچار کرتے تھے تو حاکمان وقت نے انھیں قید و بند سے بھی دو چار کرکے اپنی سلطنت کے خطرے کا باعث سمجھ کر بچانے یا انھیں دور کرنے کی کوشش کی۔ مگر ایک صحیح العقیدہ مسلمان بادشاہ کو خود مذہب سے تو کوئی بیر نہیں ہو سکتا تھا۔ فسق و فجور کے بیشک مرتکب ہوئے ہونگے۔ علم و عمل میں بیشک کمی آئی ہے۔ مگر ہمارے دور کی جہالت کی حد ہو گئی کہ ہم مسلمان اس حد سے بھی گذر گئے کہ کفر و اسلام میں تمیز کرنے سے رہے۔ اور ہائی کورٹوں میں مسلمان اور کافر کی صحیح تعریف بیان کرنے اور جاننے پر بحثیں زیر غور رہیں[1]۔ یہ حالت جتنی قابل افسوس ہے اس سے بڑھ کر قابل عبرت اور لائق غور رہی ہے۔

علمائے دین کے خدا دونوں جہان بھلا کرے۔ جنھوں نے اسلام و کفر کی حد بندی و تمیز کو قائم رکھا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً دین میں گھسنے والے کافروں اور مشرکوں کو دین کی کسوٹی پر پرکھتے و جانچتے ہوئے علیحدہ و باز رکھا ہے۔ علماء کسی کو کافر بناتے نہیں بلکہ وہ تو کفر اور اسلام میں شناخت کراتے ہیں۔ کافر تو کوئی شخص خود اپنے عقیدہ و عمل غیر مشروع سے ہوتا ہے اگر علماء ایسا نہ کرتے اور اسلام میں حد بندی نہ ہوتی۔ تو پھر بچے سے پکا مشرک و کافر بھی اعلیٰ درجہ کا مسلمان کہلائے جانے کا مستحق و مدعی ہوتا اور سمجھتا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ کان من الکافرین۔ وکان من المشرکین وغیرہ کے الفاظ کثرت سے آخر کس کیلئے استعمال و وارد کئے گئے ہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں اور کس لئے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص ۲۴۹۔ از مولینا عبید اللہ سندھی۔

[2] منیر رپورٹ۔ ۲۳۲ تا ۲۳۵

انھیں ان الفاظ سے پکارا گیا ہے؟ اگر یہ حد بندی ضروری نہ ہوتی تو پھر یہ نزول قرآن اور بعثت رسول اللہ صلعم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اور مسلمان اسکے قائل نہیں ہیں جنگ عظیم اول کے بعد عبدالرحمٰن شوق امرتسری اپنی تاریخ اسلام کے صفحہ۴۱ میں بطور ملامت وکمی عمل کے امر واقعہ کے یوں رقمطراز ہیں۔

> "سچ تو یہ ہے کہ مسلمان اب کوئی قوم نہیں۔ وہ نفس کے بندے ہیں اور اپنی ذاتی اغراض پر قومیت اور دین دونوں کو قربان کر چکے ہیں۔ دین اور خلافت کو بچانے کے لئے اپنی زمینداریاں، تجارت گھربار، ذلیل دولت اور تن آسانی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ تو ہی معیت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی" انتہیٰ

یہیں سے میں نے لکھ دیا کہ "مسلمانوں کی تاریخ گم ہو رہی ہے" "مسلمانی در کتاب و مسلمانان در گور" کا مقولہ صادق آ رہا ہے۔

نسب ناموں کی اہمیت و افادیت

بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو نسب ناموں کی اہمیت و افادیت کے قائل نہ ہونگے لوگوں کے درمیان جان پہچان۔ تعارف کا بڑا سبب ہے۔ خود خداوند کریم نے قرآن پاک میں شعوب و قبائل کا ذکر کیا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اسے فرض کفایہ کی حد تک ضروری سمجھا ہے۔ اسلئے کہ بعض شرعی مسائل۔ میراث۔ صدقہ۔ خمس۔ زکوٰۃ وغیرہ میں جاننا ضروری ہو جاتا ہے۔ کون وارث ہے۔ کس کو صدقہ دینا لینا حلال ہے۔ کون خمس کا حقدار ہے؟

رسول اللہ صلعم نے بھی اس علم کو پڑھنے پڑھانے و جاننے و افادیت کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم ہ آخر الحدیث۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ "کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا ما کان من سببی و نسبی الحدیث" تو معلوم ہوا کہ اہمیت و افادیت خواہ مخواہ ہے اور اس کا جاننا یا بیان کرنا کوئی امر ممنوع نہیں ہے۔ جیسے کہ اوپر کے بیان میں واضح گذر چکا ہے

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ اہل عرب کو فن تاریخ میں ایک خصوصیت حاصل تھی۔ اور ان میں تاریخی سلسلہ سے تعلق رکھنے والی بعض باتیں ایسی تھیں جو دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا۔ جسکی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور انکے رشتے، ناطے بیس بیس، بارہ، بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ انسانوں کے تو کیا بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے تک محفوظ رکھتے تھے۔ ایام العرب جسکی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ ایسے ہی شاعری کا عالم تھا کہ وہ تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ اور ان کے لئے شریعت سے بھی ایک دلیل ہے۔ حفظ نسب میں تمام اقالیم کے لوگوں سے عرب کا مرتبہ عالی ہے۔

قول ہے کہ ہر زمانہ میں ان لوگوں پر جو امر زیادہ غالب ہو اسی کے رد کا معجزہ اس زمانہ کے پیغمبر کو ملتا ہے۔ پس رسول اللہ صلعم پر قرآن جیسی معجز نما کلام کا اترنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عرب اپنے زمانہ میں ہر قسم کی فصاحت و بلاغت وغیرہ میں حدِ کمال رکھتے تھے۔ جن کے فخر و غرور کو قرآن کے نزول اور اسکی فصاحت و بلاغت نے توڑ کر انہیں ساکت کر دیا۔ اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان میں حافظ القرآن بھی پیدا ہو گئے۔ چند پشتوں کے نام شعب و قبائل کا بیان ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ غرض یہ ہے کہ قبل از اسلام بھی نسب ایک جزوِ اعظم تھا۔ لاکھوں عرب اور سینکڑوں قبائل اپنے اپنے نسب ناموں کے شاہد تھے۔

لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک سب لوگوں کو اپنی اپنی سوانح عمریاں یاد تھیں۔ اور زیادہ تر ذمہ داری سرداران قبیلہ ہی کے سپرد ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عقیلؓ ابن ابی طالب، جبیرؓ بن مطعم، مخرمہ بن نوفل عکاشہ بن محصنؓ وغیرہ کو اس کام کی تکمیل اور تنظیم کے لئے مقرر کیا اور حکم دیا کہ قریش اور انصار کے نسب نامے تیار کرو۔ جسمیں بنی ہاشم اور فاروق اعظمؓ کے خاندان کے نام درج تھے۔ حضرت فاروقؓ نے فرمایا کہ حضرت

رسول اللہ صلعم کے قرابت داروں سے نسب نامہ شروع کرو۔ پھر درجہ بدرجہ نام لکھو۔ جب میرے قبیلہ کی نوبت آئے تو میرا نام لکھو۔ پس اس فرمان کی تعمیل میں نساب مقرر کئے گئے اور مذکورہ بالا حضرات سب اہل نساب تھے۔ اور الگ الگ قبیلوں کا کام ان کے سپرد ہوا۔ چنانچہ عکاشہ بن محصنؓ ہاشمی کے نساب مقرر ہوئے۔ (ملخصاً)

۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ ذوی القربیٰ کے حصے خمس کو بنی ہاشم کے درمیان مساوی تقسیم کیا جائے۔ عباسی عہد کے نقیبوں کے فرائض میں یہ داخل تھا کہ وہ ہاشمی خاندانوں ذکور و اناث کی مکمل فہرستیں رکھیں۔ انساب کا تحفظ کریں۔ قریشی گھرانوں کے وظائف و ارزاق کی تقسیم جسکی ابتدا عہد فاروقیؓ سے ہوئی تھی۔ اموی خلافت میں بھی عریف کے ذریعے تقسیم ہوتی۔ عباسی دور میں یہی عریف نقیب کہلائے (ملخص از کتاب تحقیق سید و سادات صفحہ ۱۵۰)

ایسی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصاً ہاشمیوں کے سلسلہ نسب تعداد و شمار وغیرہ جان لینے و محفوظ رکھنے کا رواج ابتدائے خلافت سے بنو عباسیہ کی خلافت کے دور تک قائم رہا۔ استنباط کا ثبوت کہ یہ اعداد شماری ہوا کرتی تھی ایک اور وجہ سے بھی ثابت ہے کہ کتاب سر السلسلۃ العلویہ کے صفحہ ۸۰ پر جو ابو نصر بخاری کی چہارم صدی کی تالیف ہے اور عربی میں ہے صرف آل ابی طالب کے شمار مندرجہ ذیل دیئے ہیں۔ اور یہ اعداد و شمار ۲۲۷ھ میں مدینہ اور تمام شہروں کے جمع کئے گئے تھے انکی رو سے اس وقت ۱۳۰۰۰ مرد اور ۱۳۰۰۰ عورتیں تھیں۔ تفصیلی اعداد و شمار اپنے محل و مقام پر ذکر کئے جائیں گے۔ (زبدۃ)

تاریخ اسلام کامل علامہ قاری احمد کے صفحہ ۴۹۲ پر لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ علم نسب میں فرد زمانہ تھے۔ اور اسی طرح تحقیق مزید کے صفحہ ۶۴ و ۶۹ پر جہاں عائشہؓ کے علم و فضل کی بحث ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن و فرائض حلال و حرام۔ فقہ و شاعری، طب، واقعات تاریخ عرب اور انساب کا عالم میں نے عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا (یہ روایت حضرت عروہ بن زبیرؓ کی ہے جو علم میں عائشہؓ کے فیض یافتہ تھے) اور یہ سب کچھ جملہ معلومات اپنے باپ سے سیکھے تھیں کاشانہ نبوت میں آنے سے پہلے ہی باپ کی تعلیم و تربیت سے حاصل کیا تھا

بیان الامراء کے صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ پچھلے دور میں ابن اثیر فن تاریخ و انساب میں ماہر تھا۔ اور ایک ایسا وقت بھی تھا کہ بنو عباس کی سلطنت جب تاتاریوں نے پامال کر دی۔ بچے اور بوڑھے خاندان بنو عباس قتل کر دیئے گئے۔ اس افراتفری کے عالم میں عباسیہ سلطنت کا ایک شہزادہ کسی حیلے بہانے مصر پہنچ گیا۔ لوگوں نے نسب نامہ پڑھوا کر اس کے نسب کی اسناد و صدق نا کر کے خلیفہ بنا کر دوسرے لوگوں سے اسکی بیعت کرائی گئی۔ یہ محض سلسلہ نسب قریش کی عظمت و یاد کرنے کی برکت تھی جو تاریخوں میں مدون حقیقت ہے (تاریخ اسلام عبدالرحمن شوق امرتسری صفحہ ۶۹۱)

اور قدیم زمانہ سے آج تک بعض عرب قوموں میں شجرہ نسب مشہور و معروف ہے ابتداءً گو کہ رواج چلا آتا تھا کہ ہر خاندان کے اکثر لوگ اپنے شجرہ نسب کے نام بنام حفظ کرتے چلے آتے تھے۔ اور لکھے پڑھے افراد کے پاس اپنے لکھے ہوئے شجرے بھی موجود تھے۔ جو وقت آگے نسل چلتی لکیریں کھینچ کھینچ کر نام درج کر دیتے۔ اور خود ہماری یاد تک کا یہ حال ہے۔ کہ خصوصاً اپنے خاندان کے ہم سلسلہ بہ سلسلہ جنکو اس وقت۔ کرسیاں و پیڑیاں کے نام سے موسوم کرتے یاد کرانے کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور روایت کرتے تھے کہ جو شخص شجرہ نسب یاد کیا ہوا بیان نہ کر سکتا اور وہ شجرہ نسب اوپر کے بزرگان سے ملانے میں بیان ظاہر نہ کر سکتا۔ اسے اپنی قوم، خاندان و قبیلہ سے نہ سمجھتے تھے اور نہ شمار کرتے بلکہ کوئی مجہول النسب قرار دیتے۔ اور قوم کا قدم تنزل جب زینہ کی نچلی سیڑھی پر گرا تو یاد کیا لکھنا لکھانا بھی چھوڑ دیا۔

زمانہ قدیم سے ایک اور رواج بھی چلا آتا تھا۔ نسب خوان اور بھاٹ (رامنگرے) اکثر خاندانوں کے ہاں میراثی ملازم ہوتے۔ اب بھی پنجاب، راجپوتانہ وغیرہ میں ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی چند خال خال رہ گئے ہیں۔ جنکو ہم (راشے) کہتے ہیں۔ مگر ان کا کام بھی اس ملک میں اب معدوم پڑ گیا ہے) جو کئی پشتوں تک نسب نامے زبانی بیان کرتے۔ تقریبات شادی

(حاشیہ نمبر۱) ملاحظہ رسالہ دارالعلوم ماہ مارچ ۱۹۵۸ء مقالہ از مولینا ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کے صفحہ ۱۵ میں ہے کہ عربوں میں ایسی شخصیتیں تھیں جن کے پاس وفیات و پیدائش رجسٹر محفوظ تھے۔ اور ان میں باقاعدہ اندراج ہوتا تھا۔

میں دست بستہ کھڑے ہو کر نسب خوانی کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے مصنفوں نے انکی کہانیوں اور کہاوتوں اور نسب ناموں سے بھی مدد لی ہے۔ اور مدد مل سکتی ہے۔ مگر اس روشنی اور چھاپہ خانوں کی موجودگی کے دور میں انکی وقعت، صحت نام و بیان پر جو طوطے کی طرح رٹ لگا لیتے ہیں۔ اعتماد کر لینا رتبہ میں مستند نہیں مانا گیا (ملخصاً)

یہاں یہ ذکر اسلئے کر دیا گیا کہ یہ بھی ایک سلسلہ نسب ناموں کے محفوظ کرنے کا اور طریقہ اس تنزل کے دور میں کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا تھا۔ اور ان ملازموں کو بڑی بڑی جاگیریں اور عہدے بھی قوم کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ اور ہمارے ملک میں یہ لوگ فصل بہ فصل ان گھروں پر حاضر ہوتے اور نسب نامے پڑھا کرتے۔ اور کچھ غلہ دانے وغیرہ لے جاتے۔ اب یہ نہیں رہا۔ یا کم ہو گیا ہے۔

ان سب مذکورۃ الصدر بیانوں و اہمیت کے باوجود ہم سب پر یہ لازم و ضروری نہیں کہ ہمکو نسب یاد اور معلوم ہوں۔ یا جن کا یاد کرنا موجب نجات اخروی ہے۔ یہ انسانی بس کی بات بھی نہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ والذین من بعدھم لا یعلمھم اللہ الآیۃ۔ ترجمہ وہ لوگ جو انکے بعد ہوئے ان کو اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسی طرح ایک قول دیگر بھی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔ وقرونا بین ذالک کثیرا الآیۃ۔

انساب وغیرہ کا حال مسطور ہو سکتا ہے۔ لیکن اصول و معروفین کا حال البتہ خاص خاص واقعات جو مشہور ہوں متواتر پہنچتا رہتا ہے۔ مثلاً کئی ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ہر ایک کے انساب کی تفصیل ہمکو ٹھیک معلوم نہیں۔ اور رسول اللہ صلعم اور آپکے خلفاء بوجہ متواتر کے قطعی معلوم۔ مگر اولاد ہر ایک کی جو اس وقت تک ہوئی وہ فقط علم الٰہی میں ہے قدر معلوم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ علم نسب کا دعویٰ کرنیوالے جھوٹے ہیں۔ اور اس زمرہ میں ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ سند معتبر سے نہیں بلکہ بیہقی تو اسکو ابن مسعودؓ کا قول بتلاتے ہیں۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشتیں شمار فرماتے تو جب معد بن عدنان تک پہنچتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور آگے نہیں فرماتے۔ پھر فرماتے کہ نسب کا دعویٰ کرنیوالے جھوٹے ہیں وغیرہ تو یہ روایات و بیان اس کا ثبوت ہیں

کہ نسب نہ جاننا کوئی اتنا بڑا عیب بھی نہیں کہ اس سے کسی شرعی کام کی تکمیل میں کوئی فرق آتا ہے۔ البتہ بعض احکام شریعت میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جاننا مستحسن کام ہے۔ دنیوی نسل جب ہی سچی ہوتی ہے کہ جب ایمان ہو۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کنعان کا حال تو مشہور و معروف ہی ہے۔

غرض جو ادنیٰ درجہ فائدہ نسبی اتحاد، ہمدردی، نصرت، حمایت، غیرت وغیرہ کا ابھارنا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ نسب عصبیت و قبائل کا بادشاہت تک پہنچا دیتا ہے۔ فخر نسب حسب پر ناجائز اور بے فائدہ ہے۔ پس اہمیت و افادیت کی یہ تاریخ ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کر دی گئی ہے۔

شعوب و قبائل

اصل آیت جو اس تاریخ بیانی کے جواز پر اکثر مصنفین تاریخ لاتے ہیں وہ یہ ہے
یاَ ایُّھا النَّاس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ و جعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الآیۃ

ترجمہ:۔ اے لوگو ہم نے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے ذاتیں اور قبیلے پہچان کیلئے بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک متقی آدمی معزز ہے۔ انتہیٰ۔ اس کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی انسانی وحدت مختلف ناموں اور رنگت سے پکاری اور پہچانی جاتی ہے عربی، مصری، ایرانی، افغانی، پاکستانی، ہندوستانی، چینی، جاپانی وغیرہ جتنے نام آپکو یاد ہوں گن لیں۔ یہ اپنے ملکوں و شہروں و نام کی وجہ سے اور سفید، زرد، سرخ، کالی وغیرہ نسلیں رنگت کی وجہ سے متمیز اور بولی سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن اس وحدت انسانی میں باوجود اختلاف و بعد مکانی و لسانی کے لحاظ سے ایک اور وحدت جدا انما المؤمنون اخوۃ (الخ) کے ماتحت جس جگہ و ملک میں جائیں۔ اور ملیں ماسوائے دوسری اقوام کے بلا تمیز رنگ و نسل ممتاز اور جداگانہ حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں اور جس کو ہم اس کے عمل و عقیدے سے بہت جلد شناخت کر کے مسلمان بھائی کہہ کر پکار لیتے ہیں۔ اور اسی طرح دیگر اقوام ہو جانے مخصوص عقائد و عمل کے پہچانی جاتی ہیں۔ ان ہر دو قوموں کے افراد ایک ہی ملک میں خلط ملط ہونے کے باوجود وہ مختلف نظریے رکھتے ہیں اور انہیں ایک وطن میں رہتے ہوئے اپنے اپنے مخصوص نظریوں سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

مسلمان اور کافر کی شناخت اور قومی تعمیر کی بنا۔ اگرچہ وہ روز اول ہی سے ایک دوسرے کے دوش بدوش رہے ہیں اور وطن ایک ہونے پر بھی ایک دوسرے سے الگ ہی سمجھتے ہیں اسی طرح مسلمانوں میں بھی اوساط اور قبیلے بنے ہیں۔ جیسے عرب میں اللہ تعالیٰ ہی نے یہ نام انہی کی زبان سے پیدا کئے۔ فائدہ یہ مرتب ہوا کہ اگر یکساں نسبت سے فرزند آدمؑ یا آدمی کہلاتے تو کروڑوں مخلوقات میں امتیاز نہ ہو سکتا۔ مثلاً زید کی تلاش ہے اور اس نام کے دس آدمی ہیں۔ قریش سے۔ بنی اسد سے۔ بنی تیم سے۔ اعوان سے سواتی سے، تنولی سے وغیرہ تو مخصوص زید کا نام لینے سے پہچان ہو گی۔ لہٰذا شعوب و قبائل گاؤں، ملکوں کی وجہ سے شناخت ہونے لگی ہے۔ پاکستانی، جاپانی۔ اقوام مغرب یا مشرق وغیرہ نام لینے سے مخصوص لوگ و ملک نظروں میں سما جاتے ہیں۔ غرض جنس، رنگ، عمر۔ اوصاف ذاتی یا عارضی مقام کسب، مذہب، فرقے نسب وغیرہ سے تمیز ہو جاتی ہے۔

شعوب بہت بڑا گروہ ہوتا ہے۔ جسمیں قبائل داخل ہوتے ہیں۔ اور قبائل میں عمارہ عمارہ میں بطون، بطون میں فخذ، فخذ میں فصیلہ اور فصیلہ میں عشیرہ ہیں۔ اور مثال سے یوں سمجھئے۔ جیسے قریش کے لئے (۱) شعب۔ خزیمہ۔ (۲) قبیلہ۔ کنانہ (۳) عمارہ۔ قریش (۴) بطون قصی (۵) فخذ۔ عبد المناف (۶) فصیلہ۔ بنی ہاشم (۷) عشیرہ۔ عباس سے ایک عشیرہ اور آل ابو طالب دوسرا عشیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ شعوب و قبائل برائے تعارف ہوتے ہیں۔

حسب و نسب پر فخر و تکبر۔ طعن۔ تبدیلی و مساوات کا بیان

اس بارہ میں تین گروہ ہیں۔

(۱) ایک گروہ وہ ہے جو اپنے حسب نسب پر فخر کرتا ہے۔ اور دوسروں کے نسب میں طعن کرتا ہے۔ اور عیب نکالتا ہے۔

(۲) دوسرا گروہ میں وہ لوگ ہیں۔ جو سرے سے تفاضل کے قائل ہی نہیں جیسے بالشویکی مساوات۔

(۳) تیسرا گروہ علیحدہ ہے جو سرے سے اپنے نسب پر پردہ ڈالکر کسی بڑے درجے کے نسب کی طرف اپنے آپکو منسوب کرتا ہے۔ ان ہر سہ فرقوں کی تردید و مذمت کیگئی ہے۔ پہلے فرقے کی نسبت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ "کہ میری امت میں فخر و طعن کا نسب میں یہ دونوں کفر کی باتیں لگی رہینگی" ادھر ایک آیت میں ذکر ہے قولہ تعالےٰ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم الآیۃ ایک حدیث بھی وارد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "انا سید ولد آدم ولا فخر" میں واضح کیا گیا ہے کہ حسب و نسب پر جو لوگ فخر و تکبر کرتے ہیں۔ دوسروں کے نسب میں طعن کرتے ہیں۔ ایک تو یہ خصلتیں کافرانہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ فخر بالانساب کرنا اور عمل ترک کر دینا۔ قیامت میں تو انھیں کوئی فائدہ نہ دیگا۔ اور اسی آیت کے معنی سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں آدم کی اولاد میں سردار ہوں۔ لیکن کوئی فخر نہیں کرتا۔ انھیں حالات و واقعات کے تحت وہ اپنی جگر گوشی طلعۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہیں کہ تو جو کچھ چاہے مجھ سے مانگ لے۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کے مواخذہ سے تجھے نہ بچا سکوں گا۔ کسی کا حسب نسب اللہ تعالیٰ کے سزا و جزا دینے کو روک نہیں سکے گا۔ اور یوں اللہ تعالےٰ کی عظمت کا اقرار کراتے۔ اور اللہ تعالےٰ کا ایک قول پیش فرماتے ہیں:- ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ الآیۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہی مقبول ہوتا ہے۔ جو تقویٰ رکھتا ہے۔ اگر فضیلت میں کوئی بات قابل فخر ہوسکتی ہے۔ اور شریف

یا رذیل کوئی ہو یا کہلا سکتا ہے تو اس کا معیار شرافت یا رذالت تقویٰ ہی کی بناء پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور تقویٰ۔ حق کی اور کلمہ حق کی پیروی کا نام ہے۔ فخر و طعن کی مذمت فرمائی۔ اور خدا کی عظمت اور عمل پر ابھارنے کیلئے مدار نجات تقویٰ کی شرط ٹھہرائی اور انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح الآیۃ نوح کے بیٹے کنعان کی طرف تصریح ہے کہ بعض پیغمبروں کے خونی رشتہ بھی بعض اوقات کام نہ آئے۔ شیخ علاؤ الدولہ سمنانی کی رباعی خوب صادق آتی ہے۔

اے رحمے بے طبع سبحان نشدی	کارکہ ترا کنند بہ ساماں نشدی
درویش شدی شیخ شدی دانشمند	ایں ہمہ شدی و مسلماں نشدی

(۲) اب دوسرے گروہ کا حال یہ ہے:- کہ وہ سب آیات و احادیث کو ملیامیٹ کرکے ایک ایسی مساوات قائم کرنا چاہتا ہے جو تفاضل کے سرے سے قائل ہی نہیں اور اپنے دلائل میں ایسے ہی واقعات و حالات پیش کرتے ہیں۔ اور کل بنی نوع انسان۔ مثل صدیق رضہ عمر فاروق رضہ، عثمان رضہ اور علی رضہ و دیگر صحابہ و تابعین و امت کو ایک لڑی میں پرو کر کسی فرق و تمیز کے قائل نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ قول بھی صریح آیات اور احادیث کے مخالف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض الآیۃ۔ اور دوسری جگہ قولہ تعالےٰ ورفعنا درجت بعضکم درجۃ الآیۃ فرمایا کہ انبیاء میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دیگئی ہے۔ اور ایک دوسرے پر بلحاظ مراتب درجے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی وارد ہے نبی صلعم فرماتے ہیں۔ نسب قیامت میں سب منقطع ہونگے۔ سوائے میرے نسب و صہر کے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: "کیا حال ہے۔ ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کا ناتا اس کام کو نفع نہیں دیگا۔ بلکہ ضرور نفع دیگا۔ قسم اللہ کی میرا ناتا تو دنیا و آخرت میں ملا ہوا ہے اے لوگو میں تمہارا فرط ہوں۔ فاروق رضہ نے اسی حدیث کی صحت کی بناء پر نسب ملانیکی وجہ سے حضرت ام کلثوم رضہ بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ باوجودیکہ ایک رشتہ صہری موجود بھی تھا۔ تو ان آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے آنحضرت صلعم کے سب نسب منقطع ہونگے۔ کچھ اثر ظاہر نہ ہوگا۔

پس ان آیات و احادیث کی روشنی میں دوسرے گروہ کا بھی مُنہ بند کر دیا گیا۔ کہ تمہاری مساوات جس میں تفاضل کا سرے ہی سے اقرار نہ ہو۔ جس پر ہمارے سینکڑوں اہل قلم

اپنے باپ دادا سے نہ پھرو۔

شرعیت مرتب ہوتے ہیں۔ یہ بھی بیجا و غلط دعویٰ ہے۔

(۳) اب تیسرے گروہ کا حال جو نسب ہی تبدیل کر دیتے ہیں:۔ سو اُن کے لئے بھی مذمت کی احادیث آئی ہیں۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ "جو شخص اپنے باپ کے سوائے کسی دوسرے کی اولاد بنے اور جانتا ہو کہ اس کا باپ وہ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے" اور فرماتے ہیں "تم اپنے باپ دادوں سے نہ پھرو۔ پس جو کوئی اپنے باپ دادوں سے پھرا اُسنے کفر کیا"۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے نسب کو غیر شخص سے ملا دے۔

معلوم ہوا کہ نسب تبدیل کرنا بھی فعل مذموم ہے اور فعل مذموم سے احتراز لازم ہے۔

اقوام خواہ عرب ہوں۔ یا عجم۔ ہمیشہ عادات یہ ہے کہ آباؤ اجداد کے فضائل سے فخر کرتے ہیں اور یہ ابتداءً جاہلوں سے شروع ہوا۔ اور پھر روزگار میں اور عباسیہ میں بھی یہ تفاخر شروع ہو گیا۔ جاہلوں نے اس طرح کے باپ دادا کا نام ڈبویا۔ تو جب انکے زمانہ میں کسی شخص کو ذاتی شرف حاصل ہوا۔ جاہلانہ نیت سے برابری چاہی۔ اگرچہ اس کے باپ دادوں کو شرف حاصل نہ تھا۔ کوئی راہ سوا اس کے نہ پائی کہ ان کے شرف پر افتخار کریں۔ حالانکہ عقلاء کے نزدیک مثل مشہور ہے "پدرت سلطان بود۔ ترا چہ" شرف انسانی ذاتی صفات ہیں۔ بخلاف دولت و ثروت، و تاج شاہی وغیرہ کے۔ کہ یہ اس سے جدا ہو سکتے ہیں۔ اور تجربہ سے یہ ثابت بھی ہوا ہے۔ کہ حکمت الٰہی سے ہمیشہ فضیلت حقیقی و دولت اعتباری دونوں ایک شخص میں جمع نہیں ہوتیں مگر شاذ۔ اسلئے اولیاء اللہ کسی شخص کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

اسلام سے پہلے اہل عرب میں اسی راہ سے فضل و شرف اعتبار کیا جاتا تھا۔ حدیث میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیلؑ سے کنانہ کو برگزیدہ کیا۔ اور کنانہ سے قریش کو چن لیا۔ اور قریش سے بنو ہاشمؓ کو برگزیدہ کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھکو برگزیدہ کیا۔ بعض نقائص کے باوجود بھی درجہ بدرجہ اپنے وقت میں صاحب فضیلت تھے۔ بدخصلت خاندانوں کو عرب حقیر سمجھتے تھے۔ قریش کی عادات سب سے بہتر تھیں۔ لہذا یہ لوگ اشراف کہلائے۔ اور قریش میں بھی بنو ہاشم بہ نسبت

بنی مخذوم وغیرہ کے عمدہ خصائل رکھتے تھے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولاد ابراہیمؑ سے سارے عرب کے عطر ہیں۔ خصائل حمیدہ و اخلاق پسندیدہ ہی معیار شرافت تھا۔ اور پھر اسلامی تعلیم سے بھی معلوم ہو گیا کہ فن کی پیروی سے اشراف ہیں۔ اگرچہ فقیر ہوں اور جو اُن سے منہ موڑتے ہیں وہی ارزال ہیں۔ چاہے تونگر ہوں نسب کا تعلق گوشت پوست سے ہے اور ایمان کا تعلق روح باقی ہے۔

مولٰنا مفتی محمد شفیع صاحب اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں:۔ کہ انتساب بالمقبولین نافع نہ ہونا اسی شخص کے لئے ہے جو عقائد قطعیہ میں بھی ان کے مخالف ہوگا۔ گو طبعاً اُن سے محبت رکھتا ہو۔ لیکن اپنا تفاخر اور دوسروں کی تحقیر حرام ہے۔" اسی طرح بالشویکی مساوات ناممکنات عقلیہ سے بھی ہے:

جو مصنوعات عالم پر نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز بہ نسبت زمان و مکان و استعداد و ملکہ کے اعتبار سے اس قدر متفاوت ہے کہ ایک فرد کو دوسرے فرد سے متمیز کر دیتی ہے۔ صرف بنی نوع انسان میں دیکھنے اور غور کرنے کا ہے۔ گورے سفید، زرد خوبصورت، بدصورت، نبی، ولی، فاسق، اعلیٰ، ادنیٰ، حاکم، محکوم، شاہ، اور گدا وغیرہ ہر طبقہ کے انسان ہیں۔ اور پھر سلطنت خداوندی میں ابتداءً کچھ ایسا ہی نظام چلا آیا ہے۔ اور اسکی حکمت سے یہ سب کچھ خالی نہیں۔ پھر نباتات کے رنگا رنگ قسم کے پھولوں ہی میں دھیان دیجئے تو آپکو معلوم ہو جائے گا کہ تفاوت کا درجہ کہاں سے کہاں تک چلا گیا ہے۔ اور یہ ادنیٰ درجہ تفکر ہے ورنہ دنیا گوناگوں رنگوں و تشکیلوں سے بھری ہوئی ہے۔

پھر ہر ایک شخص کو احکام شرعیہ میں مساوات یا تمام کاموں میں برابری دی جائے تو اسلام عادل ہونے کے بجائے ظالم کہلایا جا سکتا ہے۔ ہر شخص صدقہ دہی صدقہ خوری، حج، زکوٰۃ، میراث، بادشاہت، رعیت، رحم و کرم، صلہ رحمی، وغیرہ کا مستحق سمجھا جائے۔ اور اجرائے احکام الٰہی میں سب لوگ درجہ بدرجہ برابر ہو جائیں جہات، علم، اعلیٰ و ادنیٰ کی شانیں سب بیکار ہو جائیں۔ غرض کئی آیات و احادیث کا جھٹلانا ماننا جائے۔ اور ایسا نہ ہو سکتا ہے۔ نہ کبھی برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم الخ ضروری

اور نافع ہے ۔ اور عالم جاہل سے افضل ہے ۔ اور ایسی مساوات کا بالکلیہ رد ہوتا ہے ۔
اسی طرح جو لوگ شیخ یا سید نہیں، صحابہ میں سے کسی کی اولاد نہیں، صدیقی فاروقی، عثمانی، علوی وغیرہ کہلاتے ہیں تو وہ ہر روز حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی ان جان کسی کو شیخ یا سید اسکی شہرت ہونیکی وجہ سے کہے ۔ اور حقیقت میں وہ شیخ، پٹھان وغیرہ نہ ہو تو کہنے والا گنہگار نہ ہوگا ۔ باوجود ان تہدیدی احادیث کے لوگوں نے دیدہ دانستہ یا جہالت سے ان احکام کو نہ جانتے ہوئے ذات کو تبدیل کر لیتے ہیں ۔ اور ہمارے ہاں ذات کی تبدیلی دو تین وجوہ سے اختیار کرلیگئی ۔
(۱) ایک تو پیری مریدی کے لئے شجرۂ نسب جھوٹ موٹ کے مرتب کر کے پیر بن بیٹھے ۔ (۲) دوسری تبدیلی قوم کی وجہ یہ ہوئی اور جو انگریزوں کے دور سلطنت میں پیدا ہوئی اور انہیں حصول آراضی اور فوجی ملازمت نے پیدا کیا ۔ اسلئے کہ بعض لوگ غیر زراعت پیشہ ہونے کے سبب زمین نہیں خرید سکتے تھے ۔ اسی طرح اوّل اوّل فوجی ملازمت میں بھی مخصوص قوموں کے لوگ بھرتی کئے جاتے تھے ۔ جسکی وجہ سے لوگوں کو اپنے نسب تبدیل کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی ۔

لیکن یہاں ایک اور بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ان لوگوں کو ذات کی تبدیلی کا الزام نہ دیا جائے جنکی ذات یا گوت تو ضرور ہوتی ہے ۔ مگر زراعت یا ملازمت کی بجائے صنعت و حرفت کے کوئی پیشہ یا کسب وغیرہ اختیار کر لیا اور پھر اسی کسب و پیشہ کی بناء پر اسی جانب منسوب ہونے لگ گئے ۔ گویا کسب یا پیشہ کو ایک مستقل ذات میں شمار کیا جانے لگ گیا ۔ اور یہ کوئی معقول بات نہیں تھی ۔
عموماً بندوبست اور مردم شماری وغیرہ انگریزوں کی حکومت کے دوران ہر ملک و جگہ میں ایسا ظہور پذیر ہوگیا اور خود افراد متعلقہ کی اپنی غفلت، کوتاہی و جہالت از شجرہ جات نسب اس کا سبب بنی ۔ اور مابعد کو حسب ضرورت و واقعات کے چند افراد یا گوتوں کو اپنی اصلی ذات میں لانے کے لئے مقدمے دائر کرنے پڑے ۔ اور فیصلے صادر کر دیئے گئے ۔ اور اب بھی ایسے لوگ بہت ہیں جن کی اصلی قوم تو کچھ اور ہے ۔ مگر وہ بلحاظ کسب و پیشہ یا گوت کے دیگر لوگوں کی طرح اسی کسب وغیرہ سے منسوب و مشہور ہیں ۔ اور

انہیں اسکی خبر تک نہیں ہے ۔ مثلاً سنار ۔ درزی ۔ لوہار ۔ ترکھان ۔ دھوبی ۔ کمہار ۔ جولاہا ۔ حجام ۔ تیلی وغیرہ ذات یا قوم الگ چیز ہے ۔ اور پیشہ الگ ۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اسکے بیشمار شواہد ہیں ۔

ایک مسئلہ اہم

مندرجہ بالا حالات، واقعات آیات و احادیث کے پیش نظر بغرض رفع فتنہ و فساد فقیہان دین نے فقہ کی کتابوں میں کفاءت کا باب باندھا ۔ یعنی کفوء کا ذکر کیا اور مسائل مشرح و بسط سے بیان کئے ۔ حالانکہ سب مسلمان ایک دوسرے کے ہم کفو ہیں ۔ جہاں تقویٰ و عمل صالح کی خریداری ہے ۔ وہاں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ غیر کفو میں مطلقاً نکاح کی ممانعت نہیں ۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ لڑکی اور اس کا ولی دونوں راضی ہو جائیں ۔ اور اجازت دیدیں ۔ عورت و اولیائے عورت اگر ادنیٰ نسب والے مرد شوہر سے نکاح کر دیں تو درست ہے ۔ اسلئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کبھی غیر کفو میں بھی نکاح کر دیتے تھے ۔ اور کبھی نہیں کرتے تھے ۔ اور آج تک یہی بات چلی آتی ہے ۔ اور اگر باپ دادا کسی اعلیٰ نسب کے اپنی لڑکی یا پوتی کا نکاح کسی ادنیٰ نسب والوں سے کر دیں تو بعد بلوغ اختیار فسخ بھی نہیں رہتا ۔ اسی طرح نومسلموں کے نکاح میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ ان سے عار لاحق نہیں ہونی چاہیئے ۔ اور جس طبقہ نے تفاضل انساب ہی کو مٹانا چاہا اور آیات و احادیث کے تطابق سے انکار کیا ۔ اتنا ہی اہل عجم نے انساب محفوظ نہ ہونیکی وجہ سے فقہائے حنفیہ کی کتب میں مسئلہ کفایت پیشوں کے تفاضل کا ذکر بھی ضروری اور اعتبار کیا گیا ۔ حالانکہ کوئی پیشہ یا مسلمان کمین اور رذیل نہیں ہو سکتا معاملہ نکاح میں کفو کا اعتبار ۔ یا خلافت کے لئے قریش کا حامل ہونا ۔ یا بنی ہاشم کیلئے صدقہ جائز نہ ہونا وغیرہ احکام جو تفاضل انساب پر مبنی ہیں وہ اس کلیہ کے مخالف نہیں ہیں ۔

تاریخ قریش مختصر

پچھلے صفحات میں بھی یہ حدیث گزری ہے۔ اور یہاں پھر پیش نہاد ہونی چاہیئے کہ ہمارے پیشوائے دو جہان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسی خاندان قریش بنو ہاشم کی اولاد سے ہیں جن کا نور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے لیکر ولادت شریف تک ہمیشہ نوع انسانی میں اشرف فرقہ میں رکھا۔ حدیث میں فرمان مصطفویؐ ہے کہ "اللہ تعالےٰ نے اولاد اسمٰعیل میں کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ اور بنو ہاشم سے مجھے برگزیدہ کیا" پس قریش قبل از عہد اسلام بھی درجہ بدرجہ صاحب فضیلت تھے۔ اور جب اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے تو انکی فضیلت میں بات ہی کیا ہوسکتی ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث جو سینکڑوں سال بعد بھی سرچشمہ امامت وخلافت کا سبب بنی رہی۔ اور اسی حدیث کے پیش نظر قریش ہی کی خلافت وامامت مستحق رہی اور بہتر شمار و حقدار شمار ہونے لگے۔ وھو ھذا۔ الائمۃ من القریش الحدیث۔ آئمہ قریش سے ہونگے۔

قریش کی وجہ تسمیہ میں اقوال ہیں۔ اور یہ جملہ اقوال قریش پر صادق آتے ہیں۔ حالت کفر میں بھی قریش کعبہ کی حفاظت کرتے تھے۔ تعظیم وتکریم کرتے تھے اور پھر اصحاب فیل کی تباہی کے بعد تو قریش کی فضیلت تو اور بڑھ گئی۔ اردگرد مال اور عورتیں لوٹ لی جاتی تھیں۔ مگر قریش مکہ میں آرام اور امن سے رہتے تھے۔ قریش کی شجاعت، سخاوت، ذہانت ضرب المثل تھی۔ لوگ ان سے محبت اور انکی تعظیم کرتے تھے۔ گرمی اور جاڑے میں سفر کرکے مال کماتے تھے۔ ان کے بیان میں اللہ تعالےٰ نے خود ایک سورۃ قریش نام لایلف قریش الآیۃ نازل فرمائی ہے۔ غرض قریش ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی نسب سے اس عظیم قبیلہ کا نام ہے۔ جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور سوائے نضر بن کنانہ کے دیگر بیٹوں کی اولاد کو قریش نہیں کہتے ہیں۔

ہمارے پیشوائے دو جہان حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسی قبیلہ قریش کے خاندان بنو ہاشم سے ہاشمی قریشی ہیں۔

شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور دوٹوک تاریخ

(۱) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بن عبداللہ۔ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر بن مالک، بن نضر بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار بن معد بن عدنان (۲۰م)

اور یہاں سے ہوتا ہوا حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم تک جا ملتا ہے جو بنی اسمٰعیل کہلاتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے اسحٰق اور انکے بیٹے یعقوبؑ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ اور انھیں بنی اسرائیل کا ذکر قرآن پاک میں جگہ جگہ آیا ہے۔ اور یہی نسل بعد میں چل کر یہودی اور نصرانیت سے موسوم ہونے لگے۔ ان ہر دو فرقوں کو بظاہر نام کی توریت و انجیل کے متبع کہلاتے ہیں (جن کو انہوں نے محرف کر دیا تھا) اہل کتاب کے نام سے بھی بعض مقامات پر قرآن حکیم میں اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔ اور ماسوائے جن جن اقوام اور لوگوں نے جو کسی کے جی نے چاہا مذہب نکال کر اختیار کر لیا۔ اور انکے پیرو و متبع پیدا ہوگئے۔ آفتاب پرست، بت پرست، آتش پرست، صابی وغیرہ اقوام کفار و مشرکین وغیرہ کے نام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول قرآن کے زمانہ میں پکارے جانے لگے۔ اور انھیں اقوام کفار و مشرکین کی طرف رسول اللہ صلعم کو سرزمین عرب میں پیدا کر کے جملہ اقوام عالم کی طرف خاتم النبیین کی خلعت سے سرفراز فرما کر مکہ شریف میں مبعوث فرمایا۔ پہلے کچھ عرصہ مکہ میں رہے۔ پھر مکہ سے بحکم خدا وندی مدینہ طیبہ میں ہجرت کر گئے۔ اور وہیں فوت ہو کر مدفون ہوئے۔ جنکو مبعوث ہوئے کے بعد چودہ سو سال گزر گئے ہیں۔ کفاروں سے انکی لڑائیاں ہوئیں۔ مکہ شریف بھی فتح ہوا۔ اور جن کے طفیل سے وہ لوگ جو مہاجر و انصار کہلائے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) مددگار جنکی برکت و سعی جمید جہاد سے آج دنیا بھر میں مسلمانوں کا پتہ و نشان ملتا ہے۔ اور انشاءاللہ قیامت تک باقی رہے گا۔ خود محمد رسول اللہ صلعم کی تاریخ۔ انکے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین
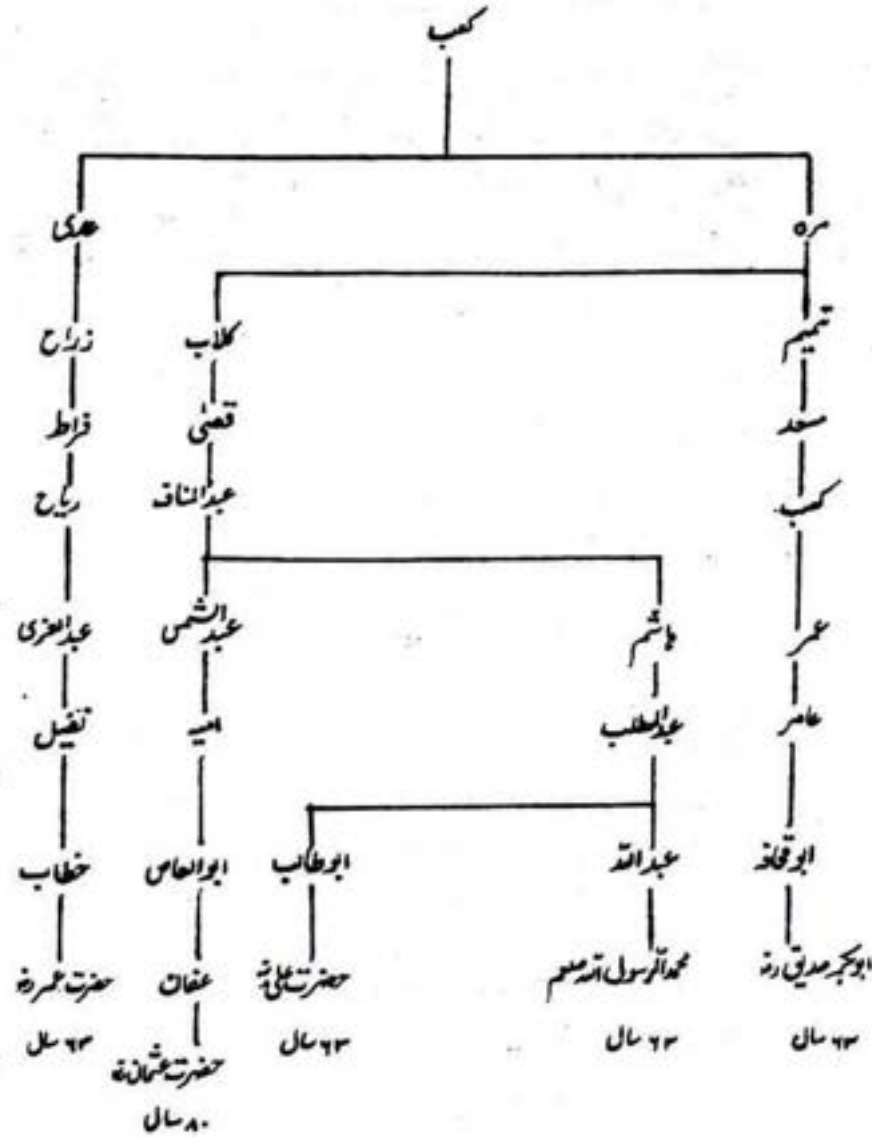
کی تاریخ (یعنی بیان) وہی نزول قرآن کی تاریخ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسری تاریخ نظر نہیں آتی۔ یاد رہے کہ کوئی تاریخ کے لفظ سے تاریخ کی کتاب مراد نہ لے۔ اور نہ میرا یہ مطلب ہے بلکہ بیان قرآن، بیان رسول اللہ صلعم ہے اور بیان رسول اللہ صلعم ہی سے قرآن کا قرآن ہونا ہمیں معلوم ہوا ہے۔ پس کیا سچا ہمارا رسولؐ اور کیسی سچی کتاب ہماری قرآن ہے۔ اور کیسا سچا ہمارا خدا نے پاک و برتر وحدہٗ لاشریک ہے۔ جسنے اپنے پیغمبر محمد الرسول اللہ صلعم پر اسکو اتارا۔ کسی نے کہا ہے ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ!
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

آپؐ ۲۲؍اپریل ۵۷۱ء ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور ۱۲؍ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۱۱؍جون ۶۳۲ء بعمر ۶۳ سال بوقت چاشت اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ط

شجرہ نسب رسول اللہ صلعم و خلفائے اربعہ

کعب
- مرہ
  - تیم
    - سعد
      - کعب
        - عمرو
          - عامر
            - ابو قحافہ
              - ابوبکر صدیق رضؓ — ۶۳ سال
  - کلاب
    - قصی
      - عبد مناف
        - ہاشم
          - عبدالمطلب
            - عبداللہ
              - محمد الرسول اللہ صلعم — ۶۳ سال
            - ابو طالب
              - حضرت علی رضؓ — ۶۳ سال
        - عبد الشمس
          - امیہ
            - ابو العاص
              - عفان
                - حضرت عثمان رضؓ — ۸۰ سال
- عدی
  - زراح
    - قراط
      - ریاح
        - عبدالعزی
          - نفیل
            - خطاب
              - حضرت عمر رضؓ — ۶۳ سال

باب دوئم (۲)

ذکر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ داماد رسول اللہ صلعم

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے ۔ فاطمۃ الزہرا[1] حضرت مقبول محمد الرسول صلعم کی پیاری بیٹی تھیں ۔ چونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ بنی ہاشم سے سلسلہ بسلسلہ مجھے برگزیدہ کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطر تھے ۔ جو آدم سے لیکر عرب میں نچوڑے گئے ۔ جب وہ فوت ہو گئے تو انکی دختر فاطمۃ الزہرا اور ان کے بیٹے حسنؓ و حسینؓ باقی رہے اور یہ حضرت فاطمہؓ کے عطر تھے ۔ اسلئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سادات حسنی و حسینی شرافت میں سارے عالم سے افضل ہیں اور یہی سب سے بڑی فضیلت[1] حضرت علی رضی اللہ کی قسمت میں تھی کہ فاطمہؓ کے شوہر قرار پائے ۔

حضرت علی رضی اللہ رسول اللہ صلعم کے چچا ابو طالب کے بیٹے گویا چچازاد بھائی بھی تھے انکو ابوالحسن و ابو تراب و ابو محمد[2] ، محمد بن الحنفیہ کی کنیت سے ، بھی کہتے تھے ۔ سلسلہ جدی و مادری دونوں جانب سے ہاشمی تھا ۔ آپ ۳۰ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۰ رمضان

---

[1] تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۷۰ وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے تین فضیلتیں (۱) نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا (۲) خیبر کے روز علم دینا (۳) آیت نجویٰ

[2] تفسیر مواہب الرحمان ص ۱۹۰ ابن حنفیہ کا نام محمد تھا ۔ جکی بشارت علیؓ کو رسول اللہ صلعم نے دی تھی (سوانح عمری حضرت علیؓ ص ۲۵ شیخ غلام حسین اینڈ سنز ۔ لاہور)

المبارک ۴۰ھ کو بہ عمر ۶۳ سال از دست عبدالرحمان ابن ملجم خارجی شہید ہوئے ، اور نواح کوفہ نجف اشرف میں مدفون ہوئے ۔ جائے مدفن و قبر میں قدیم سے اختلاف چلے آتے ہیں ۔ تحقیق سیدُ سادات صفحہ ۹۹ پر کوئی گیارہ مقامات کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ عضد الدولہ بنی بویہ دیلمی نے قبر کا پتہ لگا کر جہاں کہ اب موجود ہے ۳۶۹ھ میں شاندار مقبرہ تعمیر کرایا ۔ ۴۴۳ھ میں شیعہ سنیوں کے فساد میں مشہد علیؓ کا بھی کچھ حصہ جل گیا ۔ اور پھر دوبارہ تھوڑے عرصہ کے بعد تعمیر کیا گیا ۔ اور بقول صاحب عمدۃ الطالب وہی تعمیر نویں صدی تک کے شروع میں باقی تھی ۔

حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے اور امیر معاویہ کے قصاص خون عثمانؓ لینے و طلب کرنے کے دوران خود آپس میں لڑائی جھگڑے ہو گئے ۔ عثمانؓ کی شہادت کے بعد چوتھے منبر پر خلیفہ ہوئے ۔ خلافت کے روز اول ہی سے کچھ ایسے واقعات و حالات رونما ہوئے کہ ان کا مختصر دور خلافت اسی کش مکش میں گذر گیا ۔ جنگ جمل و صفین کے بعد موافق و مخالفین کے لئے ایک دوسرے پر تنقید و تمیس کے سینکڑوں دروازے کھل گئے ۔ اور امت محمدی دو عظیم الشان گروہوں میں بٹ گئی ۔ خصوصاً حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد چودہ سو سال گذرنے پر بھی وہ کھویا ہوا مقام واپس نہ مل سکا ۔ اور امت محمدیہ کیلئے یہ سانحہ عظیم تھا ۔

گو احادیث رسول اللہ صلعم میں انکی مدح و مناقب میں وافر ذخیرہ صادر ہوا ہے ۔ مگر خلاف توقع واقعات اہل بیت کی مدح و ثنا میں بے شمار ڈھیر وضعی و نامعقول روایات کے بھی کتابوں میں مدون ہو کر کچھ ایسے غلط ملط ہو گئے کہ سوائے اہل علم و دانش کے انکے جھوٹ و غلط و سچ ہونے میں تمیز نہیں کر سکتا ۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہمارے ملک قدیم ہند و سندھ[1] پر بھی حملہ خشکی کے راستہ از راہ بھرج اور کوہ پایہ ہوا ۔ چنانچہ تاریخ سندھ کے صفحہ ۱۹۸ اور ۱۹۹ پر لکھا ہوا ہے کہ ۳۸ھ میں بسرکردگی تغار بن صغیر جس کے لشکر میں حارث بن مرہ جیسے بہادر و تجربہ کار سردار سربرآوردہ شخص تھے ۔ فتح پائی ۔ لونڈیاں اور غلام ہاتھ آئے اور ان کے زمانہ خلافت میں صرف یہی ایک جہاد اسی حصہ پر ہوا ۔ جو یہ کمی پوری کر دیتا ہے کہ ان کے زمانہ میں کسی غیر ملک

---

[1] سندھ پر سب سے پہلا حملہ ۱۵ھ عہد فاروقیؓ میں بھی ہوا ۔

پر جہاد نہیں ہوا۔

حضرت علیؓ کے متعلق ہمارے پاک و ہند میں بھی کچھ غلط و موہوم تاریخی روایات منسوب ہو گئی ہیں۔ جن کے متعلق مولوی نورالدین صاحب اپنی کتاب زاد الاعوان کے صفحہ ۳۷ اور باب الاعوان کے صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں۔

کہ پنجاب کے اعوانوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت علیؓ نے خیبر میں کفار کیساتھ جہاد کیا اور وہ خیبر قریب پشاور ملک کوہستان ہند میں ہے۔ اور علی مسجد کی بناء حضرت علیؓ نے کی ہے۔ اسی جگہ والدہ محمد حنیفہؒ سے نکاح کیا۔ اور آپ قلعہ خیبر فتح کرکے واپس عرب چلے گئے۔ اولاد یہاں رہی۔ اور آخر پنجاب میں پھیل گئی اور وہ اعوان ہیں۔ یہ سب بناوٹ اور موضوع ہے۔ حضرت علیؓ نہ تو کوہستان خیبر پشاور کو آئے نہ جنگ کیا اور نہ ہی یہاں کوئی نکاح کیا بلکہ جس خیبر کے قلعہ کا ذکر ہے وہ ملک عرب میں ہے۔ اور مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ وہاں یہودی بستے تھے۔ حضرت صلعم کی موجودگی میں وہاں لڑائی ہوئی اور حضرت علی رضہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر فتح ہوا۔ جیسا کہ کتب احادیث و سیر سے ظاہر ہے۔ اور علی مسجد علی کرنانج کی بناء ہے جو عہد شہاب الدین غوری میں تعمیر کی گئی۔ اور یہ روایت تاریخ دلچسپ اردو مطبوعہ دہلی میں آئی ہے۔ انتہی ملخصاً)

بخاری و مسلم میں ایک متفق علیہ حدیث ہے جو اسی فتح خیبر کے واقعہ میں ہے (وہ مشارق الانوار کے اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار صفحہ ۴۵۲ مطبع نظامی واقع کانپور سے نقل کرتا ہوں)

• بخاری اور مسلم میں روایت ہے سہل بن سعدؓ سے۔ کہ حضرت نے فرمایا کہ مقرر میں کل علم دونگا۔ اسی مرد کو جس کے ہاتھوں پر خدا فتح کریگا۔ وہ خدا اور رسول کو چاہتا

عـہ ہو سکتا ہے کہ علی مسجد کی بناء اولاد علیؓ سے کسی نے تعمیر کر کے ان کے نام منسوب کی ہو۔ مگر مولوی نورالدین چشان علی کرنانج جو چشان ہیں ان سے منسوب کرتے ہیں۔ اور اگر خیبر سے وہ خیبر پشاور مراد لیا گیا ہے تو جبکہ قدیم کتب تواریخ میں اسی خیبر کا ذکر نہیں (مصنف)

عـہ تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۱۰۲ پ ۲۶ - ایضاً -

ہے۔ اور خدا و رسول اسکو چاہتے ہیں۔ یعنی علی المرتضیٰ کو یہ حضرتؐ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا۔ (فائدہ حدیث) جنگ خیبر میں حضرتؐ نے جب یہ فرمایا تو رات کو اصحاب میں چرچا ہوا کہ دیکھئے یہ دولت کس کو نصیب ہو۔ صبح کے وقت حضورؐ کی خدمت میں اصحاب حاضر ہوئے ہر ایک شخص اس کا امیدوار تھا۔ سو حضورؐ نے فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا یا حضرت انکی آنکھیں آئی ہیں۔ یعنی کچھ آشوب چشم ہے اور دکھتی ہیں۔ حضرتؐ نے ان کو بلایا اور لب مبارک انکی آنکھ پر لگائی۔ اسی وقت صحت ہو گئی۔ پھر حضرتؐ نے انکو علم دیا۔ خدا نے انکے ہاتھ پر فتح نصیب کی۔ اور اس حدیث سے بڑی فضیلت انکی ثابت ہوئی۔ شجاعت، سخاوت، نفس کشی۔ زہد اور دیگر فضیلتوں میں وہ کامل تھے۔ حضرت علیؓ نے جب شہادت پائی تو حسنؓ حسینؓ اور عبداللہؓ بن جعفر نے غسل[1] دیا اور حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی انا للہ وانا الیہ راجعون ط

حضرت علی رضی اللہ عنہم سادات فاطمی و علویین بہ مشہور الاعوان عرب و عجم کے جد اعلیٰ ہیں۔ یہی ہماری سینہ بسینہ آباً عن جداً سماعی و نقلی روایات متواترہ چودہ سو سالہ ہیں۔ اور یہی ہماری تاریخ کا سرمایہ حیات ہیں۔ یہی ناقابل فہم و قرات اسماء بوسیدہ اور بوسیدہ کاغذوں پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ و حروف دستلم سے لکھے ہوئے نسب نامے جو حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ اور یہی ہمارے اطمینان قلب کیلئے سنگین بنیاد ہے۔ اور یہی سادات و اعوان قوم کی تاریخ کا لب لباب ہے۔ اور یہیں سے علویوں اور اعوانوں، سید اور سادات کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

---

[1] غسل دینے والوں میں چوتھے آدمی محمد ابن الحنفیہؒ بھی تھے۔

ازواج و اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہم کا بیان

خلافت راشدین از مولوی حاجی معین الدین ندوی صفحہ ۲۷۶ پر یوں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعد وفات فاطمۃ الزہری رضہ کے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ اور کثیر اولاد ہوئی۔ وہ نو حرم اور باقی لونڈیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انکی اور انکی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) پہلی شادی حضرت علی رضہ کی حضرت فاطمۃ الزہری رضہ سے ہوئی۔ جن سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ و محسنؓ لڑکے تولد ہوئے۔ زینب کبری اور ام کلثوم کبری دو لڑکیاں پیدا ہوئیں محسنؓ تو بچپنے ہی میں مر گئے۔ اور حسنؓ و حسینؓ کا مختصر ذکر آگے آئے گا۔

(۲) دوسری بیوی ام البنین بنت حزام کلابی زہری سے عباسؓ، عبداللہؓ، جعفرؓ، عثمانؓ چار لڑکے تولد ہوئے۔ اور بہ روایت رحمۃ العالمین از قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے ایک پانچویں بھائی حضرت عباسؓ وغیرہ کے عمر نام کا حقیقی برادران سے ذکر کیا ہے [1] اور اسی کو عمر الاطرف سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ کئی دوسروں نے ایسا نہیں کہا۔ بیان مستقل آگے آئیگا۔ یہ سب کے سب بھائی بہ روایت مشہور حسینؓ کیساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ اور بعض نے عباسؓ کے بارے میں اختلاف بھی کیا (تاریخ اسلام کامل۔ علامہ قاری احمد پیلی بھیت ص ۳۵۹) (خلافت راشدین ص ۲۷۶)

(۳) لیلیٰ بنت مسعود سے عبداللہؓ ابوبکرؓ۔ ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

(۴) اسماء بنت عمیس سے یحییٰؓ و محمد اصغرؓ تولد ہوئے۔

---

[1] زاد الاعوان میں بجز اللہ دیگر کتب والدہ عباسؓ برادران کی ام حبیبہ کو ٹھہرایا ہے جو اکثر دیگر کتب کے خلاف نظر آتا ہے۔ اور عمر بھی پانچویں بھائی ان کا ذکر کیا ہے جو کربلا نے معلیٰ میں حسین رضہ کے ساتھ اکٹھے وہ بھائی بھی شہید ہوئے جن کے اسمائے گرامی خلفائے ثلاثہؓ کے ناموں پر رکھے گئے تھے (تحقیق فدک ص ۱۰۱ احمد شاہ بخاری سرگودھا)

(۵) پانچویں۔ صہبا یا ام حبیبہ بنت ربیعہ اور یہ ام ولد تھیں۔ عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔ عمرؓ نے طویل مدت یعنی پچاسی سال عمر پائی اور انہیں کو عمر الاطرف کتابوں میں کہا گیا ہے۔ اور یہی ٹھیک بھی اور قرین قیاس ہے۔

(۶) چھٹی۔ امامہ بنت ابی العاص۔ حضرت زینب کی صاحبزادی۔ آنحضرت صلعم کی نواسی تھیں۔ محمد اوسط تولد ہوئے

(۷) ہفتم خولہ بنت ایاس بن جعفر سے محمد بن علی جو ابن الحنفیہؒ کے نام سے مشہور ہوئے انہیں کے نام کی وجہ سے حضرت علی رضہ ابو محمد بھی کہلایا کرتے تھے۔ اور باختلاف روایات اعوانان پاکستان قطب شاہیوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ کتاب اختلافی روایات کی تردید میں ہے۔

(۸) آٹھویں۔ ام سعید بنت عروہ۔ ام الحسن اور رملہ پیدا ہوئیں۔

(۹) نہم مخیاۃ بنت امراء القیس کلابیہ سے لڑکی پیدا ہوئی جو بچپنے میں مر گئی۔

ان نو حرموں کے علاوہ انیس لونڈیاں (یعنی کنیزیں) تھیں۔ جن سے بعض اولاد کے نام درج ذیل ہیں۔

ام ہانی۔ میمونہ۔ زینب صغری۔ ام کلثوم صغری۔ فاطمہ۔ امامہ۔ خدیجہ۔ ام الکرام ام سلمہ۔ ام جعفر، جمانہ یا (جمانہ) نفیسہ۔ غرض سترہ لڑکیاں اور ۱۴ لڑکے کل ۳۱ اولادیں شمار کیں۔

کل پسران حضرت علی رضہ کا شمار بہ روایت خلافت راشدین یکجا ملاحظہ ہوں۔

(حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ) (عباسؓ، جعفرؓ۔ عبداللہؓ۔ عثمانؓ) (عبداللہ۔ ابوبکرؓ) (یحییٰؓ۔ محمد اصغر) (عمرؓ) (محمد اوسط) محمد بن علیؓ بمعروف ابن الحنفیہ رہ۔ کل ۱۴ ہوئے

شمار دختران حضرت علی رضہ بہ روایت خلافت راشدین مذکورہ بالا۔

(زینب الکبری۔ ام کلثوم کبری دختران فاطمہؓ) (رقیہ۔ رملہ) ایک لڑکی نامعلوم جو بچپنے میں مر گئی۔ ام ہانی۔ میمونہ۔ زینب صغری۔ رملہ صغری۔ ام کلثوم صغری۔ فاطمہ امامہ، خدیجہ۔ ام الکرام۔ ام سلمہ۔ جمانہ، نفیسہ۔

(۲) ایک اور روایت حضرت علی رضہ کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں کل ۳۶ اولادیں ہوئیں۔ جو مختلف ازواج و کنیزوں کے بطن سے تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علی رضہ ۲۹ سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں کل ۲۹ خاتونوں سے

اور ام ولد کو زوجیت میں لائے (خلافت معاویہ و یزید ص۲۲۵) اور وقت وفات ۴ بیویاں اور ۱۹ ام ولد چھوڑیں (الملل والنحل بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید میں مذکور)

(۳) ایک تیسری روایت اور بھی اس بارہ میں ملاحظہ ہو۔ جسکو محمد حمید اختر مصنف کتاب سوانح حیات سلطان باہوؒ ، الپسران کے نام حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔ (نقل از مناقب سلطانی فارسی۔ بحوالہ کتاب انساب نامہ اور اس نے فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کیا)

(حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ) امیر ابوبکرؓ۔ امیر عمرؓ۔ امیر عمرؓ۔ امیر عثمانؓ۔ امیر علیؓ۔ امیر سعیدؓ۔ امیر طالب۔ امیر ابراہیمؓ۔ امیر سعیدؓ۔ امیر عقیلؓ۔ امیر زیدؓ امیر عباسؓ۔ امیر طلحہؓ۔ امیر عبداللہؓ۔ امیر زبیرؓ۔ امیر محمد بن الحنفیہؓ۔

حمید اختر حیات سلطان باہوؒ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر زبیر بن علی رضہ کی والدہ کا نام میمنہ تھا۔ جو رستم پہلوان کی اولاد سے تھیں۔ تیس واسطوں سے سلطان باہوؒ کا نسب نامہ حضرت زبیر اور اکتیس واسطوں سے حضرت علی رضہ سے جا ملتا ہے۔ (اور اس میں کلام کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضہ کا کوئی بیٹا زبیر نام ہو بلکہ اختلاف قدیمی ہے۔ بعضوں نے کہا کہ زبیر رضہ سے شجرہ نسب ملانیوالے تاریخ سے واقف نہیں۔ اور بعض نے زبیر لقب امام حنیفؒ کا بھی بیان کیا ہے۔ اور کسی نے زبیر بن محمد بن الحنفیہؒ بھی پرانے شجروں میں نقل کیا۔ مزید ذکر اپنے مقام پر آئیگا) اور حمید اختر نے جس حوالہ سے یہ شجرہ سلطان باہوؒ نقل کیا۔ اس کا نام مناقب سلطانی جو فارسی میں ہے دیا ہے اور مناقب سلطانی نے فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کیا ہے۔

(۴) ایک چوتھی روایت بھی حضرت علیؓ کی اولاد میں ملاحظہ ہو۔ جسکو ماسٹر فقیر اللہ سنگھوری ضلع مظفرآباد نے اپنے پمفلٹ کی شکل کے چھوٹے رسالہ موسومہ از سلسلہ تواریخ الاعوان ص ۱۱ نمبر ۶ میں ذکر کیا۔ اور وہ نام یہ تھے۔

حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ۔ امام محمد حنیفؒ۔ عباسؓ۔ عمرؓ۔ حمزہؓ۔ سالارؓ معیثؓ۔ فنیقؓ۔ طالب۔ حارث۔ عونؓ۔ خاقانؓ۔ ابراہیم۔ سیفقؓ۔ جعفر طیار تبریزؓ۔ طوغانؓ۔

(۵) پانچویں روایت میں اسی ماسٹر فقیر اللہ سنگھوری نے دیگر اختلافی نام بھی ذکر کئے ہیں جو جنگ نامہ حامد وغیرہ سے لکھے ہیں جو ضعیف، غلط، نامقبول، مبالغہ آمیز روایات کے حامل و پنجابی شاعر ہیں۔

حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ۔ محمد حنیفؒ۔ عباسؓ اکبر۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ اوسطؓ۔ محمد اصغرؓ عثمان اکبرؓ۔ عمر اصغرؓ۔ جعفر اکبرؓ۔ صالحؓ۔ عبداللہؓ۔ عباس اصغرؓ۔ عثمان اصغرؓ۔ عونؓ۔ یحییٰؓ ——— (ص ۱۵ تواریخ سلسلۃ الاعوان ۶ئ)

رحمت اللعالمین قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی حضرت علی رضہ کی اولاد میں عون بن علی رضہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر بہت سی دیگر مستند تاریخی کتب میں عون نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور تاریخ مذکور میں محمد اوسط کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بھی جنگ کربلا میں شہید ہوئے۔ بنی دوام کے ایک شخص کا تیر لگا۔ اور انکا سلسلہ نسب گم ہونا بیان ہوا۔

(۶) چھٹی روایت۔ شیخ شرف الدین بحوالہ زاد الاعوان کے ہے۔ کہ انہوں نے انیس بیٹے بیان کئے۔ چھ انکی حیات میں مرگئے۔ محسن۔ یحییٰ۔ عبیداللہ (یا عبداللہ) ——— محمد اوسط اور دو دوسرے۔ اور تیرہ بعد باقی رہے۔ یعنی حسن رضہ۔ حسین رضہ۔ محمد حنیفہ رحم۔ ابوبکر رضہ۔ عمرؓ۔ عثمان رضہ۔ عون۔ جعفر رضہ۔ عبداللہ رضہ۔ فضلؓ۔ عباس رضہ اور دوسرے اور چھ نے کربلا میں شہادت پائی۔ ابوبکر رضہ۔ محمد اصغر رضہ۔ عثمان رضہ۔ عون رضہ جعفرؓ فضلؓ۔ عباسؓ۔ و بقول دیگر عمر علیؓ۔ اور شاید یہ حضرت حسین رضہ کے علاوہ بھائی شمار ہوئے۔

یہ ہیں وہ متعدد و اختلافی اقوال دربارہ اولاد حضرت علیؓ و ازواج کے جو آپکے سامنے تاریخوں سے بیان کئے گئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اولاد۔ ازواج۔ اسماء تعداد وغیرہ میں اختلاف قدیمی ہے۔ اصلی لقب۔ کنیت۔ کاتبوں اور چھاپہ خانوں وغیرہ کی خامیوں سے معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ کسی نے بچپن میں مرنیوالوں کو بھی شمار کر لیا اور کسی نے انکو نظر انداز کر کے شمار کر لیا۔ معلوم نہیں کہ تبریز کی جگہ زبیر چھاپ گیا۔ یا زبیر تبریز بنا دیا گیا۔ اسی طرح فنیل سے عقیل یا سیقل

ع۔ زاد الاعوان میں حامد شاعر سے جو نام نقل کئے ہیں وہ اس سے بھی مختلف ہیں بعض نام ملتے ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ اسی طرح محمد اور امام حنیف ہیں

ہو گیا۔ یا عقیل سے فضیل پڑھ لیا گیا۔

لیکن اکثر کتابوں میں جو بات متفق پائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فرزندان علیؓ جنکی اولاد جاری ہوئی اور آج تک سلسلہ نسب باقی ہے۔ وہ صرف پانچ فرزند ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حسنؓ (۲) حسینؓ (۳) عباسؓ (۴) عمر الاطرفؒ۔ اور (۵) محمد بن الحنفیہؒ

اور جن لوگوں نے (۶) حضرت زبیر بن علی رضہ سے نسب ملایا۔ وہ کہا گیا ہے کہ تاریخ سے ناواقفی یا مغالطہ کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ بعض روایتوں میں امام حنیف کا لقب زبیر بھی وارد ہوا ہے۔ شاید اسی کنیت پر زبیر فرزند حضرت علی رضہ جو لقب امام محمد بن الحنفیہؒ ہے مراد ہوں۔ اور بالکل ناواقفی اور اجنبیت میں ہی نے بعض شجرہ خوانوں زبانی پڑھنے والوں سے لقب زبیر امام حنیف کا پڑھا گیا پایا اور روایت کیا گیا۔[عنہ] واللہ اعلم بالصواب۔

عنہ از یادداشت غلام ربانی نوکوٹ ۲۳/۹/۶۴

مختصر ذکر حضرت حسن رضی اللہ عنہ

آپ حضرت علی رضہ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ جو بعد وفات حضرت علی رضہ چھ ماہ عہد خلافت نبوت پر متمکن رہے۔ اور اسکے بعد حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے گوشہ نشینی میں زہد و عبادت کی زندگی گزارنے میں مشغول ہو گئے۔ اور یوں وہ حدیثوں کی پیشگوئی جو رسول اللہ صلعم نے انکی ذات سے وابستہ فرمائی تھیں۔ پوری ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ "میرے بعد خلافت نبوت تیس سال ہوگی" اور خلافت کے بعد "بادشاہت اور اس کا مستقر ملک شام ہوگا"۔ اس حدیث پر گو بعض کتابوں میں جرح کی گئی ہے مگر وہ اثبات مدعا کیلئے غیر مفید نہیں۔ اور نہ اس جرح کو قبول کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ "یہ بیٹا میرا سید ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی ذات سے مومنوں کے دو بہت بڑے گروہوں کے درمیان اصلاح کرا دے"[علہ] اور ایسے ہی ہوا۔ باختلاف روایات آپکی ولادت ۱۰ شعبان یا رمضان المبارک ۳ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۵۱ھ میں ہوئی۔ عمر میں اختلافی اقوال بھی آئے ہیں۔ آپکی اولاد میں گیارہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔ فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

زید۔ حسن مثنیٰ۔ حسین۔ طلحہ۔ اسماعیل۔ عبداللہ۔ حمزہ۔ یعقوب۔ عبدالرحمان عمر۔ قاسم ان میں سے عمر۔ حضرت قاسم و عبداللہ اپنے چچا حضرت حسین رضہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

رحمت اللعالمین قاضی سلیمان منصور پوری میں صفحہ ۱۱۱ - ۱۱۳ پر بارہ بیٹے بیان کئے ہیں۔ جن میں سے جلا گزشتہ ناموں کے ابوبکر نام ذکر کیا ہے۔ جو کل بارہ ہو گئے۔ اور لڑکیوں کے نام فاطمہ۔ ام سلمہ۔ ام عبداللہ۔ ام الحسن رملہ۔ ام الحسن۔ اولاد چار لڑکوں سے ہوئی۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

علہ تفسیر مواہب الرحمٰن پ ۳۶ ص۔ ۱۹۵ و ص ۱۶۲ پ ۲۸

زید۔ حسن مثنیٰ۔ حسین اثرم وعمر ہیں۔ اور ان چاروں میں سے بھی حسین اثرم وعمر کی اولاد چھوٹی عمر میں مرگئی۔

(۱) زیدؓ کی اولاد کا حال یہ ہوا کہ ان کا بیٹا محمد حسن ہوا۔ کہ منصور دوانقی (یعنی دمڑی کا حساب لینے والا) کے زمانہ میں آپ مدینے کے سردار تھے۔ حضرت سید محمد گیسو دراز مدفون گلبرگہ علاقہ نظام دکن حیدرآباد جو خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے تھے۔ انھیں زید بن حسن کی اولاد سے تھے علہ محمد حسن کی سات بیٹے تھے نام یہ ہیں

ابو محمد قاسم۔ ابوالحسن علی۔ ابو طاہر زید۔ ابو اسحٰق ابراہیم۔ ابو زید عبداللہ ابوالحسن اسحٰق۔ ابو محمد اسمٰعیل۔ ان میں سے چار لڑکوں کی اولاد بہت تھوڑی ہوئی۔ اور تین کی بہت زیادہ۔ ایک اسحاق کہ قبیلہ خطیبیان انکی نسل سے ہیں۔ دوم زید کی نسل سے بنو طاہرہ قبیلہ ہے۔ سوم حضرت ابراہیم ابن حسن کی اولاد ارمنہ۔ نصیبین اور حبشہ کو چلی گئی۔

جنکی اولاد زیادہ ہوئی ان میں سے ایک اسمٰعیل جنکو داعی الکبیر و داعی اول کہتے ہیں۔ اور یہ مدت تک طبرستان میں بادشاہ تھے۔ اور اب بھی یمن میں زیدی خاندان حکمران ہے۔ دوم علی کہ امام عبدالعظیم صاحب مسجد شجرہ انکے فرزندوں سے ہے۔ اور امام عبدالعظیم کا مزار رے میں ہے۔ سوم قاسم اور انکی اولاد عبدالرحمان شجری و محمد بطحانی ہیں۔ محمد بطحان کی اولاد سے۔ ہارون و عیسیٰ و موسیٰ و قاسم چار ہیں۔ سادات گیسو دراز آمل و طبرستان میں انھیں کی اولاد سے ہیں۔

عبدالرحمٰن کی نسل شجری مشہور ہے

(۲) حال اولاد حسن مثنیٰؓ۔ فرزند حضرت حسنؓ جو ۹۷ھ کو فوت ہوئے۔ انکی والدہ خولہ بنت منظور تھیں۔ جنگ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور پھر صحت یاب ہوگئے۔ حال یوں ہے۔ اور انکے نکاح میں حضرت حسین رضؓ کی دختر فاطمہ تھیں۔ جس سے تین لڑکے

علہ شیخ طریقت راجو قتال المتوفی ۸۰۳ھ جو خاندان صدرجہان قنوجی۔ زیدیان سنبھل و سامانہ۔ زیدیان رسولدار و خاندان اضلاع بجنور رجاب زید کی نسل سے بتائے جاتے ہیں (تحقیق مزید ص ۱۸۰)

پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ تھے۔

عبداللہ المحض۔ ابراہیم غمر۔ اور حسن مثلث اور یہ تینوں وہ شخص ہیں جو سب سے پہلے طرفین سے فاطمی ہیں۔ اور یہ شرف کسی اور کو نہیں۔ اسی لئے المحض کہلائے۔ اور ان حسن مثنیٰ کے دو لڑکے اور بھی تھے۔ داؤد وجعفر۔ جنکی والدہ کا نام حبیبہ رومیہ تھا۔ داؤد کا بیٹا سلیمان دوانقی ہوا۔ اور جعفر بن حسن مثنیٰ کا بیٹا سلیق ہوا۔ سادات سلیقی کا سلسلہ محمد بن سلیق بن جعفر بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضؓ سے ملتا ہے۔ ابو علی الحسن مثلث اپنے وقت کے نامور بزرگ برگزیدہ ہوئے۔ اور حضرت عابد حسین بن علی شہید صاحب جنگ فخ انکی نسل سے ہے۔

(۱) عبداللہ محض کے چھ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ محمد الارقط۔ ابراہیم۔ موسیٰ یحییٰ۔ سلیمان۔ ادریس۔ حضرت محمد کی کنیت ابوالقاسم بھی تھی۔ اور اس زمانے کے لوگوں نے مہدی کا لقب دیا۔ محمد۔ ابراہیم۔ اور یحییٰ نے اپنے وقت میں حکومت کیخلاف خروج کیا اور قتل ہوئے۔ اور نفس زکیہ بھی انھیں نام لوگوں نے دیا۔ ابی محمد عبداللہ الاشتر انکا بی محمد کے بیٹے ہیں۔ جو کابل میں شہید ہوئے اور انکی اولاد بنی اشتر مشہور ہوئی۔

کہتے ہیں کہ محمد اور ابراہیم کی حمایت کا امام مالکؒ اور ابو حنیفہ رضؓ نے فتویٰ جہاد دیا اور درہم و دینار سے ابو حنیفہ رضؓ نے مدد بھی کی۔ یہ روایات مختلف فیہ ہیں (تحقیق مزید ۱۸۸۔ ۱۹۰۔ ۱۹۲۔ ۱۹۵) باقی کچھ حال علویوں کی انقلابی تحریک میں آئیگا۔ اور شمار و اعداد جمع کئے گئے ہیں۔

ابراہیم کا بیٹا حسن زندہ رہا۔ اور موسیٰ بن عبداللہ کا لقب جون ہے۔ موسیٰ کے دو فرزند ایک عبداللہ اور دوسرا ابراہیم۔ عبداللہ کو شیخ صالح کہتے ہیں۔ جن کا بیٹا موسیٰ ثانی ہوا۔ انکی اولاد موسیوین کہلاتی ہے۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ موسیٰ ثانی کی اولاد سے ہیں۔

شجرہ نسب عبدالقادر جیلانی یوں مذکور ہوا ہے۔ اور اختلاف بھی ہے۔

عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بن سید ابو صالح بن موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید یحییٰ۔ بن سید محمد مورث۔ بن سید ابوبکر داؤد۔ بن موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ صالح، بن موسیٰ

علہ جادۂ کا فرور کے قد حوالہ۔ البتہ رجوان جسی الدوفہ منگیوں ثانی کے فرق کیساتھ ہو جاتا ہے (اعوان)

جون۔ بن عبداللہ محض۔ بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب (کذا فی زاد الاعوان)

(۲) اور ابراہیم الغمر۔ غمر نام کثرت جود سے پڑ گیا۔ ۱۴۵ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انکی نسل ابراہیم ویباج سے جاری ہے۔ انکی کنیت ابو ابراہیم اور لقب شریف الخاص تھا۔ ان کے فرزند حسن کی نسل از دو فرزندان اشج اور ابراہیم طبا طبا سے کثیر جاری ہے۔ جو بادشاہ بنتے رہے ہیں۔ اور ناصریہ خاندان جنکی حکومت یمن میں تھی ابراہیم کی اولاد تھا۔ پہلا بادشاہ ناصر الدین اللہ تھا (اور یمن میں اب بھی زیدیہ خاندان حکمران ہے (تحقیق مزید ۱۸۰)

سادات بنو معیہ کا سلسلہ انھیں میں آ شامل ہوتا ہے۔ بنو معیہ سے عماد الدین بن محمد بن حسین بن قریش کی اولاد دہلی میں ہے۔

(۳) حسن مثلث بن حسن مثنیٰ کنیت ابو علی ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ نسل دنیا میں موجود ہے۔

(۴) داؤد بن حسن کی والدہ رومیہ ہیں اور انکی نسل سلیمان بن داؤد سے جاری ہے۔ سلیمان کے چار فرزند تھے۔ موسیٰ، داؤد، اسحٰق و حسن سے نسل جاری و باقی ہے۔ دو انمیں شہید ہوئے۔

(۵) جعفر بن حسن مثنیٰ نے ۱۳۸ھ میں وفات پائی۔ ان کا بیٹا حسن تھا۔ جنکی نسل عبداللہ و جعفر ملقب بہ غدار اور محمد سلیق سے جاری ہے۔ قزوین۔ لاڑوند۔ مراغہ میں یہ نسل سلیقی پائی جاتی ہے۔

مختصر ذکر حضرت حسینؓ شہید کربلا

حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی فاطمۃ الزہرا دختر رسول اللہ صلعم کے بطن سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت باختلاف روایات انکی عمر ۸-۹ کی تھی انکی شخصیت محتاج بیان و تعارف نہیں۔ حضرت حسینؓ کا نام و کام و محبت مسلمانوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ملتی ہے۔ اور بیشک سادات حسنی و حسینی محمد رسول اللہ صلعم کا عطر و نچوڑ ہیں۔ اور تقوای اس محبت کی شرط اولین ہے آنکھ کھلتے ہی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے۔

کربلا کی شہادت پانے اور ذکر اذکار میں طول و طویل افسانے عالم وجود میں آ گئے ہیں اور اسی بے پناہ محبت کی وجہ سے ہی بعض غلط افسانے اور اقوال انکی طرفداری میں گھڑ اور وضع کر کے منسوب کئے جانے لگے۔ اور ایسی روایتوں کے دو متضاد پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے افسانہ نویسوں نے انبار لگا دیئے۔ جنمیں اصلی و نقلی کی شناخت کرنا ہر کہ و مہ کیلئے آسان کام نہیں۔ دنیوی۔ سیاسی اغراض رکھنے والوں اور بعض سادہ لوح مسلمانوں نے حسینؓ کے نواسہ رسول اکرم ہونیکی وجہ اور بے پناہ محبت کی بناء پر ایسے عقائد، اقوال، افعال منظاہر اور جانے انکی وفات کے بعد شروع کر دیئے کہ جنکی اصل نزد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین شریعت مقصد و مدعا کیخلاف شریعت مصطفوی کے بنیادی اصولوں پر جا پڑتی ہے۔ ہم اپنے نفس اور شیطان کی شرارتوں و وسوسوں سے اللہ کی درگاہ میں پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت حسین شہید کی بے وقت اور ہنگامی موت نے دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ جو آج تک چودہ سو سال گذرنے پر بھی مسلمانوں کے دلوں میں انکی یاد ہر دم تازہ ہے۔ اور اسی طرح قیامت تک مسلمان انھیں یاد کرتے رہیں گے۔ مگر یادش بالخیر ہو۔

حضرت حسینؓ آج سے تقریباً سوا تیرہ سو سال پہلے ۱۰ محرم ۶۱ھ کو مع بیٹوں بھتیجوں خویشوں، بھائیوں اور تعلقداروں کے چند ساعتوں میں یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ جنکی موت و سانحہ عظیم پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہوگا۔ افسوس ایسا نہ ہوا ہوتا۔

جعفر صادق پسر محمد باقرؒ :- انکی والدہ ابو بکر الصدیق کے پوتے قاسم الفقیہ کی بیٹی تھیں
اسلئے صادق فخر فرمایا کرتے ! - ولادت ۸۳ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی جنت
البقیع میں مدفون ہوئے - ان کے سات فرزند تھے - اسماعیل، عبداللہ، موسیٰ کاظم، اسحٰق
محمد، عباس، علی تھے -

اسماعیلؒ بڑے تھے - جعفر صادق کے بعد - اسمٰعیلیہ فرقہ کے لوگ انہیں امام مانتے
ہیں - آغا خانی اسماعیلیہ شیعہ اسی نسب سے تعلق رکھتے ہیں انکی نسل محمد اور علی دو فرزندوں
سے جاری ہے -

محمد الدیباجؒ دعویٰ خلافت بھی کیا - گرفتاری کے بعد مامون الرشید خلیفہ عباسی نے ان کو
معاف کرکے رہا کردیا - انکی نسل علی الغفاری - قاسم، حسن سے جاری ہے -

موسیٰ کاظمؒ :- ولادت ۱۲۸ھ وفات ۷ رجب ۱۸۳ھ بمقام بغداد ہوئی -
۲۳ بیٹے اور ۳۷ لڑکیاں تھیں - ۵ فرزندان، عبدالرحمٰن - عقیل - قاسم، یحییٰ،
داؤد لاولد تھے - ۳ فرزندان سلیمان - فضل، احمد کی صرف لڑکیاں ہی تھیں جبکہ
ابراہیم الاکبر، ہارون، زید، حسن کی اولاد کے متعلق علمائے نسب میں اختلاف ہے
دس فرزندان علی رضا - ابراہیم الاصغر، عباس، اسماعیل، اسحٰق، حمزہ، عبداللہ
عبیداللہ، جعفر کی نسل جاری ہے - (کذافی رحمۃ اللعالمین سلیمان منصورپوری)
مگر وہاں ایک نام رہ گیا ہے - اور باب الاعوان میں کہا کہ ۱۳ تھے - علی رضا - ابراہیم
مرتضیٰ - محمد - عابد، جعفر، ادریس وغیرہ نام لئے -
خواجہ معین الدین چشتی اجمیری موسیٰ کاظمؒ کی اولاد سے ہیں -

علی رضاؒ پسر موسیٰ کاظمؒ ولادت ۱۴۸ھ وفات ماہ صفر ۲۰۳ھ بعمر ۵۵ سال مزار مشہد
مقدس میں ہے - انکی اولاد پانچ لڑکے تھے - محمد، حسن، جعفر، ابراہیم، حسین -

محمد تقی الجواد عسکری :- پسر علی رضا، ولادت ۱۰ رجب ۱۹۵ھ وفات ۳۰ جمادی الآخر ۲۵۳ھ دفن
سرمن رائے بغداد - ابن بطوطہ نے موسیٰ کاظمؒ اور محمد الجواد کی قبروں کا بغداد میں ہونا
بیان کیا ہے (تحقیق سید و سادات ص ۱۱۵) اور سفرنامہ عراق عرب، بغداد مولوی محبوب
عالم المشہور کے صفحہ ۱۰۳ پر بھی موسیٰ کاظم اور انکے پوتے محمد تقی کی قبروں کا چشم دید
بیان کاظمین شہرستان واقع بغداد بیان کیا ہے جو ۱۹۱۶ء کو منجانب حکومت برطانیہ

جنگ عظیم میں فتح کے بعد ایک جائزہ کے لئے بشمول دیگر اخبار نویسان بغداد بھیجے گئے
تھے -

ان کے دو بیٹے (۱) علی الہادی (۲) المبرقع - المبرقع کی نسل انکے فرزند احمد
سے جاری ہوئی - مضافات لکھنؤ خیرآباد، پانی پت، سامانہ میں نسل پائی جاتی ہے
اولاد کو رضوی کہتے ہیں - ڈاکٹر سرسید احمد خان مرحوم بانی علی گڑھ یونیورسٹی ان ہی کی
نسل سے ہیں -

علی نقیؒ :- پسر محمد تقی - ولادت نصف ذوالحجہ ۲۱۲ھ - وفات ۲۶ جمادی الآخر ۲۵۴ھ
سرمن رائے - ان کے دو فرزند - ابو عبداللہ جعفر (کذاب) بعض لوگ اسلئے شامل کرتے ہیں کہ
انہوں نے اپنے بھائی حسن عسکری کے بعد امام ہونے کا دعویٰ کیا - انکی اولاد انکو جعفر
تواب کہتی ہے - اور رضوی کہلاتے ہیں ۱۲۰ بچوں کے باپ تھے - وفات ۲۷۱ھ میں
ہوئی - ان کے چھ فرزندوں سے نسل جاری ہوئی -
اسمٰعیل حریف، یحییٰ الصوفی - ہارون، علی المختار - ادریس، طاہر -
اسمٰعیل حریف اور یحییٰ الصوفی کی اولاد مصر میں ہے - ہارون بن جعفر کی اولاد سادات
امروہہ مشہد میں - علی المختار کی اولاد سے سادات بھکر ہیں - خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
المتوفی ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ اسی شاخ سے ہیں -
باب الاعوان میں جعفر بن محمد تقی کی اولاد سے قطب دہلوی اور علی نقی یا ہادی
کی اولاد سے خواجہ نظام الدین اولیاء لکھا ہے - لیکن جعفر نام امام تقی کا کوئی لڑکا نہیں ہوا
ادریس بن جعفر کی نسل قاسم سے جاری ہے - اولاد قواسمی کہلاتی ہے -

حسن عسکری یا ذکی :- ولادت ماہ رمضان ۲۳۲ھ - وفات ۸ - ربیع الاول ۲۶۰ھ سرمن
رائے - انکا ایک فرزند تھا - محمد جو شعبان ۲۵۵ھ کو پیدا ہوا - اور ۴ سال کی عمر میں بقول
شیعہ اثنا عشری امامیہ سرمن رائے کے غار میں غائب ہوگئے - اور اسکو وہ محمد المہدی
المنتظر مانتے ہیں - اور سنی حضرات اس عقیدہ سے اختلاف رکھتے ہیں -

ابراہیم الاصغر :- یا مرتضیٰ ابن موسیٰ کاظمؒ کی اولاد کثیر دو لڑکوں موسیٰ و جعفر سے چلی - موسیٰ
کے آٹھ فرزند (عبیداللہ، عیسیٰ، علی، جعفر) محمد، احمد کبیر، ابراہیم عسکری، حسین
ان میں سے چار اول کی اولاد بہت کم ہوئی - اور مؤخر الذکر چار کی اولاد زیادہ ہوئی -

عبیداللہ کی اولاد بصرہ میں۔ عیسیٰ کی فارس میں۔ علی کی شیراز۔ دینور میں اور جعفر کی ترمذ میں ہے۔

محمد اعرج :- جنکی اولاد موسیٰ برقع پوش ہے۔ احمد کبیر جنکی نسل سے سید احمد رفاعیؒ جو مشہور ہیں۔ ابراہیم عسکری کی اولاد بھی کثیر ہے۔ حسین و ابی الحسن دیلمی انکے فرزند ہیں۔ لنگڑے ہونیکی وجہ سے اعرج کہلائے۔

حمزہ بن موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے بادشاہان ایران صفویہ ہیں۔

علی العریضی بن جعفر صادقؑ :- کی کنیت ابوالحسن ہے۔ عریض مدینہ سے دور آٹھ میل ایک گاؤں ہے۔ انکے چار فرزندوں سے نسل جاری ہے۔ نام :- محمد۔ احمد شعرانی، حسن، جعفر اصغر یمن، صغر کے بعد بھی رہا جو مسطور ہوا۔ حسن العریضی کا نام عیسیٰ بھی ہے۔ اس کا بیٹا، عبداللہ تھا۔ جنکی اولاد مدینہ۔ مصر نصیبین میں ہے۔ احمد شعرانی کی اولاد بہت رہی۔ اور محمد علی عریضی کی اولاد بھی کثیر ہے۔ اور عیسیٰ رومی اکبر محمد کا بیٹا تھا۔ جنکی اولاد عراق عرب میں ہے۔

اسحٰق بن جعفر صادقؑ :- مؤتمن لقب تھا۔ تین فرزندوں محمد، حسن، حسین سے نسل جاری رہی

(۲) عبداللہ باہر بن زین العابدینؑ :- انکی نسل محمد الاقطع سے جاری ہے۔ ایک بیٹا اسمٰعیل اور اسمٰعیل کے دو بیٹے۔ حسین۔ محمد انکی نسل رہے۔ قم۔ جرجان میں ہے

(۳) زید الشہید بن زین العابدینؑ :- کوفہ میں خروج کیا اور ۱۲۲ھ کو شہید ہوئے۔ یحییٰ خراسان چلا گیا اور باقی تین بیٹے روپوش ہوگئے۔ یحییٰ بھی بعد کو شہید ہوئے۔ باقی بیٹوں کے نام حسین ذی الدمعہ۔ عیسیٰ۔ مؤتم الاشبال (اشبال شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا) انہوں نے دست بدست شیر کو ہلاک کیا۔ رحمتہ العالمین منصور پوری) محمد سے نسل جاری ہوئی۔ حسین ذی الدمعہ نے ۱۳۵ھ کو وفات پائی۔ اولاد کیتھل۔ سنبھل میں پائی جاتی ہے ترمذی کہلائے جاتے ہیں۔ عیسیٰ مؤتم الاشبال کے چار فرزند احمد، زید، محمد، حسین، سادات بارہہ و بلگرام کا نسب محمد بن عیسیٰ سے ملتا ہے۔ حسان الہند میر غلام علی بلگرامی متوفی ۱۲۰۰ھ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ (رحمتہ العالمین منصور پوری)

(۴) عمر الاشرف بن زین العابدینؑ :- انکی نسل علی اصغر سے جو محدث تھے جاری ہے۔ انکے تین فرزند قاسم، عمر الشجری۔ ابو محمد الحسن تھے۔ بنو زہران۔ و شعرانیاں انکی نسل سے ہیں۔ باعتبار

نسب نامہ خواجہ حسن نظامی مرحوم دہلوی عمر الاشرف کی اولاد سے تھے۔

(۵) حسین الاصغر بن زین العابدینؑ :- انکے پانچ لڑکوں کے نام :- عبیداللہ۔ عبداللہ۔ علی۔ ابو محمد الحسن، سلیمان۔

(۱) عبیداللہ اعرج و اس کا بیٹا علی صالح صاحب ریاست عراق۔ و امیر ابوالحسن اشتر ممدوح ابو طیب و سادات بلخ اسکی اولاد سے ہیں۔

(۲) عبیداللہ اس کا بیٹا جعفر ہے۔ جنکی اولاد سادات عقیقون و ملوک رہے ہیں۔ اور سید امیر کبیر علی ہمدانی عبداللہ کی اولاد سے ہیں

(۳) علی کی بھی اولاد بہت ہے (۴) ابو محمد الحسن انکا بیٹا عبداللہ ہے۔ اور اس کا بیٹا محمد نقیب سے شیراز اور سادات سلیق محمد بن عبداللہ بن حسن کی اولاد ہے۔

(۵) سلیمان کی اولاد مغرب و مصر میں ہے (زاد الاعوان بحوالہ تذکرۃ الشہداء) خواجہ ابو یوسف چشتی و خواجہ ابو یوسف ہمدانی و خواجہ نقشبندی بخاری بھی اولاد آئمہ سادات سے ہیں۔

حکومت اہل بیتؑ

جب اہلبیت خلفائے امویہ و عباسیہ سے ڈرتے اور چھپتے پھرتے تھے۔ تب یہ ایسے مقامات پر بھی جا بسے تھے۔ جہاں ان خلفاء کا گذر اور زور نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ خیلان، ملتان، بلاد عجم یمن، نجد، عرب، مصر، و مراکش، شمالی افریقہ اور کچھ وہاں حکومت بھی بنالی یمن میں ان سے پہلے امام یحییٰ از نسل حسن مثنیٰ ۲۸۰ھ میں بادشاہ ہوگئے۔ قرامطہ سے لڑائیاں لڑیں۔ اٹھارہ برس جہاد کیا۔ مرتضیٰ محمد پسر یحییٰ حاکم ہوئے۔ پھر ان کے بیٹے ناصر احمد، پھر امام قاسم علی جو ۳۲۵ھ میں مر گئے۔ پھر انکے بیٹے حسین پھر یوسف بن یحییٰ ہوئے جو ۴۰۳ھ میں مر گئے۔ ابو ہاشم ابو الفتح ناصر۔ متوکل علی اللہ احمد ہوئے جو ۵۶۶ھ میں فوت ہو گئے۔ منصور باللہ ۶۱۴ھ میں فوت ہوا۔ داعی صغیر، ہادی احمد حسین، حسن بن علی پھر ابراہیم بن تاج الدین، پھر مطہر بن یحییٰ پھر انکے بیٹے محمد عمر، علی بن صلاح۔ پھر موید باللہ، یحییٰ بن حمزہ امام ہوئے انکے بعد امام احمد بن علی ابو الفتح کی اولاد سے مہدی مرتضیٰ علی بن محمد ہادی قائم ہوئے۔ ناصر صلاح بن علی، علی

(حاشیہ بر صفحہ)

بن صلاح، صلاح بن علی وغیرہ۔

طبرستان میں تین افراد از خاندان امام حسنؑ اور تین از نسل حسینؑ برسرِ اقتدار تھے۔ پہلے خاندان حسینؑ سے

(۱) ہشام (داعی حق) ۲۵۰ھ میں رے اور دیلم میں بادشاہت قائم کر لی۔

(۲) ہشام کا بھائی (قائم بحق) محمد بادشاہ ہوا ۲۸۷ھ میں قتل کر دیا گیا۔

(۳) مہدی حسن بن زید الثانی بادشاہ ہوا۔ اور اسکے بعد تین خاندان حسنؑ سے حکمران بنے ۲۵۰ھ تا ۳۱۶ھ تک حکومت رہی۔ دیلم و رے میں بھی حاکم رہے۔ خاندان ادارسہ (ادریسیہ) اور عبیدی فاطمیین بھی حاکم ہوئے۔ جن کا ذکر آئندہ اوراق میں اپنے محل پر آئیگا۔

السیّد

لفظ سیّد کا صحیح مفہوم سردار۔ سربراہ۔ محترم۔ مکرم۔ مالک۔ مخدوم وغیرہ کے آیا ہے۔ اور ہماری اصطلاح پاک و ہند میں بنی فاطمہؓ لقب سیّد سے مشہور ہیں اور یہ پانچویں آخر اور چھٹی صدی ہجری کے شروع سے اولاد حسینؑ پر بولا سمجھا جانے لگا۔ ورنہ اس سے پہلے علوی مشترک اولاد علیؓ پر بولا جاتا تھا۔ اور اولاد فاطمہؓ و دیگر اولاد علیؓ از بطن دیگر ازواج علوین فاطمیین وغیرہ کی تمیز قائم تھی۔[1]

سیّد یعنی سردار کے اس طرح کہ لوگ اسکی طرف اس معنی سے رجوع کرتے ہیں۔ کہ وہ سب سے زیادہ دانشمند و مدبر سمجھ کر اسکی عقل و تدبیر کو مقدم و پیشوا کرتے ہیں۔

[1] القاب نسب و قومیت کے لئے قریشی، ہاشمی، عباسی، طالبی ابتداً اور بعد میں علوی، جعفری، عقیلی، حسنی، حسینی مستعمل ہوگئے۔ (تحقیق سید و سادات ص ۲۷) اور سیّد کا لفظ عام استعمال میں علیؓ کی اولاد کیلئے تھا۔ تفسیر مواہب ص ۵۰ پ ۲ (حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ماخوذ از تاریخ لب لباب ۱۳۰۷ھ مولوی رحیم بخش لاہور

اس زمانہ کے صوبہ تو چھوڑ اضلاع کیا جائز زمانے کی تحصیل کی حدود تک پر قابض ہو جانیوالے بھی بعض اوقات بادشاہ کہلائے۔ جیسے خود مختیار ریاستوں کے والی بادشاہ کہلانے لگ جاتے ہیں۔ (خواص)

آنحضرت صلعم نے حضرت حسنؑ کی نسبت فرمایا کہ "یہ بیٹا میرا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی ذات سے مومنوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان اصلاح کرا دیگا" اور خود اپنے لئے بھی سیّد کا لفظ فرمایا ہے۔ انا سیّد ولد آدم ولا فخر (الحدیث)۔ لیکن بعض دیگر احادیث میں سیّد کہنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ اور یہ اس طرح کی ممانعت ہے۔ جیسے حسب و نسب کے بیان میں تکبر و لعن طعن کے موضوع میں گذرا کہ شیطان کے ابھارنے اور فخر و تکبر کا عمل دخل نہ ہو۔ ورنہ تفاضل اور سیادت کا کون قائل نہیں۔ لیکن سردار ٹھہرانے اور کہلائے جانے کی اہلیت کے بعد سردار پر قومی بڑی بڑی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونا شرعی نکتہ نگاہ سے ایک بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اسلئے بڑے بڑے ائمہ اور علماء نے بعض اوقات بڑے بڑے عہدے قبول کرنے سے انکار کیا۔ کہا گیا ہے۔ سیّد القوم خادمہم۔ سردار قوم خادم قوم ہوتا ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی سیّد کا لفظ بمعنی سردار آیا ہے۔ مراکو و مصر میں علوی سیدوں کو الشریف و شاہی القاب میں سلاطین کو سیّد و سیّدنا کا بھی لقب دیا گیا ہے[1]۔ اور یہ لفظ شریف بھی چوتھی صدی ہجری میں جاری ہوا

(ص ۲۲۲ تحقیق سید و سادات)

یہاں ایک سوال وارد کیا جا سکتا ہے (۱) کہ آیت میں ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ الآیۃ (یعنی لوگوں کو ان کے باپوں ہی کیطرف نسبت کر کے پکارو کہ یہی پورا پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں) اور یہی دستور و رواج ہمارے عرف عام میں بیٹے کے نسب اور ذات کو اپنے باپ کے نسب میں کے صلبی بیٹے ہوں منسوب کیا جاتا ہے۔ نہ کہ والدہ کے نسب و ذات کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور اسی کو علامہ محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب تحقیق سیّد و سادات کے صفحہ ۲۳۰ پر وارد کیا ہے اور کہ نواسے رسول اللہ صلعم کے سبط کہلاتے تھے۔ پھر خلاف عرف و فہم و آیت رسول اللہ صلعم کی طرف کیوں جوڑ دیا گیا۔ اور حسنؑ و حسینؑ کی طرف نسبت بیٹوں کی کی گئی۔؟

---

[1] تاریخ مراکو حصہ دوم ص ۱۴۲ مرتبہ ۱۳۲۲ھ مطبع حمیدیہ لاہور

(ب) دوسرے یہ کہ اگر سیادت کی نسبت سیّدۃ النساء فاطمہؓ کی وجہ سے دیگئی۔ تو اسی طرح سے رسول اللہ صلعم کی دیگر دختران بھی تھیں جو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں اور اولاد ہوئی۔ انھیں بھی بیٹے اور سیّد کہلایا جاتا۔ ؟

الجواب

یہ کہ بیشک باقی لوگوں کیلئے یہ حکم بہ حالہ قائم و دائم ہے۔ لیکن ہم سب لوگوں کا ایک حال نہیں۔ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا کئے گئے۔ جیسے کہ آیات قرآنی صریح ہیں۔ مگر جیسے کہ والدہ مریم کی وجہ سے ابراہیم کی ذریت سے شمار کئے گئے۔ جیسے آیت "ومن ذریتہ الآیۃ پ انعام سے واضح ہے۔ اسی طرح حضرات حسنینؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہما بھی ذریت رسول اللہ صلعم میں شامل۔ داخل و شمار ہوتے ہیں۔ اور سلف سے یہی آیت استشہاد میں لیگئی ہے[1]۔ اور حدیثوں میں یہ بیٹے میرے سیّد و سردار ہیں کے الفاظ آئے اور کہے گئے ہیں[2]۔ ورنہ آنحضرت صلعم کی کوئی اولاد صلبی نرینہ زندہ نہیں رہی تھی۔

شق دوئم کا جواب یہ ہے۔ کہ باقی دختران رسول اللہ صلعم انکی زندگی میں فوت ہو گئی تھیں۔ اور یہی فاطمہؓ رہ گئی تھیں۔ ان سے اور انکی اولاد سے بیحد محبت تھی۔ اور یہ خصوصیت انکی تھی۔ اور انکے لئے تھی کہ وہ ذریت رسول اللہ صلعم سے شمار ہوئے لہٰذا انکی سیادت، تکریم و محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کرنیسے انکی اور انکی اولاد کی ہم باقیماندہ افراد امت پر بھی مقدم ٹھہری۔ بشرطیکہ وہ دین اسلام پر دائم و قائم ہوں۔ اور یوں ہی امت کیلئے رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہونیکی وجہ سے خواہ کتر ہی ہو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو آجتک بعض افراد امت نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ نے قبول کیا۔

غیر صلبی اولاد کو تو آج بھی بیٹا کہہ کر پکارنا معروف و مشہور ہے۔ اس تقریر پر ایک اور طرح سے اعتراض پھر بھی کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کیلئے ذریت سے ہونا تو بایں لحاظ کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ والدہ کی نسبت سے ذریت ابراہیم میں شمار ہونے

[1] تفسیر مواہب پ ۸ اور ۸ ذریت پر وقف کا۔ بیٹیوں کی اولاد شامل ہو گی۔ حجاج ثقفی اور یحییٰ بن یعمرؒ کا مباحثہ حسنینؓ کے متعلق ذریت رسول ہونیکا نیز آیت مباہلہ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم میں ابناءنا سے بھی حضرت حسنینؓ مراد ہیں۔ اس وقت وہاں اور کون تھا؟ ملفوظات مہریہ ص۔

[2] صحیح بخاری۔ بحوالہ تفسیر مذکور (حاشیہ بالا)

مگر حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے والد حضرت علی رضی اللہ تھے۔ پھر یہ کیسے شمار نسب میں ان سے ملائے جاسکتے ہیں۔ اور خصوصاً جب یہ بھی ثابت ہے کہ دیگر دختران رسول اللہ صلعم سے ایک دختر کے فرزند حضرت علی بن العاص اور دوسری حضرت رقیہؓ کے عبداللہ بن عثمانؓ۔ اور ایک دختر امامہ بنت ابوالعاص زینبؓ سے تھیں۔ ان دونوں کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے ؟

جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے۔ ایک تو یہی کہ سلف کے علماء سے یہی آیت "ومن ذریتہ الآیۃ پیش کیگئی ہے۔ اور اس خصوص ذریت کیلئے اقوال رسول اللہ صلعم ان ہر دو حسنین رضی اللہ عنہ کیلئے بہتیرے وارد ہیں اور باقیوں کیلئے نہیں ہیں اسلئے عموم سے بعض جنس ہوتے ہیں اور کر لئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اور ازواج بھی تھیں مگر جو درجہ یا فضیلت ان میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو تھی وہ کسی دوسری کے حصہ میں نہ تھی۔ حالانکہ ازواج امہات المؤمنین ہونے میں سب برابر ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے عنایت کرے اور جسکی زبان سے خاص کردے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے کہلایا گیا ہے۔ دوسرے یہ امر بھی راقم کو معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ دوسرے نواسے بھی رسول اللہ صلعم کے اس وقت زندہ تھے یا مر گئے تھے کہ یہ اعتراض ہی وارد نہ ہو سکتا[1]۔ اور حضرت صلعم کی محبت کے مرکز و قول کے بلا نکیر مصداق مانے جاتے۔ ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ متبنیٰ منہ بولے بیٹے بھی مثل حقیقی صلبی بیٹوں کے وارث تاج و تخت اور خزانہ جائداد مانے جاتے تھے تو اس میں کونسی قباحت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے نواسے جگر پارہ فاطمۃ الزہرا کے بیٹوں کو نہ دولت و دنیا کیلئے بلکہ صرف محبت و احترام کرنے کیلئے مختص کر لئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ شان ہے کہ اولیاء اللہ سے اگر قطب بھی ہوں اور ولایت کے اعلیٰ درجہ پر بھی فائز ہوں خواہ وہ سیّدوں سے ہوں یا غیر سیّد عامیوں سے ہوں ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں صرف ایک آیت

[1] اور اگر ثابت ہوں تو یہ بیٹے کے الفاظ ہم ان کیلئے بھی جائز اور رسول اللہ صلعم کی محبت میں برابر کے شریک سمجھتے ہیں۔ (خواص)

ہی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ قولہ تعالےٰ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ الآیۃ اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ یہ حکم عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ہے۔ پھر خالق کے حکم کے مقابلہ میں مخلوق بے مایہ کو کب حق پہنچتا ہے کہ بعض کو تو معاف کریں اور بعض کو دوزخ میں پہنچا کر دم لیں (نعوذ باللہ)

حضرت حسنؓ سے جو نسل آگے چلی وہ حسنی اور جو حسینؓ سے چلی وہ حسینی سے موسوم و کہلانے جانے لگی۔ حادثات وتفرقات زمانہ کے باعث قبائل کی اصلی پہچان اپنے حال پر نہیں رہی۔ جیسے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا حال ہوا اسی طرح سادات بنی فاطمہ۔ اولاد حسنؓ نے عرب کے ممالک سے جدا ہو کر جو گیلان میں رہے گیلانی جو بخارا میں آئے بخاری جو ہمدان میں گئے ہمدانی جو کرمان میں پہنچے کرمانی جو گردیز میں مقیم ہوئے گردیزی۔ اور جو کوئی مشھد میں آ کر رہے مشھدی اور جو شیراز میں آ کر رہے شیرازی سید مشہور ہوئے۔ حالانکہ یہ سب خاندان حسنی وحسینی تھے۔ جدا جدا ممالک میں رہنے کے باعث ان ملکوں وعلاقوں کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

شاہ کا لقب جیسے کہ عبدالرزاق شاہ، غلام حیدر شاہ، شاہجہان شاہ، شاہ بہرام شاہ وغیرہ آخر میں "شاہ" بڑھا دیتے ہیں۔ دراصل اس ملک میں اکثر قریشی، ہاشمی سادات بنی فاطمؓ اور علیؓ کے خاندان علویہ کیلئے مختص تھا۔ سیدؑ شریف لقب جیسے سادات فاطمیہ علویین وغیرہ کیلئے وضع چوتھی صدی کے آخر پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوا۔ ویسے ہی لفظ شاہ بھی دوسری صدی کے وسط میں جاری ہونا معلوم ہوتا ہے۔ قبل کا نہیں۔ اور میری نظر میں شاہ سیدوں سے مختص ہونا بھی محل نظر ہے۔ حالانکہ اس دور میں جب شاہ کا لفظ کسی نام کیساتھ سننے میں آیا۔ جھٹ ساتھ ہی سید ہونے کا گمان غالب کر لیا جاتا ہے۔ شاہ زیادہ بادشاہ سے محرف رہ گیا معلوم ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں اکثر درویشوں کو بھی شاہ کہا جاتا ہے۔ شاہ کا لفظ مختلف اوقات میں آج تک ہمیشہ برابر مختلف نسل کے بادشاہوں اور خاندانوں میں بھی بولا گیا ہے اور نام رکھے گئے ہیں۔

اردو کی اسلامی تاریخوں میں سب سے پہلے ۴۲۵ھ میں الپ ارسلان سلجوقی کے بیٹے سلطان ملک شاہ وغیرہ کا نام آیا ہے۔ اسکے بعد خاندان غزنوی میں بہرام شاہ وغیرہ ۵۱۲ھ (حاشیہ برصفحہ)

اسکے بعد خاندان ایوبی مصر میں ۶۴۷ھ میں ملک معظم توران شاہ وغیرہ ایوبی۔ اور ۶۰۷ھ میں ہند قدیم میں آرام شاہ وغیرہ نام خاندان غلامان میں اور پھر ہند قدیم میں خلجی خاندان کے سلطان قطب الدین مبارک شاہ۔ ۷۱۸ھ اور پھر شاہان تغلق فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ سے اور پھر خاندان سوری میں شیر شاہ سوری وغیرہ ۹۴۷ھ اور پھر خاندان مغلیہ ۱۱۱۸ھ کے محمد معظم بہادر شاہ وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ اور پھر نادر شاہ ایرانی، احمد شاہ ابدالی اور ظاہر شاہ موجودہ بادشاہ کابل وغیرہ کے ناموں کیساتھ شاہ آئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا لفظ کچھ بھی سیدوں کیلئے مختص نہیں تھا)

عجیب یہ ہے کہ جن شجروں میں حضرت علیؓ کے عہد تک شاہ کا لفظ اصلی ناموں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اسکے ماخذ نظر نہیں آتے۔ البتہ اگر کہا جائے کہ کوئی جس خوش اعتقادی میں مبتلا تھا۔ وہی الفاظ سرے تک جوڑ دیئے گئے

سادات حسنی وحسینی میں بڑے بلند پایہ اصحاب کرامت اولیا گذرے ہیں۔ حضرت علی ہجویری حسنی بہ معروف داتا گنج بخش لاہوری۔ معین الدین چشتی اجمیری حسینی شاہ ابو المعالی حسنی لاہوری۔ حسنی سیدوں سے ہیں۔ اور لاہور کے شاہ محمد غوث بزرگ بھی از نسل عبدالقادر جیلانیؒ بغداد والے حسنی سید والے ہیں۔ سلام اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ سابق صوبہ سرحد میں بابا بونیر والے اور ہمارے علاقہ کونش میں کچھی منگؒ بابا نوبت شاہ مورث اعلیٰ سیدان چھتر گذرے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ کی دوسری بیویوں کی اولاد سے خصوصاً محمدؒ ابن الحنفیہ کی نسل سے سید سالار مسعود غازیؒ، حضرت سلطان باہوؒ، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی، حافظ قادری، ابراہیمؒ سارھی والے، حافظ محمد عظیمؒ وٹے ٹ۔ شاہ شیر محمد قادری بابا سجاول کھر کوٹ ہری پور ہزارہ، خواجہ احمد تیروی وغیرہ با خدا عالم صوفی اور اولیاء اللہ سے شمار ہوئے ہیں جن میں سے بعض کا احوال اپنے محل ومقام پر مختصر ذکر ہوگا۔

(حاشیہ گزشتہ)
۱؎ دوسری صدی میں شاہ کے لفظ کا ثبوت ملتا ہے بلکہ قدیم تاریخ سندھ ص ۴۶ ج ۲ پر لکھا ہے کہ مہدی کے زمانہ خلافت جو ۱۵۸ھ سے شروع ہوتی ہے یعقوبی کی فہرست میں ہے کہ مہدی نے خط لکھے (۱) فرمانروائے کابل جو شاہ کہلاتا تھا۔ اور بڑے بڑے سالار اور چند ودوں کو بھی سید اور شاہ کہا گیا ہے۔

سادات گولڑہ

سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

راولپنڈی کے سمت مغرب میں چھ میل دور ایک قصبہ ہے۔ اور ایک سٹیشن گولڑہ نام بھی مشہور ہے۔ ریلوے سٹیشن گولڑہ سے یہ قصبہ جانب مشرق کوئی دو میل دور واقع ہے۔ اسی قصبہ کے نام سے گولڑہ سٹیشن نام پڑ گیا۔ یہاں گولڑہ شہر میں گولڑے اعوانوں کی کثرت ہے۔ اور اکثر گولڑے اعوان اسی دیہہ گولڑہ کے گرد و نواح سے ضلع ہزارہ کے دیگر دور دراز مقامات متفرق پر جا آباد ہوئے ہیں۔

تاریخ اسلام کامل مصنف قاری احمد صفحہ ۷۰۲ - ۷۰۳ پر لکھتے ہیں کہ پاک و ہند قدیم میں مولانا احمد علی سہارنپوری۔ بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خاندان ولی اللّٰہی کے درس حدیث جاری و باقی رکھنے کی سعادت رکھتے تھے۔ علمائے کرام خصوصاً مولانا یعقوبؒ۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا ذوالفقار علیؒ اور مولوی محمد علی واعظ انجمن مدرسہ دیوبند کے اجراء پر غور کر رہے تھے۔ اور سر سید احمد خان نے کالج علی گڑھ کی بنا ۱۸۷۵ء میں ڈالی تھی۔ اور علمائے وقت سر سید احمد خان سے انکے عقائد و تصانیف میں اختلاف رکھتے تھے۔ اور انگریزوں کے ظلم و ستم بھی مسلمان قوم کے مذہب مٹانے میں کچھ کم نہ تھے۔ مذہبی درسگاہیں بند ہونے لگیں۔ علماء پر ظلم ڈھائے جانے لگے۔ کئی ایک نے حجاز کی طرف ہجرت کی اور کئی ایک نے جانیں قربان کر دیں۔ غدر (جنگ حریت) سے بیس سال بعد تک مسلمان عام پریشانی، انتشار و مایوسی کے دور سے گذر رہے تھے۔

محدث سہارنپوری نے وقت کی نزاکت دیکھتے ہوئے اپنی درسگاہ کے فارغ التحصیل اور نامور علماء کو جن میں مولانا وصی احمد سورتی۔ محمد علی واعظ۔ احمد حسن کانپوری۔ حسن الدین سلہٹی۔ اور مولانا محمد علی مونگیری کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔ ملک کے مختلف اطراف میں

دوروں کے لئے روانہ کئے۔

بنگال میں شاہ محمد عبدالحی صاحب اسلام آبادیؒ اور پنجاب میں سادات گولڑہ نے علماء کی جماعت کا ساتھ دیا۔ اور ہر قسم کی مدد فرمائی۔ اور لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد سورتی جن دنوں سہارنپور میں محدث احمد علی سہارنپوری سے تکمیل حدیث کر رہے تھے۔ ان کے ہم سبق علماء میں پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ۔ مولانا شبلیؒ۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ لاہوری۔ اور مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹیؒ کے نام بہت مشہور ہیں (ملخصاً)

سید مہر علی شاہ صاحب اپنے وقت کے متبحر علمائے دین، محدث، پیر اور صوفی بزرگ تھے۔ قرآن اور حدیث کا درس دنیا زہد و عبادت ان کا کام رہا۔ اور یہ مہر علی شاہ صاحب حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے (جو اعوان تھے) بیعت و عقیدت رکھتے تھے۔ مزید بیعت کے حالات مختصر زیر عنوان شمس الدین سیالویؒ اپنے مقام پر عرض ہونگے۔ ان کا مزار تمام اہل پاکستان کے لوگوں کا مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے

روایت ہے کہ روضہ جناب میں جس قدر سنگ مرمر کی سلیں لگائی گئی ہیں، ان پر ایک ایک بار قرآن شریف ختم کیا گیا ہے۔ اور روضہ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ بغدادی کے نقش و نمونہ پر تیار کیا گیا ہے آیات و احادیث و اشعار فارسی تصوف و سلوک روضہ بزرگ پر سنگ مرمر کی تختیوں پر کندہ کئے ہوئے ہیں۔ جنکی نسبت ایک علیحدہ چھوٹی سی کتاب بھی شائع ہو کر برائے استفادہ عام سامنے آگئی ہے۔ بیسیوں سی حرفیاں ان کے اوصاف و محبت میں مشتاقان مست نے مرتب کر رکھی ہیں۔ تاریخ ولادت بقول بعض یکم رمضان ۱۲۷۵ھ ہے۔

پیر مہر علی شاہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ انکی کتاب سیف چشتیائی مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں مشہور و معروف ہے۔

راقم الحروف نے ۱۹۳۱-۳۲ء عہد طفولیت سے ہی انکے ہاتھ میں ہاتھ دیتے یعنی بیعت معروف کرنے کے شرف سے بہرہ اندوز ہوا ہے۔ اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب سیدان قمر کوٹ سید عبدالجبار شاہ، سید جلال شاہ و اخونزادہ گان قمر کوٹ سے عبدالرحمٰن، خلیل الرحمٰن غلام ربانی وغیرہ بڑے بڑے اور چھوٹے مل کر اس عرس پر جو ۱۱ ربیع الثانی کو سید عبدالقادر

جیلانیؒ بغدادی کی یاد میں منعقد کیا جاتا ہے۔ اور جو اب بھی بدستور عزت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ شریک ہوا کرتے۔ ہزارہا عقیدت مند حاضر ہو کر باعث فخر و سعادت سمجھتے۔ بڑے بڑے نامور لوگ و روسائے وقت صوبہ سرحد قدیم و پنجاب کے دور دراز کے لنگر کی تقسیم یعنی مہمانوں کو روٹی کھلانے کا شرف و نیاز حاصل کرتے۔ لنگر خانہ کے خادمان کے مخصوص پٹکے باندھ کر ہمہ تن مصروف کار لنگر ہو جاتے۔ ہمارے علاقہ ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ والوں سے خانصاحب محمد عباس خان مرحوم سابق[1] وزیر مال و جنگلات مانسہرہ اور حاجی سید جلال شاہ صاحب قمر کھولہ[2] بھی کھانا کھلانے کے وقت نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے نظر آتے۔

۱۱ ربیع الثانی کو دربار عام ہوتا ہے۔ بے ساز و سامان قوال پیر مہر علی شاہ کی موجودگی میں مدح رسول پاکؐ اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بیان لحن داؤدی کی لے میں سماع ہوتا۔ اور حسب دستور وقت مقررہ کے اجتماع ختم ہو جاتا اور جب وہ سال ۱۳۵۶ھ ۱۱ مئی کو وفات پا گئے۔ تو مجھے بھی حاجی سید جلال شاہ، حاجی سید عبدالرزاق شاہ قمر کھولوی کی معیت میں گولڑہ شریف حاضر ہو کر نماز جنازہ و آخری دیدار کر لینے کا شرف و نیاز حاصل ہوا۔ انکی وفات پر مولوی عبدالاحد (مولوی فاضل) نے شبیہ روضہ مہر علی شاہ صاحبؒ جن میں وہ آیات و شعر وغیرہ درج کئے ہیں۔ جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔ احقر نے ایک اشعار مرثیہ لکھا ہے جس کے شعر برائے تبرک درج کئے جاتے ہیں۔

عظمت ہے عجب بسم اللہ دین بھی واہ
دیباچہ قرآن ملا ہے شرف جاہ
کون اس سے بڑا ہے علم نے جو پوچھا
نعمت نے کہا سیدنا مہر علیؒ شاہ
تاریخ وفات آپکی معتبرین نے لکھی ہے
وہ جان علیؒ داخل جنت ہوئے واللہ — ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء
انا للہ وانا الیہ راجعون ط

[1] وفات [illegible] مدفون [illegible] [2] وفات [illegible] مدفون قمر کھولہ۔

سید مہر علی شاہ کا ایک شعر جو انکے علو شان، مرتبت و جذب قلب کا پتہ دے رہا ہے۔ اور وہ انکے عقیدتمندان میں خصوصاً ہر ایک کی زبان پر گنگنایا جاتا ہے۔ وہ ذیل میں درج ہے:

سبحان اللہ ما اجملک ما احسنک ما اکملک!
کتھے مہر علیؒ کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں!

انکی کرامات کا ذکر بہت زبانی روایتوں میں سنا گیا ہے۔ مگر کسی کتابی شکل میں چھپ کر عوام کے سامنے نہیں آئیں۔ سرزمین پوٹھوہار کے ۵۰۰ ۔ ۱۰۰ پر ان کا ذکر مختصراً کیا گیا ہے۔

بی بی روشن جان قمر کھولہ جو شادی کے بعد جلد ہی بیوہ ہو گئی تھیں ان سے بیعت و عقیدت رکھتی تھیں۔ انہی کی توجہ و عنایت سے ایسی سرفراز ہوئیں کہ تلاوت قرآن شریف، عبادت الٰہی، نماز، روزہ، ریاضت، تہجد گذاری میں عمر گذار دی۔ عورتوں میں تو کیا بلکہ اپنے وقت کے قرب جوار کے مردوں میں بھی ان کا زہد و تقویٰ، صبر و تحمل بے مثال ہے؛ لیس الذکر کالانثیٰ الاٰیۃ کا ثبوت مل جاتا ہے۔

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ کا شجرہ نسب سیف چشتیائی میں محمد غازی قدیم آستانہ عالیہ گولڑہ شریف نے یوں لکھا ہے:- مہر علی شاہ، بن پیر نذر الدین شاہ بن سید پیر غلام شاہ، بن سید پیر روشن دین، بن عبدالرحمٰن قدوسی، بن سید عنایت اللہ، بن سید غیاث علی، بن سید فتح اللہ، بن سید اسداللہ، بن سید فخرالدین بن سید احسان، بن سید درگاہی بن سید جمال علی، بن سید محمد جلال، بن سید ابی محمد بن میران سید محمد کلاں، بن میران شاہ، قادر قیس السندوروی نی نزاحی سہارنپور و مشائخ کلیر، بن سید ابی الحیات بن سید تاج الدین، بن سید بہاؤ الدین بن سید داؤد، بن سید علی بن سید ابی صالح، بن سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نسباً حسنی، مذہباً حنفی، مسلکاً نظاماً قادری فرہی ہیں۔

انکے صاحبزادے پیر غلام محی الدین شاہ صاحب انکے قائم مقام ہیں۔ علم دین و حیثیت دنیوی میں بھی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انکی اولاد بھی ہے ان کے وقت اوقاف کا ایک مشہور مقدمہ ہوا

جس میں انکی زمین ۴۶ کنال پندرہ مرلے (۴۶-۱۵) مطابق جمعبندی سال ۵۶-۱۹۵۵ء واقع رقبہ حدود گڑھ. مشتمل بر روضہ مسجد، لنگر خانہ، سرائے وغیرہ ضبط کر کے انتظام خود لے لیا۔ پیر مہر علی شاہؒ کے صاحبزادے غلام محی الدین شاہ صاحب نے ۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء کو اس فیصلہ کیخلاف درخواست گزاری اور قانونی جواز کو چیلنج کیا۔ بالآخر بتاریخ ۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء واقعات کی بنا پر ان کا دعویٰ درست تسلیم کیا گیا اور یہ جگہ و مقام واگذار ہوئے۔ اور حق و صداقت کی فتح ہوئی۔ واللہ ذوالفضل العظیم ط

سیّد اور علوی بھائی بھائی

یوں تو سب مسلمان بمصداق آیت انما المومنون اخوۃ الآیۃ سب بھائی بھائی ہیں مگر گذشتہ اوراق میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی اولاد سیّد اور ماسوائے انکے جو دوسری بیویوں سے اولاد ہوئی ایک عرصہ بعد علوی، حضرت علیؓ کے نام سے نسبت ہونیکی وجہ سے موسوم اور کہلائے جانے لگے، بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ لفظ شاہ گو بظاہر موجود ہے۔ اور ان سے علویوں اور سیّدوں کو دو مختلف نسلوں اور نسبوں کا گمان پیدا ہوتا ہے۔ مگر گزشتہ شجرہ نسب اولاد علیؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّد اور علوی حضرت علیؓ سے انتساب رکھتے ہیں۔ اور لفظ شاہ ابتداءً لوگ سیّد اور علوی دونوں کیلئے احتراماً لاتے تھے کبھی سادات فاطمہ اور کبھی سادات علوی کہلائے جاتے اور سادات مرتضوی بھی بعض کہا گیا۔ اور ہندو پاک میں تو قدیم سے یہ فرق پڑ گیا۔ اور علوی زبردوں سے علوی طور پر سیّدوں پر جو اولاد فاطمہؓ ہیں۔ اور دیگر علویوں پر جو اولاد فاطمہؓ سے نہ ہوں سب پر بھی مشترک بھی بولا گیا ہے اور سمجھا گیا ہے۔ اور اب بھی ایسا ہی ہے مگر کوئی زمانے سے پاک و ہند میں علوی اصطلاح میں ان پر مختص ہونے لگ پڑا ہے کہ جو اولاد علیؓ سے تو ہوں مگر از بطن فاطمۃ الزہرہؓ کے نہ ہوں۔

ملک ایران میں علویوں کو موئے بافت کہتے ہیں کیونکہ وہاں علوی سر کے بالوں کو بڑی زلف رکھ کر گوندھا رکھتے تھے۔ اور اسی طرح اہل ترک نے بھی یہ رسم بال رکھنے کی اختیار کر لی تھی۔ جیسا کہ اکثر کتب فقہ میں مثلاً منیۃ المصلی، صغیری، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایا در مختار، تنویر الابصار، غایۃ الاوطار وغیرہ باب الغسل میں ہے۔ کما یفعل علوی والترکی، اور ان الرجل اذا اظفر شعرہ کما یفعل العلویین الخ کا ذکر آ گیا ہے۔ اور اسی لئے گیسو دراز بھی کہا گیا ہے۔

چنانچہ خواجہ احمد یسویؒ پیر ترکستان جو محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد ہیں ان کا لقب گیسو دراز مشہور ہے۔ اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ سیّد محمد گیسو دراز مشہور ہیں۔ اور یہ اولاد فاطمہؓ سے ہیں۔ غرض موئے بافی و زلف درازی اصل میں اہل ایران و ترک رکھتے تھے۔ اور علویوں نے یہ رسم ترکستان وغیرہ والوں سے اختیار کر لی۔ علوی جو فاطمہؓ کی اولاد سے نہیں۔ آگے چل کر ہندو پاک میں اعوان کہلانے جانے لگے۔

شجرہ نسب سیّدوں اور اعوانوں دونوں کا حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ اعوانوں نے کبھی سیّد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور یہ فرق ظاہر ہے کہ پدری رشتے سے تو بھائی بھائی ہیں۔ مائیں الگ الگ ہیں۔ اسی لئے میں نے کہا کہ سیّد اور علوی بھائی بھائی ہیں۔ اگرچہ حادثات زمانہ و تفرقات کے باعث پہچان کم ہو گئی ہے۔ اور رواداری گھٹ گئی ہے اور یہ مرض عام و اہم ہے۔

سیّد حاجی عبدالرزاق شاہ الحسنی گیلانی

تمر کھولوی

سادات تمر کھولہ سیّد عبدالرزاق شاہ —— خلف سیّد عبدالجبار شاہ[1] میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اپنی تحصیل مانسہرہ بھر میں ان کا گھر اور گھرانہ بھی آسودہ

---

[1] سنہ وفات ۱۹۸۵ء۔

عالی، رسوخ اور وسیع سید برادری کا سرخیل گھرانا مانا جاتا ہے۔ نہایت بردبار، حلیم الطبع، صاف گو اور حق پرستی میں بے مثال ہیں۔ قومی اور ملکی جرگوں میں بہت دور دور تک لوگ انہیں کھینچ لے جاتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے بہت مصروف وقت اپنے گردو پیش والوں اور خویشوں کی خدمت میں گذار دیا ہے سرکاری جرگہ ممبر اور بنیادی جمہوریت کے اپنے حلقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین ہیں

عبدالرزاق شاہ یہ مشہور شاہ پیر میاں نے عین عنفوان شباب سال ۱۹۴۷ء حج کعبہ اور زیارت مدینہ منورہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفیاب ہوئے۔ اللہ اللہ وہ جذبہ عقیدت حرمین الشریفین کہ ایک تو وہ وقت کہ تقسیم پاک و ہند کا اعلان قتل و خونریزی کا وہ عالم، راستے بند، خطرہ ہی خطرہ۔ مزید یہ کہ بیمار اس قدر ہو گئے اور تھے کہ گھر والوں اور خویشوں کیا بلکہ خود عالم عصر مولینا عبداللطیفؒ انکی معذوری سفر حج سے استدلال و حجت و جواز پیش کر رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سال ٹھہر جائیں۔ مگر شوق سرزمین پاک سعود زیارت حرمین شریفین کا غلبہ قوی ہوا۔ اور وہ سب کچھ چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ اور پھر خدانے باوجود راستہ کی مشکلات اور بیماری کے زیارت حرمین شریفین سے فیضیاب کرکے واپس گھر لائے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے عطا کرے ؂

این سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشند خدائے بخشندہ

صرف ایک لڑکا غلام حیدر شاہ ہے۔ جنکی شادی ۱۹۶۳ء میں ہوئی۔ انکے دیگر یک جدی خویشوں میں سید جلال شاہ کی اولاد سے شاہ جہان، جس کے گھر خواہر حقیقی ہونے اور سید شاہ جرلم شاہ کے گھر چچا کی لڑکی ہونے سے بہنوئی بھی ہیں۔ شاہ بہرام شاہ کے شاہ جہان، سرور شاہ، مبارک شاہ تین اور بھائی ایک والدہ سے تھے ہیں اور صوفی شاہ علیحدہ الگ والدہ سے اور نواب شاہ الگ والدہ سے گویا اس وقت کل چھ برادران بقید حیات ہیں۔ خوشحال اور کاروباری زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور انکے موجودہ قاضی مولینا عبداللطیف کے مرنے کے بعد قاضی عبدالمنان ہیں۔

ابوالقاسم محمد بن الحنفیہؒ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ

محمد بن الحنفیہؒ علوی حنیفی اعوانوں کے جد اعلیٰ ہیں۔ کتب تاریخ میں انکے یہ نام آتے ہیں، محمدؒ بن علیؓ، محمد بن الحنفیہؒ یا حنیفیہؒ۔ امام حنیفؒ۔ محمد حنیفؒ۔ محمد الاکبرؒ یہ سب ایک شخص کے نام ہیں۔ اور کنیت و لقب سے ابوالقاسم بھی کہلاتے تھے۔ کتاب مغنی شیخ محمد طاہر محدث بحوالہ باب الاعوان ص ۲۹ میں ہے کہ حنیفی منسوب ہے طرف حنفیہؒ بنی تمیم کے اور ان سے محمد حنیفہؒ ہے۔ اور اکثر محدثین بعد نون کے یائے تحتانیہ ثابت کرتے ہیں تاکہ مذہب حنفی کا فرق رہے یعنی مذہب کو حنفی بغیر یائے اور انکو حنیفی مع یائے لکھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے انکی ماں بنو حنفیہ کے خاندان کے قیدیوں سے جو پیچھے مسلمان ہو گئے تھے۔ یعنی بنو حنفیہ سے تھیں[۱] اور ان کا نام خولہ بنت وایاس بن جعفر تھا۔

اور بقول بعض جو کنیز یں گرفتار ہو کر آئی تھیں وہ ملک سندھ کی تھیں، جیسا کہ باب الاعوان کے صفحہ ۸۰ میں درج ہے۔ اور یہ بھی روایت بھی آئی کہ اسماء بنت ابوبکر الصدیق نے کہا کہ واللہ محمد بن الحنفیہؒ سندھ کی تھی اور سیاہ رنگ تھا۔ اور کنیز بنو حنیفہ تھیں۔ جنکی اصل سندھ سے تھی۔ اور کتاب سر السلسلۃ العلویہ لابی نصر بخاری جو عربی میں چہارم صدی کی تصنیف ہے کے صفحہ ۸۱ میں سندھ کی اصل ہونیوالی روایت بیان کرنیوالی کا نام اسماء بنت عمیس ہے اور اسماء بنت عمیس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی ایک تھیں۔ بیان الامراء ترجمہ تاریخ، الخلفا ص ۸۶۱ اور شاید دونوں سے روایت اصل سندھ ہونے کی آئی ہو۔ اسلئے تاریخوں میں اسماء بنت ابوبکرؓ و اسماء بنت عمیس کے الگ الگ نام ذکر کئے گئے۔

[۱] تفسیر مواہب الرحمٰن پ ۲۲ ص ۸۴ اسی وجہ سے محمد بن الحنفیہؒ کہلاتے ہیں۔ ابن حنفیہ کا نام محمدؒ تھا۔ جنکی بشارت علیؓ کو رسول اللہ صلعم نے دی تھی (سوانح عمری حضرت علی مرتضیٰ ص ۳۵ بشیخ غلام حسین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور) نقیشکوفیہ

سندھ کے وسیع علاقہ پر عربوں کا پہلا حملہ ۱۵ھ عہد فاروقیؓ میں ہوا۔ پہلے
خشکی اور پھر عثمان بن ابی عاص کے دوسرے اور تیسرے پے در پے بحری
حملے سندھ پر بیک وقت کئے گئے۔ اور مال غنیمت سے لدے بھرے جہاز واپس
ہوئے اور ظاہر ہے کہ مال غنیمت میں کنیزیں اور غلام بھی آئے ہونگے۔ اور یوں یہ بیوی
حضرت علیؓ کے عقد میں آئی ہوں تو روایات مذکورہ کیلئے کہ حنفیہ کی والدہ سندھ
کی تھیں ایک نشان ملتا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ
حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہد خلافت میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں فوت ہوئے
وقت وفات عمر ۶۵ سال تھی تو اس حساب سے حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی ولادت
۱۶ھ کے آخر یا شروع ۱۷ھ ہوتی ہے۔ اور وقت وفات عمر بھی ۶۵ سال
ٹھیک نکلتی ہے۔ تو یہ خیال کسی طور ٹھیک مانا جاتا ______

کہ والدہ محمد بن الحنفیہؒ کی اصل سندھ سے ہو۔ روایات کو مسخ نہیں کیا جاتا بلکہ
انکی روشنی میں تحقیق کرنی چاہیئے۔ تو یہ ایک تحقیق ہے اور نشان ملتا ہے۔ اگر واقعات
و حالات انکے مخالف نہ پائے جائیں تو روایت مذکورہ قابل رد نہیں بلکہ قابل قبول
ہوتی ہیں دیگر کئی کتب میں والدہ حنفیہ کا قبائل بنو حنیفہ سے ہونا تسلیم کیا گیا ہے اور یہ بات زیادہ قرین قیاس اور وزن دار معلوم ہوتی ہے
اور یہ جو بعض لغو اور بیہودہ پنجابی قصوں اور جنگ ناموں میں بیان کیا گیا کہ بی بی
حنفیہ خیبر سندھ کی تھیں۔ یہ جنگ ہوئے اور قلعہ خیبر شاہ پر فتح کیا وغیرہ انکی بنیاد جھوٹے
لغو اور مبالغہ آمیز فرضی گھڑے ہوئے قصے ہیں۔ تاریخ سے ناواقف غلط العام مشہور
ہوگئے ہیں۔ نیز اسی طرح جنگ نامہ زیتون وغیرہ کے قصے ہیں۔

آپکی شجاعت و بہادری و علم و زہد کی بے مثال و ان گنت روایات مشہور ہیں ایک
شیعہ مؤرخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان کے بارہ میں لکھا ہے۔
" اور محمدؒ بن الحنفیہ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے
اور وہ علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں حسنؓ و حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے (عمدۃ الطالب ص ۳۵۲
نجف اشرف ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء

محمدؒ بن الحنفیہ فرماتے ہیں ترجمہ:- حسنؓ و حسینؓ مجھ سے افضل ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کی فرزندیت
کی بناء پر۔ لیکن میں ان دونوں سے علم میں بڑھ کر ہوں (صفحہ ۱۵۶ ج ۸، الاعلام قاموس۔ التراجم

خیرالدین زرکلی بحوالہ تحقیق مزید ص ۳۰۸)؟

آپکی شجاعت و بہادری کی ایک روایت آئی ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ نے محمد
بن الحنفیہؒ کو علم اٹھانے کا کہا۔ اور وہ اہل بصرہ کی فوجوں کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ دوسری
بار پھر علیؓ نے اپنی تلوار کے دستے سے انکے جسم کو جھونک کر کہا ادرکک عرق امک معناہ
یقول لہ احمل فلن تنال الاسنۃ + وان للموت علیک جنۃ

ترجمہ:- جھنڈا اٹھاؤ۔ تم تک نیزے ہرگز نہیں پہنچیں گے دیکھو، یقیناً موت کیلئے تجھ پر
وار کرنے میں ایک ڈھال موجود ہے۔

پھر محمد بن الحنفیہؒ نے علم اٹھایا اور اہل بصرہ پر حملہ کیا پھر وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ لشکر
سے لوٹے جھنڈا واپس علیؓ کو دیا اور یہ شعر پڑھا۔

اطعن بھا طعن ابیک تحمد　　لا خیر فی الحرب اذا لم توقد

رحمۃ اللعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری صفحہ ۱۰، جلد دوم اور انہیں کی تبعیت میں
صاحب تاریخ الاعوان شیر محمد خان نے بھی یہی لکھا۔ کہ جب کسی نے محمدؒ بن الحنفیہ سے پوچھا
کہ آپ کے والد بزرگوار حسنؓ و حسینؓ کو جنگ میں نہیں بھیجتے اور آپکو ہر ایک سخت مشکل کام
پر مامور کر دیتے ہیں۔ فرمایا:- وہ علیؓ کی آنکھیں ہیں اور میں علیؓ کا ہاتھ ہوں: اس سے
ثابت ہوا کہ حضرت محمدؒ بن الحنفیہ اپنے والد بزرگوار کی جنگوں میں شریک رہے۔ بلکہ کہا گیا ہے
کہ وہ علیؓ کی افواج کے افسر تھے (گویا وہ موجودہ دور کے عہدوں کے مطابق سپہ سالار کمانڈر انچیف
افواج علیؓ تھے)، تحقیق مزید ص ۱۱۱ -

اولاد علیؓ میں علم میں بڑے جید عالم۔ عامل۔ دوسرے درجہ کے محدثؒ اور تابعین سے
بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ چنانچہ باب الاعوان بحوالہ تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ محمدؒ بن علیؓ
بن ابی طالب روایت حدیث میں معتبر عالم اور محدث ہیں۔ اسی طرح کتاب الکمال فی اسماء
الرجال مشکوٰۃ میں صفحہ ۳۴ ذکر تابعین میں ہے۔ محمدؒ بن الحنفیہ وہ محمدؒ بن علیؓ بن ابی طالب

ملہ تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۸ پ ۳، امام احمدؒ نے ان سے روایت کی ہے کہ حضرت محمدؒ بن علیؓ فرماتے
ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک دعا بتلائی تھی۔ جسکو وہ پریشانی اور
تکلیف کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ نے یہ دعا اپنی اولاد کو سکھائی۔ وہ دعا یہ ہے:-
یا کائنٌ قبل کل شیئٍ و مکوّن قبل کل شیئٍ و کائنٌ بعد کل شیئٍ افعل بی کذا و کذا (مسلم)

ہے جکی کنیت ابو القاسم تھی۔ محمد اپنے باپ علیؓ سے اور پھر محمدؒ سے ان کا بیٹا ابراہیم حدیث کی روایت کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے لڑکے بھی درجہ بدرجہ تیسرے چوتھے یا پانچویں درجہ محدثین سے شمار کئے گئے ہیں۔ ان کے علم و فضل پر مختصراً[1] تفسیر مواہب الرحمٰن کے پارہ ۲۸ صفحہ ۲۱۲ وغیرہ سے ذکر آتے ہوئے بیان سے کچھ روشنی پڑتی ہے جو منجملہ تصنیف سید امیر علیؒ (سوائے محشی امیر علی کے ہیں) کی نہایت جامع کامل تفسیر قرآن پاک اردو میں ہے۔ شاید یہ بیان و ذکر از کار رجوع جنگ جمل ہوا۔ اور حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد اکثر یہ بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ آیات

ونزعنا ما فی صدورھم من غل الآیۃ اور ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا الآیۃ کے تحت مکمل مبحث و بحث آئی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقشات و مشاجرات قیامت کے روز دلوں سے نکال دیئے جائیں گے اور وہ سب جنت میں جائیں گے۔ تفسیر میں لکھا ہے

"کہ سالم بن ابی الجعد نے کہا کہ ہم لوگ محمدؒ بن علیؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ پس لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر شروع کیا۔ یعنی برائی کی تو محمدؒ بن علیؓ نے ہم لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ عثمانؓ کے معاملہ سے سکوت کرو۔ پھر ایک روز ہم لوگ صبح کو آپکی خدمت میں گئے اور اس روز بہ نسبت سابق کے ہم لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں زیادہ خوض کیا۔ اور بدگوئی بیان کی تو محمدؒ بن الحنفیہ نے کہا کہ ارے کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا کہ تم اس شخص کے بارہ میں خاموشی اختیار کرو۔ سالمؒ نے کہا کہ ابن عباسؓ مجھ کو یاد ہے کہ جنگ جمل کے روز تیسرے پہر کو میں حضرت علیؓ کی دائیں جانب فوج کا نشان لئے تھا۔ اور آپ انکی بائیں جانب تھے اتنے میں مربد کی طرف سے (ایک جگہ کا نام ہے) آواز سنائی دی۔ حضرت امیر المومنینؓ نے آدمی بھیجا کہ خبر لائے۔ وہ آدمی واپس آیا۔ اور اس نے بیان کیا کہ ام المومنین عائشہؓ ہیں۔ کہ مربد میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت کرتے ہیں۔ پس حضرت

(حاشیہ ملا ہو صفحہ ۔۔ مسل) ترجمہ: اے ہرشے سے پہلے ہونیوالے اور ہرشے کے پیدا کرنیوالے اور ہرشے کے بعد باقی رہنے والے میرا فلاں فلاں معاملہ پورا کردے (اس جگہ اپنی مراد کا ذکر کرے) (معیت کے بعد راحت مؤلفہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی) ص۔۔

[1] تفسیر مواہب الرحمٰن پ ص ۲۰۶ ۲۱۳ و ۲۱۲ و ۲۱۳

علیؓ نے دو یا تین مرتبہ اپنے چہرے تک ہاتھ اٹھائے۔ اور فرمایا کہ میں بھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سہل و جبل (دونوں جگہوں کے نام ہیں) انکے قاتلوں پر لعنت کرے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو پھر محمدؒ بن الحنفیہ نے ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمہارے واسطے میں اور ابن عباسؓ دونوں گواہ عادل کافی ہیں" (دار قطنی)

"محمدؒ بن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ نبی صلعم کے نزدیک کون افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر الصدیقؓ میں نے کہا ان کے بعد فرمایا عمرؓ ہیں۔ ان کا نام لینے کے بعد حضرت عثمانؓ کا نام لیتے ہوئے ڈرا اور عرض کیا کہ پھر آپ ہیں آپ نے فرمایا میری کیا ہستی ہے میں تو ایک معمولی مسلمان ہوں" (بخاری)

جب تک عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک بن مروان کی خلافت متنازعہ فیہ رہی۔ کسی ایک سے بھی بیعت نہیں کی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جب خلیفہ پر اتفاق ہو جائے گا تو میں اس سے بیعت کرونگا۔ اور آخر میں عبدالملک کی بیعت کرلی اور یہ التوائے بیعت دو حدیثوں کی روشنی میں ظہور پذیر آئی تھی۔ ایک حدیث میں کہا گیا تھا کہ "آئمہ قریش سے ہونگے اور وہ بارہ ہونگے جن کے وقت تک اسلام عزت و قوت میں رہے گا" اور دوسری حدیث میں ہے "کہ دین برابر قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں۔ سب پر امت اتفاق کرلیگی (سنن ابی داؤد)

کتابوں میں لکھا کہ انھوں نے ہر علم ظاہری و باطنی اپنے باپ حضرت علیؓ سے حاصل کیا۔ اور اسی طرح دیگر فضائل معتبرہ کثیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ جو الگ مستقل عنوان و کتاب چاہتے ہیں۔ اور بعض فضائل وغیرہ کا فرداً فرداً مختصر ذکر آگے کچھ آئے گا۔

شہید کربلا حسینؓ کو روکنے والے محمدؒ بن الحنفیہ رح

حضرت علیؓ نے ۴۰ھ کو شہادت پائی۔ حسنؓ نے انکے چھ ماہ بعد خلافت کی۔ اور پھر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اور یوں یہ امت محمدیہ ایک بار دوسری بار انتشار و خونریزی سے بچ گئی۔ حسنؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ وہیں رہتے تھے اور وہیں انکی وفات بھی ہوئی۔ پھر باقی کنبہ، وقبیلہ مدینہ منورہ آ گئے۔ اور وہیں روضہ مقدسہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس زندگی گذار رہے تھے۔ کہ ۶۱ھ میں حضرت حسینؓ کا حادثہ فاجعہ کربلا پیش آیا۔ وہ مدینہ ہی سے چل کر پہلے مکہ شریف اور پھر جانب کوفہ نکل پڑے۔ جہاں کربلا میں ان کی، شہادت واقع ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے بیٹے اور پوتے اور دیگر ازواج کی اولاد سے حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی بھی مارے گئے۔ جن کا ذکر پیچھے گذرا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے فاطمۃ الزہراؓ کے بیٹے حضرت علیؓ کی اولاد سمجھتے ہوئے اکثر مسلم وغیر مسلم دنیا نے اس واقعہ کو عجیب سمجھا۔ جو اچانک کربلا میں پیش آ گیا۔ اچھے اور برے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے آئے ہیں ہر کسی نے اس خبر جانکاہ پر آنسو ہی بہائے ہونگے۔

فطرتی جوش اور جذبہ کے لحاظ سے کمتر درجہ پر یہ سوال لابدی طور پر ہر کس و ناکس کے دماغ میں آ جاتا ہے۔

کیا حسینؓ کو روکنے والا کوئی نہ تھا؟ کس کس نے ساتھ دیا؟ اور پھر مذہبی نکتہ نگاہ سے پرکھنے والے تو بال کی کھال نکال دیتے ہیں۔ کیا انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ یہ سوال بھی اپنے اندر کافی طاقت و جامعیت رکھتا تھا۔ اور یہی سوال مسلمانوں میں دینی و دنیوی لحاظ سے پرکھنے پر اتنا اہم مشکل و پیچیدہ ہو گیا کہ چودہ سو سال گذرنے پر بھی اختلاف رفع نہ ہوا

اور نہ آج ہو سکتا ہے۔

۔ مگر ہر کس بہ قدر ہمت اوست ، ہر کسی نا کس جان انجان نے جو کچھ کہنا ہو گا کہا گیا۔ ان جھگڑوں، بکھیڑوں بحث مباحثوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ میرا مطلب پہلے ذہن میں اٹھے ہوئے سوال کے مطابق کچھ کہنا ہے کہ انہیں کسی نے روکا بھی یا کچھ مشورہ وغیرہ کسی سے کیا گیا؟ اس سوال کی تحقیق و جواب میں مجھے دو گروہوں کے مختلف و متضاد اقوال سامنے آئے۔

چونکہ محمدؒ بن الحنفیہ کی تاریخ میں ایک اہم مقام ہے تو پھر کیسے باور کیا جا سکتا تھا کہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے اس موقعہ پر کچھ کام یا حصہ ادا نہ کیا ہو گا۔ دو گروہوں سے میری مراد شیعہ و اہل سنت والجماعت حضرات ہیں۔ شیعوں کی کتابوں میں جو کچھ اب تک میری نظر سے گذرا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔ پھر دوسرے گروہ کے نظریات و روایات نقل کئے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ "حضرت محمدؒ بن الحنفیہ کو اس امر کا شدید صدمہ تھا کہ وہ واقعہ کربلا میں شریک نہ ہو سکے اور شرکت نہ کرنے کی وجہ انکی شدید علالت تھی (اور یہ بھی سماع میں آیا ہے کہ خود حضرت حسینؓ نے انہیں پیچھے چھوڑا) اور زرہ پھاڑنے کی وجہ سے ہاتھ زخمی ہو گئے اور تلوار پکڑنے کی صلاحیت نہ تھی۔"

(نور الابصار ۲۹ بحوالہ مختار آل محمد ص ۱۰۷) اور تحقیق مزید کے ص ۴۰۵ میں بحوالہ شہید کربلا اور یزید ص ۲۲۳۔ از قاری محمد طیبؒ لکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ "تاریخ سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد بن الحنفیہؒ نے نہ صرف یہ کہ حضرت امام کے اس اقدام کو برا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حسینؓ کو اس سے روکا بھی نہیں۔ حتیٰ کہ انکی تدبیر بھی تبلائی۔" کہ کہا گیا کہ جب پسماندگان حسینؓ کا قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ پہنچا تو بعد رونے دھونے وغیرہ کے زرہ پہنکر تلوار لگائی اور بال بچوں کی طرف جانے کی بجائے ایک طرف کو جا کر اس وقت تک کیلئے روپوش ہو گئے جب تک مختار نے خروج نہیں کیا۔

(ریاحین جلد ۱ ص ۲۲۳ روضۃ الشہداء ابوالفدا نور العین ۲۱ ناسخ التواریخ ج ۲ ۳۲۲ ریاض القدس ج ۲ ص ۱۵۸) بحوالہ کتاب مختار آل محمد ص ۱۰۷) اور پھر بعد کو مجلسوں کا انعقاد ہوا۔ اول محمد الحنفیہؒ کے گھر میں تعزیت ہوئی وغیرہ اور جب تک مختار نے خون حسینؓ کا انتقام

(حاشیہ صفحہ ۸۲ پر)

بکر ابن زیاد عمر بن سعد وغیرہ کے سر کاٹ کر انھیں نہ بھیجے سوگوار رہے اور کسی نے زینت
جاسں وغیرہ کی طرف خیال نہ کیا اور اس روز یوم غم کا اختتام ہوا۔ (ذاب الانصار ص ۲۱۲،
بحوالہ مختار آل محمد۔ ص ۲۸۳-۲۸۴) اور مختار نے محمدؒ بن الحنفیہ سے جب وہ قید سے رہا ہو کر
آیا مدینہ میں تلاش کیا۔ جو روپوش بیٹھے تھے۔ امام زمانہ امام زین العابدینؒ سے اجازت
لیا۔ اور امام زین العابدینؒ کا محمد بن الحنفیہؒ کو خون انتقام حسینؑ کا والی بنانا اور پچاس
آدمیوں کا کوفہ سے تصدیق حال مختار کیلئے آنا وغیرہ طول طویل روایات ہیں (تاریخی استنباط
مختار آل محمد کتاب کے ص ۱۸۶ اور پھر ۱۹۲ میں بیان لطیف استنباط پیش کیا ہے۔ زین العابدینؒ
نے اجازت دی۔ لیکن چونکہ بنو امیہ کا دور تھا۔ زین العابدینؒ ہر لمحہ خطرہ محسوس کرتے تھے
لہذا انھوں نے اس مسئلہ کو اپنے سامنے لانا مناسب نہیں سمجھا اور تقیہ اختیار کر لیا۔ وغیرہ

اب دوسرے گروہ یعنی اہل سنت والجماعت کی کتابوں و نظریوں سے جو پایا جاتا ہے
وہ نقل کروں گا۔ اور راقم الحروف خود بھی مسلک اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہے اور اسی
پر فخر کرتا ہے۔

میں نے کتابوں میں لکھا پایا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اور حضرت حسینؑ کو محمدؒ بن الحنفیہ
اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوفہ جانے سے پہلے روکنے کا قدم اٹھایا گیا
ہے اور محمدؒ بن الحنفیہ نے مع لواحقین کنبہ و قبیلہ کے بہتیرا زور مارا ہے کہ وہ
نہ جائیں مگر تقدیر غالب رہی۔ دنیائے صحابہ ابھی ابھی جنگ جمل صفین وغیرہ
میں خونریزی کے واقعات و مناقشات اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے حضرت
حسنؑ کی مصالحت کے بعد وہ مزید کسی خونریزی کے واقعات کو پسندیدہ نگاہوں
سے نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور صحابہؓ ایک حدیث کی پیشگوئی کی بناء پر "کہ جو تلوار
میری امت میں اٹھائی جائیگی وہ قیامت تک چلتی رہیگی" اسی کشمکش کے دوراہے
پر کھڑے تھے اور ہر خطرے کو خونریزی کے تصادم ہونیکو حتی الامکان بیچ بچاؤ کرتے تھے

اس سلسلہ میں جن بزرگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے و تابعین کے نام لئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں
(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مفسر قرآن جو انکے چچا بھی لگتے تھے (۲) عبداللہ بن جعفر طیار، عقیلی جو

ے شیعہ مذہ اور یہ خلاف کتب معتبرہ قدیم ہے (خواص)

نے تفسیر مواہب الرحمٰن پ ۳۰ ص ۴۵۲

بہنوئی بھی حسینؑ کے تھے (۴) ابو سعید خدریؓ (۵) جابر بن عبداللہؓ (۶) عمر بن سعد بن العاص
(۷) حضرت ابو واقد اللیثیؓ (۸) عبدالرحمٰن بن حارث (۹) محمد بن الحنفیہؒ (۱۰) عمر الاطرفؒ
وغیرہ نمبر ۹ و ۱۰ سوتیلے برادران حسینؑ کے نام سرفہرست و شمار ہیں (۱۱) ابن زبیرؓ جو بعد میں،
خلافت کے دعویدار ہو کر مختار ثقفی۔ اور اموی خلافت سے ٹکرا گئے شامل ہیں (خلافت معاویؓ و یزید)

تفسیر مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۴۵۲ پ ۳۰ پر یوں لکھا ہے کہ "جب حضرت حسینؑ نے کوفہ
کا قصد کیا تو حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ نے منع کیا اور آپکے بھائی محمدؒ بن علی
جو محمدؒ بن الحنفیہ مشہور ہیں۔ یہ رائے نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کوفیوں پر کچھ اعتماد
نہ کیجئے۔ اور بیت اللہ کے پاس حرم محترم میں عزت سے بسر کیجئے۔ یہاں ہم سب جان نثاری
کو موجود ہیں۔ ابن عباسؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ جانے پر اصرار ہی کرتے ہیں تو بال بچوں کو
یہاں چھوڑ دیجئے اور اس منع کرنے میں جابر بن عبداللہؓ عمر بن سعد بن العاص، ابو سعید خدری
عبدالرحمٰن بن حارث، ابو واقد اللیثیؓ وغیرہ برابر کے شریک رہے۔ بلکہ عمرو بن عبداللہ ابن جعفر وغیرہ
خویشان حضرت حسینؑ تین روزہ منزل طے کر کے آخری بار پھر روکنے کے لئے بھیجے گئے مگر
امر الٰہی یونہی جاری ہو چکا تھا۔ آپ نے منظور نہ کیا۔ کیونکہ مسلم بن عقیلؓ کا خط آ گیا تھا۔ کہ
اتنے ہزار کوفیوں نے مجھ سے آپکے لئے بیعت کر لی ہے اور آپکی رائے جانے پر جم گئی۔ اور
وہ روتے ہوئے ناکام واپس لوٹے۔

ذکر کیا گیا ہے اور اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت حسینؑ کے ساتھ کتنے سوتیلے بھائی تھے
اُن کے جو دیگر بیویوں کی اولاد سے تھے کام آئے۔ بعض نے چار بعض نے سات بیان کئے ہیں
جن میں سے عبداللہ، جعفر، عثمانؓ اور عباسؓ جو از بطن ام البنین تھے اور شمر ذوالجوشن کے بھانجے
تھے۔ سب کے سب بھائی حسینؑ پر ایک ایک کر کے قربان ہو گئے۔ اور عمرؓ، عونؓ، ابو بکرؓ، محمد
اصغرؓ بنات علیؓ بھی انہی جان نثاروں سے بقول دیگر شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ عمر بعض
نسخوں میں ام البنین کا پانچواں بیٹا برادران عبداللہ جعفر وغیرہ لکھا ہے۔ (رحمۃ اللعالمین
سلمان منصور پوری ص ۔۔۔ سے تک) اور یہ عمر الاطرف تو جنگ کربلا میں نہیں آئے تھے۔
اور ان کا قول مشہور کتب میں ہے۔ کہ عمر الاطرف نے کوفہ جانے سے انکار کیا۔ اور جب حضرت
حسینؑ کے قتل کی خبر پہنچی۔ تو وہ زرد لباس پہنکر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے۔
اور کہا کہ میں عقلمند تلوار ان ہوں۔ اور اگر میں بھی ان کے (حضرت حسینؑ) ساتھ نکلتا تو لڑائی

نے تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۳۰ صفحہ ۴۵۲

بی شریک ہوتا اور مارا جاتا۔ (ص ۲۵۰ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ
بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۸۰ وکذا فی السر السلسلۃ العلویہ لابی نصر بخاری ص ۹۶۔ مطبوعہ نجف
سنہ ۱۳۲۲ھ مؤلفہ چہارم صدی ہجری) اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے بیٹوں میں سے کسی ایک کے
بھی شریک ہونے کا قول صحیح معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اختلاف نقل ہوا ہے کہ کوئی شریک
جنگ کربلا تھا یا نہیں؟

غرضیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک جماعتؓ ابن زبیرؓ و حضرت حسینؓ کو
ابتداً روکتے ہی رہے۔ اور خصوصاً حسینؓ کو روکنے میں محمدؓ بن علیؓ مشہور ابن الحنفیہؒ نے
بھی زور مارا ہے۔ اسکی بین حقیقت کچھ تو ان بیانات سے واضح ہو گئی ہے مگر قطع نظر اس کے
کہ تاریخ کے اوراق روکنے والوں وغیرہ کے نام سے خالی بھی ہوتے تو یہ باور نہیں کیا جا سکتا تھا
کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو موت کے منہ میں جانے سے نہ روکے بخطرہ ہی اس امر کا ہو۔
اور وہ چپ سادھ کر اس دنیا سے گزر جائے، ضمیر، فطرت اور عقل نہیں مان سکتی۔ حاشا و کلا۔
ماہر نفسیات پر یہ بات روشن ہے۔ کچھ بھی پوشیدہ نہیں کہ فطرتاً و طبعاً جو محبت
خاص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہو۔ دنیا کا واسطہ نہ ہو۔ تو باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے یا ایک باپ کے
بیٹے آپس میں کلیۃً کنارہ کشی نہیں کر سکتے (گو آج کل کے دور میں نسلی و قبائلی عصبیت خاک میں
مل کر رہ گئی ہے) خصوصاً اس دور قرون الخیر میں جب ان کا گھر ابھی ابھی علیؓ کی شہادت کے
بعد حضرت حسنؓ کی وفات سے بھی لٹ چکا تھا۔ انہوں نے کبھی بھی ایک دوسرے سے
دیدہ دانستہ جدائی اختیار کی ہو؟ ہمیں کافی اطمینان قلب نصیب ہے کہ انہوں نے کبھی بھی
اس مردار دنیا کی طلب و خواہش نہیں کی ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی ایسی خواہش ہوتی
بھی تو وہ ظاہری ریاست بھی اب باقی نہیں رہی تھی، اس وقت کا دور بہت نازک مرحلے اور
دوراہے پر تھا۔ خصوصاً خاندان علیؓ پر سخت ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ بعض کتابوں میں آیا
ہے کہ خود حضرت حسینؓ نے اپنے دیگر بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ کوفہ جانے کی دعوت دی تھی۔ کسی نے
ساتھ دیا اور کسی نے انکار کیا۔

چنانچہ لکھا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کے اس وقت سترہ بیٹے زندہ تھے۔ صرف پانچ
اپنے بھائی (باختلاف روایات) کے ساتھ گئے۔ اور باقی اس مہم میں حضرت حسینؓ
کے ساتھ شرکت نہ کر سکے۔ یا انکار کیا۔ کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی

سلہ عبداللہ بن زبیرؓ از طالب ہاشمی بار دوم ص ۲۳۳۔

محمد بن الحنفیہ سے ابتداً جو علم و فضل ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے
جسمانی قوت و شجاعت میں اپنے والد ماجد گرامی قدر کے صحیح جانشین تھے۔ اس
مہم میں انکے ساتھ نہیں گئے بلکہ انکار کیا (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۵ جلد ۸ بحوالہ خلافت
معاویہؓ و یزید ص ۸۰)۔ اور کہتے ہیں کہ ابتداً انہوں نے مثل دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام کے
بیعت کر لی تھی۔ اور وہ بیعت توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے۔ اور
ایک وفد کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ وہ کسی حال میں مخالفت نہیں چاہتے تھے۔

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ کے بعد محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسینؓ شہادت پا چکے تھے۔ بچے کھچے افراد قافلہ حسینی کے دمشق سے مدینہ منورہ
حضرت زین العابدینؒ کی قیادت میں گرتے پڑتے واپس پہنچے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ حضرت علیؓ کے لاڈلے
سبط رسول اللہ صلعم کا لٹا لٹا قافلہ دیکھ کر اہل مدینہ دوڑ پڑے۔ اور جی بھر کر روئے۔ اب حسینؓ
کے بعد علیؓ کی اولاد سے محمدؒ بن الحنفیہ کے سوائے کوئی ایسا نہیں تھا جو خلافت کو سنبھالے۔ مگر انہوںؒ
نے اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور نہ ہی زین العابدین علیؓ پسر حسینؓ متوفی سنہ ۹۴ھ نے خلافت
کی خواہش کی۔

خاندان ہاشمیہ علویہ کیلئے اب غموں اور مصیبتوں کے انبار کے سوا اور کیا رکھا تھا جو زندگی گزارنے
پر مجبور تھے۔ ماحول بد سے بدتر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

(۱) شام میں بدستور سابق حکومت جاری و ساری تھی۔ اکثر لوگ خواہ اسکی بیعت میں طوعاً ہوں یا
کرہاً داخل ہو چکے تھے۔

(۲) ادھر خود مکہ میں ابن زبیرؓ خلافت کی حقداری کا دعویٰ کر کے مکہ کے قرب و جوار حجاز پر قبضہ
جما چکے تھے۔ اور شام کی فوجوں سے نبرد آزما تھے۔ اور یہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ وغیرہ سے طالب
بیعت تھے۔ جو اس وقت خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ یا بقول دیگر خلیفہ شام دمشق کی بیعت
شامل اور لوگوں کے کئے ہوئے تھے۔

(۳) تیسرے گروہ میں مختار ثقفی علیحدہ انتقام حسینؓ کی آڑ میں حکومت پر قابض ہونا چاہتا تھا اور محمد بن الحنفیہؒ اور زین العابدینؒ کو ملوث کرنا چاہتا تھا۔ غرض قسما قسم آزمائشوں میں مبتلا تھے۔۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن ۔ والاحاطہ ہوگیا۔ بہرحال اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ و زین العابدینؒ و دیگر افراد کنبہ اولاد حسینؓ یکجا زندگی اور موت کی کشمکش میں رکھے بسر کرتے نظر آ رہے ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن الحنفیہؒ، حسن مثنیٰؒ وغیرہ بنی ہاشم سب یکجا ہیں۔ جو مصیبت اس گھرانے پر آئی ہے سب پر شریک ہے۔ اور واقعہ کربلا کے بعد زین العابدینؒ اور محمد بن الحنفیہؒ مکہ پہنچ کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلی۔

اول بیان اس کا کیا جاتا ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی[1] اور کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہی خوب جانتے ہونگے کہ لشکر پر یہ بیعت رہی تھی۔ وہ کسی کی مانتے اور کسی کی نہ مانتے۔ مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ ہی عبداللہ بن زبیرؓ کی مانی اور نہ مختار ثقفی کے ہاتھ لگے۔ ان ہر دو شقوں کا جواب تعلل دینا ہوگا۔ اور اس کے بعد تیسری کا بیان ہوگا۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے دور یزید ہی میں بعد شہادت حسینؓ اپنی بیعت خلافت قبول کرلی۔ اور نواح مکہ پر چھائے اور پھر سالم حجاز پر قبضہ و تسلط کرلیا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن الحنفیہؒ نے انکی بیعت نہیں کی (عبداللہ بن زبیرؓ طالب ہاشمی ص ۱۳۰ - ۱۳۱، بار دوم) کا تمہ۔ اور آزاد رہنا چاہا۔ خواہ اس وجہ سے کہ اکثر خاندان ہاشمیہ وغیرہ بیعت خلافت یزید و عبدالملک کر چکے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ مصلحت وقتی انہیں خاموشی پر مجبور کر رہی تھی مؤرخین یہاں یہی وجہ مذکور ہے۔ کہ اکثروں نے بیعت کرلی تھی۔ اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ عبدالملک بن مروان کی اور ابن زبیرؓ کی بیعت میں ابھی متوقف تھے۔ اور ان کا توقف بربنائے حدیث رسول اللہ صلعم تھا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔ یزید مرچکا تھا اور خلافت عبدالملک اور ابن زبیرؓ متنازعہ فیہ تھی۔ وہ حدیث یہ ہے:۔

الائمۃ من قریش "ائمہ قریش سے ہونگے۔ جن کے وقت تک اسلام عزت و قوت میں رہیگا اور دوسری حدیث میں ہے کہ "دین برابر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں سب پر امت اتفاق کریگی" (سنن ابی داؤد) گو ابن زبیرؓ شروع ہی سے ان سے بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ مگر مختار ثقفی کے عراق میں تسلط کے بعد اصرار کی حد تک پہنچ گیا ورنہ پہلے اتنا تعرض بھی نہیں کیا جاتا تھا ابن زبیرؓ کا وفد پہلے بھی محمد بن الحنفیہؒ سے ملا۔ اور مندرجہ ذیل مکالمہ اس وفد اور محمد بن الحنفیہؒ

[1] عبداللہ بن زبیرؓ ص ۱۳۰ - ۱۳۱۔

کے درمیان ہوا۔ جو درج ذیل ہے۔

عبداللہ بن مطیع وغیرہ ایک وفد لیکر محمد بن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا۔

ارکان وفد:- کہ یزید کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ:- یزید سے کیوں لڑوں۔ اور بیعت کس لئے توڑ دوں؟

ارکان وفد:- اسلئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے۔ فاجر ہے شراب پیتا ہے۔ اور دین سے خارج ہے۔

ابن الحنفیہؒ:- خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے اسکو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اسکے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اسکو یہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد:- تو کیا وہ تمہارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنفیہؒ:- تو کیا اسنے تمکو اپنے کرتوتوں سے باخبر کردیا تھا؟ اگر اس نے واقعی یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے۔ اور اگر تمہارے سامنے نہیں کیں تو تم ایسی بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سنکر ارکان وفد ڈرے۔ کہ کہیں حنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کریں۔ اسلئے انہوں نے کہا:۔

ارکان وفد:- اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ اور تمہیں خلیفہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم ابن زبیرؓ کی بیعت کیلئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ:- لیکن میں تو لڑوں گا نہیں نہ اپنی خلافت کیلئے نہ کسی اور کی۔ بست اتحاد تابعا اور متبوعاً (ج ۳۔ انساب الاشراف بلاذری۔ بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۸۸) اس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیر نے (البدایہ و النہایہ ۲۳۳ ج ۸۔ بحوالہ کتاب مذکور ایضاً)

اگر مناقب کی وصفی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے آنکھ بند کرکے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندان علیؓ میں ان کا درجہ بھی بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ و نسابہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گذرا۔

اسی دوران مختار ثقفی بھی قید سے رہا ہوکر مکہ مدینہ میں ابن زبیرؓ و ابن الحنفیہؒ

وغیرہ سے کہتے ہیں۔

تتمہ ابتداً یوں ہوا کہ یہی مختار حادثہ کربلا سے پہلے مسلم بن عقیلؓ کو اپنے گھر میں ٹھہرانے جانے کے جرم میں (جبکہ مسلم بن عقیلؓ کو حسینؓ نے کوفیوں کی بیعت کیلئے بھیجا تھا) قید کیا گیا تھا (تاریخ اسلام تاری احمد ص ۱۰۳) اور بعض نے مسلم بن عقیلؓ کو پناہ دینے والوں کا نام ہانی بن عروہؓ[1] لکھا ہے۔ شاید دونوں نے پناہ دی ہو ہانی بن عروہ تو قتل کر دیا گیا اور مختار قید میں ڈال دیا گیا۔ اور مختار کو ابن زیاد نے اتنا مارا کہ ایک آنکھ بھی پھوٹ گئی تھی۔ رہائی کے بعد وہ مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آ گیا۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے ہمراہ ہو کر جنگ میں ہمنوا ہو کر شریک ہو گیا۔ جو اس وقت یزید کیخلاف لڑی جا رہی تھی۔ مختار کی وہ توقعات جو عبداللہ بن زبیرؓ سے وابستہ کر رکھی تھیں پوری ہوتی نظر نہ آئیں تو در پردہ عبداللہ بن زبیرؓ کا مخالف ہو گیا۔ مگر مصلحتاً خاموش رہا۔ اور بظاہر ملا رہا۔ واقعہ کربلا سے ان دنوں عام مسلمانوں کے دل زخمی تھے۔ مختار نے اس واقعہ کا سہارا لیکر مسلمانوں میں ایک نئی تحریک جاری کرنے کا عزم کیا۔ مختار واپس عراق آیا اور اپنی تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کی۔ اسی دوران مکہ میں وہ عبداللہ بن زبیرؓ سے در پردہ زین العابدینؒ اور پھر محمد بن الحنفیہ سے ملا اور انہیں اپنے مقصد سے آگاہ کیا۔ زین العابدینؒ نے محمد بن الحنفیہ کو بھی جھگڑے سے الگ رہنے کا مشورہ دیا حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے ابن عباسؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مختار کی حمایت یعنی سرپرستی کا مشورہ دیا۔ ان دنوں محمد بن الحنفیہؒ اور ابن عباسؓ سے تعلقات ابن زبیرؓ سے کشیدہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے ابن زبیرؓ کی بیعت ابھی تک نہیں کی تھی۔ یہاں سے آگے یہ نہیں معلوم ہوا کہ مختار کیساتھ کیا فیصلہ ہوا بہر حال مختار انکو اپنا حامی سمجھ کر ابن زبیرؓ سے یہ کہکر کہ میرا کوفہ رہنا زیادہ مفید ہوگا اجازت مانگ کر کوفہ چلا آیا۔ اور یہ بھی بات رخصت بتایا کہ وہ عراق میں محبانِ اہلبیت کو بنو امیہ کیخلاف منظم کریگا۔

مختار جب کوفہ واپس پہنچا تو یہاں مستغفرین یعنی توابین کا لشکر سلیمان بن صرد کوفی لیڈر جو

[1] عروہ بن ہانی رسالہ نظام المشائخ ص ۳۴۴ اپریل ۱۹۳۶ء)

وہ بھی حسنؓ کے زمانہ سے پیچھے لگا تھا۔ اور حضرت حسنؓ کی صلح کے بعد مذلّ المؤمنین کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت حسینؓ کے بعد پشیمان ہو کر کسی نے کہا ہے ؎

وہ آئے ہیں میری مزار پر جبکہ مجھے مٹا دیا!

حضرت حسینؓ کے مزار پر جا کر رو رو کر معافی مانگی۔ اور انتقام حسینؓ لینے کیلئے عبیداللہ بن زیاد سے لڑنے کیلئے دمشق کی جانب نکل گئے، عبیداللہ بن زیاد نے حصین بن نمیر کو لشکر دے کر توابین کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ عین الوردہ کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ سلیمان بن صرد مارا گیا اور رفاعہ شکست خوردہ لشکر کو لیکر واپس کوفہ پہنچے۔

"توابین کا مقصد، انتقام حسینؓ" اور مختار کا بھی مقصد بظاہر یہی تھا۔ لیکن مختار اپنی تحریک علیحدہ چلانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسنے کہا کہ سلیمان ناتجربہ کار اور بزدل ہے۔ وہ تمہیں ہلاک کرا دیگا۔ تم میرے کہنے کیمطابق عمل کرو۔ مجھے مہدی زماں امام محمد بن حنفیہؒ نے تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے[1] تاکہ شہدائے کربلا کا انتقام لوں۔ کچھ لوگ تو اس سے آملے تھے۔ اور وہیں کوفہ میں جمے رہے اور دیگر لوگ جن کا اوپر بیان گذر چکا ہے سلیمان بن صرد کے ہمراہ نکل گئے اور رفاعہ شکست خوردہ لشکر لیکر واپس آیا۔ مگر اس کے آنے تک مختار گورنر کوفہ کی قید میں پڑ چکا تھا۔

اسکی وجہ یہ ہوئی کہ گورنر کوفہ کو اس کے مشیروں نے یہ مشورہ دیا (اور یہ وہ وقت تھا کہ اب عراق کوفہ پر ابن زبیرؓ کا تسلط ہو چکا تھا) کہ مختار خطرناک آدمی ہے۔ محمد بن الحنفیہؒ کے نام پر ابن زبیرؓ کے خلاف راہ خلافت ہموار کر رہا ہے۔ گورنر نے رائے صائب پا کر مختار کو قید کر دیا۔ مختار نے قید خانے سے عبداللہ بن عمرؓ کو (جو اسکے بہنوئی تھے) پیغام بھیجا کہ آپ عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ سے رہائی کی سفارش کریں۔ میں ابن زبیرؓ سے ہرگز بغاوت نہ کروں گا۔ بدعہدی کروں تو لونڈیاں غلام وغیرہ آزاد ہوں۔ عبداللہ بن یزید کو خط لکھا وہ جلیل القدر صحابی کی سفارش نہ رد کر سکے اور یوں مختار رہا ہو گیا۔

جو توابین بچ گئے تھے وہ بھی کوفہ آکر اسکی تحریک میں شریک ہو گئے۔ جبکہ مختار نے رہائی کے بعد پھر سے تنظیم کرنی شروع کر دی تھی۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن یزید کو معزول

[1] تحریک میں یا ایہا المہدی سے خطاب کرتا۔ مگر وہ اس سے برأت کا اظہار کرتے تھے (تحقیق سید سادات ۱۹۱ - ۱۹۲ نیز بحوالہ دیگر کتب۔ ش ابن کثیر) مصنف۔

کرکے اسکی جگہ عبداللہ بن مطیع گورنر کوفہ عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے مقرر ہوکر آگیا۔ اس نے آکر جائزہ لیا تو مختار کی خلافت ابن زبیرؓ کیلئے عظیم خطرہ بن چکی تھی۔ اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی۔ مختار بھی چوکنا تھا۔ خفیہ جلسے بلاتا اور حکومت کیخلاف خروج کی ترغیب دیتا۔ مختار کے بہت سے حامی خروج سے پہلے یہ تحقیق کرنا چاہتے تھے کہ مختار کو واقعی محمد بن الحنفیہؓ کی تائید حاصل ہے ؟

چنانچہ انھوں نے ایک طرف تو اسے توقف چند روزہ کی تلقین کی اور دوسری طرف ایک وفد محمد بن الحنفیہؓ سے تحقیق حال کیلئے مدینہ منورہ بھیجا۔ مختار کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بہت گھبرایا کیونکہ اس نے یونہی یہ بات کہہ دی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح رسوخ حاصل ہو جائے گا۔ مگر حضرت محمد بن الحنفیہؓ نے بڑی عقلمندی سے جواب دیا "کہ ہم اہلبیت صابر و شاکر بیٹھے ہیں لیکن اللہ نے جس بندے کیلئے چاہا ہماری مدد کی جو شخص اہل بیت کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہے ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ خدا ہمارے دشمنوں کو ان مظالم کی سزا دے۔ خواہ وہ کسی شخص کے ذریعے بھی دے۔

اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ماموری و عدم ماموری کی نسبت تو کچھ نہ فرمایا صرف اتنا کہدیا کہ خون حسینؓ کا بدلہ لینا ہر شخص پر واجب ہے: یہ جواب سنکر اہل کوفہ نے مختار کو سچا سمجھا اور کہا کہ حضرت مصلحت حکومت کے سبب صاف صاف نہیں فرماتے۔ کوفہ میں آکر مختار کی بات کی تصدیق کردی۔ مختار کو جب یہ خبر ہوئی کہ میری تکذیب نہیں کی گئی تو وہ خوش ہوگیا۔ اور اب خلوص قلب سے عہد کرلیا کہ اب صداقت سے اس خاندان کی مدد کروں گا۔ اور لوگ بیعت میں آتے گئے۔

مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر (جو اہل بیت کا حامی اور محب تھا) کی حمایت حاصل کرنے کیلئے ایک خط محمد بن الحنفیہؓ کا پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

۔ محمد مہدی کی طرف سے ابراہیم بن مالک اشتر کے نام :

اما بعد : میں نے مختار کو اپنا وزیر اور معتمد بنایا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ اہل بیت کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اور ان سے شہدائے کربلا کا انتقام لے۔ تم بھی اس کے کام میں مدد کرو۔ کوفہ سے شام تک جو علاقہ تمہاری مدد سے فتح ہوگا۔ تم اسکے امیر بنا دیئے جاؤ گے "

اکثر تاریخوں میں ہے کہ یہ خط جعلی تھا۔ محمد بن الحنفیہؓ نے کبھی بھی مہدویت کا دعوٰی نہیں کیا[۵۵]۔ اور ابراہیم کو بھی اسلئے صحیح ماننے میں تامل تھا۔ مگر مختار کے ساتھیوں نے کہا کہ خط انکے سامنے لکھا ہے۔ بہرحال وہ مختار سے مل گیا۔ اور اس بہادر کے کام سے رونق ہوئی۔

۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ کی رات خروج کا ارادہ کرلیا۔ اور مسلح ہوکر مکان مختار پر جمع ہونے کو کہا (بعض نے کہاکہ مختار پھر قید خانہ میں تھا اور یورش کرکے قید خانہ سے نکالا گیا) گورنر کوفہ کو مختار کے ارادوں کی خبر ہوگئی اور کوفہ کے پولیس افسر کو ناکہ بندی کا حکم دیا (اور شاید کہ مختار اپنے گھر میں نظربند ہو) مگر ابراہیم اشتر اور انکے ساتھی گھیرا توڑ کر مختار کے مکان میں پہنچ گئے۔ سرکاری فوجوں نے شکست کھائی اور عبداللہ بن مطیع بھاگ کر مکہ میں ابن زبیرؓ کے پاس چلا گیا۔ اور مختار کا کوفہ وگرد و نواح پر مکمل قبضہ ہوگیا۔ باضابطہ امامت محمد بن الحنفیہؓ کی قیادت میں بیعت لوگوں سے لی اور رفتہ رفتہ اپنا نام خلیفۃ المہدی رکھ لیا۔ (ملخصاً از کتاب عبداللہ بن زبیرؓ ص ۱۸۵ تا ۱۸۶۔ ابو طالب ہاشمی)

کوفہ پر مختار کا تسلط قائم ہوگیا تو مقامی قاتلان حسینؓ کے سر کاٹے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ پہلے سعد و شمر کا سر اور بعد کو جب ابن زیاد مارا گیا تو سر کاٹ کر محمد بن الحنفیہؓ و زین العابدینؓ کے پاس مدینہ بھیج دیئے گئے۔ اور یوں قاتلان حسینؓ کو دنیا میں عذاب دیا گیا اور آخرت میں ان کا عذاب موضوع کے اعتقاد پر منحصر ہے[۵۶]۔

مختار کا یہ کارنامہ عظیم تھا۔ ان دونوں بزرگوں کو مختار کے عقائد سے تو کوئی کام یا تعلق نہ تھا۔ البتہ اس کارگزاری سے وہ متاثر ضرور ہوئے۔ اور بیاختہ مختار کی کارگزاری سراہی گئی۔ اور یہ ایک فطری بات تھی۔ ہر ایک محب خاندان علویہ خوش ہی ہوتا اور یہ دونوں بزرگ تو شہدائے کربلا کا خون اور گوشت تھے۔ جہاں تک مختار کے عقائد اور دعاوی کا تعلق تھا زین العابدینؓ نے کھلی برأت کا اظہار کیا اور مختار کو کذاب کہا۔

اور محمد بن الحنفیہؓ کی زندگی تو گویا کھلی ہوئی کتاب تھی۔ عملاً یا قولاً مختار کے کسی عقیدے کی تائید نہ کی۔

(ملخصاً عبداللہ بن زبیرؓ ابو طالب ہاشمی ص ۱۹۴ بار دوم۔ شعاع ادب لاہور)

---

[۵۵] تحقیق سید و سادات ص ۱۹۱-۱۹۳
[۵۶] تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۴۵۳ پ۔

یاد رہے کہ مختار نے بعد کو دعویٰ نبوت کا دعویٰ کیا اور مہدی زمان بھی کہلانے لگا۔
اور اہلسنت والجماعت کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی وارد ہے
"مسلم میں اسماء بنت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ بیشک ثقیف کی قوم
میں ایک ظالم خونریز ہوگا اور ایک بہت جھوٹا" سو اس قوم سے حجاج بن یوسف ظالم ہوا۔
اور جھوٹا مختار ثقفی تھا۔ جس نے بعد شہادت حسینؑ کو فہ میں محمد بن الحنفیہؓ کی طرف سے اول
جھوٹا دعویٰ کیا خون انتقام حسینؑ کا۔ پھر سردار بنا۔ بعد اسکے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور آخر
فضیحت اور برباد ہوا۔

سو یہ حدیث حضرتؐ کا معجزہ ہے (تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار ص ۱۰۹، نظامی کانپور ۱۲۸۲ھ)

محمدؒ بن حنفیہ ابن زبیرؓ کی قید میں

ایک علوی کی اسیری

مختار کیلئے دوہری مشکل یہ پڑی کہ ایک طرف تو بنو امیہ اس کے خلاف ہوگئے کہ اسکے ساتھی
چن چن کر مار رہا تھا۔ ادھر کوفہ پر مختار کا قبضہ عبداللہ بن زبیرؓ کی کھلی مخالفت و بغاوت تھی۔
مختار کے عروج و فتح یابیوں کی خبریں حضرت ابن زبیرؓ کو پہنچیں تو کھٹکا پیدا ہوا۔ اور اسی کا تدارک
کرنا چاہا۔ اور جب کوفہ سے ابن زبیرؓ کے حاکم کو مختار نے نکال دیا تھا۔ تو برابر تدبیریں کر رہے
تھے کہ مختار کا قلع قمع ہو۔ مگر وہ ادھر ایران میں اقتدار بڑھانے اور بنو امیہ کیساتھ برسر پیکار تھے
اسلئے مختار کو دونوں طرف سے کچھ موقع مل گیا۔

لیکن ابن زبیرؓ کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے محمدؒ بن الحنفیہؒ کو قید
کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے یا یہ سمجھتے تھے یا یہ باور کر لیا گیا تھا کہ محمدؒ بن الحنفیہؒ مختار کی
سرپرستی کر رہے ہیں۔ یعنی زبیرؓ کیخلاف بغاوت کو ہوا دے رہے ہیں (اور مختار تو برملا انہی کے
نام پر سارا کام چلا رہا تھا اور چل سکتے تھے) اور عبداللہ بن عباسؓ بھی محمد حنفیہؒ کیساتھ تھے اور وہ یہ سمجھتے

ہونے کہ مختار کی ہستی ان کے اشارہ سے قائم ہوئی ہے۔ تو جب میں انکو قید یا قتل کردونگا۔ تو مختار
کا جتھا خود ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر محمد بن حنفیہؒ نے میری بیعت کر لی تو مختار خود مطیع ہو سکتا ہے[1]
اسی دوران جبکہ یہاں یہ سوچا جا رہا تھا مختار نے ایک خط عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا اور یہ ایک
جنگی چال تھی کہ مجھے آپکی خلافت منظور ہے۔ اور دوسری طرف جنگی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ زبیرؓ
نے مختار کا امتحان لینے کیلئے ایک شخص عمر بن عبدالرحمٰن کو کوفہ کی گورنری کیلئے بھیج دیا۔ تو وہ راستہ
ہی میں ٹال دیا گیا۔ اور وہ بصرہ کو چلا گیا۔ اسی اثنا میں عبدالملک بن مروان نے ایک لشکر عبداللہ
بن زبیرؓ کیخلاف وادی القریٰ میں بھیجنے کیلئے روانہ کر دیا۔
مختار نے پھر اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ابن زبیرؓ کو ایک اور خط لکھا کہ مروان
کا لشکر آ رہا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپکی مدد کے لئے فوج بھیجی جائے۔ مختار نے تین ہزار کا ایک لشکر
مدینہ کو روانہ کیا بظاہر تو یہ مقصد تھا کہ عبدالملک کی فوجوں کے مقابلہ میں مدینہ کی حفاظت
کی جائے۔ لیکن اصلی مقصد یہ تھا کہ اس بہانے مدینہ پر قابض ہو جائے۔ اور محمد بن الحنفیہؒ
کی خوشنودی بھی حاصل کی جائے۔ مگر عبداللہ بن زبیرؓ جو اس کا امتحان لے رہا تھا ارادے
کو بھانپ لیا اور لشکر کیساتھ راستہ میں لڑائی ہو گئی۔ مختار کا لشکر بچا کھچا واپس کوفہ لوٹ آیا
اس موقع سے بھی اس نے فائدہ اٹھایا۔ اور محمد بن حنفیہؒ کو خط لکھا اور شکایت کی کہ آپکی حفاظت
کیلئے جو فوج بھیجی تھی وہ عبداللہ بن زبیرؓ نے آپ تک نہ آنے دی۔ اور کہا کہ معتمد خاص کو بھیجیں
کہ وہ فوج لے جائے۔ جو ابن زبیرؓ سے نپٹ لے گی۔
محمد بن الحنفیہؒ نے جواب لکھ بھیجا کہ میں تمہاری حق پسندی سے واقف ہوں
مجھے گوشۂ عافیت میں بیٹھے رہنے دو۔ اور مخلوق خدا کی خونریزی سے پرہیز
کرو۔ اگر میں امارت کا خواہاں ہوتا تو تم سے زیادہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکتا
تھا۔ لیکن میں نے اپنے تمام دوستوں اور ہوا خواہوں کو معطل کر دیا ہے۔ خدا
تعالےٰ خود ہی جو چاہے گا فیصلہ کر دیگا۔"
بعض لوگوں نے محمد بن علیؒ کے اس خط کو مبنی بر مصلحت قرار دیا (بعض سے یہاں میری
مراد شیعہ حضرات ہی ہو سکتے ہیں) لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ مبنی بر مصلحت نہیں بلکہ مبنی بر

---

[1] فیروز نامہ از خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی ص ۹۵ زیر عنوان "مکہ میں ایک علوی کی اسیری"

حقیقت و صداقت ہے۔ اور یہی انکے ورع۔ تقوای اور عالم باعمل ہونے کا ثبوت ہے۔
گذشتہ اوراق میں ایک جھلک اس امر کی پائی جاتی ہے کہ وہ حق کی بات کہنے اور اس پر
ڈٹے رہنے میں نہ عبداللہ بن زبیر کے رعب و داب سے مرعوب ہوتے ہیں اور نہ مختار کی خودغرضانہ
کارروائیوں سے کسی کے فریب خوردہ ہو سکتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ انکی تحریک سے بیزاری کرتے رہے۔ جو
خود جو امیر اور ابن زبیر سے اقتدار کی فکر کر رہا تھا۔ اور پھر دونوں حکومتوں سے ٹکرا گیا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی واقعہ تھا جو درمیان میں آگیا۔ ابن زبیر نے اس دوران بیعت کے
مطالبہ پر شدید اصرار کیا۔ جب وہ نہ مانے تو انہیں قید کر دیا۔ اور اسکی یہ صورت
ہوئی کہ جب حج کا موسم آیا تو امام حنفیہؒ مدینے سے مکہ کو حج کرنے کیلئے تشریف لائے
ابن زبیر نے ان سے کہا کہ یا تو میری بیعت کیجئے تاکہ اس کے عوض میں آپکو کسی صوبہ
کی حکومت دیدوں۔ ورنہ یہ تلوار ہے۔ اور آپ ہیں۔ حضرت محمد حنفیہؒ نے بیعت
سے انکار کر دیا۔ اس پر ابن زبیر نے ان کو بمعہ اہل و عیال قید خانہ میں ڈال دیا
بموجب قول صاحب سر السلسلۃ العلویہ ص ۸۲ میں ہے کہ جنکو ابن زبیر نے بنی ہاشم
سے شعب ابی طالب میں محصور کیا تھا انکی کل تعداد سترہ تھی۔ جن میں محمد بن علی
الحنفیہؒ، ابن عباس، حسن بن الحسن المثنیٰ بھی تھے اور زید بن حسنؒ زبیر کیساتھ تھے
اور بنو ہاشم میں کوئی دوسرا شخص ان کے ساتھ نہ تھا۔ دوسرے دن پھر بلایا اور کہا
کہ یا تو بیعت کرو۔ ورنہ قتل کر دوں گا۔ یا جلا دوں گا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے
کہ ابن زبیر نے چاہ زمزم کی چاردیواری میں قید کر دیا۔ اور اسکے گرد لکڑیوں کا انبار
لگوا کر دھمکی دی کہ اگر معینہ مدت کے اندر بیعت نہ کروگے۔ تو جلا دیئے جاؤ گے لیکن
یہ روایتیں صحیح معلوم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ
معمولی طور پر نظربند کئے گئے تھے اور وہ ہر وقت مکہ سے باہر جانیکی قدرت رکھتے تھے چنانچہ
ایک مرتبہ کوفہ جانے کا بھی ارادہ کیا مختار کو پسند نہیں تھا اور حیلے بہانے کر کے ٹال دیا (عبداللہ
بن زبیر ص ۱۹۹-۲۰۰) سر السلسلۃ العلویہ والے لکھتے ہیں کہ حکم قتل دینے ہی کو تھا کہ مسور بن مخرمہ
زہری نے کہا کہ جمعہ تک مہلت دی جائے۔ پھر جب جمعہ کا دن آیا تو محمد بن الحنفیہؒ نے غسل کیا۔
سفید کپڑے پہنے اور جان لیا کہ آج قتل ہوجانا ہے۔

اس سے قبل کہ یہاں سے آگے کا حال لکھا جائے یہاں بعض دیگر کتب میں یہ بھی لکھا ہے

کہ جب ابن زبیر نے بیعت چاہی تو محمد بن الحنفیہؒ نے کہا کہ مجھے ایک سال کی مہلت دی
جائے تاکہ میں اس مسئلہ پر غور کرسکوں (محمد بن الحنفیہؒ کی التوائے بیعت کی وجہ پچھلے
اوراق میں بیان کردی ہے کہ وہ حدیثوں کی روشنی میں تھی) مگر ابن زبیر نے کہا کہ ایک
ساعت بھی مہلت نہ دوں گا۔ اس پر محمد بن الحنفیہؒ نے کہا۔

"سبحان اللہ۔ کیا خدا کی شان ہے۔ جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلعم نے صفوانؓ
کو ایک سال کی مہلت دی۔ حالانکہ اس وقت وہ کافر اور حضورؐ کا دشمن تھا۔ اور
میں مسلمان ہوں۔ علیؑ کا فرزند ہوں۔ مجھکو مہلت دینے میں تم کو اس قدر بخل ہے۔"

یہ سنکر ابن زبیر کے ساتھیوں نے کہا اچھی بات ہے آپ انکو دو ماہ کی مہلت
دیجئے۔ ابن زبیر نے جواب دیا۔ اچھا انکو مہلت ہے۔ اور یہی روایت قرین قیاس معلوم
ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آگے کے بیان سے واضح ہوگا کہ مختار نے انکی خلاصی کے لئے مکہ کو
فوجیں بھیجیں۔ اور پہلی روایت بھی اسی طرح درست معلوم ہوتی ہے کہ جب دو مہینے کی میعاد
ختم ہوئی۔ اس دن صبح کا دن جمعہ تھا اور مقتل گاہ کی تیاری کرلی وغیرہ اسلئے کہ جب
طاقت غیر کے ہاتھوں میں ہوتی ہے تو سینکڑوں آرزومندان انصاف و امن جابرانہ ظلم
استبداد کے پنجہ میں بے انصافیوں کا شکار ہو کر ختم ہوجاتے ہیں۔ اسلئے افسوس جب
وہ اپنی رائے پر قائم و ڈٹے ہوئے تھے قتل ہونا بھی یقینی سمجھتے تھے۔ مگر خدا کو ابھی آن کی
موت شاید منظور نہ تھی۔

بعض کتابوں میں ان پر پابندی یا نظربندی لگانے کے بعد حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے
چند اشعار نقل کئے ہیں۔ جن میں عبداللہ ابن زبیر کو مخاطب کیا ہے۔ سات شعروں میں سے
تین یہاں درج کئے گئے۔ جنکو کثیر ابن ابی جمعہ عبدالرحمٰن الخزاعی نے بیان کیا۔

ومن یر ھذا الشیخ بالخیف من منی
من الناس یعلم انہ غیر ظالم
سمی النبی المصطفی وابن عمہ
وحمال اثقال وفکاک غارم!
تخبر من لاقیت انک عائذ!
بل العائذ المحبوس فی سجن عارم

(یہ قصہ طبقات ابن سعد کبریٰ ج ۵ ص ۴۳، کامل ابن اثیر، مروج الذہب المسعودی
میں ہے و تاریخ ابن واضح الیعقوبی وغیرہ کتب تاریخ بحوالہ سراسلة العلویہ)

بعض کہتے ہیں کہ محمد ابن الحنفیہؓ نے مختار کو خط لکھا۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ محمد بن الحنفیہؓ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود مختار نے خبر ہونے پر بہر حال کوئی وجہ بھی ہو۔ مختار نے ایک ہزار فوج عبداللہ الجدلی کی قیادت میں محمد بن الحنفیہؓ کی خلاصی کیلئے مکہ بھیجی اور ٹھیک اسی دن کی صبح کو جس دن امام محمد بن الحنفیہؓ قتل ہو جانیکی تیاری کر چکے تھے قید خانہ سے خلاصی کر کے مدینے لے آئے۔ اور بعض روایات میں کوفہ لے آنے کا ذکر ہے۔ مگر پہلی روایت مرجح ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ مختار خود یہ ناگہانی فوج لیکر مکہ پہنچا اور کسی فرد بشر کو خبر نہ ہو سکی قید خانے کے پہرہ داروں کو قتل کر کے ابن زبیرؓ کے خبر ہونے تک محمد بن الحنفیہؓ کو نکال کر واپس بھاگ آیا۔ ابن زبیرؓ کے سواروں نے پیچھا کیا مگر پہنچ نہ سکے اور مختار محمد بن الحنفیہؓ کو مدینہ پہنچا کر کوفہ چلا آیا۔

اب ابن زبیرؓ کو مختار کا پورا خطرہ لاحق ہو گیا اور اس کانٹے کو اپنے راستے سے صاف کر کے دم لیا۔ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب بن زبیرؓ نے مختار کو شکست دیکر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو قتل کر کے سر کاٹ کر ابن زبیرؓ کے پاس بھیج دیا۔ مختار کیا تھ جنگ میں عبید اللہ (عبداللہ) بن علیؓ بن ابی طالب بھی مقتول ہوئے۔ (اور بقول بعض عمر بن علیؓ) مصعب کی طرف سے مختار کیخلاف لڑتے ہوئے مارے گئے (عبداللہ بن زبیرؓ ص ۲۰۷) اور ایک دوسری روایت میں عبید اللہ ابن علیؓ مختار کی طرف سے لڑتے ہوئے مقتول ہوئے اور قبر کا حال (شاید شیعہ روایت ہو)

ایک اعجوبہ

مؤرخین اس مقام پر دار الامارت کوفہ واقعہ عراق کو عجیب قرار دیتے ہیں اور چشم دید شاہد ہیں۔ ہمارے زمانہ میں بھی اس قسم کا ایک آدھ واقعہ ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قصر میں یکے بعد دیگرے حسین رضی اللہ تعالےٰ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پھر کچھ مہینوں بعد عبید اللہ کا سر مختار ثقفی کے سامنے، پھر مختار کا سر مصعب بن زبیرؓ کے سامنے اور پھر مصعب بن زبیرؓ

(... قصہ از اخبار الطوال)
عبداللہ بن زبیرؓ ص ۲۰۹ - ۲۱۱ مختار کی جنگ دنیا کے لئے

کا سر اسی قصر میں عبد الملک بن مروان کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ عبد الملک نے یہ قصہ سنکر اسے منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور ہمارے زمانہ میں کہ چودھویں صدی ہجری کا ہے ۱۳۷۷ھ - ۱۹۵۸ء میں کے پہلے دو تین سالوں میں اسی سرزمین عراق میں بغداد میں پہلے شاہ فیصل کو عبدالکریم قاسم نے اور پھر عبدالکریم قاسم کو کرنل عارف عبدالسلام نے تخت سلطنت کی کش مکش میں قتل کیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مختار کے خاتمے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے محمد بن الحنفیہؓ سے پھر بیعت کا مطالبہ شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی اپنی بات کے پکے تھے۔ بیعت سے انکار ہی کیا۔ ۶۹ھ کا موسم حج آیا تو مکہ میں جنگی کیفیت پیدا ہو گئی۔ عرفات میں چار علم لہرا رہے تھے۔ ایک عبداللہ بن زبیرؓ کا دوسرا عبد الملک بن مروان کا، تیسرا محمد بن الحنفیہؓ کا اور چوتھا نجدہ بن عامر حروری خارجی کا۔ محمد بن جبیرؓ کا بیچ بچاؤ کرنا۔ چاروں گروہوں کے قائدین کے پاس جانا اور بلد الحرام میں خونریزی سے روکنا۔ اور خطرہ ٹل گیا۔ اور حج کے بعد چاروں گروہ واپس چلے گئے۔

حج کے بعد ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ کو محمد بن الحنفیہؓ کے پاس بھیجا کر انہیں بیعت کی ترغیب دیں۔ ابن الحنفیہؓ نے کہا کہ میں ہر قسم کے ہنگاموں سے الگ ہو گیا ہوں۔ اور کسی کی بیعت نہ کروں گا۔ واپس آ کر ابن زبیرؓ کو کہا کہ محمد حنفیہؓ جیسے عابد و شب بیدار سے خلافت ابن زبیرؓ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ ابن زبیرؓ نے عروہ کا مشورہ قبول کر لیا۔ اور پھر اپنے جیتے جی محمد بن الحنفیہؓ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن حنفیہؓ ابن زبیرؓ کی بیعت مطالبہ سے تنگ آ کر عبد الملک بن مروان کی دعوت پر ارض شام کیطرف روانہ ہو گئے۔ جب ایلہ کے مقام پر پہنچے تو عبد الملک کی طرف سے فریب کا اندیشہ ہوا۔ چنانچہ ایلہ ہی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ انکی پاک نفسی اور زہد و ورع کا چرچا سنکر ہزاروں لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ اب عبد الملک کو بھی ان سے خطرہ محسوس ہوا۔ اور اس نے ابن حنفیہؓ کو پیغام بھیجا کہ دمشق آ کر میری بیعت کیجئے۔ یا حدود شام سے نکل جائیے۔ ابن حنفیہؓ ایلہ سے پھر مکہ لوٹے اور شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ ابن زبیرؓ پھر طالب بیعت ہوا۔ تنگ آ کر محمد بن حنفیہ طائف چلے گئے۔ خاموش زندگی گذارنے لگے۔ ابن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ پر بھی اپنی بیعت کیلئے زور

(یہ قصہ طبقات ابن سعد کبریٰ ج ۵ ص ۴۳، کامل ابن اثیر، مروج الذہب المسعودی میں ہے و تاریخ ابن واضح الیعقوبی وغیرہ کتب تاریخ بحوالہ سراسلسلۃ العلویہ)

بعض کہتے ہیں کہ محمد بن الحنفیہؒ نے مختار کو خط لکھا۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ محمد بن الحنفیہؒ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خود مختار نے خبر ہونے پر بہر حال کوئی وجہ بھی ہو۔ مختار نے ایکہزار فوج عبد اللہ الجدلی کی قیادت میں محمد بن الحنفیہؒ کی خلاصی کیلئے مکہ بھیجی اور ٹھیک اسی دن کی صبح کو جس دن امام محمد بن الحنفیہؒ قتل ہو جانیکی تیاری کر چکے تھے قیدخانہ سے خلاصی کر کے مدینے لے آئے۔ اور بعض روایات میں کوفے آنے کا ذکر ہے۔ مگر پہلی روایت مرجح ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ مختار خود یہ ناگہانی فوج لیکر مکہ پہنچا اور کسی فرد و بشر کو خبر نہ ہو سکی قید خانے کے پہرہ داروں کو قتل کر کے ابن زبیرؓ کے خبر ہونے تک محمد بن الحنفیہؒ کو نکال کر واپس بھاگ آیا۔ ابن زبیرؓ کے سواروں نے پیچھا کیا مگر پہنچ نہ سکے اور مختار محمد بن الحنفیہؒ کو مدینہ پہنچا کر کوفہ چلا آیا۔

اب ابن زبیرؓ کو مختار کا پورا خطرہ لاحق ہو گیا اور اس کانٹے کو اپنے راستے سے صاف کر کے دم لیا۔ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب بن زبیرؓ نے مختار کو شکست دیکر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو قتل کر کے سر کاٹ کر ابن زبیرؓ کے پاس بھیج دیا۔ مختار کیساتھ جنگ میں عبید اللہ (عبداللہ) بن علیؓ بن ابی طالب بھی مقتول ہوئے۔ (اور بقول بعض عمر بن علیؓ) مصعب کی طرف سے مختار کیخلاف لڑتے ہوئے مارے گئے (عبداللہ بن زبیرؓ ص ۲۰۷) اور ایک دوسری روایت میں عبید اللہ ابن علیؓ مختار کی طرف سے لڑتے ہوئے مقتول ہوئے اور قبر کا حال (شاید شیعہ روایت ہو)

ایک اعجوبہ

مؤرخین اس مقام پر دارالامارت کوفہ واقعہ عراق کو عجیب قرار دیتے ہیں اور چشم دید شاہد ہیں۔ ہمارے زمانہ میں بھی اس قسم کا ایک آدھ واقعہ ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قصر میں بیٹے بعد دیگرے حسین رضی اللہ تعالےٰ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پھر کچھ مہینوں بعد عبید اللہ کا سر مختار ثقفی کے سامنے، پھر مختار کا سر مصعب بن زبیرؓ کے سامنے اور پھر مصعب بن زبیرؓ

مثلاً عبداللہ بن زبیرؓ ص ۲۰۹ - ۲۱۱ مختار کی جنگ و بیکسی قصہ از اخبار الطوال)

کا سر اسی قصر میں عبد الملک بن مروان کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ عبد الملک نے یہ قصہ سنکر اسے منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور ہمارے زمانہ میں کہ چودھویں صدی ہجری کا ہے ۱۳۷۷ھ-۱۳۸۳ھ میں کے پیچھے دو تین سالوں میں اسی سرزمین عراق میں بغداد میں پہلے شاہ فیصل کو عبد الکریم قاسم نے اور پھر عبد الکریم قاسم کو کرنل عارف عبد السلام نے تخت سلطنت کی کش مکش میں قتل کیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مختار کے خاتمہ کے بعد عبد اللہ بن زبیرؓ نے محمد بن الحنفیہؒ سے پھر بیعت کا مطالبہ شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی اپنی بات کے پکے تھے۔ بیعت سے انکار ہی کیا۔ ۶۹ھ کا موسم حج آیا تو مکہ میں جنگی کیفیت پیدا ہو گئی۔ عرفات میں چار علم لہرا رہے تھے۔ ایک عبد اللہ بن زبیرؓ دوسرا عبد الملک بن مروان کا، تیسرا محمد بن الحنفیہؒ کا اور چوتھا نجدہ بن عامر حروری خارجی کا محمد بن جبیرؓ کا بیچ بچاؤ کرنا۔ چاروں گروہوں کے قائدین کے پاس جانا اور بلد الحرام میں خونریزی سے روکنا۔ اور خطرہ ٹل گیا۔ اور حج کے بعد چاروں گروہ واپس چلے گئے۔

حج کے بعد ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ کو محمد بن الحنفیہؒ کے پاس بھیجا کہ انھیں بیعت کی ترغیب دیں۔ ابن الحنفیہؒ نے کہا کہ میں ہر قسم کے ہنگاموں سے الگ ہو گیا ہوں۔ اور کسی کی بیعت نہ کروں گا۔ واپس آکر ابن زبیرؓ کو کہا کہ محمد حنفیہؒ جیسے عابد اور شب بیدار سے خلافت ابن زبیرؓ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ ابن زبیرؓ نے عروہ کا مشورہ قبول کر لیا۔ اور پھر اپنے جیتے جی محمد بن الحنفیہؒ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن حنفیہؒ ابن زبیرؓ کی بیعت مطالبہ سے تنگ آکر عبد الملک بن مروان کی دعوت پر ارض شام کیطرف روانہ ہو گئے۔ جب ایلہ کے مقام پر پہنچے تو عبد الملک کی طرف سے فریب کا اندیشہ ہوا۔ چنانچہ ایلہ ہی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ انکی پاک نفسی اور زہد و ورع کا چرچا سنکر ہزاروں لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ اب عبد الملک کو بھی ان سے خطرہ محسوس ہوا۔ اور اسنے ابن حنفیہؒ کو پیغام بھیجا کہ دمشق آکر میری بیعت کیجئے۔ یا حدود شام سے نکل جائیے۔ ابن حنفیہؒ ایلہ سے پھر مکہ لوٹے اور شعب ابی طالب میں قیام کیا۔ ابن زبیرؓ پھر طالب بیعت ہوا۔ تنگ آکر محمد بن حنفیہ طائف چلے گئے۔ خاموش زندگی گذارنے لگے۔ ابن زبیرؓ عبد اللہ بن عباسؓ پر بھی اپنی بیعت کیلئے زور

وہاں رہے تھے۔ ابن زبیرؓ سے تلخ اور تند گفتگو ہوئی۔ وہ بھی طائف چلے گئے۔ اور ابن زبیرؓ بھی اب خاموش ہو گئے۔

(ماخوذ عبداللہ بن زبیرؓ صفحہ ۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴)

ایک اور روایت آئی ہے کہ جب ابن زبیرؓ کا قبضہ حجاز پر ہو گیا تو ابن عباسؓ معہ اپنے بھتیجے محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) مکہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کا آخری وقت آ پہنچا۔ اپنے صاحبزادہ علی السجاد بن عبداللہ بن عباسؓ کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد تم ارض حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنو اعمام کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات بعد حمیمہ چلے گئے۔ جو ملک شام و حجاز کا سرحدی مقام تھا۔

اسی طرح حضرت محمد بن الحنفیہؒ بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ عبدالملک اموی کے زمانہ تسلط میں واپس لوٹے۔ شاید لوٹنے کی وجہ یہی ہو جو اس سے پہلے بیان کی گئی۔ یا دوسری وجہ ہو کہ وہ اموی تسلط کے زمانہ میں عبدالملک کی بیعت کر کے (جیسے کہ روایت آئی ہے) اب بیعت کی کشمکش سے آزاد ہو کر طائف واپس چلے آئے ہوں۔ اور پہلی وجہ کی نسبت یہ زیادہ وزن دار لگتی ہے کہ ان حضرات کا زبیرؓ یا مختار کی بیعت یا مخالفت کا تو صریحاً کتابوں میں ذکر آ گیا ہے۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ انہوں نے خلافت یزید یا عبدالملک وغیرہ کیخلاف ان محمد بن الحنفیہؒ، زین العابدینؒ، حسنؑ مثنیٰ یا ابن عباسؓ نے کی ہو۔ بعد کے خروجوں اور واقعات کا قصہ و معاملہ الگ ہے۔ اور یہ تینوں دعویداران سلطنت خلافت عبداللہ بن زبیرؓ۔ مختار ثقفی خونِ حسینؑ کی آڑ میں اُدھر اموی۔ گو ان سے خائف ہی رہے کہ جدھر ان خاندان علیؑ کی حمایت و مطابقت کا اعلان ہو جاتا۔ اور میدان میں یا شریک ہو جاتے تو وہی پاسہ یا پلڑا بھاری رہتا۔ مگر جہاں تک تاریخی استنباط کا تعلق ہے گزشتہ روایات کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے (محمد بن الحنفیہؒ و زین العابدینؒ) امت محمدی صلعم کے انتشار اور خونریزی کو حتی الامکان روکنے اور بند کرنے کی کوشش فرمائی ہے حضرت حسنؑ کے صلح کر لینے سے امت محمدیہ صلعم مزید انتشار سے بچ چکی تھی۔ لیکن شہادت

ان حوالہ جات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۶۳-۲۶۴- بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید ملاحظہ ہو۔

حسینؑ کے بعد ایک بار پھر انتشار و خلفشار کا زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ہو کر کیوں میدان عمل میں کسی کا ساتھ نہیں دیا ؟۔ حالانکہ ہر ایک کی خواہش ان تینوں دعویداران میں سے یہی تھی کہ یہ حضرات ہمارے ساتھ اور ہمنوا ہوں۔ صرف ان کے نام کی آڑ ہی کی وجہ سے جو مختار ثقفی نے کامیابی حاصل کی وہ تاریخ میں ایک مدون حقیقت ہے۔ اور ان حالات و واقعات کو تقیہ پر محمول کر لینا حسینؑ برادران و اولاد کیلئے بزدلی، بدنامی، عزت و احترام کو بٹہ لگانے کے مترادف ہے۔

غرض اس پُر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان عباسیوں، علویوں۔ بشمول اولاد حسنؑ و حسینؑ، جعفریوں، عقیلیوں کا خصوصاً عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے الگ رہنا سختیاں برداشت کرنا، مختار کے حالات و اغراض سے برأت کا اظہار کرنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جنکو اوراق تاریخ سے نکال باہر پھینکنے کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ اور علویوں کے استقلال دین پر تسلیم صبر و شکر، تحمل و حلم و علم خصوصاً محمد بن علیؓ المشہور بہ ابن الحنفیہؒ کی انمٹ مثال و زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

تاریخی روایات کو چھپانا معیوب امر ہے۔ کتب میں کہا گیا ہے اور یہ روایت آئی ہے کہ بنو امیہ جو بنی ہاشم سے تھے۔ اقرب تھے زبیریوں سے جو بنی اسد سے تھے (فتح الباری ص ۲۶۵ بحوالہ کتب مذکورہ) اور کہ اس امر کی نشاندہی پائی جاتی ہے کہ پسماندگان علیؑ بعد شہادت حسینؑ بھی حسب دستور سابق رشتہ داریوں کا لین دین۔ نقدی۔ لاکھوں کے عطیات، آمد و رفت، خمس و فے کی تقسیم، فہرستیں اور نقیب مقرر تھے۔ باقاعدہ علویوں وغیرہ حقداران میں وظیفے تقسیم کئے جاتے تھے۔ خمس و فے تو عہد عثمانیہ میں ترک ہوئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کربلا کے المناک حادثہ کے بعد جب حضرت محمد بن الحنفیہؒ دمشق تشریف لے گئے۔ یزید نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسینؑ کے واقع پر ان الفاظ میں اظہار تاسف کیا اور تعزیت کی۔ بیان ۱۔

بحوالہ شہید کربلا از ابوالکلام آزاد باد نیٰ تغییر مفہوم کلام۔ خود زین العابدینؒ سے کلام ہوا۔

پھر یزید نے ابن الحنفیہؒ کو ملاقات کیلئے بلایا۔ اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔ حسینؓ کی موت پر خدا تمہیں اور مجھے اجر عطا کرے۔ بخدا حسینؓ کا نقصان جتنا تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے۔ اور انکی موت سے جتنی اذیت تم پر ہوئی اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ انکی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی ہی آنکھیں دیکر ٹال سکتا ہوں۔ تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا۔ گو کہ انھوں نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔ تمکو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں حسینؓ کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ بخدا یہ اسلئے نہیں کہ عوام میں خاندان علیؓ کی عزت و حرمت حاصل نہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت و خلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کرسکتے۔

: یہ باتیں سنکر ابن الحنفیہؒ نے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے۔ اور حسینؓ پر رحم فرمائے۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان ہے۔ اور ہماری محرومی تمہاری محرومی۔ حسینؓ اسبات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا انکی مذمت کرو۔ امیر المومنین میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہیئے جو مجھے ناگوار ہو۔

یزید نے جواب دیا۔ میرے چچیرے بھائی۔ میں حسینؓ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا، جس سے تمہاری دل آزاری ہو۔

(انساب الاشراف بلاذری۔ بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۱۸۱ - ۱۸۲)

اور یہی روایات محمد بن الحنفیہؒ سے آئی ہیں کہ وہ خود بنو امیہ کے ظلم سے متاثر تھے۔ چنانچہ بہ سند ضعیف ابو نعیم میں روایت ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے۔ کہ بنو امیہ کے ظلم خونریزی سے انکی ہلاکت کی طرف بڑھتے ہیں۔ ولیکن وہ زمانہ آتا ہے کہ بزدل ہمارے لئے دلیر ہوں۔ (کذا فی تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۴۵۳ پ ۳۰)

محمد بن الحنفیہؒ کیلئے امامت کا تصور

اگر میرا موضوع مقصد و مدعا محمد بن الحنفیہؒ پسر حضرت علیؓ جد اعوان آل پاک و جد کے جد اعلیٰ ہی کی زندگی کا پہلو حتی الامکان اجاگر کرنا مقصود نہ ہوتا تو شاید میں ان الجھنوں اور بحثوں میں نہ پھنستا۔ مگر کیا کیا جائے جب تاریخ کا پہلا ہی ورق الٹتے ہیں۔ تو دور از کار باتیں ان سے منسوب کی ہوئی سامنے آجاتی ہیں۔ اسلئے چار و ناچار ان کے متعلق کچھ کہنا لکھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور بعض روایات و توجہات جو ان سے کسی نے منسوب کئے ہیں انکی تہہ تک پہنچنے کیلئے چند ضمنی سطور بھی قلم سے بے اختیار ٹپک پڑتی ہیں۔

• بعد شہادت حضرت علیؓ کہ جب حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کرلی۔ اور مدینہ چلے آئے تو کوفیوں نے اہل بیتؓ کی محبت کا دعویٰ کیا۔ اور بہت سے مکاروں نے یہ تدبیر نکالی کہ چونکہ امت کے مسلمان سب اہل بیتؓ کی عزت و حرمت کو جان و دل سے مانتے ہیں تو ایسی تدبیر نکالیں جس سے ہمارا گروہ الگ ہو جائے اور جیسے خوارج نے اہواز، فارس وغیرہ میں قبضہ کرلیا۔ ہم بھی کہیں حاکم بن جائیں۔ اور گونا گوں باطل عقیدے نکالنے شروع کئے۔ حضرت علیؓ بادل میں زندہ ہیں وہ آنیوالے ہیں۔ تقیہ کا نام دیکر اصلی فیصلے حضرت علیؓ کے تحریف کر ڈالے وغیرہ وغیرہ۔ اور اہل علم تاریخ پر روشن ہے۔ کہ یہ جو بہتر فرقے بڑی سرعت سے نکل کر منظر عام پر آگئے۔ یہ انھیں باطل عقیدوں، تاویلوں، تحریفوں کی وجہ سے ہی سب کچھ ہو گیا۔ ایک ایک فرد کے نام و عقیدہ میں ٹولا و گروہ الگ بن گیا۔ مجھے بچپن کے زمانے کا پڑھا ہوا ایک شعر یاد آگیا۔

ہفتاد و دو فرق حسد کے علاوہ سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

ہر ایک کی ڈھائی اینٹ کی مسجد جدا۔

؎ تاریخ سندھ ۔ عبدالحلیم شرر

تاریخی روایات سے عیاں ہے کہ بنو امیہ کے دور میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد محض اس بنیاد پر کہ فلاں شخص مستحق یا اصلی وارث امامت یا خلافت ہے۔ امام کا لفظ حضرت علیؓ کی اولاد کی جانب منسوب ہونے لگا۔ یا کیا جانے لگا۔

حضرت حسینؓ اگرچہ شہید ہوگئے اور چونکہ شیعان علیؓ کا دعویٰ عام یہ تھا۔ کہ امامت حضرت علیؓ اور انکی اولاد کیلئے مخصوص ہے۔ اور وہ کسی دوسری خلافت کو جائز تصور نہیں کرسکتے تھے بلکہ غاصب کہتے۔ اس نے امام حسنؓ کے بعد حضرت حسینؓ امام تسلیم کرلئے گئے مگر امام حسینؓ کی شہادت کے چند روز بعد مختارؔ نے دعویٰ کیا (وہی مختار جس کا ذکر پچھلے اوراق میں گذر چکا) کہ حضرت علیؓ کے بعد اصلی امام ان کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ تھے اور ایک نئے فرقہ شیعوں کے مختاریہ کی بنا ڈالی۔ اس کے بعد دوسرا فرقہ محمدؒ حنفیہ کے بیٹے ہاشم کو امام زمانہ مان کر فرقہ ہاشمیہ پیدا ہوگیا (اور کسی نے محمدؒ بن الحنفیہؒ اور کسی نے ہاشم کو فرقہ کیسانیہ کا امام کہا کیونکہ محمد بن الحنفیہؒ کے ایک غلام کا نام کیسان تھا) تاریخ سندھ عبدالحلیم شرر ص ۱۲۷ ج ۲ ء)

اس سلسلہ میں اور بھی ایک دو فرقے پیدا ہوئے تھے۔ ایک زیدیہ فرقہ پیدا ہوا یہ لوگ قائل تھے کہ حضرت حسینؓ امام کے بعد زین العابدینؒ اور ان کے بعد اُن کے صاحبزادے زید بن علی امام ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا۔ کہ اولاد فاطمہؓ کے سوا دوسرے خاندان میں امامت نہیں جاسکتی۔ یہاں ایک واقعہ فرقہ کیسانیہ کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ محمد بن الحنفیہؒ اور ان کے بھتیجے علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) میں منصب امامت پر اختلاف ہوا۔ تو قرار پایا کہ حجر اسود جسکی امامت کی شہادت دیدیں۔ وہ امام ہو۔ محمد بن الحنفیہؒ کے سوال پر حجر اسود خاموش رہا لیکن زین العابدینؒ کے سوال پر حجر اسود میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور فصیح عربی میں آواز آئی کہ امامت کا حق علی بن الحسینؓ کا ہے[1] (تحقیق مزید ص ۲۵۲) افسوس کہ یہ کونسی امامت و بادشاہت تھی کہ اس کیلئے جھگڑے تنازعے کھڑے کرکے روایات گھڑی گئیں۔ اور پھر حجر اسود کو بھی حکم بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اور ایک بے جان پتھر کا فیصلہ ناطق سمجھا گیا۔ حالانکہ کوئی اس قسم کا تنازعہ تھا بھی تو بحکم آیت قرآن فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اللہ کی طرف رجوع کرکے فیصلہ چاہنا شاید انھیں یاد نہیں رہا تھا۔ یا وہ عمل نہیں کرنا چاہتے تھے (نعوذ باللہ)

---

[1] شیعی روایات سے ایک روایت ہے (مصنف)

ایک اور روایت کہ محمدؒ بن الحنفیہؒ کے ایک غلام کا نام کیسان تھا۔ اسکو بھی ایک فرقے نے امام بنا لیا۔ کیسانیہ کا اعتقاد تھا کہ محمد بن الحنفیہؒ کوہ رضوی پر رہتے ہیں۔ کوہ رضوی کی چوٹیاں بندرگاہ ینبوع سے نظر آتی ہیں۔ شیر و چیتے حفاظت کرتے ہیں۔ شہد اور پانی کے چشمے جوش زن ہیں۔ قرب قیامت میں مہدی کے لقب سے ظہور پذیر ہونگے (رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان منصور پوری) (اور اسی کی تائید تحقیق مزید کے ص ۲۵۵ پر بھی اشارات سے ہوتی ہے کہ محمدؒ بن الحنفیہ کے متعلق ایسا گمان بھی کیا گیا ہے) (امام ابن تیمیہ ص ۴۷۷۔ از یوسف کوکن عمری)

سر السلسلۃ العلویہ کے صفحہ ۶۳ پر لکھا ہے کہ کیسانیہ امام حنفیہؒ کو منسوب کرنیوالے ایک کثیر[1] شاعر تھے۔ جو ۱۰۵ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے۔ ظہر کے بعد نماز پڑھی اور لوگوں نے انہیں افقہ الناس و اشعر الناس کہا۔ اور کہا کہ انہوں نے محمدؒ بن الحنفیہؒ کے بارے میں شعر کہے تھے۔ اور بعض نے امام حنفیہؒ کو کیسانیہ سے متہم کیا ان میں سے حبان السراج اور سید ابن محمد الحمیری ہیں۔ اور کہا سید ابن محمد نے بھی اس قول سے رجوع کیا۔ اور جعفرؓ بن محمد حنفیہ سے اعتذار کیا۔ اور بہت سے اشعار پشیمانی پر لکھ کر جعفرؓ بن محمد حنفیہؒ کو روانہ کئے۔ (دیکھو کتاب کمال الدین واتمام نعمت الصدوق ابن بابویہ المطبوع ایران بحوالہ سر السلسلۃ العلویہ ص ۹۲)

چند شعر رجوع کے میں بھی نقل کرتا ہوں وہ یہ ہیں۔

تجعفرت باسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر	وایقنت ان اللّٰہ یعفو و یغفر
ولا قائل حی برضوی محمّد	وان عاب جهال مقالی واکثروا
وما کان قومی فی ابن خولہ ربّیا	معاندۃ منی نسل المطهر
واشهدت ربّان قولک حجۃ	علی الخلق طرآمن مطیع ومذنب

---

[1] دور امویہ و عباسیہ میں علویوں کے بھی طرفدار شعراء ہوا کرتے تھے جو انکے مقابلے میں خاندان اہل بیت کی مدح و ستائش بیان کرتے۔ امویوں کے عہد میں کثیر عزہ المتوفی ۱۰۵ھ اور کمیت المتوفی ۱۲۶ھ ممتاز شعراء علویوں کے طرفدار تھے۔ اسی طرح سید الحمیری المتوفی ۱۷۳ھ اور دعبل بن خزاعی عباسیوں کے دور اول کے علوی طرفدار شعراء سے ہیں۔ سید حمیری کا نام اسمٰعیل بن محمد الحمیری تھا۔ یہ متعصب شیعہ تھے۔ حمیری نے امام ابن الحنفیہؒ کی عقیدت میں غلو اور مبالغہ آمیز اشعار۔ کوہ رضوی پر قیام۔ جانوروں اور درندگان جنگلی کی حفاظت وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور سُنیوں کی مذمت کی ہے۔ (مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ج ۲ ص ۲۹۵)

ترجمہ ما، تونے خدا کے نام پر اپنے آپکو جعفر بنایا۔ اور خدا تعالے بہت بڑا ہے
اور تعریفیں کرتا ہے کہ خدا تعالے معلق کرتا اور بخشتا ہے۔

(۲) اور میں اس کا قائل نہیں کہ (محمد ابن الحنفیہؒ) رضوی پہاڑی پر زندہ ہیں۔ اگرچہ
اکثر جہال کا یہ مقولہ و کہنا ہے۔

(۳) ابن خولہ کے بارہ میں میری بات مشکوک نہیں تھی اور پاکیزہ نفس کیلئے میری طرف
سے کوئی ممانعت نہیں تھی۔

(۴) میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تیری بات ہر اطاعت گذار و گنہگار انسان
پر حجت ہے۔

قرامطہ نے پندرھویں خلیفہ عباسی المعتمد باللہ کے عہد میں ایک نئی مذہبی تحریک
اٹھائی۔ اسلام کو بری طرح مسخ کیا۔ اس تحریک کے حامی حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن الحنفیہؒ
کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ مانتے تھے

(تاریخ اسلام از علامہ قاری احمد ص ۴۶۵)

تاریخوں میں ہر قسم کے غلط و صحیح روایات لانے کا قدیم سے معمول ہے۔ مگر بیان
کردینے سے اتفاق کر لینا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ نقل و عقل کی کسوٹی پر رد کر دینا بھی مقصود
ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات وہ خود رد بھی کر دیتے ہیں۔ اور مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ دیگر،
حضرات قارئین کرام بھی یہ آگاہی حاصل کر لیں کہ لغو و غلط روایات کس کس قسم کی بے بنیاد
بھی ان بزرگ و ستودہ صفات ہستیوں کے لئے گھڑی و لائی گئی ہیں۔ اور ایسی روایات کے تو
گویا انبار بھرے پڑے ہیں۔ یہیں سے فرقہائے دیگر مبتدع اسلام میں پیدا ہو جانیکی بنیاد
و بناء اور غلط اور لغو روایات کے گھڑنے و بیان کرنیکی تاریخ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اور امامت
و خلافت کا وہ مسئلہ ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنے اپنے ائمہ کے بارے میں وہ غلو رکھتا ہے کہ نبوت
و رسالت کوئی چیز رہتی ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث کی کوئی وقعت رہ جاتی ہے۔

آئمہ اولاد حضرت علیؓ کا تو کوئی قصور نہیں انہوں نے تو ہر بار و ہر موقع پر تردید ہی
تردید کی۔ سوء اعتقادی یا دعوت محمدیہ سے کبھی بیوفائی نہیں کی۔ مگر نام نہاد پیرو دیان
آنہوں نے وہ کمال کر دکھایا کرامت مرحومہ دنگ ہو کر رہ گئی۔ اور شخصیت پرستی کی مثالیں قائم کر دیں

فکر انساں بت پرستے بت گرے
ہر زماں در جستجوئے پیکرے

متصورین امامت وغیرہ نے کچھ ایسے موہوم الفاظ زبان اور تحریر میں گھسیڑ
دیئے ہیں کہ بہت کمتر درجہ اس وقت کوئی ان کی طرف توجہ کرتا ہو گا۔ اور ابہام ناجائز
کا استعمال عام ہوا جا رہا ہے۔ بلا لحاظ طبقہ، شخصیت و ذات کے ہر خاص و عام بلکہ علماء
کی قلم و زبان تک سے نکلتے رہتے ہیں۔ اور کوئی اپنے آپکو ان الفاظ کے نکلنے و بولنے سے بچانے پر قادر نہیں
ہو سکتا اور نہ سمجھتا ہے۔ بعض صفات مجازی و ظاہری میں خدا۔ رسول یعنی انبیاء علیہم السلام
اور امتی اور ہر انسان نادان بھی دیکھئے۔ علم بسرداری، بزرگی و برتری، رحم و عدل وغیرہ
میں قدر مشترک اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے و عطا کرنے سے خالق و مخلوق میں بولے و سمجھے جاتے
ہیں۔ حالانکہ خالق و مخلوق کا فرق بدیہی ہے۔ مخلوق خالق کے درجہ یا صفات تک پہنچنا تو
کیا گمان کرنا بھی کفر ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

اسی لئے بظاہر وہ الفاظ جو خالق و مخلوق میں حسب معنی تو درست آسکتے ہیں مگر
کسی زمانہ سے وہ الفاظ یا شعار مختص ذات و شخصیت کے ہو چکے ہیں۔ ان کے استعمال و بولنے
سے مخصوص ذات یا افراد جان لینے اور سمجھنے کا شعار خاص ہو گیا ہے۔ خاص طبقہ پر تطر جا گزری
ہے۔ اور ایک اصول مقررہ ہونیکی وجہ سے کہ عوارض سے امر جائز کا ترک کرنا جائز ہے بلکہ فتنہ
و فساد کے موقعہ و ابہام پر تو ایک اور قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ تو ایسے موہم الفاظ و استعارات
و اشارات کے استعمال کرنے کی شرع میں ممانعت آئی ہے۔ اور اس سے بچنے کی تاکید و احکام قرآن
حدیث و اقوال فقہائے امت سے واضح اور کھلے بیان ہو چکے ہیں۔ خصوصاً بدعتی لوگ
جن سے کچھ اعتقاد رکھتے ہیں ان کے حق میں شعار جاری کر دیتے ہیں مثلاً اللہ عزوجل۔ انبیاء
کے لئے علیہم السلام جیسے آدم علیہ السلام، محمد کا نام لیتے ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کیلئے
رضی اللہ عنہم، تابعین و بزرگان دین و عامۃ المسلمین کیلئے رحمۃ اللہ علیہ وضع اور خاص شعار ہو
گئے ہیں۔ جیسے کوئی کہے محمد عزوجل، ابوبکرؓ و علیؓ صلی اللہ علیہ وسلم، تابعین کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ
یا ہر صحابی کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا ہر ایک کہ واسطہ کیلئے کرم اللہ۔ امام علیہ السلام۔ گو بلحاظ معنی
و دعا وغیرہ کے درست آسکتے ہیں مگر ابہام ناجائز اور موہم الفاظ کہنے سے ممانعت ہے۔ اور
بدعتیوں کی شباہت سے تو ممانعت کا ایک قدم اور آگے ہے۔ گو حرام تو نہیں ہیں۔ اگر یہ امراد
راہ تکریم و تعظیم ہیں تو سب کیلئے مساوات چاہیئے۔ (ملخصاً تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۹۳-۱۰۶ پ ۲۴)

علویوں کی انقلابی تحریک اور محمد بن الحنفیہؒ

علویوں کی مختصر طور پر تاریخ کا ایک دوسرا رخ کتابوں میں پیش کیا گیا ہے ۔ اور انکی ابتداء تاریخ اسلام کامل علامہ قاری احمد صفحہ ۲۱۰ پر علویوں کی انقلابی تحریک کے عنوان سے شروع ہوتی ہے ۔ لکھتے ہیں کہ بنو امیہ کے خلافت پر قبضہ جما لینے کے بعد باغیانہ تحریکیں ابھرتی اور اندر ہی اندر پھیلتی رہیں یہاں تک کہ بنو امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹا دیا ۔ اس انقلابی تحریک کا بانی اور محرک امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمدؒ بن الحنفیہ تھے ۔ جنھوں نے عبد الملک بن مروان کے عہد میں شیعان علیؓ کی قیادت سنبھال کر عبد الملک کو سخت پریشانی میں ڈال دیا ۔ (پچھلے صفحات میں واضح نہیں ہے ۔ یہ نظریہ اور رخ اثنا عشریہ امامیہ کی کتب سے پایا جاتا ہے) اگرچہ وقتی طور پر تحریکیں دبا دی گئیں ۔ مگر اندر ہی اندر کافی اثر پیدا کر لیا ۔ اور محمدؒ بن الحنفیہ کی اس جاریکردہ تحریک کو انکے مرنے کے بعد ان کے صاحبزادہ ابو ہاشمؒ برابر آگے بڑھاتے رہے ۔ نتیجہ یہ کہ سر زمین عجم میں ہزاروں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ۔

۹۸ھ میں جب وہ اس تحریک کے فروغ دینے کیلئے اس سلسلہ میں شام گئے تو خلیفہ سلیمان بن عبد الملکؓ نے زہر سے مروائے ۔

گو بظاہر بڑی خاطرو مدارت سے پیش آیا اور تحریک آل عباسؓ میں چلی گئی ۔ اس کا سبب یوں بیان کیا گیا ہے کہ شام میں چونکہ ابو ہاشم یعنی علویوں کی اولاد سے کوئی نہ تھا ۔ اسلئے ابو ہاشم نے مرنے سے پہلے اس خفیہ انقلاب کی تحریک کی قیادت ابن عباس کے پوتے یعنی محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ۔ عراقی، خراسانی دوسرے تمام متبعین کو ہدایت کر دی کہ محمد

(نوٹ) زہر دینے والوں کی حکایتیں اس مدعی میں عام ملتی ہیں ۔ خواہ کوئی اپنی موت ہی کیوں نہ مرا ہو (خواجہ)

بن علی بن عباسؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے ۔ آئندہ انکی اطاعت کرنا چنانچہ متبعین ابو ہاشم نے انکی بیعت کرلی ۔ گویا خلافت کی وہ انقلابی تحریک جو آل علیؓ نے شروع کی تھی ۔ اس طرح اہل عباسؓ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ۔ اور عباسیوں نے بیعت جلد اسکے بعد بنو امیہ کے اس آخری بادشاہ مروان ثانی کو ختم کر کے عباسی حکومت کی بنا ڈال دی ۔

اس سلسلہ میں جہاں تک محمد بن الحنفیہؒ کے بانی مبانی تحریک ہونے کا تعلق ہے انکی واضح کیفیت و بیان تو پچھلے اوراق میں گذر چکا ۔ کہ یہ سب مختار کا مفروضہ کردار تھا ۔ جو محمد بن الحنفیہؒ سے منسوب کر کے اپنی سیاسی اغراض کی حمایت و غلبہ چاہتا تھا ۔ جہاں تک خون حسینؓ کے انتقام عمومی رضا کا تعلق تھا ۔ تو وہ بیشک قافلہ حسینؓ کے قتل پر خفا تھے ۔ اور ایسی کاروائیوں سے ضرور متاثر ہوتے تھے ۔ اگر صرف اس قدر فعل یا خاموشی سے کوئی فائدہ سمجھے تو ہو سکتا ہے البتہ جو آئندہ یہ تحریکیں سات سو سال تک دبتی اور اٹھتی رہیں ۔ جنکی تعداد حضرت حسینؓ سے شروع کر کے آخر تک صرف علویوں کی اٹھائی ہوئی تحریکیں شمار کی ہیں ۔ انکی بحیثیت مجموعی ۶۵ یا ۶۶ کی تعداد شمار کی گئی ہے ۔ جنکو آگے یہاں بھی شمار کیا جائے گا ۔ تاکہ سات سو سالہ خاکہ سامنے آئے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان پر گوناگوں مصیبتوں کے پہاڑ گرے ہیں ۔ اور کبھی خود آورد مصیبتوں کے باعث کہاں سے کہاں تک یہ منتشر اوراق کی طرح اڑتے پھرے ۔ کبھی تخت سلطنت پر اور کبھی تختہ دار پر لٹکائے گئے اور پھر پاک و ہند میں اعوانوں کی آمد و دخول کیلئے کچھ مدد مل سکے ۔ اور مشتبہ حالات صاف و ستھرے نظر آئیں ۔ اور ہو سکتا ہے کہ مابعد کی جتنی بھی تحریکیں اٹھی ہوں وہ انتقامی اور سیاسی ہوں ۔ چند واقعات مختصراً اور بعد کو یکجا شمار ہو گا ۔ ملاحظہ ہوں

(۱) ہشام مروانی کے وقت ۱۲۲ھ میں ایک اور علوی فاطمی تحریک اٹھی ۔ زین العابدینؒ کے صاحبزادے حضرت زیدؒ شہید کے ہاتھوں پر اہل کوفہ کی معتدبہ جماعت نے بیعت کی ۔ مگر کوفیوں نے کبھی وفا ہیں کی ساتھ چھوڑ دیا ۔ زید بن علیؒ کا سر کاٹ دیا گیا ۔ زیدؒ کے صاحبزادے یحیٰ بن زید بھی پہلے یمن پھر خراسان وغیرہ کی طرف چلے گئے ۔ اور وہ بھی آخر جان سے مارے گئے ۔ زید بن علی کا سر دروازہ دمشق پر لٹکایا گیا ۔ جس سے اور ہمدردی پیدا ہو گئی ۔ اور یہی وہ وقت تھا کہ علویوں اور عباسیوں نے جدا جدا کوششیں حصول سلطنت و انتقام کی شروع کردیں

عباس کا ڈنکا بج گیا۔

الغرض بنو امیہ کی خلافت کے بعد جب علویوں کی انقلابی تحریک بنو عباس کے ہاتھ میں چلی گئی۔ تو ان کے عہد میں بھی یہ تحریکیں وقتاً فوقتاً اٹھتی اور دبتی رہیں۔ اور علویوں فاطمیوں کی اب بنو عباس سے ٹھن گئی۔ بنو عباس نے ابتداءً انھیں کے نام و مدد سے خلافت پر قبضہ کیا۔ اور حکومت حاصل کر لینے کے بعد آنکھیں بدل گئیں۔

(۲) خلیفہ عباسی دوئم المنصور بن سفاح کے عہد میں محمد المہدی، عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ۔ اور ابراہیم علوی برادران کی تحریکیں۔ اور ۱۵ رمضان ۱۴۵ھ میں یکے بعد دیگرے تھوڑی لڑائیوں کے بعد عباسی فوجوں سے شکست کھائی۔ اور ان کے سر قلم کر دیئے گئے (بعض مورخین کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فقیہ نے بھی انھیں برادران کی لڑائی میں ابراہیم کا ساتھ دیا اور وہ بھی اس جرم میں ماخوذ ہوئے۔ اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اور ایک دیگر روایت میں مالکؒ بن انسؓ نے بھی محمد کی بیعت کی تلقین کی۔ اور انھیں اس جرم میں کوڑے لگوائے گئے (اس جنگ کو جہاد کہا اور انکی بیعت کی گئی)، بعض نے ان روایتوں کو وضعی اور جھوٹی کہا ۔ ۔ ۔ (تحقیق مزید صفحہ جات ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۱۹۰)

انھیں محمد کا بیٹا عبداللہ الاشتر حاکم سندھ (عباسی گورنر عمر بن حفص) کے پاس برائے دعوت و امداد آیا۔ کہ اس دوران محمد ابراہیم کے قتل کی خبر سندھ پہنچ گئی۔ اور عبداللہ الاشتر کو قدیم ہند (پاک و ہند جدید) میں ہی اس وقت پناہ لینی پڑی (تاریخ سندھ) اشتر لقب کے بارے میں دو قول آئے ہیں۔ ایک یہ کہ بھینگے ہونے کی وجہ سے الاشتر کہلائے۔ دوسرے یہ کہ چچا کی بغاوت ناکامی اور مقتول ہونے کے بعد بخوف جان ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر علاقہ سندھ آ گئے۔ اور پہلے اس سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ قتل سے پہلے سندھ آئے تھے۔ اور ہند قدیم ہی میں عبداللہ الاشتر ۱۵۱ھ میں قتل ہو گئے اور بیوی اور بچوں کو جو یہاں پیدا ہوئے تھے منصور

ملہ یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ ہاشم نے خود اپنے خاندان اہل بیت میں خلافت منتقل کرنے کا کام کیوں نہ کیا۔ جواب یہ دیا جاتا ہے (۱) کہ شام میں کوئی انکی اولاد سے نہ تھا (۲) یا کوئی تحریک چلانے کے قابل انھیں نظر نہیں آتا تھا۔

ہاشمیوں میں دو گھرانے مقتدر مانے جاتے تھے۔ ایک حضرت علیؓ کی اولاد کا۔ اور دوسرا عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد کا چونکہ امیہ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو براہ راست مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اسلئے علوی بہ نسبت عباسیوں کے زیادہ پرجوش تھے۔ حسینؓ کی شہادت کے سبب علویوں میں فاطمیوں کا جوش زیادہ تھا۔ علویوں میں بھی دو گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو حضرت حسینؓ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو محمد بن الحنفیہؒ کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار مانتے تھے۔ تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا۔ طاقتور فاطمی یا حسینی تھے۔ واقعہ کربلا اور دوسرے فاطمۃ الزہرا کی اولاد ہونے کے سبب سے بھی زیادہ مکرم تھے۔

فاطمیوں کے اندر بھی دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو زید بن علی بن الحسینؓ کے طرفدار تھے۔ وہ زیدی کہلائے۔ دوسرے وہ جنھوں نے اسمٰعیل بن جعفر صادق کے ہاتھ پر بیعت کی وہ اسمٰعیلی مشہور ہوئے۔ مذکورہ بالا تینوں گروہ بنو امیہ کے مخالف تھے۔ علویوں کو جب بھی موقعہ ملا خروج میں تامل نہ کیا۔ مگر اکثر ناکام ہوتے رہے۔ اور عباسی ان سے عبرت حاصل کرتے رہے۔ پہلے پہلے ان سب کی خفیہ تحریک ایکدوسرے کے متصادم نہ ہوتی تھی۔ بلکہ بنو امیہ کی دشمنی کے جوش میں یہ لوگ خارجیوں کے ساتھ بھی ہمدردی و اعانت کا برتاؤ جائز سمجھتے۔ کیونکہ خارجی شروع ہی سے انکو لعن و طعن کرتے رہتے تھے۔ محمد بن الحنفیہؒ کی جماعت عباسیوں سے مل گئی۔ شیعان علیؓ و عباسؓ دونوں ملکر کام کرتے تھے اور عباسیوں کی کامیابی ہاشم کی وصیتؒ تھی۔ شیعوں کے فرقہ کیسانیہ میں یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ حضرت علیؓ کے بعد محمد بن الحنفیہؒ امام تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ۔ ان کے بعد محمد بن علیؓ بن ابن عباسؓ وغیرہ جنکی وصیت ابو ہاشم نے کی۔ اس طرح شیعوں کی ایک بڑی جماعت کٹ گئی۔ اور عباسیوں میں شامل ہو گئی۔ اور یہیں سے کچھ فاطمی علویوں اور عباسیوں وغیرہ میں رقابت چل گئی۔

تذکرہ بہادران اسلام کے صفحہ ۲۷ پر بھی لکھا ہے کہ علویوں اور عباسیوں کی قدیم عداوت اور پولیٹیکل رقابت نے اسلامی ممالک میں بعض سلاطین امویہ کیخلاف شروع چلن اور بد اخلاقی کی منادی سے بنو امیہ کی محبت کو دلوں سے نکال دیا تھا۔ اور انقلاب سلطنت کیلئے ملک کو تیار کر لیا۔ مروان ۱۳۲ھ میں مارا گیا۔ خاندان امویہ کا چراغ گل ہو گیا۔ اور بنی،

(حاشیہ بر صفحہ ... ملاحظہ ہو)

کے پاس بغداد بھیج دیا گیا۔ جنکو منصور نے مدینہ بھیج کر رہنے کی اجازت دی اور نسل
کی تصدیق فرمائی۔

عبداللہ اشتر کی بیوی کنیز تھی یا راجہ کی بیٹی۔ جائے مقتل میں اختلاف ہے تحقیق
سید و سادات کتاب کے صفحہ ۱۰۳ کے حاشیہ پر ہے۔ کہ صوبہ سندھ جس کے باجگذار
علاقہ کی حدود اس زمانہ میں نواح کابل تک محیط تھیں۔ عبداللہ اشتر کابل کے ایک پہاڑ
مبح۔ نام پر گورنر صوبہ سندھ کے فوجیوں کے مقابلہ میں قتل ہو گئے۔ اور انکی کنیز کے بطن
سے محمد یہاں کابل کے نواح میں پیدا ہوئے۔ اور انکے باعث محمد الکابلی نام سے مشہور ہوئے
ہیں صاحب حاشیہ میں رقمطراز ہیں کہ یہ عجیب ہے کہ قبر پرستی کے ستم ظریفی دیکھئے۔ کراچی کے
مقام کلفٹن پر کسی نامعلوم قبر کو عبداللہ الاشتر مقتول بہ کابل کا مدفن بتانے کی شرمناک
حرکت کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ محکمہ اوقاف کو مستند ترین کتب تاریخ و انساب کی تصریحات
کے مطابق معلوم ہونا چاہیئے کہ عبداللہ المذکور اب سے بارہ سو برس پہلے نواح کابل میں
مقتول ہو گئے۔ پھر کراچی میں ان کے مدفن کی کیا تُک ہے (ملخصاً)

منصور عباسی نے سادات کا قتل بڑھ چڑھ کر کیا اور اسی کا نام دنیا ہے
جس میں اندھا ہو کر انسان ناشدنی امر کر گزرتا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات
خود علویین اور سادات فاطمیہ نے بھی جب کہیں زور پکڑ لیا تو انھوں نے بھی خوب
دھاندلی مچادی۔ ناظرین پر یہ امر شاق نہ گذرے۔ کہ میں نے غیر مقصود موضوع
بحث کو درمیان طول کیوں دیا ہے؟ یہ عبداللہ اشتر وہی پہلے شخص
علویوں سے وارد سندھ ہوئے ہیں۔ جو تمام علویوں کے سندھ میں آنے
اور قیام گزیں ہونے کا باعث بنے۔ اس لئے اس نکتہ کو یہاں سے یاد رکھیئے
مزید بیان آگے آئیگا۔

(۳) اسی طرح خلیفہ ہادی بن مہدی عباسی چہارم خلیفہ کے عہد میں ۱۶۹ھ کو حسین ثانی
بن علی بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب نے مدینہ میں سر اٹھایا۔ اور عباسی فوجوں
نے شکست دیکر حسین کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ انھیں عبداللہ الاشتر کی بیوی نے
بیٹے محمد نے جو ہند قدیم سے لاکر یہاں چھوڑ دیئے تھے۔ اس جنگ میں حسین ثانی کا ساتھ
دیا۔ اور وہ بعد قتل حسین بچکر پھر ہندوستان گئے۔ اور اسی لڑائی میں ادریس بن عبداللہ بن حسن

بن علیؓ برادر محمد مہدی بھی بچ کر مصر چلا گیا اور ۱۷۲ھ میں علویوں کی پہلی حکومت مراکش
میں قائم ہو گئی اور ۳۷۵ھ تک کوئی ۲۰۰ سال خاندان ادریسیہ میں حکومت قائم رہی جسکو
عبیدیوں نے ختم کیا۔ اور اسی طرح عبیدی فاطمی وغیرہ نے مصر میں حکومتیں قائم کریں
اور پونے تین سو سال تک بڑے رعب و داب سے حکومت کی اور ماوراء النہر وغیرہ میں بھی
علویوں کی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ اور طبرستان کے علویوں سے بنی بویہ نے اقتدار
چھین لیا۔

(۴) خلیفہ ہارون الرشید عباسی پنجم کے عہد میں بھی مثل سابق محمد المہدی کے بھائی
یحییٰ بن عبداللہ نے حامیان اہل بیت کی فوج جمع کرکے عراق کے قریب دیلم میں اعلان
جنگ کر دیا۔ اور فضل بن یحییٰ برمکی کی سفارش سے اُسے امان دلائی گئی۔

(۵) عہد خلیفہ مامون الرشید عباسی ہفتم میں علی رضاؑ کو ۲۰۱ھ میں ولی عہد بنا دیا۔ جس
کے نتیجہ میں بغاوت ہوئی۔ علی رضا کو ۲۰۳ھ میں زہر دلوایا گیا۔ اور اسی خلیفہ کے عہد
میں محمد بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ نے خروج کیا اور یہی محمد بن ابراہیم ابن طباطبا کے لقب سے
مشہور ہوئے تھے۔ اور یہ ۱۹۹ھ کا واقعہ ہے۔ ابن طباطبا بھی زہر دیکر ختم کیا گیا۔ اور پھر
محمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب کو ابن طباطبا کا قائم
مقام بنا دیا۔ ۱۹۹ھ میں ابو السرایا نے متعدد علویوں کو صوبوں کی حکومت عطا کی۔ اور
علویین و آل فاطمہ سے بھی حسب روایات کتب تاریخ ظلم و زیادتیاں سرزد ہوئیں۔
(الماموں صفحہ ۷۵ تا ۷۸)

(۱) اہواز کی حکومت عباسی محمد بن عیسیٰ بن محمد کو۔
(۲) مکہ کی حکومت حسین بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب المعروف بہ افطس کو۔
(۳) یمن کی حکومت ابراہیم بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؑ کو بوجہ قتل و غارت قصاب
کہلائے گئے۔
(۴) بصرہ کی حکومت زید بن موسیٰ بن جعفر صادق کو اور یہ زید النار جو بوجہ جلانے
شہروں کے النار سے مشہور ہوا۔ اور علوی حجاز و یمن میں ہر جگہ حکومت عباسیہ کے خلاف
مصروف عمل تھے۔ اور مامون کے وزیر فضل و حسن بن سہل کا میلان خاطر علویوں کی طرف

؎ الماموں ص ۷۵

زادہ تھا۔ اور مامون رشید نے علی رضا کو اپنی بیٹی بھی نکاح کر دی تھی۔ اس وقت علوی سبز لباس پہنا کرتے تھے۔

(۵) دہم خلیفہ عباسی المتوکل نے اہلبیت سے عناد کی بناء پر ۲۳۶ھ میں کربلا کے تمام مقابر کو گرا کر ہموار کر کے ہل چلا دیا۔ اور حسن عسکری کو سازش کے الزام میں روبرو بلا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا مگر عفو سے درگذر کیا۔

(۶) خلیفہ المعتصم باللہ عباسی کے عہد میں محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب نے مدینہ کی مسجد میں خراسانیوں سے بیعت لی اور خروج کیا مگر شکست کھائی۔

(۷) اور عہد مستعین باللہ عباسی بارہویں خلیفہ کے عہد میں یحییٰ بن عمر یحییٰ بن حسین بن زید شہید بن زین العابدینؒ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے کوفہ میں تحریک اٹھائی۔ اور ۱۵ رجب ۲۵۰ھ کو مارے گئے۔

(۸) طبرستان میں محمد ابن ابراہیم علوی موجود تھے۔ انکو بھی خروج کا کہا۔ مگر اس نے کہا کہ تم میں حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن سبط و سردار ہیں وغیرہ۔

(۹) بعض تاریخوں میں بنی بویہ کو بھی علویوں سے شمار کیا۔ مگر دوسروں نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ شیعہ تھے (تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی ص ۵۶۳) (شیعہ ہونا علوی ہونے کو واضح نہیں ہو سکتا مگر ایسا کہا گیا ہے۔ خواص) علوی حکومت جو طبرستان میں ۲۵۰ھ سے ۳۱۶ھ تک قائم رہی تو بنی بویہ نے عراق فارس وغیرہ پر قبضہ کر لیا (تاریخ اسلام کامل ص ۴۳۱)

(۱۰) اسی طرح الخروش۔ حسن بن علی بن حسین۔ بن علی بن زین العابدینؒ۔ محمد بن زید علوی کے مقتول ہو جانے کے بعد دیلم میں جا کر دعوت اسلام کی اور دیلم پر قبضہ کر لیا۔

خاندان ادریسیہ مراکش (شمالی افریقہ)

تاریخ اسلام کامل از علامہ قاری احمد ص ۵۵۰ میں لکھتے ہیں کہ اس خاندان کا بانی ادریس بن عبداللہ ہے۔ جو حضرت علیؓ کی اولاد سے تھا۔ اور یہی تاریخ اسلام جسٹس

لہ اسی طرح بعد میں انہیں سزائیں بھی دیں۔ اور ایک وقت آیا کہ مامون نے علویوں کو اپنی مجلس میں آنے سے بھی روک دیا۔ (مسلمانوں کی سیاسی تاریخ۔ ص ۲۸۸)

سید امیر علی کے ص ۱۰۸ پر ہے اور یہی قول الباروق از مصباح الدین احمد خواجہ برقی پریس دہلی کے ص ۸۱-۸۲ پر ہے۔ عباسیوں کے دور حکومت میں جا بجا علوی خاندان کی بیخ کنی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ کے ص ۴۳۹ میں ہے۔ کہ واقعہ "فخ" علویوں اور عباسیوں کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ تو یہ دو بھائی ادریس بن عبداللہ اور دوسرا یحییٰ بن عبداللہ المحض بھاگ کر بچ نکلے۔ ایک نے مصر شمال مغربی افریقہ میں پناہ لی اور دوسرا دیلم چلا گیا۔ ادریس بن عبداللہ کے بیشتر بربری قبائل معتقد ہو گئے۔ جو شروع ہی سے علویوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ اس خاندان کے متعدد حکمرانوں نے گویا ۱۷۰ھ سے ۳۵۰ھ تک حکومت کی۔ آخر میں اس خاندان میں خانہ جنگی پیدا ہو گئی۔ اور سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ پھر بھی ۱۸۰ سال مستقل حکومت قائم رہی۔

تاریخ مراکو حصہ دوم ص ۴۶-۱۳۳ باب دہم مطبع حمیدیہ لاہوری لکھا ہے۔ کہ ۱۸۹۳ء تک اسی فلالی خاندان کی حکومت کا ذکر ملتا ہے۔ ادریسی، فاطمی، سعدی اور فلالی کے خاندان وہاں مشترک شریف اور مقدس خاندان کی یادگار مانے جاتے ہیں (یعنی علوی) اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ سعدی اور فلالی بھی کوئی شاخ علویوں کی اپنے سردار خیل کے زم سے مشہور ہوئیں۔ اور گویا وہ ابتک وہاں کی حکمرانی کے درجے تک فائز رہے۔ اور تقدیس مانی جاتی تھی۔

عبیدی فاطمین مصر

عبیدیوں کی سلطنت مصر میں باختلاف روایات ۲۹۷ھ یا ۲۹۶ھ سے لیکر ۵۶۷ھ تک کوئی ۲۸۸ یا ۲۷۰ برس رہی اور اس عرصہ میں باختلاف روایات کوئی ۱۴ یا ۱۷ حکمران گذرے۔ ان سب کی خلافت کو شیعہ اسماعیلیہ کا دور شمار کرتے ہیں۔ عبیداللہ مہدی کی وجہ سے عبیدی اور فاطمہؓ کی اولاد ہونے کے دعاوٰی سے عبیدی فاطمین کہلائے گئے۔

ان ہر دو خاندانوں یعنی ادارسہ ادریسیہ اور عبیدیہ فاطمین کے نسب ناموں پر اعتراض کئے گئے ہیں کہ واقعی یہ علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے یا نہیں؟ باقی جتنی دیگر تحریکیں جہاں کہیں سے بھی اٹھیں۔ ان پر یہ اعتراض نہیں کیا گیا کہ علوی تھے یا نہیں۔ ان ہر دو کے نسب ناموں میں طعن و بانیان خاندان کے بارہ میں روایات مختلف متضاد قسم کی تاریخی کتابوں میں ملتی ہیں۔ کسی نے علوی نژاد ہونے میں طعن کیا اور کسی نے صحیح تسلیم کیا۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی تاریخ میں بحوالہ ذکر کیا ہے۔ کہ یہ عبداللہ ادریسی مجہول ہے اور ادریس

لہ واقعہ فخ " ایک طرف علویوں، عباسیوں کی طرف سے رہے۔ منقول امام ابن تیمیہ ص ۴۳۹۔

ثانی کو ادریس اول کا بیٹا ثابت کرنے میں ایک بربری عورت کی عصمت کو جا ضرورت زیر بحث لاتے ہیں۔ اسی طرح عبیداللہ مہدی کے نسب پر علمائے سنت کے علاوہ علمائے شیعہ اثنا عشریہ بھی اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ترجمہ مقدمہ ابن خلدون میں ان ہر دو نسب ناموں کے ثبات پر ص ۲۵ سے ۳۰ تک مفصل بحث کی ہے۔ اسی طرح تاریخ سندھ عبدالحلیم شرر ص ۳۰۳ اور تاریخ اسلام جسٹس امیر علی ص ۴۲۸۔ تاریخ ب باب ص ۱۳۱ - ۱۳۲ - اخبار دول مذکورہ ص ۸۱ - ۸۲ تاریخ اسلام علامہ قاری احمد ص ۵۰۳ - مثبت میں جواب دیئے گئے ہیں۔ اور یہ الزام اور بے سروپا منسوبات قرار دیئے ہیں۔

خلافت اور امامت

میں اس عنوان کو جو کتاب امام ابن تیمیہؒ اردو کے ص ۴۶۵ - ۴۶۶ پر قائم کیا ہے۔ کچھ سامنے لانا اس موقعہ و مقام پر مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک غیر جانبدار مورخ یہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ یہ جو کچھ حالات پیش آئے بالکل طبعی اور قدرتی تھے۔ خلافت کے دعویداروں کے درمیان سیاسی اختلاف کا پیدا ہونا اور اسی وجہ سے ایک دوسرے پر ظلم و ستم ہونا ایک طبعی اور قدرتی امر تھا۔ مگر عقیدت ہمیشہ اس قسم کے طبعی واقعات کو بھی مذہبی رنگ میں پیش کرتی ہے۔ شیعوں نے خلافت کے نظریہ کے مقابلے میں امامت کا نظریہ قائم کیا۔ اور اس کیلئے دلیلیں قائم کرنی شروع کیں۔ ان اماموں کی حمایت میں وقتاً فوقتاً وہ لوگ کھڑے ہوتے تھے۔ جنہیں طاقت و قوت اور اقتدار کی ہوس تھی۔ ان لوگوں نے ان اماموں کی تائید کی آڑ میں مخالفین کو نیچا دکھانا چاہا۔ اور اپنی مقصد برآری کیلئے جھوٹی روایتیں گھڑیں اور انکو لوگوں میں مشہور کرنا شروع کیا۔ مختلف فرقے وجود میں آتے گئے (انتہیٰ ملخصاً)

اس کے بعد علویوں کی انقلابی تحریک کا یکجا سرسری گوشوارہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ سب کڑیاں مسلسل سامنے آجائیں۔

علویوں کی انقلابی تحریک کا سرسری گوشوارہ

کتاب تحقیق مزید ص ۱۰۰ پچھے نمبر پر حضرت حسینؓ شہید کربلا کو بھی علویوں کی تحریک میں شمار کیا ہے۔ اور میں نے اسے ترک کر کے زید بن علی زین العابدینؒ سے شروع کیا۔ کیونکہ حضرت حسینؓ شہید اور ما بعد کی تحریکات میں میرے نزدیک نظریہ میں بہت کچھ فرق ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں اور بعض تحاریک قلیل افراد کی بھی ہیں۔

نمبر شمار	نام	کب اور کہاں	کس خلیفہ کے عہد میں
۱	زید بن علی زین العابدین بن الحسین رضی اللہ عنہ	۱۲۲ھ کوفہ	ہشام بن عبدالملک (اموی)
۲	یحیٰ بن زید " "	۱۲۶ھ خراسان	ولید بن یزید "
۳	عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار	۱۲۷ھ کوفہ	مروان بن محمد "
۴	عیسیٰ بن زید بن علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۸ھ "	ابوجعفر منصور (عباسی)
۵	محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی ابی طالب	۱۴۵ھ مدینہ	" " "
۶	ابراہیم بن عبداللہ المحض (برادر محمد نمبر ۵) بن الحسن بن الحسن بن علیؓ	۱۴۵ھ بصرہ	" " "
۷	محمد بن علی بن عباس بن حسن بن حسن بن الحسنؓ	۱۶۴ھ خراسان	محمد المہدی "
۸	فاضل بن علی بن حسن بن حسن بن الحسنؓ	۱۶۹ھ مدینہ	موسیٰ الہادی "
۹	حسین بن علی " " " "	" "	" "
۱۰	ادریس الاصغر بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ	۱۷۰ھ مغربی افریقہ	ہارون الرشید "
۱۱	یحیٰ بن عبداللہ محض	۱۷۶ھ دیلم	ہارون الرشید "
۱۲	محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن الحسنؓ	۱۹۰ھ مدینہ	مامون الرشید "

۱۳	محمد بن ابراہیم طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن الحسنؓ	۱۹۹ھ	کوفہ	مامون الرشید (عباسی)
۱۴	محمد الاکبر بن جعفر بن زید بن علی زین العابدینؓ	〃	〃	〃 〃 〃
۱۵	حسین الافطس بن حسن 〃 〃 〃	〃	مکہ معظمہ	〃 〃 〃
۱۶	علی بن حسین افطس 〃 〃 〃	〃	〃	〃 〃 〃
۱۷	محمد 〃 〃 〃 〃 〃	〃	〃	〃 〃 〃
۱۸	محمد بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدینؓ	〃	〃	〃 〃 〃
۱۹	علی بن جعفر صادق 〃 〃	〃	بصرہ	〃 〃 〃
۲۰	زید النار بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق	〃	〃	〃 〃 〃
۲۱	ابراہیم الجزار بن موسیٰ کاظم 〃	〃	یمن	〃 〃 〃
۲۲	عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن جعفر بن حسن بن حسنؓ	۲۰۲ھ	فارس	〃 〃 〃
۲۳	جعفر بن ابراہیم الجزار بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق	۲۰۳ھ	یمن	〃 〃 〃
۲۴	عبدالحق بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؓ	۲۰۶ھ	〃	〃 〃 〃
۲۵	محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن علی زین العابدینؓ	۲۱۹ھ	طالقان	المعتصم باللہ 〃
۲۶	محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ ابن علیؓ بن ابی طالب	۲۳۳ھ	حجاز	المتوکل علی اللہ 〃
۲۷	یحییٰ بن عمر بن زید بن علی زین العابدینؓ	۲۳۵ھ	بصرہ	〃 〃 〃
۲۸	ابوالحسین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی زین العابدینؓ	۲۵۰ھ	کوفہ	المستعین باللہ 〃
۲۹	حسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن الحسن بن زید بن الحسنؓ	〃	دیلم	〃 〃 〃
۳۰	محمد بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن حسنؓ	〃	طبرستان	〃 〃 〃
۳۱	محمد بن جعفر بن حسن بن عمر بن علی زین العابدینؓ	〃	فارس	〃 〃 〃

حاشیہ: علمِ قیام پر نصر بن ... خلافت عباسیہ کے عہد میں ہوئے۔ اس مقدس خاندان کی اکثریت ہی ہوئی۔ تاہم اس نے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی اُنکی عظمت نسبت کا لحاظ رکھا (المامون ص ۲۰ مکتبہ جدید لاہور) اور بعض نفوس حضرت اہلِ ... وزیروں کی طرفداری پر جیسے فضل بن سہل کو سزا بھی دی۔ کبھی قریب گئے تو کبھی مجلس میں آنے سے بھی روک دیا۔ ... عفو کی لذت ہے۔ اس کے دور میں کثرت سے یہ واقعات ہوا کا جوشش۔ اس کا قول مشہور ہے کہ در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

۳۲	احمد بن عیسیٰ بن حسین الصغیر بن علی زین العابدینؓ	۲۵۰ھ	الرے	المستعین باللہ (عباسی)
۳۳	ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ بن علیؓ	〃	〃	〃 〃
۳۴	عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ	〃	انجاق	〃 〃
۳۵	حسین کوکبی بن احمد بن اسمٰعیل بن محمد بن اسمٰعیل الارقط بن محمد بن عبداللہ بن علی زین العابدینؓ	۲۵۱ھ	قزوین	〃 〃
۳۶	ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن عبیداللہ بن حسن بن عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب	〃	〃	〃 〃
۳۷	حسین الحرون بن محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسین بن علی زین العابدینؓ بن الحسینؓ بن علیؓ	〃	کوفہ	〃 〃
۳۸	ابو احمد محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن الحسنؓ	〃	〃	〃 〃
۳۹	اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ	〃	مکہ معظمہ	〃 〃
۴۰	الاخضر محمد بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب	〃	یمامہ	〃 〃
۴۱	عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم الارقط بن محمد بن علی زین العابدینؓ	۲۵۲ھ	کوفہ	〃 〃
۴۲	محمد الاکبر بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب	۲۵۳ھ	مدینہ	〃 〃
۴۳	عیسیٰ بن جعفر حسینی	۲۵۵ھ	کوفہ	المہتدی باللہ 〃
۴۴	علی بن محمد بن احمد بن علی بن عیسیٰ بن زید بن علی زین العابدینؓ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب	۲۵۶ھ	〃	〃 〃
۴۵	علی بن زید بن حسین بن زید بن علی زین العابدینؓ	〃	〃	〃 〃

نمبر	نام	سنہ	مقام	خلیفہ		
۴۶	محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن زید بن الحسن بن علیؑ بن ابی طالب	۲۵۶ھ	کوفہ	المہتدی باللہ (عباسی)		
۴۷	ابراہیم بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی بن حسین بن علی زین العابدینؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب	سـ ھ	مصر	"	"	"
۴۸	حسن بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی بن حسین بن علی زین العابدینؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب	۲۶۶ھ	طبرستان	"	"	"
۴۹	احمد بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسنؑ	۲۶۷ھ	مدینہ	المعتمد علی اللہ	"	
۵۰	علی بن احمد	"	"	"	"	"
۵۱	احمد بن عبداللہ بن ابراہیم طبا طبا بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ۔	۲۷۰ھ	"	"	"	"
۵۲	محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ کاظمؑ بن جعفر صادقؑ	۲۷۱ھ	"	"	"	"
۵۳	علی بن الحسین بن جعفر	"	"	"	"	"
۵۴	یحییٰ الہادی بن حسین بن القاسم الرسی بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ	۲۸۸ھ	یمن	المعتضد باللہ	"	
۵۵	ایک علوی (یا ابوالطیب) یحییٰ بن حسین ابن طباطباؑ علوی	"	"	"	"	"
۵۶	محسن بن جعفر بن علی (نقی) ابن محمد الجواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظمؑ	۳۰۰ھ	دمشق	"	"	"
۵۷	حسن الاطروش بن علی بن حسن بن علی بن عمر بن علی زین العابدینؑ۔	۳۰۱ھ	دیلم	المقتدر باللہ	"	
۵۸	رجلٌ بن اطابیین	۳۰۲ھ	واسط	"	"	"

تحفہ، قبض سندھ ج ۲ ص ۱۰۹ عبدالحلیم شرر مگر اطروش یا الطروش بھی آیا ہے (خواص)

حاشیہ تلخیص تحقیق مزید ص ۲۱ ۲ میں ابراہیم کا لقب ابن صوفی نے لکھا ہے اور پھر بحوالہ ابن خلدون ابراہیم بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد حنفیہؒ نسب درج کیا۔ جو کہ بظاہر غلط یا سہو ہو گیا ہے۔ متن میں یہ ابراہیم ہے اور اگر حاشیہ کی روایت درست مانی جائے۔ تو متن میں آیا ہوا نسب نامہ غلط تصور ہوگا۔ مگر محمد ابن حنفیہؒ سے نسل جاری ہونا محتاج ثبوت ہے۔ مصنف۔

نمبر	نام	سنہ	مقام	خلیفہ		
۵۹	حسن بن محمد بن علی بن الحسن بن علی بن عمر بن علی زین العابدین	۳۱۶ھ	طبرستان	المقتدر باللہ (عباسی)		
۶۰	حسن بن القاسم الحسنی :	"	مصر	"	"	"
۶۱	رجل من العلویین ۔ ایک علوی	۳۲۹ھ	مدینہ	"	"	"
۶۲	جعفر بن محمد بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ المحضؒ	۳۳۲ھ	مکہ	المتقی باللہ	"	
۶۳	ابو عبداللہ محمد بن الحسین بن الراعی من اولاد حسین بن علیؑ	۳۵۳ھ	بلاد دیلم	المطیع باللہ	"	
۶۴	البرقع العلوی	"	کوفہ	"	"	"
۶۵	عبداللہ بن عبیداللہ بن علی بن حسین بن علی بن الحسین بن علی زین العابدینؑ	۳۵۵ھ	شام	"	"	"

(۱) حسنی ۲۵ حسینی ۳۰ ۔ علوی جعفری ۱۱ کل ۶۶ ۔ معہ حسنینؑ

اور جنھوں نے حسنی و حسینی نسب کا دعویٰ کر کے علوی تحریکات اٹھائیں وہ انکے علاوہ ہیں (رکا ذکر فی تحقیق مزید)۔

بنو عباس کے قتل عام میں جو لوگ بچ بچا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ گئے انہوں نے اپنا نام بھیس اور قوم بدل بدل کر سرحدوں کی طرف رخ کیا۔ لہذا خراسان کے صوبوں ولایتوں سے جو بنو امیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے۔ وہ سندھ، کوہ سلیمان اور کشمیر کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ جن لوگوں نے اپنے قبیلے کے نام بدل دیئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اسلامی حدود سے باہر نکل آئے کیونکہ سلطنت عباسیہ کی حدود میں اطمینان نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ یہ مفرور عربی قبائل جو سندھ، کشمیر اور پنجاب وغیرہ میں بھاگ کر آئے تھے۔ انکی نسلیں کہا جاتا ہے کہ آج تک پاک و ہند میں موجود ہیں اور اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئے ہیں۔

(ملخصاً از تاریخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی جلد دوم)

یہ تحریکیں برابر جاری رہیں۔ گو ۳۵۵ھ سے نقشہ شمولہ سے بعد کوئی ظاہری تحریک اٹھی نہیں یا تھک کر تاریخ کے اوراق الٹنے چھوڑ دیئے ہیں۔ بہر حال اندر اندر یہ جاری رہیں

حتیٰ کہ آخری خلیفہ عباسی المستعصم باللہ ۶۵۶ھ کی سلطنت بھی اسی کش مکش کی نذر ہوئی اور اس کا شیعی وزیر علقمی علویوں کی برائے نام حکومت قائم کر کے خود وزیر بننے کی سوچ رہا تھا۔ اور یہ علویوں کا طرفدار تھا۔ اور یہی سبب تاتاریوں کو لانے اور عباسی سلطنت کی تباہی کا ہوا۔ اور ۶۵۵ھ میں بغداد میں عباسیہ سلطنت کا چراغ بھی ہمیشہ کیلئے گل ہو گیا۔

بیشک اس سلسلہ میں بیان طویل ہو گیا ہے اور قارئین کرام پر ان کا پڑھنا اور دھرانا شکل ہوگا۔ یہ تاریخ مختصر قطعاً اسکی حامل بھی نہ تھی۔ مگر کیا کیا جائے یہ خود حضرت علیؓ کی اولاد علویوں کی تاریخ تھی۔ اور اس سے علویوں کی تحریک انقلاب پر مکمل روشنی ڈالنی حتی الامکان مقصود تھی۔ خواہ وہ سادات فاطمی علوی نسل فاطمہؓ زوجہ حضرت علیؓ کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں۔ یا سادات علویہ حضرت علیؓ کی دیگر بیویوں کی اولاد کی نسل سے ہوں اور یہی میرا موضوع تھا۔

نیز کچھ اس لئے بھی کہ امامت کے اصلی و نقلی تصور کے دعویداروں حامیوں نے ٹھیک پہلی صدی ہجری سے وہ سلسلہ قائم کر دیا جو ۶۵۵ھ تک کم و بیش ۶۱۵ سال تک نہ ختم ہوا۔ بنوامیہ اور عباسیہ کی سلطنتوں کا خاتمہ ہی کر کے چھوڑا۔ قطع نظر اسکے کہ امامت کے اصلی یا نقلی دعویداروں کی اٹھائی ہوئی تحریکیں صحیح یا غلط تھیں؟ فائدہ مند یا مضرت رساں؟ وجہ جواز رکھتی تھیں یا نہیں، دعویداروں کے نسب صحیح تھے یا غلط؟ لئے پیروؤں، حامیوں، سیاسی مفاد پرستوں نے قسما قسم رنگ چڑھا کر ملمع سازی سے صحیح یا غلط روش کو سینکڑوں برس تک جاری رکھا گیا۔ اور اس دوران طویل میں خود علویوں نے ایک دوسرے کیخلاف کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ اور خود علویوں، بنوامیہ اور بنو عباس میں کئی دفعہ قرب اور اب اوقات بُعد حائل نہ ہوا ہوگا؟ بلکہ کتابوں میں جنگ صفین کربلا کے بعد بھی علوی، اموی اور عباسی وغیرہ کئی مواقعات و مقامات پر اکٹھے اٹھتے بیٹھتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور رشتوں ناطوں کا لین دین بھی واقعہ ہوتے رہے ہیں۔ اور خود محمدؒ بن الحنفیہ و حضرت زین العابدینؒ کا دور یزیدی ہی میں قبل از شہادت و بعد از شہادت حسینؓ خلط ملط رہا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو اس بیان و حوالہ جات کیلئے جمرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۸۰ بحوالہ کتاب خلافت معاویہ و یزید ص ۲۴۱

تا ۸۰ھ رحمۃ العالمین۔ علامہ قاضی محمد سلیمان۔ سلمان منصور پوری جلد دوم ملاحظہ ہوں)

محمد بن الحنفیہؒ کی وفات

محمد بن الحنفیہؒ کی جائے مدفن میں اختلاف ہے۔ مولوی حیدر علی اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہیں کہ روضہ محمد حنفیہؒ خلیج فارس بندر نابو کوہستان حنفیہؒ میں ہے۔ اور آپ مدینہ سے وہاں چلے گئے تھے۔ اور دوسرا قول ابو حنفیہ دینوریؒ نے اپنی کتاب اخبار الطوال جائے وفات شام لکھا ہے جو کہ غلط ہے (سر سلسلت العلویہ ص ۸۳)

تیسرا قول صاحب تاریخ اقوام پونچھ میں انکی جائے مدفن طائف لکھا وہ کہتے ہیں کہ جب مختار ثقفی مصعب بن زبیرؓ کے ہاتھوں مارا گیا اور مختار ثقفی کا ذہب نے انہیں محمد بن الحنفیہؒ کے نام سے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ تو محمد بن الحنفیہؒ ابن زبیرؓ کے خوف سے طائف میں چلے گئے۔ اور وہیں باختلاف روایات ماہ محرم یا ربیع الاول ۸۱ھ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ عمر ۶۵ سال تھی ابتدائے خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور بعض کتب دیگر میں پیدائش تو ابتدائے عہد فاروقی ہی تبلائی ہے۔ مگر عمر ۶۰ سال شمار کی ہے۔ اس حساب سے انکی پیدائش ۲۱ھ قرار پاتی ہے۔ رحمۃ العالمین از قاضی محمد سلیمان۔ سلمان منصور پوری جلد دوم میں اور انکی تبعیت میں صاحب تاریخ الاعوان شیر محمد خان کالا باغ نے تاریخ پیدائش اول عہد فاروقی ۳ھ لکھا ہے جو سہو کاتب یا لغزش قلم مصنف یا طباعت کی فاش غلطی ہے۔ کیونکہ عہد فاروقیؓ کا ابتداء ۱۳ھ سے جمادی الآخر سے شروع ہوتا ہے۔

مصنف باب الاعوان مولوی نورالدین نے ۵۰ سال کی عمر محمد بن الحنفیہؒ کی وقت وفات لکھی ہے اور چہارم قول محمد الحنفیہؒ کی جائے مدفن کا قول مدینہ منورہ جنت البقیع باب الاعوان سے مروی ہوا ہے۔ نورالدین کہتے ہیں کہ میرے والد حاجی نور محمد نے وقتاً فوقتاً حاضرین مجلس کے روبرو کئی بار یہ ذکر فرمایا کہ انہے مولوی غلام رسول قلعے والے کے ہمراہ زیارت مزار محمد حنفیہؒ کی جنت البقیع

بلکہ بیٹا عزفد بھی کہتے ہیں کہ ہے۔ جبکہ وہ حج بیت اللہ کر گئے تھے۔ اور یہی قول قرین قیاس ہے۔
ایسے کہ خیج فارس بندر ٹم پو کا آنا معتبر روایات سے ثابت نہیں۔ شام کی سرحد ایلہ کو وہ آئے تھے
تو عبد الملک بن مروان کے عہد ہی میں واپس طائف ہو گئے۔ اسلئے شام کی جائے مدفن کا غلط ہونا
کتب سے بھی ثابت ہوا۔ طائف میں بیشک عبداللہ بن زبیرؓ کی وفات ۶۸ھ جمادی الثانی سہ شنبہ
کے دن ہوئی۔ اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ ۸۱ھ ۸۰-۸۰ سال بعد فوت ہوئے۔ یہ قوی امکان ہے کہ
وہ حج رسول اللہ صلعم میں آئے ہوں اور بقیہ زندگی وہیں گذار کر فوت ہو گئے ہوں۔

قصہ زین العرب، جنگ نامہ حامد، جنگ نامہ امام حنیفہؒ و جنگ زیتون جو شعراء پنجاب نے
تصنیف کئے ہیں وہ غلط واقعات و قصص ہیں۔ اور کسی تاریخ سے ماخوذ نہیں۔ اس لئے اس ضمن میں
انکی روایات مقبول نہ ہونگی۔ اور اولاد علیؓ کے نام اور محمد بن الحنفیہؒ کے بیٹے کا نام جو جنگ نامہ
امام حنیف میں آئے ہیں بھی تصدیق نہیں ہوتے۔

حال اولاد محمد ابن الحنفیہ رحمتہ اللہ علیہ

محمد بن الحنفیہؒ پاک و ہند کے اکثر علویوں یعنی اعوانوں کے جد اعلیٰ شمار ہوتے ہیں۔ اس بارے
میں جو اختلاف آئے ہیں اُن کا بیان آگے آئیگا۔ باختلاف روایات اُن کے نو۹ - دس۱۰ - چودہ۱۴ فرزند
بتلائے گئے ہیں۔ بعض کتب میں تین سے اور بعض میں دو اور ایک سے نسل جاری ہونا روایت کرتے
ہیں۔ اور اسی طرح ناموں میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔

باب الاعوان کے صفحہ ۸۰ پر اولاد کے نام مندرجہ ذیل تاریخ عرب سے ثابت ہونے لکھے ہیں۔
(حسن، ابو ہاشم، عبد اللہ، جعفر اکبر، حمزہ، علی) ام ولد سے (قاسم - ابراہیم) (جعفر اصغر و عون)
جعفر اصغر کی والدہ کا لقب ام جعفر تھا۔ قاسم و ابراہیم کی والدہ کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ ام ولد تھیں،
یا ہو۔ باب الاعوان کے صفحہ مذکورہ بالا پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ محمد بن الحنفیہؒ کا بیٹا عمر مجہول الحال ہے۔
بعض کتب میں ابو ہاشم کا بیٹا عبد اللہ درج ہے۔ اور نسل جاری لکھتے ہیں۔ مثلاً رحمتہ اللعالمین

سلمان منصور پوری صفحہ ۷۸، جلد دوئم پر اور بعض کتب میں ابو ہاشم عبد اللہ مذکور کی کنیت ہے۔
پس اس طرح وہ نو بھائی شمار ہوتے ہیں۔ (باب الاعوان ص ۸۰) اور بعض نے ابو ہاشم کو مقطوع
النسل بیان کیا (تاریخ اسلام کامل قاری احمد ص ۲۱۲)

اور مؤرخین ہند بعض نسب ناموں میں عبد المنان پسر کلان و عبد الفتاح پسر خورد محمد بن الحنفیہؒ
کے نام بتلاتے ہیں۔ جن سے نسل چلی۔ اور یہ نام شاید لقبوں و کنیتوں کے مختلف ہونے سے ظہور
پذیر ہو گئے (کما سیاتی)

رحمت العالمین قاضی سلیمان منصور پوری کے صفحہ ۷۸ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ کل اولاد ۲۲ تھی جن
سے ۱۴ فرزند اولاد نرینہ تھے۔ تین سے نسل جاری ہے

(۱) ابا ہاشم پسر محمد بن الحنفیہؒ وہی ہیں جن کا ذکر علویوں کی انقلابی تحریک میں مکمل بیان ہو چکا ہے۔ کہ
باپ کے مرنے کے بعد اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ یہ علمائے دین و تابعین سے معتبر فقیہ تیسرے درجہ
کے محدث راوی اور عظیم القدر انسان شمار ہوتے تھے۔ بعض لوگ انکی امامت کے قائل ہوئے اور
فرقہ ہاشمیہ کی بنیاد ڈالدی ۹۹-۱۰۰ھ شام میں وفات پائی۔

مندرجہ ذیل کے اقتباس کتاب سر السلسلۃ العلویہ کے صفحہ ۸۵ وغیرہ سے لکھے ہیں جو ۳۴۱ھ
لابی نصر بخاری کی تصنیف ہے۔ اور نئی مطبوعہ ۱۹۶۳ء ۱۳۸۴ھ نجف اشرف ہے۔

(۲) حسن بن محمد بن علیؓ یہ بڑے خطیب اور عالم تھے۔ حسن بصری کے لئے مواعظ جمع کئے۔ تفسیر
مواہب الرحمٰن ص ۱۰۰ پارہ ۲۸ میں حسن مذکور سے روایت در بارہ مال غنیمت آئی ہے۔ بعض نے مرجیہ
فرقہ سے متہم کیا (مگر یہ کچھ نہیں) ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ ان کا بیٹا محمد مدنی بیان کیا گیا ہے۔

(۳)، و (۴) حمزہ و علی بھی ام ولد سے لاولد فوت ہوئے (رحمتہ اللعالمین ص ۷۸، جلد ۲)

(۵) القاسم بن محمد شہبا کی والدہ نوفلیہ تھی۔ انہیں قاسم کے نام کی وجہ سے محمد بن الحنفیہؒ کو ابو القاسم
بھی کہا کرتے تھے۔ لاولد رہے۔

(۶) ابراہیم بن محمد ام سلیمہ کے بیٹے تھے۔ لقب شعرہ تھا۔ انکو پانچویں طبقہ صادقین سے شمار کیا ہے

علہ کتاب نسب قریش ص ۷۵-۷۸، میں (دسویں بھائی یعنی اگر عبد اللہ ہاشم ایک ہو) عبد الرحمٰن کا نام لیتے ہیں۔
(مکتوبات مرسلہ از سید غلام حسن شاہ کاظمی) ماخوذ بحوالہ از کتب قدیم بزبان عربی)

علہ معلوم نہیں کہ تین سے نسل جاری ہونا شروع سے ملتے ہیں۔ یا آگے چل کر نسل تین سے جاری ہوئی۔ جو
ہمیں بھی تسلیم ہے۔ (مصنف)

(۱) عون بن محمد کو لاولد بیان کیا۔ علی و عون و ابراہیم کی نسل آگے جا کر منقطع ہو گئی اور صاحب عمدہ نے ان سے نسب ملنے والوں کو اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ میں کاذب ٹھہرایا۔

(۲) عمر بن محمد بن علی بن محمد الحنفیہؒ کا حال معارف قتیبیہ نے ذکر نہیں کیا۔ کتاب مذکور میں لکھا ہے آگے نسل چلی ہے۔ وہ جعفر الاصغر ہیں۔ انکی اولاد کو راس المذری کہا گیا ہے۔ اور کل محمدی اولاد جعفر الاصغر سے ہیں۔ بہت سے علمائے نسب محمد بن علیؓ کی اولاد سے توقف کرتے ہیں۔ مگر جعفر الاصغر بن محمد کی اولاد سے راس المذری کا لقب صحیح ہے۔ اس میں کوئی طعن نہیں۔

جعفر الاصغر کا بیٹا عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ کا بیٹا جعفر بن عبداللہ بن جعفر ہے۔

کوفہ کے محمدی:۔ اولاد ابی علی حمزہ بن الحسین بن زید بن جعفر ثالث بن عبداللہ بن جعفر (ثانی) بن عبداللہ بن جعفر (اول) مقتول یوم الحرہ بن محمد الحنفیہؒ کی اولاد سے ہیں۔

فارس کے محمدی:۔ وہ خصوصی نقباء سے تھے۔ اولاد ابی الحسن احمد بن محمد بن محمد بن علی بن اسحٰق بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد الحنفیہؒ سے ہیں۔

شیراز اور اہواز میں:۔ جو ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد الحنفیہؒ سے نسب ملاتے ہیں۔ یہ نسب صحیح نہیں۔ مگر بچہ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت علمائے نسب سے سنا ہے کہ کوفہ میں ایک مجلس منعقد ہوئی تھی۔ اس مجلس میں اشراف کے خطوط جمع دیکھے کہ ابراہیم بن جعفر کا لاولد ہونا صحیح نہیں۔

قزوین کے محمدی:۔ بڑے رئیس ہیں۔ اور تم میں علماء ہیں۔ اور ان میں سادات (یعنی نقیب) ہیں۔ وہ اولاد محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ المذری بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد الحنفیہؒ سے ہیں۔ کہا گیا کہ یہی وہ تین ہیں کہ محمدیوں کا نسب ان پر منتہی ہوتا ہے۔ یہی صحیح ہیں۔ یعنی:

(۱) زید الطویل ابن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ الخ

(۲) اسحٰق بن عبداللہ راس المذری بن جعفر الخ

(۳) محمد بن علی بن عبداللہ راس المذری بن جعفر الخ

(۴) ابراہیم بن جعفر (بشرطیکہ علمائے نسب کی روایت صحیح مان لی جائے تو یہ پھر چوتھے ہوں گے جن سے نسل آگے چلی (خواص)

علہ اور یہ محمد بن علیؓ دوسرے محمد بن علی اصغر از بطن امامہ بنت ابی العاص ہیں۔ جن کی اولاد پر توقف کیا (خواص)

سر السلسلۃ العلویہ کے ص ۸۸ میں یوں لکھا ہے کہ وکذب المحمدیہ لایعول الادعیاء لقلۃ عددھم فی البلاد ولظھور امرھم ورجوعھم فی النسب الی رجل واحد ۱۰ تم

یعنی محمدی نسب والوں (محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد) کی شہرت و پکار کا احتمال نہیں اسلئے کہ شہروں میں انکی تعداد کی کمی ہے۔ اور ان کے کام کے ظہور و رجوع نسب میں ایک شخص کی طرف ہے۔

اسی لئے انھوں نے اولاد محمد بن الحنفیہؒ و دیگر طالبیوں کا اعداد و شمار اپنے قول کے ثبوت میں قلیل ہونا محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد کا پیش کیا۔ اور اعداد و شمار مندرجہ ذیل اس وقت جمع کر کے بیان کئے۔ جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ کس قدر اپنے کنبہ و خاندان کو اس وقت گنتے و شمار کیا کرتے تھے۔ اور نسب کو اختلاط مخلوط کرنے سے بچاتے تھے۔ اور یہ خمس وغیرہ کی تقسیم کے لئے ضروری بھی تھا۔

اولاد علی رضی اللہ کا شمار	مرد	عورتیں
(۱) اولاد حسین رضی اللہ عنہ	۳۱۰	۳۱۴
(۲) 〃 حسینؓ 〃	۴۴۰	۴۳۰
(۳) 〃 محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ	۴۵	۳۵
(۴) 〃 عباسؓ بن علیؓ	۱۴۰	۱۳۰
(۵) 〃 عمر الاطرف رح	۹۰	۱۱۶

---

(۶) شمار اولاد جعفر طیارؓ	۳۳۲	۲۴۰
(۷) 〃 عباس عم رسول اللہ صلعم	۳۳۰۰۰ علہ	مرد اور عورتیں تھیں۔

اور یہ اعداد و شمار ۳۳۷ھ تک مدینہ اور سارے شہروں کے ہیں۔ کل ۱۳۱۰ مرد اور ۱۳۴۰ عورتیں شمار ہوئیں۔ کل ۲۶۴۰ ہوئے (سر السلسلۃ العلویہ)

لیکن مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ تعداد پوری نہیں اترتی۔ شاید سہو کاتب سے کچھ فرق آ گیا ہے۔ یا باقی اعداد و شمار آل عقیلؓ کے ہوں۔ جو شمار میں رہ گئے ہوں۔ اور کتابت رہ گئی ہو۔

علہ عیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ نویں پشت میں حضرت عباسؓ کی نسل سے تینتیس ہزار ۳۳۰۰۰ مرد و زن دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے (الناس ص ۴۲ مکتبہ جدید۔ لاہور)

علہ یہ اعداد و شمار سوائے بلاد ہند قدیم کے ہیں۔ کیونکہ ہم نے محمدی حنفیوں اور عمری علویوں کا ابتدائے عہد اسلام میں ہند آنا ثابت کیا ہے۔

ذکر عمر الاطرف فرزند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمر الاطرفؒ کی والدہ صہبا یا ام حبیبہ جو تغلبیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں کے بیٹے ہیں۔ اور کسی نے کہا کہ انکی والدہ یمامہ کے قیدیوں سے تھیں۔ جنکو حضرت علیؓ نے خالد بن ولید سے خریدا تھا۔ انکی ایک ہمشیرہ رقیہ تھیں جو ان کے ساتھ جوڑویں —— پیدا ہوئیں۔ اور کہ اطرف لقب ہے۔ انکی عمر میں بھی اختلاف اقوال آئے ہیں۔ کسی نے ۸۵ و ۷۵ سال عمر بتائی۔ اور وفات ینبوع میں ہوئی۔ جو قریش کی جاگیر تھا۔ خلیفہ منصور دوئم یا ولید اموی کا عہد تھا۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مصعب بن زبیرؓ کی طرف سے مختار ثقفی کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور بعض نے کہا کہ مصعب بن زبیرؓ کی جنگ میں جو قتل ہوئے وہ عبداللہ بن علیؓ تھے۔ اور جنہنے عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کی وہ عمر الاطرف ہی تھے (سر السلسلۃ العلویہ ص ۹۶)۔

اسمیں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ جنگ کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ عمر الاطرفؓ عباس علمدار حضرت حسینؓ کے چار بھائیوں کے علاوہ پانچویں سگے حقیقی بھائی تھے۔ یعنی از بطن ام البنین بیان کرتے ہیں۔ صرف اختلاف اسباب میں کرتے ہیں کہ ان میں بڑا کون تھا۔ اور عمر ۷۷ سال بیان کی (رحمتہ للعالمین سلمان منصور پوری ص ۱۴۳) سر السلسلۃ العلویہ میں ہے کہ یہ روایت صحت کو نہیں پہنچتی۔ جنہوں نے عمر کے قتل کو کربلا میں ٹھہرایا۔ بلکہ وہ مکہ میں ابن زبیرؓ کے پاس تھے۔ بعضوں نے کہا کہ وہ شب عاشورہ کو کربلا سے باربرداری کے جانوروں کی گونوں (چھٹوں) میں بیٹھ کر بھاگ آئے۔ اسی نے اولاد کو جوالیقی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ مگر صاحب سر السلسلۃ العلویہ نے اس قول کی تردید کی؛ اور کہا کہ جوالیق پکارے جانے کی دوسری وجہ ہے۔

کتابوں میں آیا ہے کہ عمرؓ نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور انکے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا۔ حالانکہ انھوں نے انکو اپنے ساتھ خروج کرنیکی دعوت بھی دی، مگر یہ اُن کے ساتھ نہ گئے کہتے ہیں کہ جب انکو حسینؓ کے قتل ہونیکی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے۔ اور اپنے مکان کے صحن میں

آکر بیٹھے۔ اور کہا کہ میں عقل مند و محتاط جوان ہوں۔ اگر میں بھی ان کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

(سر السلسلۃ العلویہ ص ۹۶ لابی نصر بخاری مطبوعہ نجف عربی ۱۹۶۳ء / ۱۳۸۴ھ و خلافت معاویہؓ و یزید ص ۳۰۰ از حوالہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ ص ۹۹ تا ۳۵۷، بحوالہ تحقیق مزید ص ۱۴۲)

تقریب التہذیب میں ہے کہ وہ روایت حدیث کے چھٹے طبقہ سے ملحق ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ علیؓ سے اور عمرؓ سے انکے بیٹوں نے حدیث روایت کی ہے۔ اور روایت انکی مرسل ہے (ملخوذ) ان کی نسل کا سلسلہ ایک بیٹا تھا۔ محمدؓ اور محمد کے آگے چار بیٹے تھے۔ عبداللہ، عبیداللہ عمر، یہ تینوں از بطن خدیجہؓ بنت زین العابدینؓ تھے اور ایک جعفر نام از ام ولد تھے۔

(۱) عبداللہ کے چار بیٹے بیان ہوئے۔ احمد، محمد، عیسیٰ المبارک، عیسیٰ صالح۔ پھر محمد کا بیٹا قاسم ملقب بہ لقب طالقان تھا۔ اور قاسم بن محمد کی نسل سے ملتان پر حکمران رہے۔

(۲) عبیداللہ کے طیب اور طیب کے علی بغداد اور انکی نواحی میں نسل موجود ہے۔

(۳) عمر کے تین فرزندان:۔ ابو محمد۔ اسماعیل۔ ابوالحسن ابراہیم اور ان ہر سہ کی نسل کثیر بلخ و خراسان میں ہے۔ اور کہا کہ ان کے دیگر بھائی[1] یعنی عمر الاطرفؓ کے عباس، جعفر، عبیداللہ، عثمان کربلا میں شہید ہوئے۔ انتہی (مختصراً رحمتہ للعالمین سلیمان منصور پوری ص ۱۴۳ ج ۲)

عمری کہلانے والے دنیا کے محمد مدنی سے نسل جاری ہوئی۔ اور محمد مدنی کے آگے جعفر و عبیداللہ ہوئے اور عبداللہ بھی ان کا بھائی تھا۔ عبداللہ و عبیداللہ مدنی کہلائے۔

صاحب سر السلسلۃ العلویہ کہتے ہیں کہ جو لوگ نسب اسماعیل بن جعفر سے ملاتے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔

اور عیسیٰ المبارک بن عبداللہ کے کئی ہوئے۔ اور عبیداللہ پانچویں درجہ پہ مقبول ہے۔

صاحب باب الاعوان کہتے ہیں کہ بعض اہل نسب اعوان کا یہ سلسلہ نسب ملاتے ہیں، ملک احمد خان قطب الدولہ۔ بن قاسم خان بن امیر خان، بن فائز خان۔ بن دلدار خان بن عبدالرؤف خان بن محمد خان بن حضرت عمرؓ بن حضرت علیؓ بن ابیطالب۔ اس پر سوال وارد کیا جاتا ہے کہ محمد خان کا بیٹا، عبدالرؤف، دلدار خان کسی جگہ نہیں آیا۔ اور قطب الدولہ لقب بھی قطب شاہ مثبت نہیں ہوا۔ پس

---

[1] نادر الاعوان ص ۹۶، باب الاعوان ص ۸۳ - ۸۴ - ۱۱۰ -

[2] یہ علیحدہ ماں سے ہیں۔ رحمتہ للعالمین میں انھیں غلط ملط کر دیا ہے۔ مصنف۔

اعوان عمرؓ کے نسب سے نہیں۔

علم نسب میں بہت اشخاص عالم و مقتدائے وقت گذرے ہیں۔ اگر اعوان ان سے ہوتے تو تذکرہ آ جاتا۔ دیگر یہ ضروری نہیں کہ لکھے پڑھے نے سوائے بعض کے اپنے شجرہ نسب ذکر کئے ہیں؟ خواں) اور امیر قائز اور ولداد جو اسماء مذکور ہیں وہ عربی نہیں۔ شاید کسی نے بتایا ہو (باب الاعوان ص ۸۳/۸۴)

مولوی نور الدین صاحب جب تنقید کرتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ یہ نام عرب کے شجرہ نسب والے پیش کرتے ہیں یا پاک و ہند کے قدیم الایام سے آئے ہوئے لوگ جو دوسری صدی ہجری ہی میں یہاں سندھ وغیرہ میں وارد ہو گئے۔ کیا عمرؓ کے بیٹے جنکو ہند قدیم میں خان کہا گیا ہو (خان کا لفظ تو بہت مابعد کا پیدا شدہ ہے) جبکہ ان کی نسل سے ابتدائے عہد اسلام سندھ میں آنا ثابت ہوتا ہے تو پھر جرح ہند کے ناموں پر کرنی چاہیئے تھی کہ ہند میں ایسے نام نہیں پائے گئے۔ عرب کی تاریخ و اسماء الرجال میں ہندی ناموں کی تلاش کہاں تک درست ہے بخصوصًا یہ بھی روایت آئی ہے کہ سندھ والوں نے خود شجرہ نسب منضبط کئے ورنہ ہم بہ سبب دوری کے ان کے سلسلہ نسب ضبط کر سکے۔ (سر السلسلۃ العلویہ ص ۹۸ لابی نصر بخاری تصنیف چہارم صدی ہجری) اور یہ کچھ سندھ والوں سے ہی مخصوص نہیں رہ جاتا۔ یہ خان، شاہ، امیر وغیرہ تو ہند قدیم والوں کی ایجاد ہیں۔ کیا عجب ہے کہ عمرؓ کے بیٹے محمد مدنی کو ہند والوں نے محمد خان کہدیا ہو۔ یا عبداللہ کو عبدالرؤف سمجھ لیا ہو۔

تاریخ اقوام پونچھ کے ص ۲۸۰ میں مذکور ہے کہ جنھوں نے ان قبائل کو قریش عرب تسلیم کیا ہے۔ ان میں کوئی انکو عباسی قبیلہ، کوئی محمد حنیفی، کوئی عمری گروہ سے ظاہر کرتا ہے

ذکر حضرت عباسؓ فرزند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علیؓ کے بیٹے از بطن ام البنین تھے۔ اور محمد بن الحنفیہؓ کے سوتیلے بھائی۔ لقب الطف تھا طف کربلا کی نرم ریتلی زمین و شہید ہونے سے پڑ گیا۔ ان کے حقیقی تین بھائی اور بھی تھے جو جنگ کربلا میں حضرت حسینؓ کیساتھ شہید ہو گئے۔ اور یہ عباسؓ جیسا کہ مشہور ہے حسینؓ کے علمدار تھے۔ آپکی شہادت کی تاریخ عین شہادت حسینؓ کا دن یعنی ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ یہ حضرت علیؓ کے ان پانچ بیٹوں سے شمار ہوئے ہیں جن کی نسل آگے چلی۔ اور یہی۔ دشہادت کے وقت عمر ۳۴ سال تھی۔ سر السلسلۃ العلویہ ص ۸۹۔۹۰ وغیرہ) آپکی قبر بھی کربلا معلیٰ میں معروف ہے۔ عباسؓ کا سلسلہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ عباسؓ کے فرزند عبیداللہ اور عبیداللہ کے حسن اور حسن کے پانچ یا سات بیٹے تھے۔ عبیداللہ، عباس الفصیح، حمزۃ الاکبر، ابراہیم جردقہ اور فضل۔

(الف) عبیداللہ قاضی الحرمین تھے۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ سے نسل جاری ہوئی۔ اور پھر عبداللہ کے دو بیٹوں کی اولاد سے ہارون، داؤد الاکبر ہوئے۔ ہارون کی اولاد بنی ہارون سے مشہور ہوئی۔ اور دمیاط و مصر میں پائی جاتی ہے۔ اور داؤد الاکبر کی اولاد بنو ہدہد کے نام سے مشہور ہوئی۔ یمن میں پائی جاتی ہے۔ انکی والدہ سکینہ دختر ابن عباسؓ تھیں۔ عابد، زاہد، بہادر شل جد اپنے کے تھے۔ ۲۴ شوال ۱۳۰ھ ہشام مروانی کے عہد میں فوت ہوئے۔ جنگ کربلا میں موجود تھے۔ عمر ۱۲ برس تھی۔ ابن زبیرؓ کے واقعے انکی موجودگی میں گذرے۔

(ب) عباس الفصیح۔ یہ شاعر بھی تھے۔ اور خطیب بھی۔ اور ہارون الرشید کے مقرب چار بیٹوں سے نسل جاری ہوئی۔ بعض نساب کہتے ہیں کہ صرف عبداللہ بن عباس الفصیح کی نسل قم میں رہ گئی ہے۔ چار بیٹے تھے۔ احمد، عبیداللہ، علی و عبداللہ۔ اولاد عبداللہ سے جاری ہوئی۔ اور یہ تیرہ بیٹے تھے۔

(ج) حمزۃ الاکبرؒ۔ کے علی اور علی کے بیٹے محمد ہوئے۔ نسل جاری ہے۔ حمزۃ الاکبر کا لقب ابو القاسم

تھا۔ چہرہ حضرت علیؓ کے مشابہ تھا۔ مامون رشید نے اسے ایک لاکھ روپیہ دیا۔

(۵) ابراہیم حرونہ :- بڑے ادیب اور فقیہ امام تھے۔ ان کے تین بیٹے حسن، محمد، علی تھے۔ ان ہر ایک کی اولاد مصر میں ہے۔

(۶) فضل :- ان کے تین بیٹے تھے۔ جعفر، عباس الاکبر، محمد۔ جعفر کا بیٹا فضل ہوا۔ نسل جاری ہے عباس الاکبر کے چار فرزندوں سے نسل جاری ہے۔ محمد کے بیٹے ابو الفضل شاعر تھے۔ نسل جاری ہے۔ یہ بڑے قوی ہیکل و بہادر تھے۔ آل فضل کی اولاد منبع۔ بر طرابلس شام، جبال بیر مجم میں ہے۔

(۱) عبیداللہ بن عباس علوی :- یہ عابد زاہد تھے۔ علی زین العابدینؓ کے یاران سے تھے۔ زین العابدینؓ انکی عزت و تکریم کرتے تھے۔ وفات ۲۷ ماہ شوال ۱۰۰ھ اور بقیع الغرقد مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔ جنگ کربلا و جنگ عبداللہ بن زبیرؓ ان کے عہد کے مشہور واقعے گزرے ہیں۔

(۲) ذکر حسن علوی بن عبیداللہ بن عباس بن علیؓ :- مریدان خاص جعفر صادق سے تھے۔ وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ عمر ۸۰ سال تھی۔ اور بقیع میں انکی یہ آخری قبر تھی۔ کیونکہ بعد میں ان کا کنبہ بغداد چلا گیا۔ زمانہ ہارون الرشید کا تھا۔ زید الشہید کی جنگ بھی انھیں کے عہد میں ہوئی۔

(۳) حمزہ بن حسن علوی :- کی والدہ سادات حسنی سے تھیں۔ موسیٰ کاظمؓ کی بیعت میں تھے۔ اپنے والد کے دس سال بعد ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ اور بغداد مقبرہ قریش میں مدفون ہوئے۔ مامون رشید نے شاید انھیں مذہب شیعہ کی امداد کے لئے بلایا۔ اور شیعیت اختیار کرلی۔ عمر وقت وفات پچاس سال سے کچھ اوپر تھی۔ بغداد پہلے یہی آئے ہیں۔ اور ان سے پہلے اہل سنت والجماعت کے پیرو تھے۔ ان کے دو فرزند جعفر و علی صاحب اولاد ہوئے۔

(۴) جعفر بن حمزہ علوی :- کی والدہ سادات حسینی سے تھیں۔ امامیہ مذہب کے محدث و فقہ کے عالم فاضل تھے۔ اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔ یمن میں اس وقت اہل بیت کی حکومت تھی۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ بغداد مقبرہ قریش میں دفن ہوئے۔ امام علی رضا کے دوستوں سے تھے۔ کتب قدیم میں حمزہ کا بیٹا جعفر مذکور نہیں۔ ذکر آخر پہ آئے گا۔

(۵) علی بن جعفر علوی :- محمد تقی کے دوستوں میں تھے۔ ان کا ایک دیوان ہے۔ جس میں ہزار شعر درج ہیں۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں مذہب امامیہ کا مددگار رہا۔ ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ مدفن وہی

بغداد مقبرہ قریش ہے۔ ۲۴۵ھ میں دولت طباطبا حسنیہ سے یمن میں مرتضیٰ محمد بادشاہ تھا۔

(۶) قاسم بن علی علوی :- کی والدہ سادات حسینی سے تھیں۔ یاران حسن عسکریؒ (و علی نقی) سے تھے۔ ۱۱ جمادی الآخر ۲۳۳ھ کو وفات پائی۔ بنی طباطبا سے ناصر حاکم یمن تھا۔ قرامطہ کا ملحد فرقہ بھی اسی دور میں ظاہر ہوا۔

(۷) طیار بن قاسم علوی :- کی والدہ نوفلی تھیں۔ ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ بغداد مقبرہ قریش سب کا جائے مدفن رہا۔ یمن میں اہل بیت سے ناصر احمد بن مرتضیٰ بن محمد حاکم تھا۔

(۸) حمزہ ثانی بن طیار علوی :- کی والدہ فاروقی تھیں۔ پیدائش ۳۰۲ھ ہے وفات ۲ محرم ۳۹۰ھ ہے کل عمر ۸۸ سال۔ آباء اجداد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ خلیفہ بغداد قادر باللہ تھے۔ اور امیر ناصر سبکتگین غزنوی اسی عہد میں ہوا۔ اس نسب نامہ میں حمزہ دوبار آئے ہیں۔ اسلئے حمزہ اول و حمزہ ثانی برائے تمیز لکھے گئے ہیں۔

(۹) یعلیٰ بن حمزہ ثانی علوی :- کی والدہ صدیقی تھیں۔ اور صدیقی صدیق اکبرؓ سے منسوب ہیں۔ پیدائشی نام یعلیٰ لقب قاسم مشہور ہوا۔ مذہب شیعہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ ولادت یعلیٰ کی ۳۹۵ھ اور وفات ۴۷۳ ہوئی۔ مقبرہ قریش بغداد میں مدفون ہوئے۔ عمر ۸۸ سال المقتدی بامر اللہ عباسی کا دور حکومت تھا۔ راس الملوک سلطان محمود غزنویؒ اسی زمانہ میں فوت ہوئے۔

(۱۰) قطب شاہ عون :- ان کا سلسلہ نسب یہ بیان کیا گیا ہے۔

عون بن یعلیٰ، بن حمزہ ثانی، بن طیار، بن قاسم، بن علی، بن جعفر، بن حمزہ اول، بن حسن بن عبیداللہ، بن عباسؓ بن علی رضی اللہ عنہ، بن ابی طالب۔

پیدائش بغداد میں ۴۱۹ھ میں ہوئی اور ۳ رمضان ۵۵۶ھ بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ یاد رہے کہ حمزہ بن حسن علوی جو کہ سب سے پہلے سکونت مکہ و مدینہ ترک کرکے بغداد چلے آئے تھے۔ قطب شاہ عون تک سب امامیہ اثنا عشریہ کا مذہب رکھتے تھے۔ اور یاران و مریدان اولاد حضرت حسینؓ چلے آتے تھے۔ بڑے عابد، زاہد، مصنف، شاعر، بہادر مشہور تھے۔ امامیہ مذہب میں پیشوائی اور عظیم منزلت حاصل رہی تھی۔ لیکن آخر شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کے مواعظ اور صحبت کی تاثیر سے عون قطب شاہ و انکی اولاد دست بردار ہو گئے۔ اور مذہب اہلسنت والجماعت اختیار کیا۔ عون قطب شاہ کا لقب علی بن قاسم اور عبدالعلی اور عبدالرحمٰن۔ اور ابراہیم اور قطب شاہ کے ساتھ مشہور ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ساتھ

قرابت بھی رکھتے تھے ۔ یعنی قطب شاہ کی بیوی عائشہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خادمہ تھیں دیہ جملہ بیانات و واقعات کتاب باب الاعوان سے لئے گئے ہیں) جو زیادہ تر میزان ہاشمی ۔ ہاشم شاہ علوی ۔ میزان قطبی خلاصۃ الانساب بیرون ہند مطبوعہ کتب سے بیان کئے ہیں جو آج کل نایاب ہیں)

یہاں صرف یہ واضح کر دینا ضروری ہے ۔ کہ مصنف کتاب زاد الاعوان و باب الاعوان نے برِ اہل پاک و ہند کے قطب شاہی اعوانوں کو حضرت عباسؑ علمدار حضرت حسینؑ شہید کی فرزندی میں دیا ہے ۔ حالانکہ اکثر اعوان اپنے آپکو محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے بیان کرتے و سمجھتے ہیں ۔ اور یہ مسئلہ نہایت کش مکش و تاریکی میں پڑا ہوا ہے ۔ اور یہ کتاب انھیں کے سوا اس ثبوت میں ہے کہ اعوان محمد الحنفیہؒ کی اولاد سے ہیں ۔ جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے ۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ نسب نامہ بحوالہ باب الاعوان درج کیا گیا ہے ۔ مگر چند دیگر پیش نظر مصادر یعنی کتب انساب ۔ مثلاً

(۱) سر السلسلۃ العلویہ لابی نصر بخاری مصنفہ در ۳۴۱ھ جو خالصتاً اولاد علیؓ کے ذکر تک محدود ہے

(۲) کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) عہد ۱۵۶ھ تا ۲۳۶ھ ۔ مطبوعہ مصر ۔

(۳) عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ۸۲۸ھ

(۴) جمہرۃ الانساب لابن حزم ۴۵۶ھ ۔ مطبوعہ مصر

(۵) منتہی الآمال فی ذکر النبی و آل ۔ طبع ایران ۱۳۶۱ھ وغیرہ میں جعفر بن حمزہ اول درج نہیں ہے ۔ اور اگر جعفر ہوں تو ہمیں کیا اعتراض ہے ۔ مگر کتب انساب متذکرہ بالا میں نظر نہیں آیا ۔ اور کتابیں ایسی ہیں کہ ان سے بلا دلیل منہ موڑنا قرینِ انصاف و قیاس و ضابطہ تاریخ مناسب نہیں ہے

باب سوم

علویوں کی پاک و ہند میں آمد

از راہ جنوبی سندھ در ابتدائے عہد اسلام

اب یہاں سے علویوں کی تاریخ آمد ہند و پاک کا بیان شروع ہوتا ہے ۔ کہ وہ کب اور کن کن راستوں سے ہند قدیم پہنچے ؟ اور کیا کیا کردار ادا کیا ؟ اعوان کا خطاب پایا وغیرہ جن حضرات کی نظر سے تاریخ سندھ عبدالحلیم شرر یا کسی اور مصنف کی گذری ہوگی ۔ تو قدیم سندھ کی وسعت پہ وحدود پر انکی نظر ہوگی ۔ ایک وہ وقت تھا کہ تمام سابقہ ہند کا نام سندھ پڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا ۔ اور جانب مغرب دریائے ہلمند صوبہ ہائے ایران تک سرحدیں جا ٹکراتی تھیں ۔ پنجاب ، بلوچستان ، کشمیر کہاں تھے ؟ اور ایک آج کل یہ وقت ہے کہ گھٹتے گھٹتے لفظ سندھ پاک و ہند کے جنوب مغربی کونے پر ایک چھوٹا سا رہ گیا تی قطعہ ارضی کا نام مخصوص سندھ ہو گیا ہے ۔

عرب خلیفوں بادشاہوں نے قدیم یا دورِ جدید کے سندھ پر جہادی حملے کئے ہیں ۔ اور اس قطعہ ارضی کی تسخیر کیلئے اس وقت تین راستے ہی متعین ہو سکتے تھے ۔ ایک دریا اور دو خشکی کے ۔ (۱) دریا کا راستہ بحرین عرب و ہند تو معروف ہی تھا (۲) براہ خشکی قدیم شاہراہ مکران جو ہندوستان قدیم کے سرحدی صوبے تھے ۔ جنوبی ساحل سندھ پر پہنچے تھے (۳) براہ شمالی صوبہ ایران سے ہرات غزنی ، کابل اور درہ خیبر ہوتے ہوئے پشاور شمالی ہند قدیم کی

جانب سے۔ اول الذکر ہر دو راستے آمد و رفت تجارت و فوج کشی کیلئے متعین و مقرر و معمول تھے۔ دریا میں کشتیوں اور بحری بیڑوں کے ذریعے اور براہ خشکی سوار و پیادے منزل بہ منزل کوچ کر کے سابقہ ہند کی جنوبی حصہ پر سندھ کے اسپار آ کھڑے ہوتے۔ عرب سپہ سالار ہر سہ راستوں سے ہند قدیم پاک و ہند جدید پر جہادی لشکروں سے حملہ آور ہوئے ہیں۔ اور بڑی بھاری لڑائیاں لڑی ہیں۔ ایک چوتھے راستے کی بھی تجارت قبل از اسلام سے نشاندہی ملتی ہے جو خشکی سے براستہ ایران۔ سمرقند کشمیر سے ہند کو جاتا تھا

(کذا فی تجارت عرب قبل الاسلام ص۔ ۱۰)

اور ہو سکتا ہے کہ سمرقند سے یہ لوگ براہ ہرات غزنی کابل سے ہی ہند آتے ہوں۔ کشمیر اور قنوج جو شاید موجودہ پنجاب سے تجارت کرتے ہوں۔ اور سندھ سے تو ہمیشہ ہند قدیم کو قبل از اسلام و بعد از اسلام عرب قبائل آتے رہے ہیں۔

میرا مطلب ہے اول الذکر دو راستوں سے تو قدیم ہی سے آمد و رفت جاری تھی۔ مگر مسلمانوں کے جہادی جو دوسرا علاقہ براہ خشکی سندھ پر ہوا وہ ۳۸ھ حضرت علیؓ کی خلافت میں لبسر کردگیٔ فوج حضرت حارثؓ اور ۴۴ھ میں بعہد خلافت امیر معاویہؓ زیر تحت مہلبؓ جو عبدالرحمان بن سمرہ کی فوج کے نامور سردار تھے۔ اسی تیسرے راستے ہرات، غزنی، کابل، پشاور سے ہوئے۔ کابل کے دشوار گذار دروں اور پہاڑوں سے لاہور سرہند تک یلغار کی ہے۔ نہ اس سے پہلے عرب سپہ سالاروں نے اور نہ اس کے بعد بھی سلطان سبکتگین کے عہد تک کابل سے ادھر جانب مشرق پہاڑوں کی پیچیدگیوں اور دشوار گذار دروں کی وجہ سے رخ کیا ہے۔ یہ پنجاب بھی سندھ سے شمار ہوتا تھا۔ چوتھی صدی کے آخر ربع اور پانچویں صدی کے شروع میں سلطان سبکتگینؒ و محمودؒ غزنویؒ کی افواج نے پاک و ہند میں مسلسل داخل ہو کر ان جہادی جنگوں نے شاہراہ عام کھول دی۔ اور پھر جو حملہ آور بھی آیا اسی راستے سے ہند قدیم میں داخل ہوا۔

مراد یہاں یہ ہے کہ بیشک اعوان از نسل محمد بن الحنفیہؒ وغیرہ اس وقت بھی آئے جبکہ سلطان محمودؒ غزنوی وغیرہ نے جہاد کئے۔ مگر اس سے قبل بھی دوسری صدی ہجری میں ہند قدیم (سندھ) میں از اولاد محمد بن الحنفیہؒ و عمر الاطرفؒ از شاہراہ اول خشکی و بحری جنوبی سندھ میں آ کر مسکن گزین ہو کر رفتہ رفتہ یہاں قوت و اقتدار حاصل کر چکے تھے۔ جو اس وقت محمدی، علوی حنفی یا بحیثیت شاہی محمد بن الحنفیہؒ کی نسبت سے کہلاتے تھے۔ اور عمر الاطرفؓ کے نام کی وجہ سے عمری

علاوہ ازیں یہ پہلا حملہ جو سندھ پر عہد فاروقیؓ میں ہوا وہ براہ سمندر تھا۔

کہلاتے تھے۔ عمرؓ بن حضرت علیؓ کی اولاد سے جیسا کہ تاریخوں میں لکھا ہے۔ جس وقت محمود غزنویؒ نے سندھ ملتان پر حملہ کیا تو ملتان کی ریاست پر علوی نژاد عمر الاطرفؓ کی اولاد سے حکمران و قابض تھے۔ (رحمۃ اللعالمین سلمان منصور پوری ص ۳۰۳ ج ۲) خوب پھلے اور پھولے اور جنوب سے جانب شمال دریائے سندھ کے مشرق مغرب ملتان تک بڑھے۔ اور پھر محمودؒ غزنوی کے عہد میں از جانب شمال ہرات و کابل فاتح کی حیثیت سے جنوب سندھ کی طرف بڑھے۔ ان کا ہر دو جانب سے آپس میں آ ملنا اور خلط ملط ہو جانا ہی بعض انگریز مؤرخین پر مشتبہ ہو گیا۔ اور متعدد اقوال وضع ہو گئے۔ ان تاریخی شواہد کیلئے مندرجہ ذیل روایات و کڑیاں و اسباب جیسی کہ تاریخوں سے سمجھ پڑی ہیں بیان کی جاتی ہیں۔

سندھ کے جنوب مغرب میں منصورہ نام دار الخلافہ پڑ گیا تھا۔ سرزمین سندھ و اس دار الخلافہ سے بنی فاطمہؓ کے بہت کچھ تعلقات ابتدائے زمانہ سے چلے آتے تھے۔ علی الخصوص زیدیہ[علہ] لوگوں کا یہاں مجمع لگا رہتا تھا۔ جو پہلے پہل عبداللہ اشتر کے ہمراہ بہ عہد عمر بن حفص حاکم سندھ (جو علویوں کا طرفدار تھا) آئے تھے۔ اور یہ عبداللہ اشتر محمد کے بیٹے اور ابراہیم کے بھتیجے جنہوں نے خلیفہ عباسیہ منصور کے عہد ۱۴۵ھ میں خروج کیا اور قتل کئے گئے۔ باختلاف روایات عبداللہ اشتر برائے مدد و امداد و دعوت حاکم سندھ کے پاس آئے تھے۔ والد و چچا کے قتل کئے جانے کی خبریں سندھ پہنچیں اور یہاں ہی پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اور اسی دوران یہ لوگ بھی آ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور جب عبداللہ اشتر بھی قتل ہو گئے۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ یہیں مقیم رہے (تاریخ سندھ عبدالحلیم شرر طبع اول دلگداز پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء صفحات ۵۶-۵۸-۵۹-۱۳۰ ج ۲)

علاوہ بریں ممالک مغرب میں ان دنوں دستور پڑ گیا تھا کہ جس علوی شہزادہ کو اپنے دعویٰ میں ناکامی ہوئی سیدھا ادھر سندھ کا راستہ لیا۔ کیونکہ ان کے لئے اس سے بہتر کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی۔ لیکن باوجود اس کثرت آمد و رفت کے یہ لوگ یہاں پناہ گزین کی حیثیت سے رہتے تھے۔ اور موجودہ حکمرانان سندھ۔ گو اپنے ملک میں پناہ دیتے تھے۔ مگر حکومت پر دعوت بنی فاطمہؓ کا کوئی اثر پڑنے نہیں پایا۔ چنانچہ ذکر ہے کہ منصورہ دار الخلافہ سندھ میں عمر بن عبداللہ فرمانروا کے دو بیٹے ایک محمد اور ایک علی تھے۔ اور چونکہ یہاں کثرت سے حضرت علیؓ کی نسل کے لوگ موجود تھے لہٰذا ان علوی شیوخ میں زیادہ شمار ان لوگوں کا تھا جو اپنے آپکو فرزند محمد بن علیؓ کے خاندان سے بتاتے تھے۔ اسلئے عمر بن عبداللہ ہباری

[علہ] یعنی از نسل زید بن علی الحسینؓ کی نسل و پیروان کا

کی نسل بھی ان محترم نسل والوں میں مل گئی۔ (تاریخ سندھ مذکورہ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ ج ۲)

ایک اور روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مسعودی مورخ کے عہد میں بہت سے عربی سردار جو محمد رسول اللہ صلعم کے ابن عم علیؓ کی نسل میں والئے منصورہ کی رعایا میں موجود تھے۔ لہٰذا انہیں اطراف سندھ کے سیدوں اور علویوں کا پتہ مل رہا ہے اور لگانا چاہئیے (تاریخ سندھ صفحہ جلد ۲)

ایک اور تاریخی روایت ملاحظہ ہو کہ جب ہشام حاکم سندھ فتح کشمیر سے واپس آکر قندابیل میں پہنچا۔ یہاں فتنہ پرداز عرب تھے (دیکھ بہادر) جنکے ہاتھوں والیان سندھ کو اکثر پریشانی میں گذرتی تھی۔ ہشام نے ان بغاوت کیش مفسدوں کو جلا وطن کر دیا۔ اس گروہ کے متعلق مسٹر ایٹ نے لکھ دیا ہے کہ یہ لوگ غالباً جناب امیر کی (یعنی علیؓ) نسل سے تھے۔ لیکن مصنف کتاب نے لکھا کہ مسٹر ایٹ کی بات بے اصل ہے۔ اسلئے کہ ہشام بنی فاطمہؓ کا طرفدار تھا۔ اس کے عہد میں ان لوگوں کو ضرر پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔ اس روایت کے یہاں لانے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر وہ فرد جسکو ہشام نے جلا وطن کیا تھا۔ امیر (حضرت علیؓ) کی نسل سے نہیں تھا۔ یا نہیں ہوگا۔ مگر تاہم یہ تو پتہ لگ سکتا ہے کہ وہاں حضرت علیؓ کی نسل کے لوگ موجود تھے۔ اور یہ روایتیں اس پہلی روایت کی تائید مزید کرتی ہیں۔

> گو میرے پاس مسٹر ایٹ کے نظریے کو بحال رکھنے کیلئے نقل تو نہیں سوا اتفاقی دلائل ضرور ہیں کہ علوی النسل اپنی جدی شان وشوکت کو بحال رکھنے کیلئے جہاں بھی تھی اپنی بہادری حریت خیالی کا مظاہرہ کرتی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ حاکم سندھ نے باوجود علویوں کے طرفدار ہونے کے بعض افراد کو امن قائم کرنیکی مصلحت وقتی کے تحت کہیں کسی عرصہ کیلئے نکال دیا ہو۔

ایک اور روایت علویوں کی سندھ میں کھپ کی ملاحظہ ہو۔ اور ان عمرؓ بن علیؓ کی نسل سے بعض اشخاص ابتدائے عہد اسلامی میں ملتان پر حاکمانہ اقتدار بھی رکھتے تھے۔ (رحمۃ اللعالمین سلمان منصورپوری صفحہ ۲۶۳ ج ۲۔ وعمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب بحوالہ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۸۰)

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں صاحب غور وفکر وتدبر کیلئے باور کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ علوی محمد بن الحنفیہؒ و عمر بن علیؓ کی اولاد سے صوبہ سندھ، ملتان وغیرہ میں قدیم الایام سے ہی وہاں آباد تھے۔ اور جب تک کسی دوسری تاریخی روایات اور مدلل بیان سے وہاں سے انکی نقل مکانی یا گمشدگی ثابت نہ ہو جائے، ہم سندھ کے فاطمیوں، علوی محمدیوں اور علوی عمریوں کے داخلہ سندھ میں مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں عہد عبداللہ اشتری کو جو کہ اپنے باپ محمد اور چچا ابراہیم کے قتل سے کچھ

ہی پہلے ۱۳۵ھ سے براہ سمندر وخشکی از راہ اول و دوئم صوبہ سندھ میں آئے۔ تھا کچھ کم وبیش ساتھ ساتھ بروئے دلائل یقین رکھتے ہیں۔

البتہ یہ دوسری بات ہے۔ کہ جو علوی ہرات، غزنی سے براہ خشکی جنھوں نے سلطان سبکتگین کے عہد اور بعد ازاں اُس کے بیٹے محمود غزنویؒ کے عہد میں قدیم ہند میں اپنے کنبہ ولشکر کیساتھ داخل ہوئے۔ اور جہاد کی لڑائیاں لڑے۔ اعوان کا خطاب پایا۔

سابقہ شمال مغربی سرحدی صوبہ و پنجاب کے اضلاع، کیمبل پور، ہزارہ و پشاور، شاہ پور، جہلم راولپنڈی، میانوالی وغیرہ میں پھیل کر بڑھے۔ ان سیدوں اور علویوں۔ حقیقی ہوں عباسی یا عمری کا داخلہ دوسرا تصور کیا جاتا۔ ایک شاندار کارنامے وخطاب وراستہ ونیابت ہند کی وجہ سے ہو تو ہو۔ ورنہ ہر دو راستوں سے الگ الگ اوقات میں سید اور علوی دوش بدوش پہلے جنوبی سندھ اور شاہراہ جنوب سے اور پھر صوبہ شمال مغربی دروں سے کابل پشاور سے ہوتے ہوئے جنوب کو بڑھے و پھیلے۔

علویوں و سادات بنی فاطمہؓ کی آمد ہرات

حسینؓ کی شہادت کے بعد بنی فاطمہؓ (سادات) اور باقی اولاد حضرت علیؓ جو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے علاوہ دوسری بیویوں سے تھی سادر جو واقعہ کربلا سے بچ رہی۔ دمشق لے گئے۔ دمشق سے بعض کو مدینہ منورہ اور بعض کو مصر پہنچایا گیا اور جو حسینؓ کیساتھ کربلا میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ وہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور ہی کے گرد رہا کرتے تھے جب اہل مدینہ کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا تو ان سادات اور علوی خاندان کو بھی وہاں سے دوسرے ممالک میں جانا پڑا۔ باقی جو سادات کرام اور علوی عرب یا مصر یا کسی نزدیک جگہ رہتے تھے۔ بعض حجاج بن یوسف کے ہاتھوں تنگ کر ۸۵ھ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر ترکستان اور ایران چلے گئے۔ مصر میں ۱۳۵ھ میں قتل عام

ہوا۔ حتیٰ کہ صحابیؓ۔ سادات (بنو فاطمہؓ)، علوی شیخ عام شہید ہوئے۔ سو وہاں سے بھی اس واقعہ کی بناء پر ایران اور طوس کے مقام پر علی رضاؒ جو چھ واسطوں سے حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے چلے گئے۔ جو خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ وہیں ان کا مزار تھا طوس کا نام اسی وجہ سے مشہد مقدس کے نام سے مبدل و مشہور ہو گیا۔ اور پھر پچھلے اوراق میں سلسلہ جنگوں کا جو نقشہ سامنے آ گیا ہے۔ اور تاریخ سندھ سے بحوالہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ جسکو اپنی ان لڑائیوں میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا وہ خواہ مخواہ دور دراز سرحدوں پر روپوشی اور پناہ گزین ہونے کیلئے چلا جاتا۔

پھر ملک ترکستان، خوارزم، بخارا، ہمدان، بغداد، عراق، عرب اور ترکستان کی سرحد ہے۔ اور فارس کے گرد و نواح کوہان، بشیر از وغیرہ شہروں میں مقیم ہو گئے۔ کبھی بنو امیہ اور عباسیہ دونوں کے دور کے بادشاہوں نے مصلحت دنیوی کے پیش نظر قریب کر کے حاکم بنا دیئے۔ اور کبھی دھتکار دیئے گئے۔ گزشتہ اوراق میں ان باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض حنفی علوی بنو امیہ کے عہد حکومت اور بعض عباسی خاندان کے دور سلطنت میں خراسان چلے آئے اور ہرات وغیرہ کے اطراف و جوانب میں قرار پکڑا۔ چنانچہ اب بھی وہاں کے گرد و نواح میں علوی قوم کثرت سے آباد ہے۔ (حیات سلطان باہوؒ ص ۱۵ تاریخ اقوام پونچھ و تاریخ الاعوان شیر محمد خان ص ۳۰) اور وہاں ہی سے پھر بعد فتح پنجاب و سندھ کوہ سلیمان اور کشمیر کی طرف نکل آئے۔ بلکہ کہا گیا کہ بھیس، نام و قومیت بدل بدل کر جنگلوں کی طرف رخ کیا۔ اور پہنچے۔

دشتِ کربلا کے بعد اکثر سادات بنی فاطمہؓ عبادت و گوشہ نشینی میں بسر کر لیتے۔ باقی علویہ[1] جس جگہ جاتے حتی الامکان اپنی خاندانی حشمت اور امارت کے مدعی ہو جاتے۔ اسی طرح ایران سے جب خراسان آئے تھے تو قبیلہ ہاشمی علویہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ مہاجر، انصار اور علوی تین چار پشت تک ہرات کی ریاست میں رہے۔ ہرات پر شاہ حسین علوی مسند نشین ہوا تھا۔ اس کا بیٹا امان شاہ اپنے باپ کے بعد مسند نشین ہوا۔ جو سادات بنو فاطمہؓ کی بہت اعانت کیا کرتا تھا۔

[1] اولادِ علیؓ از دیگر ازواج۔

علویوں کی آمد ہند و شمولیت در جہاد ہند در عہد خاندان شاہان غزنویہ (سابقہ) سبکتگین و محمود غزنویؒ

اعوان کے خطاب کی ابتدا کا بیان

از راہ شمال مغربی سرحدی صوبہ قدیم

مکتفی باللہ خلیفہ عباسی بغداد کے عہد میں بخارا میں سامانی خاندان کے فرمانرواؤں نے حکومت قائم کر لی تھی۔ سنہ ۲۶۱ھ و سنہ ۳۸۹ھ تک مسلسل عباسی خلیفوں کی طرف سے ماوراء نہر (ترکستان) وغیرہ پر قابض ہوئے۔ مرکز میں خلیفوں کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ اور وہ خود خلافت کا دم بھرنے والے حکام صوبہ جات کو عارضی سندات امارت وغیرہ دیتے تھے۔ اور بعض حکام صوبہ بھی اپنی حکومت کے قدر بڑھانے کیلئے سند کے خواہاں و آرزو مند رہتے تھے۔ خراسان کی حکومت بھی ہاتھ آئی اور خراسان بخارا کا ایک صوبہ بن گیا۔

عبدالملک سامانی بادشاہ بخارا کے عہد میں الپتگین غلام ترقی پا کر خراسان کا گورنر ہوا۔ بخارا کے بادشاہ کے جانشین بنانے کے منظر نیے پر اس کا کچھ اختلاف ہوا۔ اور خراسان سے غزنی آ کر خود مختار حکومت قائم کر لی۔ اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ جو جلد مر گیا۔ تو الپتگین کا داماد سبکتگینؒ حاکم غزنی مقرر کر دیا۔ سبکتگینؒ نے اتنا عروج حاصل کر لیا کہ خود شاہ بخارا اپنی خانہ جنگیوں میں ان کے دست نگر اور امداد کے خواہاں ہوئے۔ اور اس سے پہلے وہ الپتگین وغیرہ کو غاصب سمجھتے رہے تھے سندِ امارت غزنوی و خراسان سبکتگین کے حوالے کر دی گئی۔

سبکتگین نے ہرات میں مقام کیا۔ جہاں علوی بھی پہلے سے سمٹ سمٹا کر اس آخری سرحد پر جمع ہو کر ہرات کی قیادت و سیادت سنبھالے ہوئے تھے جن کا ذکر کچھ اختصار پہلے گزرا ہے۔ سبکتگین نے کئی بار بادشاہ بخارا کی امداد پر لشکر کشی کی۔ اور اسطرح

دو بار ہندوستان قدیم پر اشاعت اسلام کیلئے رخ کیا۔ جس کا محرک خود راجہ جے پال
والئے لاہور بنا۔ جبکہ سلطان سبکتگین نے افغانوں کے سرداروں سے ملکی انتظام کرالی
اور راجہ جے پال کو یہ بات ناگوار گذری۔ کیونکہ یہ افغان قبائل حد فاصل مابین حکومت
غزنی و لاہور واقعہ ہوئی تھی۔ اور راجہ جے پال پیشقدمی کے طور پر کابل پر چڑھ آیا
علویوں نے جو آگے چل کر اعوان کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ سلطان سبکتگین کے
عہد ہی سے بخارا اور ہند قدیم کی جنگوں میں شرکت کی۔

گو سندھ میں مسلمان باقی تھے۔ مگر اس وقت کے ہندوستان سندھ میں اسلام کا نام و نشان
بالکل نہ رہا تھا۔ مرکزی خلافت کمزور ہونیکی وجہ سے ہند و سندھ میں باجگزار مسلمان حکمران آتے
چھینتے رہے۔ مگر کلیۃً مسلمان سندھ سے خارج نہیں ہو سکے تھے۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ مصر کی
طرف اسمٰعیلیہ، عبیدی، فاطمین کی حکومت برسر اقتدار تھی۔ اور سندھ میں بھی اسماعیلیہ باطنیہ
صدر مقام شمال میں ملتان تھا۔ اور جنوب میں منصورہ جو علیحدہ ریاست تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کے حوصلے
مصر کی بدولت بڑھ گئے تھے۔ مگر مصریوں نے کبھی سندھ یا ہند قدیم پر حملہ نہیں کیا۔ شاہان غزنویہ کے
عہد میں یہی اسماعیلیہ لوگ سندھ و ملتان کے حاکم تھے۔

سلطان سبکتگین کی پہلی لڑائی راجہ جے پال سے ۳۶۷ھ/۹۷۷ء نواح کابل جلال آباد کے قریب لمغان
میں ہوئی۔ اور خونی برف میں پھنسنے کے باعث راجہ نے صلح کر لی (اور یہ وہی گھاٹی ہے۔ جہاں ۱۸۴۲ء میں
انگریزوں کی فوج بھی برف میں پھنس جانے کے باعث ہلاک ہوئی (تذکرہ مجاہدان اسلام صفحہ ۲۰۸)
سلطان کی فوج نے اٹک تک تعاقب کیا۔ صلح تاوان ادا کرنے کی شرط پر ہوئی تھی۔ گویا سابقہ صوبہ سرحد
کے ضلع پشاور و علاقہ میں پہلا مجاہد فی سبیل اللہ سلطان سبکتگین ہوا۔ اگرچہ تاریخوں و کتابوں میں بھی
یہ قول مذکور ہے۔ مگر مجھے اس راستے سے حملہ کرنیکے سلسلہ میں پہلے ہونے کے قول میں تردد ہے۔ کیونکہ
اسلئے کہ ۴۴ھ میں امیر معاویہؓ کی اجازت سے مہلب نے اسی راستے سے کابل اور ملتان کے درمیانی
علاقوں پر حملہ کر کے مال و اسباب لیکر لوٹا۔ اور اس سے پہلے دریائے مکران (موجودہ بلوچستان) کی
طرف سے پاک و ہند میں داخل ہو کر حملے کئے گئے ہیں۔ (تاریخ اسلام عبدالرحمٰن شوق امرتسری صفحہ ۱۵۱)
البتہ ۳۶۷ھ کے بعد جو حملہ اس راستے سے ہوا وہ سلطان سبکتگین کا پہلا حملہ تھا۔ جسنے باقاعدہ اور
باضابطہ طور پر مسلمان فاتحین کیلئے شاہراہ عام کھولدی۔ اور قرآن و اسلام کی تبلیغ کا موقعہ سابق ہند میں
ہاتھ آیا۔

سلطان سبکتگینؒ کیساتھ نواح غزنی و ہرات کے علوی الاعوان بکثرت شریک ہوئے۔ اور ہندوؤں
کی بیشمار سپاہ کے مقابلہ میں بیس ہزار سے بھی کم مجاہدین غزنی کا گروہ یلغار کرتا ہوا اٹک تک آ
کر واپس ہوا۔ اور جب راجہ جے پال نے بد عہدی کی اور تاوان دینے سے انکار کیا۔ اکثر راجگان ہند
کی فوجیں حمایت میں لیکر دوبارہ غزنی کا رخ کیا تو سلطان سبکتگینؒ بھی پلٹ آیا۔ اور ایکبار پھر پشاور
میں ۳۷۸ھ کے بعد راجہ کو شکست دی۔ اور اٹک تک اسلامی علاقہ وسیع کر دیا۔

علویوں کو اعوان کے خطاب کی ابتدا و شمولیت جہاد ہند در عہد محمود غزنویؒ

یاد رہے کہ علویوں کو اعوان کا خطاب دینے و کہلانے میں متعدد قول بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں
کچھ تو اپنی جگہ درست و مطابقت رکھتے بھی نظر آتے ہیں۔ اور بعض غلط، مضحکہ خیز اور فرضی
ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ جب ہرات پر قبیلہ ہاشمیہ علویہ نے قبضہ کیا تو تخت ہرات پر شاہ حسین
مسند نشین تھا۔ اس کا بیٹا آمان شاہ اپنے باپ کے بعد مسند نشین ہوا۔ جو سادات بنو فاطمہ
کی بہت اعانت کیا کرتا تھا۔ کہا گیا کہ اس وجہ سے اولاد کا لقب اعوان ہوا۔
(حیات سلطان باہوؒ۔ حمید اختر۔ ص ۱۵۱)

(۲) دوسرا قول یہ ہے۔ اور جیسا کہ کچھ قطب کے اعوانوں کا بیان مشہور ہے۔ وہ علوی نسل سے ہیں
جو بنو امیہ کے بعد بنی عباس نے خلافت پر قبضہ کر لیا تو چونکہ ابتداء میں انہوں نے علویوں
ہی کی حمایت میں اقتدار حاصل کیا۔ اور اب وہ علویوں کو اپنا رقیب سمجھتے تھے۔ اور ان سے خطرہ
محسوس کرتے تھے۔ اسلئے تخت حاصل کرنے کے بعد علویوں کے دشمن ہو گئے۔ اور بہت سے علوی
عباسی خلیفوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہرات چلے آئے اور جب سلطان سبکتگین نے جے پال
کیخلاف فوج کشی کی تو ان علویوں نے اپنی خدمات پیش کیں اور سلطان سبکتگین نے انہیں اعوان
کا خطاب دیا۔ اور یہی انگریز مورخین نے اعوان کے خطاب کی ابتداء سلطان سبکتگینؒ کا عہد
ہی قرار دیا (رسالہ ماہنامہ الاعوان ماہ نومبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۹) (گلیسری آف دی ٹرائبز اینڈ کاسٹس
آف دی پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹرن فرانٹیئر پراونس کاسٹس۔ از کے۔ سی۔ ایس۔ آئی سر ڈینزل
ابٹسن حصہ دوم صفحہ ۳۷)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لقب اعوان سلطان محمود غزنویؒ پسر سلطان سبکتگین نے دیا ہے۔

اور یہی قول مشہور بھی ہے۔ اور اسکی یہ صورت ہوئی کہ راجہ جے پال نے مسلسل بدعہدیاں کیں
مخالفانہ حرکات سے باز نہ آیا۔ مستقل اندیشہ وخطرہ باقی رہا۔ دوسرے شمالی ہند قدیم میں
واعظین اسلام اور قرآنی منادی میں جنگی رکاوٹیں مانع تھیں۔ ادھر راجہ جے پال اور اسکے ہمنوا
راجاؤں اور حلیفوں نے محمود کیخلاف اتفاق کر لیا تھا۔ ان حالات میں بحکم آیت اِنْفِرُوْا
خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الآیۃ سورۃ توبہ پارہ ۱۰ ترجمہ:۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اللہ
کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔
طبل جنگ برائے جہاد ہند قدیم بجوا دیا۔ پھر غزنوی شہر تو غازیوں ہی کے نام سے
مشہور تھا۔ شائقین غزا ہر طرف سے آ آ کر جمع ہونے لگے۔

میر قطب حیدر معروف بہ قطب شاہ سالار بھی مثل اپنے اسلاف کی رسم کے اپنے کنبہ وقبیلہ
کے لشکر کے جہاد ہند کیلئے حاضر ہوئے اور محمودؒ غزنویؒ سے اجازت ملاقات اور شمولیت جہاد
ہند قدیم چاہی۔ سلطان محمود غزنویؒ نے بخوشی وخاطر اجازت دی اور کہا آپ لوگ میری
اعانت (مددگاری) کیلئے سر بکف آئے ہیں اسلئے میں آپکو اعوان کا خطاب دیتا ہوں[1]۔
(تاریخ الاعوان شیر محمد خان ص ۳۳-۳۴) اور یہی صاحب میزان قطبی علوی نے کہا ہے
(بحوالہ باب الاعوان ص ۱۳۱ طبع سوم بحوالہ تاریخ علوی)

سلطان محمودؒ غزنویؒ کے باپ سبکتگینؒ کے عطا کردہ لقب اوّل اعوان (مددگار)
کے لفظ کی یاد تازہ کی بسلطان سلاطین کے منہ سے پے درپے نکلا ہوا بیساختہ لفظ
مستقل صورت اختیار کر گیا۔ جس طرح سلطان محمودؒ غزنوی کا یہ قول سومنات کا
مندر توڑنے کے وقت منہ سے نکلا ہوا لفظ ۔ میں بت فروش نہیں بلکہ بت شکن کہلانا
چاہتا ہوں۔ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کیلئے زینت بن گیا۔ اسی طرح علویوں کے گروہ
کیلئے آئندہ ہمیشہ انمٹ حقیقت کی بناء پر اعوان مشہور ہوا اور کہلایا جانے لگا۔ عام
اصطلاح میں اعوان کا شمار اور اطلاق محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد پر ہو گیا۔ اور تبعیت میں

[1] محمودؒ کے عہد میں یہ تو دنیں کو مختلف ہے کہ کونسا عہد پیدا ہوا۔ اسلئے یہ سن تعلیم کا اداشتہ ہے۔ یہ تاریخ گرفت
[2] میرے نزدیک اعوان کا خطاب میر قطب حیدر سے بھی پہلے کا عطا کردہ ہے۔ جیسے کہ پہلے گذرا۔ اور
شاید یہ تجدید خطاب ہو۔ مصنف۔

دوسرے برادران کی اولاد پر بھی بولا اور سمجھا جانے لگا۔ (۴) قول چہارم۔ جو خفیف وضعیف اس باب میں ہے
اس اعتبار سے آیا ہے۔ کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے ——— واما الاعوان فکونهم
من اولاد عون ابن یعلیٰ۔ یعنی لفظ اعوان کا اس قوم پر عائد ہو گیا ہے۔ کہ وہ اولاد عون ابن یعلیٰ
سے ہیں۔ اور عون پیدائشی نام تھا۔

میری عادت سی بن گئی ہے کہ میں ایک عنوان میں جتنے قول میری نظر میں پڑتے ہیں قارئین
کرام کو روشناس کرانے کیلئے لکھ ڈالتا ہوں۔ تاکہ وہ خود بھی عقل وفکر و درایت کی کسوٹی پر
پرکھ کر قبول یا رد کرنے کی صلاحیت وغیرہ پیدا کریں۔ ورنہ قول سوم اسبارے میں وزنی اور
اور شہرت عامہ کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔ بعض روایت میں عون ابن الحنفیہؒ کی نسل سے
اعوان کہلانے لگے (تاریخ حیدری ص ۳۰) اور یہی ظاہر ہے۔

(۵) پانچواں قول ہری کرشن کول کا ہے۔ کہتا ہے کہ اصل میں سنسکرت کا لفظ خالص "آوان"
ہے۔ جسکے معنی محافظ کے ہیں۔ بیرونی ملکوں سے مدافعت کرنے کے باعث ہندوؤں کے عہد میں
آوان کہنے لگے (یہ قول اعوانوں کو ہندی الاصل ثابت کرنے کیلئے وضع کیا گیا۔ بیان آگے آئیگا
(۶) چھٹا قول پروفیسر گلشن رائے کا ہے کہ پنجاب کے اعوان قبائل کو آوان کہتے ہیں۔ آوان کا لفظ
اَوَن یا اَیوَن سے مشتق اَونتی کے راجہ سے ہے۔ پس اعوان اُن سے ہیں۔ اور یہ باطل ہے۔
(۷) ذاتیں اور قبائل کا مصنف اعوان یا آوان کو آمان کی بگڑی ہوئی صورت خیال کرتا ہے اور
اس سلسلہ میں دو روایتیں بیان کرتا ہے "کہ جب زبیرؓ حسنؓ کیساتھ روانہ ہوئے۔ تو انہوں نے
اپنی حاملہ بیوی کو حضرت زین العابدینؒ کی آمان میں چھوڑا۔ اور اس سے ان کے لڑکے کی اولاد
امان یا اعوان کہلائی ہے۔ دوسری روایت کہ قطب شاہ کے لڑکے کی اولاد نرینہ نہیں بچتی تھی
بچپن میں فوت ہو جاتی۔ ایک بزرگ نے کہا کہ اب کی بار لڑکا پیدا ہو تو کمہار کی بھٹی میں بطور
امانت رکھ دیں۔ انشاء اللہ صحیح سلامت رہے گا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بھٹی پک چکی برتن نکالے
گئے اندر سے بچہ صحیح سلامت برآمد ہوا۔ چونکہ وہ آگ میں خدا کی امان میں تھا۔ اسلئے اسکی اولاد
کو امان یا اعوان کہتے ہیں۔ بعض روایت میں قطب شاہ کے خیمہ کو خیمہ امان کہتے تھے۔ اس سے
آوان ہو گئے" (تاریخ حیدری ص ۳۰)

غرض اعوان نام وخطاب خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ سادات نے دیا ہو سبکتگینؒ نے یا
محمود غزنویؒ کا عطا کردہ ہو۔ بہت پرانا لقب ہے جسکی تاریخ کی ابتدا چوتھی صدی سے شروع
ہوتی ہے۔ اور پھر ہند قدیم میں آباد اور رہائش اختیار کرنیکے بعد کئی علویوں کی بجائے

[1] میزان ہاشمی۔ میزان قطبی۔ خلاصہ جناب محمود باب الاعوان ص ۱۳۱

اعوان کہلانے لگ پڑے۔ صاحب باب الاعوان ص ۳۷۔ ۱۳۴ میں اعوان کی آمد پانچویں یا چھٹی صدی میں منحصر کرتا ہے جو بلحاظ واقعات تاریخی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں جو روایات آخر پر وارد ہوئی ہیں وہ ضعیف، بودی اور کمزور ہیں۔ اور کسی حالت میں بھی عقل و نقل کی کسوٹی پر درست ثابت نہیں ہوتیں۔ اور یہ روایات مسلمانوں کو ہندی الاصل بنانے کی غرض سے وضع کی گئی ہیں۔ قابل رد ہیں التفات نہیں۔

تقریباً گیارہ نہیں بلکہ چودہ سو سال گذر چکے ہیں یہ نام اُن کے کام و کردار کے لحاظ سے لیکر محمود غزنوی کے عہد تک نمایاں مناسبت رکھتا تھا اور پھر سلطان سبکتگین اور محمود غزنویؒ کے ہمراہ خصوصاً آخری معرکہ سومنات میں بھی بہادری و شجاعت کی انوکھی مثال قائم کردی۔ جب سلطان بعد فتح واپس غزنی چلا گیا تو اعوانوں کے کچھ خاندان یہاں ہی مغربی پاکستان کوہستان نمک وغیرہ میں اقامت گزیں ہوگئے۔ دوسرے قبیلوں پر اقتدار حاصل کیا۔ اب تک اس علاقہ کے اعوان اپنے آپکو بادشاہوں کی اولاد سمجھتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ " ملک " یعنی بادشاہ کہلواتے ہیں۔ اور پھر آگے چل کر بابر وغیرہ کے عہد میں ہندوستان قدیم کے فتح کرنے میں مدد دی (بیان آگے آئیگا)

یاد رہے کہ مولوی نورالدین صاحب چھٹان مصنف زاد الاعوان وغیرہ اپنی کتاب زاد الاعوان کے صفحہ ۱۱۵۔ ۱۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں اور متعدد مقامات پر یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں کہ سلطان کے لشکر میں افغان کو مانتے ہیں۔ اور نو سرداروں کا نام ذکر کرتے ہیں کہ افغان سرحد پر آباد کئے گئے"۔ اور کہ اسی فرقہ (یعنی افغان) کی ہمت و مدد سے ہندوستان فتح ہوا۔ اعوان لوگوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہم نے ہندوستان فتح کیا۔ اور ہم اس ملک میں نائب رہے! بہ نظر عمیق ان کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم و مترشح ہوتا ہے کہ وہ اعوانوں کی فتح ہند بمقابلہ افغانوں کے ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور دبی زبان سے نہیں بلکہ برملا انکار کرتے ہیں لیکن ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکے بعد پھر وہ اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر امیر ساہو سالار کے نائب سلطنت ہونا تسلیم کرتے ہیں اور علوی خلفیوں کی آمد و کثرت کا ذکر کئی دیگر مقامات پر خود کرتے ہیں۔ آخر یہ ہند سابق کب اور کیوں آئے تھے ؟ اور یہ حیران کن تضاد ہے۔ ہمیں اس کب انکار رہے کہ افغان سلطان غزنویؒ کے ساتھ جہاد کیلئے ہند کو آئے ہی نہیں ہونگے ؟ ہر کنبہ و قبیلے کے اپنے اپنے لشکر ہوا کرتے تھے۔ البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ محمود غزنویؒ کے دور میں جو قیادت

و سپاہ ت میر سالار ساہو و سالار قطب شاہؒ کو رہی خصوصاً جہاد ہند پر لشکر کشی کے موقعہ پر وہ کسی دوسری قوم یا سرداروں کو حاصل ابتداء نہیں رہی ہے۔

لفظ اعوان یا آوان کی تحقیق

لفظ اعوان کی کتابت اور معنی میں مختلف اقوال آئے ہیں۔ اسلئے بیان و وضاحت ضروری ہے۔

(۱) ایک یہ کہ (ا ع و ا ن) لفظ ہی درست ہے۔ آوان سے کتابت غلط ہے۔
(۲) دوسرا یہ کہ (اعوان) ہو یا (آوان) دونوں طرح سے کتابت درست ہے۔
(۳) تیسرا یہ کہ اعوان سے کتابت غلط قرار دی ہے۔

پہلے قول کی روشنی میں صاحب تاریخ الاعوان کالا باغ اپنی کتاب کے ص ۲۸ پر لکھتے ہیں کہ کاغذات مال میں عام طور پر لفظ آوان لکھا جاتا ہے جو غلط ہے۔ ہندوستان قدیم کے باشندوں نے شروع شروع میں صوتی مناسبت سے آوان کہا ہوگا۔ چونکہ ہندی زبان میں " ع " کوئی لفظ نہیں۔ غلط العام کثرت استعمال کی وجہ سے جائز و گوارا معلوم ہونے لگ گیا۔ اور کاغذوں میں آوان درج ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظاً بے معنی ہے۔ اسکی صحت کے لئے اجتماعی مطالبہ ضروری ہے۔

دوسرے قول کی تائید میں مولوی نورالدین مصنف باب الاعوان صفحہ ۱۴۲ بار سوم پر لکھتے ہیں کہ اکثر اہل تاریخ و اہل انساب لفظ " اعوان " لکھتے ہیں اور بعض اہل تاریخ و نساب لفظ " آوان " لائے ہیں۔ یعنی الف ممدودہ اور عین کو دور کرکے آوان لکھا ہے۔ اور آئین اکبری زبان فارسی مطبوعہ نولکشور مؤلف شیخ ابو الفضل وزیر اکبر بادشاہ نے بھی تحصیل تلہ گنگ کو " آوان محل " کے نام سے لکھا ہے۔ اور اسی آئین اکبری میں مالکان لدھانہ اراضی آوان و راجپوت لکھے ہیں۔ اور آئین اکبری سے پہلے لودھیوں کے زمانہ میں مؤلف تاریخ لدھیانہ آوان کا آباد ہونا ثابت کرتا ہے۔ اور کوہستانی علاقہ نمک میں یہ قوم آباد ہے۔ اس علاقہ کو قدیم سے " آوان کاری " کہتے چلے آئے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ بعض کتب میں اعوان لکھا ہے۔ یعنی الف کو ساقط کر کے عین مجو کر لکھ کر یوں بتایا ہے کہ یہ قول منسوب ہے عون بن علیؓ کے اور آوان الف کے ساتھ لکھا ہے۔ (باب الاعوان ص ۳۳ بار سوم مذکور) اس قول کو مصنف نے رد کیا کہ عون بن علیؓ جملہ سہو کاتب یا لغزش قلم مصنف ہے۔ اصل میں عون بن یعلیٰ صحیح ہے۔ اور عون بن علیؓ کی اولاد نہیں ہوئی۔ غرض مطلب ان کا یہ ہے کہ جمہور اعوان یا آوان لکھتے آئے ہیں۔ اور "اعوان" کو جمہور کی تقلید میں مقرر یعنی پسندیدہ و صحیح کہا ہے۔ اور اعوان کے زیر کے معنی یاران و مددگاران بیان کیا ہے، جو عون کی جمع ہے۔ (از کنز و منتخب و لغات متفرقہ) اور آوان کے معنی بالف ممدودہ اوقات بیان کیا ہے (از کشف شرح مرزا نور اللہ برگلستان۔ بحوالہ باب الاعوان)

(۳) تیسرے قول کی روشنی میں ہری کرشن رائے کول کی رپورٹ مردم شماری میں اعوان کو ہندی الاصل ثابت کرنے کی غرض سے ظاہر کیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ "ع" سے کتابت اعوان کی غلط ہے۔ اصل میں سنسکرت کا خالص لفظ "آوان" ہے جس کے معانی محافظ کے ہیں۔ بیرونی حملوں سے مدافعت کے باعث ہندوؤں کے عہد میں آوان کہنے لگ گئے۔ اور مسلمانوں کے عہد میں قطب شاہ کی تبلیغ کی وجہ سے اسلام لائے اور قطب شاہی آوان کہلانے جانے لگے۔

اسی طرح پروفیسر گلشن رائے بھی پنجاب کے اعوان قبائل کو آوان کہتے ہیں۔ صفات دفاع کی بنا پر پرانے جنگجو ہندوستانی آدمیوں کی طرح ہیں۔ اور آوان کا لفظ آون یا آیون سے مشتق ہے۔

یہ سب جملہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہ خواہ لفظ اعوان یا آوان دونوں طرح کتابت اور معنی کے لحاظ سے درست تصور کئے جائیں۔ یا ان میں سے کسی ایک کو غلط اور دوسرا درست مانا جائے۔ بعض مؤرخوں نے کتابوں میں اعوان لکھا ہو یا آوان۔ قلیل یا کثیر نے اعوان لکھا ہو یا آوان۔ پرانی کتابیں ہیں یا جدید میں اعوان یا آوان ہو۔ آوان کل لکھا ہو۔ اور آوان کا رد کیا۔ انگریزوں نے کاغذات مال میں آوان لکھا ہو یا دیسی پروفیسران صاحبان نے آوان لکھا ہو یا کہنے پر زور دیا ہو۔ آمان کی کوئی صورت ہو یا کچھ اور۔ روایات صحت کو پہنچیں یا غلط (اور غلط تو بہر حال غلط ہی ہوتی ہیں) میں تو یہ کہتا ہوں اور بدلائل کہتا ہوں کہ اعوان حضرت علیؓ کی ان دوسری بیویوں کی اولاد سے مختص ہو گئے ہیں۔ جو سوائے فاطمۃ الزہراؓ کے تھیں۔ خواہ حضرت علیؓ کے بیٹے

ملہ یہ صاحب باب الاعوان کا وہم ہے۔ عون بن علیؓ کی اولاد نہ ہونے سے عون بن یعلیٰ کیسے صحیح سمجھ لیا گیا یا تعین کر دیا گیا۔ مصنف۔

محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے ہوں یا حضرت علیؓ کے دوسرے بیٹوں عباسؓ علمبردار یا عمر اطرفؒ کی اولاد سے ہوں۔ یا حضرت علیؓ کی جس اولاد سے شجرہ نسب ملا سکتے ہوں یا منسوب کرتے ہوں۔ خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں یا کسی اور عرب و عجم کے ملکوں میں ہوں۔ شجرہ انساب ان کے پاس ہوں یا نہ ہوں وہ عربی الاصل ہیں۔ ہند و پاک میں تو وہ اعوان اور بعض مقامات پر علوی کہلاتے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں علوی کہتے ہیں یا کچھ اور معلوم نہیں[ملہ]؟) اور یہی بیان متواتر چودہ سو سال اسکی تائید و تصدیق کے لئے کافی ہے۔ اور کتابوں کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ حالات و واقعات و دلائل اسی کے مؤید ہیں (اور کسی کے قوم بدلانے کے نظریے سے کوئی اصل قوم سے متبدل نہیں ہو سکتا) مزید کچھ بحث گوتوں کے ذکر اعوانہ میں دیکھیں۔ لفظ "اعوان" ہی عربی یعنی مددگار[ملہ] کے ہے۔ اور اعوان عون کی جمع ہے۔ اور یہی زیادہ وزنی اور قیمتی ہے۔

اور اگر سنسکرت میں اصل لفظ "آوان" محافظ کے ہے تو یہ لفظ قدیم عربی اور عربوں کی ملاقات سے سنسکرت میں مروج ہوا ہے۔ اور یہ حقیقت نفس الامر روبہ کار آجاتی ہے کہ عربی ہی ام الالسنہ ہے۔

یاد رہے کہ پاک و ہند میں متعدد گاؤں مخصوص اعوان نام کے ہیں۔ چنانچہ ابھی ابھی پاک و ہند کی جنگ میں ہندوالوں نے سب سے اول اعوان نامی گاؤں پر گولہ باری کی جو ضلع گجرات میں پاک سرحد پر ہے (ملاحظہ ہو اخبار روزنامہ جنگ بدھ ۲۵ اگست ۱۹۶۵ء) اور ایک امرتسر سے اٹھارہ میل دور اعوان نامی گاؤں ہے۔ اور ایک اخبار والے ٹی ڈھلے والا اعوان" مشہور ہوا جہاں کے باشندوں نے بھارت کی پاکستان کے خلاف جنگ کے دوران ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارتی فوجوں کو پسپا کرنے میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔

ملہ ایک دوست مسمی جلات خان صوبیدار کھڑی علاقہ تناول جو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں شیراز علاقہ ایران میں گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں سید علوی کہلاتے تھے۔

ملہ مراکو میں قاضی کے نائب افسر بھی اعوان کہلاتے ہیں۔ یعنی مددگار (تاریخ مراکو حصہ دوم ص ۶۵)

قطب شاہی اعوانوں کے مورث اعلیٰ

قطب شاہ کا بیان و شجرہ انساب

یاد رہے کہ قطب شاہ مورث اعلیٰ اعوانانِ پاک و ہند ایک معمہ، قابل غور اور حل طلب مسئلہ
ہے۔ جسمیں اختلاف رونما ہوا ہے۔ کہ یہ قطب شاہ کون ہیں؟ جتنے اقوال قوم اعوان کی طرف اب
تک اس سے پہلے منسوب کئے گئے ہیں۔ انکی تعداد پندرہ سے کم نہیں۔ اکثر و بیشتر اقوال صرف قطب
شاہ کے نام سے پیدا ہوگئے ہیں۔ لیکن سب سے اہم اور غیر متوقع سوال خود قوم اعوان میں جو
پا گئے ہیں وہ دو ہیں۔

(۱) ایک فریق نے کہا کہ یہ قطب شاہ علوی، بغدادی، عباسی، حنفی قادری از نسل عباسؓ علمدار
پسر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ جو یہ عباسؓ اسی قطب شاہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ جو
حسینؓ کے سوتیلے بھائی کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ اور اعوان قطب شاہی اسی قطب شاہ
کی اولاد ہونیکی وجہ سے قطب شاہی اعوان کہلاتے ہیں۔

(۲) دوسرا فریق۔ برعکس اسکے میر قطب حیدر بہ معروف سالار قطب شاہ کو قطب شاہی
اعوانوں کا جد اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ جو از نسل محمد بن الحنفیہؒ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ
تھے۔ اور یہ قطب شاہ ہرات غزنی سے محمودؒ غزنوی کیساتھ جہاد ہند میں شامل رہے۔
پہلے فریق نے جو سلسلہ نسب بیان کیا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ عون قطب شاہ
بن یعلیٰ، بن حمزہ ثانی بن قاسم، بن علی بن جعفر علوی، بن حمزہ اول، بن حسن، بن عبیداللہ بن عباسؓ
بن حضرت علیؓ بن ابیطالب (بحوالہ باب الاعوان)

دوسرے فریق نے جو قطب شاہ کا سلسلہ نسب ذکر کیا ہے حسب ذیل ہے۔
حضرت میر قطب حیدر :- بہ معروف قطب شاہ۔ بن عطاء اللہ غازیؒ۔ بن شاہ طاہر غازیؒ
بن شاہ طیب غازیؒ۔ بن شاہ محمد غازیؒ۔ بن شاہ عمر غازی۔ بن سید ملک آصف غازیؒ بن

شاہ بطل غازی۔ بن شاہ عبدالمنان غازیؒ بن محمد الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ اور ماسوائے
ان کے دیگر شجرے بھی ہیں جو آگے درج کرکے سامنے کئے جائیں گے۔ غرض ان دونوں قولوں کے
بیان میں الگ الگ کتابیں چھپکر شائع ہوگئیں۔

قبل اس کے کہ مندرجہ بالا ہر دو شجروں کی نسبت کچھ جائزہ لیا جائے یا بحث کی جائے آپکی
توجہ ایک تیسرے قسم کے شجرہ انساب کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ جو پہلی قسم کے شجروں سے
صرف نام وغیرہ کے تفاوت سے قدرے مختلف نظر آتے ہیں۔ اور وہ دراصل دوسرے قسم کے نسب
نامے کی جو محمد بن الحنفیہؒ سے ملتا ہے تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ ناموں اور پشتوں کے شمار میں
کمی بیشی کا فرق ہے۔ اسلئے وہ نئی قسم کے شجرے معلوم ہوتے ہیں۔ جنکی تعداد پہلی قسم کے ہر دو شجروں
سے زیادہ بھی ہے۔ اور جن کو قدرے معلوم کے درج کرکے مولوی نورالدینؒ نے اپنی کتابوں میں مسترد کر
دیا۔ باب الاعوان میں اس قسم کے شجرہ جات کی تعداد دس تک پہنچی ہے۔ جو کتاب میں نقل کئے،
اور کل پچاس عدد ایسے شجرہ جات تھے جن کا آخری سلسلہ نام حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے ملتا تھا لیکن
یہ شجرے باب الاعوان میں درج نہیں کئے گئے)

پہلے وہ شجرہ جات درج کئے جاتے ہیں جنکو صاحب باب الاعوان نے درج کرکے تنقید کی اور
رد کر دیئے گئے۔ بعد کو وہ شجرہ جات درج کئے جائیں گے جو خود مجھے بھیجے گئے یا میں نے انھیں خود
دیکھ کر نقل کیا۔ ان کے بعد کچھ تنقید و تحقیق ہوگی۔

شجرہ جات مندرجہ ذیل باب الاعوان کے ص ۷۰ سے شروع ہوکر ۸۱ پر ختم ہوتے ہیں،
وہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) بعض اعوان شجرہ نسب یہ روایت کرتے ہیں حضرت قطب شاہ۔ بن الف شاہ، بن امان
شاہ، بن دراب شاہ، بن زمان شاہ، بن بجور شاہ، بن نواب شاہ، بن عاق شاہ، بن سکندر
شاہ، بن محمد حنفیہؒ بن حضرت علی المرتضیٰ (کافی تاریخ علوی) تنقید:- اس میں سکندر شاہ کا
بیٹا ہونا محمد حنفیہؒ کا اہل عرب سے مروی نہیں ہوا۔ اور دوسرے اسماء الرجال بھی ان کی روایت
سے نہیں ثابت ہوئے۔ لہذا مسترد کر دیا گیا (باب الاعوان)

(۲) بعض اعوان شجرہ نسب یہ لائے ہیں:- میر قطب شاہ بن الف شاہ، بن امان شاہ۔ بن
دراب شاہ۔ بن زمان شاہ۔ بن بجور شاہ۔ بن نواب شاہ، بن عاق شاہ، بن سکندر شاہ بن شاہ زبیر
بن محمد حنفیہؒ بن علیؓ:- تنقید:- اس میں شاہ زبیر کا بیٹا ہونا محمد بن علیؓ سے بہ روایت عرب

صحیح نہیں۔ پس یہ نسب نامہ اعتبار سے ساقط ہوا۔ (باب الاعوان)

(۳) بعض نسب نامہ میں یہ منقول ہے۔ قطب الدین لقبہ قطب شاہ (کنیت ابو محمد جد اعلیٰ اعوان) ابن تمیل شاہ و نزد بعضے شاہ عقیل لقبہ نورالدین، کنیت ابو محمد آیا شاہ، بن شاہ حمید الدین لقبہ سیف الدین و بعضے حامد شاہ نیز گویند۔ کنیت ایشاں ابو علی بن اسمٰعیل لقبہ نورالحسن کنیت ابو حفظ بن محمد جعفر صادق لقبہ شرف الدین، کنیت ابو قاسم۔ وابو احمد بن قاسم علی، لقبہ شاہ علی کنیت ابو عبداللہ بن محمد عباس کنیت ابو اسماعیل بن علی اعریفی لقبہ نوراللہ کنیت ابوالحسن بن اسد علی لقبہ بدرالدین کنیت ابو تراب بن محمد حمزہ، بن محمد لقبہ فیض اللہ کنیت ابو علی بن محمد زبیر قاسم بن علی لقبہ ہاشم، اسد اللہ کنیت ابو طالب و ابو حمزہ بن محمد لقبہ حنفیہ و محمد اکبر کنیت ابو زبیر قاسم بن علی لقبہ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و جعفر و عبداللہ و ابراہیم موسیٰ و علی رضا و عیسیٰ ہماں برادران محمد زبیر قاسم بن محمد بن علی اند۔ ہکذا فی انساب جانندھر وغیرہ۔ تنقید:- پس اسمیں محمد زبیر محمد حنفیہؒ کا بیٹا ہونا کسی معتبر تواریخ سے منظر نہیں آیا۔ اہل انساب محمد زبیر کا ذکر پسران محمد اکبر سے بالکل نہیں کرتے۔ باقی اسماء الرجال کا بھی کچھ تذکرہ نہیں۔ اعتبار سے ساقط اور تصدیق نہیں ہوتی (باب الاعوان)

(۴) اور بعض اعوان یہ شجرہ لاتے ہیں:- ملک قطب حیدر شاہ جد اعوان بن الف شاہ، بن حبیب شاہ، بن امان شاہ، بن زبیر شاہ، بن طیب شاہ، بن محمد شاہؒ بن عمر شاہ، بن ملک آصف غازی، بن بطل غازی، بن عبدالمنان، بن محمد حنفیہؒ ابن علی رضی اللہ عنہ۔ تنقید:- اس میں جو ملک قطب حیدر شاہ آیا ہے یہ مسعود غازی بن امیر سالار علوی نائب سلطان محمود غزنوی کے ہمراہیوں سے ہے۔ انکی اولاد سے اعوان نہیں ہیں۔ اور سلسلہ نسب مذکور کا بھی گفتگو سے خالی نہیں (باب الاعوان)

(۵) اور بعض اعوان یہ شجرہ بیان کرتے ہیں:- ملک احمد خان قطب شاہ، بن الف شاہ بن حبیب شاہ، بن زبیر غازی، بن طیب غازی، بن محمد غازی بن عمر غازی، بن آصف غازی، بن بطل غازی، بن منان غازی، بن محمد شاہ غازی، بن شاہ اسد اللہ غازی۔ تنقید:- پس یہ شجرہ بھی صحیح نہیں۔ اور ملک احمد خان سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ایک سردار قوم افغان سے ہوا ہے نہ کہ علوی سے (باب الاعوان) (محمود غزنوی کے بلیہیں سردار افغان و علوی ہونگے۔ اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بنی افغان سردار مراد ہے) بلکہ برعکس وہ

ملک احمد خان قطب شاہ مراد ہیں، جن کے جد اعلیٰ محمد ابن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ ہیں۔

(۶) بعض اعوان یوں نسب روایت کرتے ہیں۔ کہ قطب شاہ بن عبد الرحمٰن، بن عبد الملک بن مظفر شاہ، بن منصور شاہ، بن انور شاہ، بن جلال الدین، بن محمود علی، بن عباس علی، بن احمد علی، بن امام حنیفؒ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ (کمافی نسب نامہ گوجرانوالہ وغیرہ) پس اسمیں احمد علی فرزند حنیفؒ کا ہونا اور دوسرے سلسلہ اسماء الرجال کا ہونا ثابت نہیں لہذا ساقط ہوا (باب الاعوان)

(۷) بعض اعوان کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ کہ قطب شاہ بن بیان شاہ، بن جلیل شاہ بن محمود شاہ، بن داراب شاہ، بن نواب شاہ، بن کرتار شاہ، بن فیروز شاہ، بن دادن شاہ بن عطا شاہ، بن احمد شاہ، بن خطیب شاہ، بن چنن شاہ، بیٹا محمد حنیفہؒ، محمد شاہ بن علی رضی اللہ عنہ، ہکذا فی نسب نامہ امرتسر وغیرہ۔ تنقید:- اس میں چنن شاہ بیٹا محمد حنیفہؒ کا ہونا کسی روایت عربی و فارسی سے وارد و مروی نہیں۔ اور یہ نام اہل عرب کے ہیں۔ لہذا اعتبار سے ساقط ہوا۔ (باب الاعوان)

(۸) اور بعض لوگ اس نسب کا شجرہ بتلاتے ہیں:- میر قطب شاہ بن میر بیان شاہ، بن میر جلیل شاہ، بن میر شاہ، بن میر داراب شاہ، بن میر عاقل شاہ، بن میر سکندر شاہ بن میر زبیر شاہ بن میر سرور شاہ، بن میر محمد اکبر شاہ بن میر علیؓ مرتضیٰ شاہ (تنقید) اسمیں سرور شاہ بیٹا محمد حنفیہؒ کا ہونا ثبت نہیں۔ اور سلسلہ اسماء الرجال کا بھی ردی ہے۔ (باب الاعوان)

(۹) بعض اس نسب کو مقرر کرتے ہیں، سید قطب عون شاہ، بن قاسم شاہ، بن شاہ اسمٰعیل، بن شاہ مظہر بن شاہ آدم، بن عبدالشکور بن عبد اعلیٰ بن امام حنیفؒ تنقید:- یہ بھی ردی ہے (باب الاعوان)

(۱۰) ایک روایت یہ ہے۔ میر عبداللہ قطب شاہ، بن عبدالرحمٰن بن نور علی، بن فضل علی بن محمد نعیم، بن شیخ سالم، بن میمون بن شرف شاہ بن محمد حنفیہؒ بن امام علی شیر خدا۔ یہ سلسلہ بھی تواریخ عرب سے نہیں ملتا۔ (باب الاعوان)

(۱۱) باب الاعوان نے عمر الاطرفؒ کے بیان میں یہ شجرہ لکھا ہے۔ اسلئے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ بعض اہل نسب یہ سلسلہ اعوان کا بیان کرتے ہیں:- ملک احمد خان قطب احمد بن قاسم خان بن امیر خان، بن فائز خان، بن دلدار خان، بن عبدالرؤف خان، بن محمد خان، بن حضرت

عمرؓ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ۔ اس پر سوال وارد کیا جاتا ہے کہ محمد اعوان کا
بیٹا عبدالرؤف و دلدار خان کسی جگہ نہیں آیا ۔ اور قطب الدولہ لقب بھی قطب شاہ عرب شاہ کا
ہوا پس اعوان عمرؓ کے نسب سے نہیں اور امیر اور فائز ۔ اور دلدار جو اسماء مذکور ہیں وہ
عربی نہیں ۔ شاید کسی نے بنایا ہو ۔ (باب الاعوان)

اس کے بعد بندہ ضعیف ان شجرہ انساب کا ذکر کرتا ہے جو مجھے ملے ہیں ۔ مندرجہ بالا ترتیب
کا شمار قائم رکھا گیا ہے ۔

(۱۲) بعض اعوان یہ شجرہ بتلاتے ہیں :۔ قطب شاہ بن الف شاہ ، بن امان شاہ ، بن حسین شاہ ، بن
محمود شاہ ۔ بن فیروز شاہ ، بن قطار شاہ ، بن نواب شاہ ، بن ضراب شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن انت
شاہ ، بن ایک شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن زبیر شاہ ، بن امام حنیفؒ صاحب بن حضرت علیؓ بن
ابی طالب ، بن ہاشم بن عبد المناف (از ملک محمد الطاف خان حال میرا آتلا تحصیل ایبٹ آباد
ضلع ہزارہ)

(۱۳) بعض اعوان یہ شجرہ پڑھتے ہیں :۔ قطب شاہ بن الف شاہ ، بن نواب شاہ ، بن دراب شاہ
بن حیدر شاہ ۔ بن انت شاہ ، بن سبک شاہ ، بن امان شاہ ، بن احمد شاہ ، بن حمید شاہ ، بن
سکندر شاہ ، بن سلطان شاہ ، بن زبیر شاہ ، بن امام حنیفؒ ، بن علی کرم اللہ وجہہ ، بن ابو
طالب بن مطلب بن ہاشم بن عبد المناف (آمدہ از مولوی عبد القادر جھیال علاقہ تناول پکھل
ضلع ہزارہ)

(۱۴) قطب شاہ بن امان شاہ ، بن محمود شاہ ، بن سلطان حسین شاہ ، بن فیروز شاہ ، بن کراب
شاہ ، بن نواب شاہ ، بن حضرت شاہ ، بن دراب شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن انت شاہ ، بن ایک شاہ
بن سکندر شاہ ، بن احمد شاہ ، بن محمود شاہ ، بن حمید شاہ ، بن محمد اکبر المعروف امام حنیفؒ
بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، بن ابو طالب ، بن عبد المطلب ، بن ہاشم بن عبد المناف ؛
(آمدہ از منگلور تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ)

(۱۵) قطب شاہ بن اعوان شاہ ، بن سلطان شاہ ، بن حسین شاہ ، بن فیروز شاہ ، بن قرطاس شاہ
بن نواب شاہ ، بن حضرت شاہ ، بن علیق شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن امام حنیفؒ بن حضرت علیؓ
(آمدہ از اوگرہ محمد یوسف درزی اوگرہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ)

(۱۶) بعض اعوان یہ شجرہ پیش کرتے ہیں :۔ قطب شاہ بن الف شاہ ، بن امان شاہ ، بن فیروز شاہ

بن سلطان شاہ ، بن حسین شاہ ، بن قطار شاہ ، بن نواب شاہ ، بن انت شاہ ، بن یک شاہ
بن احمد شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن امام زبیر شاہ ، بن محمد حنیفؒ بن علیؓ بن ابی طالب ؛ (از
خطیب ہری پور ہزارہ)

(۱۷) پیر قطب شاہ ، بن الف شاہ ، بن امان شاہ ، بن سلطان حسین شاہ ۔ بن محمود شاہ ، بن
فیروز شاہ ، بن پیر بہمن شاہ ، بن نواب شاہ ، بن دراب شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن انت
شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن احمد شاہ ، بن حمید شاہ ، بن حضرت امام حنیفؒ ۔ بن حضرت
علیؓ بن ابی طالب بادشاہ (آمدہ از صاحبزادہ عبد الحی بن قاضی شمس الدین سید پور یا
آزاد کشمیر حال گیروال ۔ پکھلی تحصیل مانسہرہ)

(۱۸) قطب شاہ بن الف شاہ ۔ بن امان شاہ ۔ بن سلطان حسین شاہ ، بن فیروز شاہ ۔ بن کراب
شاہ ، بن نواب شاہ ، بن دراب شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن شاہ انت ، بن شاہ ایک ، بن
شاہ سکندر ، بن شاہ احمد ، بن شاہ حمید ، بن محمد اکبرؒ پسر حضرت علیؓ (نقل از شجرہ محبوب
شاہ داتہ والا ۔ جو عبد القادر صاحب تورتہ علاقہ بالاکوٹ تحصیل مانسہرہ ہزارہ والا نے روانہ کیا)

(۱۹) قطب شاہ بن امان شاہ ، بن درجیان شاہ ، بن محمد شاہ ، بن بہوج شاہ ، بن فرمان شاہ ، بن
آوان شاہ ، بن امین شاہ ، بن الف شاہ ، بن حسین شاہ ، بن انت شاہ ، بن ایک شاہ
بن قطار شاہ ، بن دراب شاہ ، بن تراب شاہ ، بن نواب شاہ ، بن فیروز شاہ ، بن سلطان
شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن محمود شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن شاہ زبیر بن امام حنیفؒ بن حضرت
علیؓ بن ابی طالب ، بن مطلب الخ (از فقیر ملک اروڑہ ۔ اگرور ۔ تحصیل مانسہرہ ۔ ہزارہ)

(۲۰) عون قطب شاہ رحمتہ اللہ علیہ ۔ قادری بغدادی علوی حنفی معلی عباسی ہاشمی بن الف شاہ
بن حسین شاہ ۔ بن انت شاہ ، بن بجر شاہ ، بن ابق شاہ ، بن جز طباس شاہ ، بن دراب شاہ
بن طراب شاہ ، بن نواب شاہ ، بن فیروز شاہ ، بن سلطان شاہ ، بن سکندر شاہ ، بن محمود
شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن محمد حنیفؒ شاہ ، بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ (از حاجی محمد حیات
خان نوکوٹ پکھلی ۔ تحصیل مانسہرہ ۔ ضلع ہزارہ)

(۲۱) قطب شاہ بن الف شاہ بن امان شاہ ، بن محمود شاہ ، بن سلطان حسین شاہ ، بن سلطان
فیروز شاہ ، بن قطبال شاہ ، بن نواب شاہ ، بن واجب شاہ ، بن حیدر شاہ ، بن زیب شاہ
بن انت شاہ ، بن حبیب شاہ ، بن جبیر شاہ ، بن اقلیح (و زبیر) پسران حضرت علی کرم اللہ وجہہ

بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم بن عبدالمناف (کاغذ کہنہ)

(۲۲) قطب شاہ بن (اعوان شاہ، بن آمان شاہ، بن آوان شاہ) بن محمود شاہ، بن دارا
شاہ، بن محمد شاہ، بن پراوج شاہ، بن نواب شاہ، بن انتر شاہ، بن دبگر شاہ، بن اشار
سکندر، بن احمد شاہ، بن شاہ زبیر، بن حضرت علی شاہ، بن محمد حنیفؒ، بن حضرت علی
بن ابی طالب، بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف قریشی (کاغذ کہنہ)

(۲۳) قطب شاہ بن امام شاہ، حیدر شاہ، انت شاہ، مکہ شاہ، سکندر شاہ، احمد شاہ، حمید شاہ
محمود شاہ، امام حنیفؒ ولد حضرت علیؓ (از کاغذ کہنہ)

(۲۴) قطب شاہ بن امان شاہ، بن سلطان حسین شاہ، بن فیروز شاہ، بن محمود شاہ، بن زرک
شاہ، بن نواب شاہ، بن زراب شاہ، بن ادہم شاہ، بن علیق شاہ، بن جلیق شاہ، بن
سکندر شاہ، بن احمد شاہ، بن حجر شاہ بن محمد لقب امام حنیفؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(شجرہ نسب آمدہ از کہنیاں چھاپہ شدہ۔ اولاد محمد بن الحنفیہؒ مرسلہ از میاں احمد اللہ کا
خیل کہنیاں تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ)

(۲۵) شیخ قطب شاہ، بن شیخ امان شاہ، بن شیخ سلطان حسین شاہ، بن شیخ فیروز شاہ، بن
شیخ محمود شاہ، بن شیخ فرطک شاہ، بن شیخ نواب شاہ، بن شیخ دراب شاہ، بن شیخ
ادہم شاہ، بن شیخ علیق شاہ، بن شیخ عبیق شاہ، بن شیخ سکندر شاہ، بن شیخ احمد شاہ
بن شیخ حجر شاہ بن حضرت امیر زبیر بن حضرت علیؓ (از کتاب سوانح حیات سلطان الاعظم
حمید اختر بحوالہ مناقب سلطانی فارسی)

(۲۶) میجر صاحبزادہ نور محمد شاہ کوہستانی بن غلام محمد۔ بن میر مسجدی خان غازی شہید
میر آغا۔ بن خواجہ اسحق، بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ نظام الدین بن خواجہ عباداللہ خان
بن خواجہ خسرو (موضع خنڈی کوہستان افغانستان) بن خواجہ عارف بن خواجہ شاہ ولی
بن خواجہ اسحق بن خواجہ ابراہیم، بن خواجہ دمیل بن خواجہ جبرائیل، بن خواجہ عبدالغنی
بن خواجہ عبدالملک بن اسمٰعیل "اتا"، بن بدر "اتا"، بن جمل "اتا"، بن گوندہ "اتا"
بن سوندہ "اتا"، بن عبدالملک، بن احمد یسویؒ بن اتا "صدر"، بن ابراہیم "اتا"

علہ مصاحب خاص مہاراجہ سر ہری سنگھ والئ کشمیر۔ مصنف نور کوہستان شجرہ ہذا از کتاب
مذکور ص ۲۹۳ مطبع فیروز سنز لاہور طبع ۱۹۵۵ء

بن سید احمد "اتا"، بن احمد نور "اتا"، بن احمد "اتا"، بن صدر "اتا"، بن ابراہیم
"اتا"، بن ایاس "اتا"، بن خواجہ محمود انفغار "اتا"، بن خواجہ اسحٰق، بن خواجہ امران
(عمران) بن خواجہ عصمت، بن شاہ "اتا" حسن، بن اسمٰعیل "اتا"، بن شیخ موسیٰ "اتا"
بن خواجہ موسیٰ، بن شیخ ہارون، بن خواجہ اسحٰق، بن خواجہ عبدالرحمان، بن عبدالجبار
بن عبدالقہار، بن عبدالجلیل، بن عبدالفتاح بن محمد بن الحنفیہؒ بن حضرت علی رضی اللہ
عنہ بن ابی طالب (مرسلہ سید غلام حسن شاہ کاظمی حال میر پور آزاد کشمیر بکنہ غشکر
ضلع و تحصیل مظفر آباد)

سید غلام حسن شاہ صاحب بعد نقل شجرہ ہذا کے ناموں پر ریمارکس دیتے ہیں،
کہ عبدالفتاح، عبدالجلیل، عبدالقہار، عبدالجبار وغیرہ آن عربی مواخذوں میں نہیں ہیں
جو انکے پاس ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالفتاح یا ابوالفتح ہو، لیکن کہیں نام و نشان بھی تو ہو

(۱) سپہ سالار مسعود غازی بن ساہو غازیؒ بن عطاء اللہ غازی، بن طاہر غازی بن طیب
غازی، بن محمد غازی، بن عمر غازی، بن ملک آصف غازی، بن بطل غازی بن عبدالمنان
بن محمد حنفیہؒ بن اسد اللہ الغالب۔
(از کتاب سالار مسعود غازی، عنایت حسین بلگرامی ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء ص ۱۲)
(از کتاب سلطان الشہدائے ہند ص، اکار پرواز ان پیسہ اخبار ۱۹۲۳ء اول جلد بیاد رہے کہ
سلطان الشہدائے میں طیب غازی کے بعد محمد غازی لکھنا چھوٹ گیا ہے)

(۲) میر قطب شاہ بن شاہ عطاء اللہ غازی بن شاہ طاہر غازی بن شاہ طیب غازی بن شاہ محمد غازی، بن شاہ عمر غازی، بن شاہ ملک آصف غازی
بن شاہ بطل غازی، بن شاہ عبدالمنان غازی بن محمد حنفیہؒ بن حضرت علی المرتضیٰ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ (تاریخ الاعوان شیر محمد خان ص ۷۶)

(۳) قطب شاہ بن الف شاہ، امان شاہ، محمود شاہ، حسین شاہ، فیروز شاہ، نواب شاہ، زراب
شاہ، حیدر شاہ، انت شاہ، اکب شاہ، سکندر شاہ، احمد شاہ، حمید شاہ، شاہ زبیر، امام
حنفیہؒ (نقل کردہ از قلمی نسخہ مجاور بابا صفی اللہ کھر کوٹ تحصیل ہری پور بمقام کھر کوٹ
تاریخ ۲۲ ۹۴/۲)

(۴) حیات خان بن فضل احمد، بن امیر خان، بن میاں محمد ولی، بن میاں نجیب اللہ، بن لام بن
عقل، بن میر احمد، بن دارود، بن حنیف، بن مرزہ، بن سلامت، بن آمین، بن نعمان

بن بادل جرل، بن جلال، بن سلامت، بن کلگان شہزادہ، بن قطب شاہ، بن امان شاہ الخ
(کامتر نمبر ۱۴۸ آمدہ از منگلور)

(۳۰) سعید الدین سالار مسعود غازیؒ، بن شاہ مر غازیؒ، بن عطاء اللہ غازیؒ، بن طاہر غازیؒ، بن طیب غازی۔ بن شاہ محمد غازی (اور ان کا دوسرا بھائی شاہ احمد غازی تھا ان کا وطن سبزوار میں ہے۔ اولاد بھی وہیں ہے) بن سید شاہ غازی، بن آصف غازی، بن عون عرف قطب شاہ غازی بابا۔ بن علی بن محمد اکبرؒ بن حضرت علیؓ بنو علویہ (شجرہ از کتاب محبوب شاہ داتہ والا مرسلہ عبد القادر پٹ سیری ترنہ علاقہ بالاکوٹ۔ تحصیل مانسہرہ۔ ہزارہ۔

(۳۱) نظام الدین معروف شاہ بیکاری۔ بن سیف الدین بن امیر حبیب اللہ نظام الدین بن امیر نصیر الدین ولی اللہ، بن محمد صدیق معروف بابی محمد، بن عبد اللہ بن عبد الصمد، بن امیر شمس الدین عبد المجید حاجی الحرمین، بن ابراہیم بن امیر سلطان عبد اللطیف، بن امیر عبد اللہ ثانی۔ بن امیر شمس الدین ثانی، بن امیر وجیہہ الدین ثانی، بن امیر سلیمان، بن وجیہہ الدین احمد، بن قاری احمد بن علی، برادران قطب بابا عون بن علی، بن محمد اکبرؒ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ (از کتاب محبوب شاہ داتہ والا مرسلہ عبد القادر ترنہ پٹ سیری۔ تحصیل مانسہرہ بالاکوٹ۔ ہزارہ)

اس شجرے میں محمد اکبرؒ کے پانچ بیٹے لکھے ہیں (ابو ہاشم انکی اولاد شیراز میں ہے، جعفر، عبد اللہ۔ شاہ حمید۔ علی) کتاب تصنیف شدہ در ۱۳۱۶ھ مطابق بکری ۱۹۵۶ء

(۳۲) محمد بڈھا صاحب جن کے لڑکے علامہ حضرت صاحبزادہ فیض علی صاحب فیضی ہیں۔ ایک شاخ امیر سعید علوی پر ہے۔ اور دوسری شاخ حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری سے بھی امیر سعید پر ہے۔ امیر سعید علوی کا شجرہ نسب زمان علی کھوکھر سے متصل ہے۔ جو قطب شاہ کے بیٹے تھے۔ مگر آگے شجرہ نسب قطب شاہ کا عباسؓ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جوڑا ہوا پایا گیا۔ جو نئی بات ہے۔ شجرہ یوں مذکور ہے۔

امیر سعید علوی، بن امیر کامل علوی، بن انور علوی، بن امیر کبیر علوی، بن امیر اسد اللہ علوی بن سبحان علوی، بن عاف علوی، بن پارسؒ، بن شاکرؒ، بن فتاحؒ، بن مدثرؒ، بن برناؒ، بن اکلؒ، بن شارگؒ، بن اعلاجؒ، بن شمول، بن جنول، بن جبیرؒ، بن دگرہ، بن زمان علی شاہ المعروف کھوکھر علوی، بن عون قطب شاہ علوی قادری بغدادی، بن

قاسم علوی، بن حمزہ ثانی، بن طیار علوی، بن قاسم علوی، بن علی علوی، بن جعفر علوی، بن حمزہ اول علوی، بن حسن علوی، بن علید اللہ علوی، بن حضرت عباسؓ علمدار علوی، بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ (شجرہ چھاپہ شدہ کٹنگ مرسلہ احمد اللہ کا خیل کہنیاں۔ تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ)

(۳۴) دربار عالیہ سروریہ جھنگ متعلقہ شجرہ نسب ۴۴ قطب شاہ سے نیچے کو حبیب سلطان سے اوپر قطب شاہ تک ہے۔ حبیب سلطان، بن حضرت میر سلطان، بن شیخ نور احمد، بن شیخ صالح محمد، بن شیخ غلام باہو صاحب، بن حافظ محمد صاحب، بن شیخ محمد حسین صاحب بن حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ، بن شیخ سلطان بازید محمد، بن فتح محمد بن اللہ دتا، بن محمد تمیم، بن محمد منان، بن محمد خلا، بن محمد حیدہ، بن شگہرہ، بن محمد ازال، بن علاء، بن محمد بہاری، بن محمد جیمون، بن ہرگن، بن انور شاہ، بن امیر شاہ بن قطب شاہ، تا محمد بن الحنفیہؒ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ
(چھاپہ شدہ کٹنگ آمدہ از کہنیاں مرسلہ احمد اللہ کا خیل، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ)

(۳۵) میر قطب حیدر بن میر عطاء اللہ، بن طاہر غازی بن طیب غازی، بن عمر غازی، بن محمد غازی، بن آصف غازی، بن بطل غازی، بن عبد المنان غازی، بن عون سکندر غازی، بن محمد حنفیہؒ بن علیؓ المرتضیٰ (تاریخ حیدری مؤلفہ مولوی حیدر علی لدھیانوی)

(۳۶) خاندانی شجرہ میر ساہوؒ، عطاء اللہ ابن طاہر، ابن طیب، ابن محمد، ابن ملک آصف، ابن بطیل البطل، ابن عبد المنان ابن محمد حنفیہؒ، ابن امیر المؤمنین سیدنا علیؓ بن ابی طالب (روحی محمود آبادی ص ۴۴ مکتبہ غلطت لاہور) یاد رہے کہ اس شجرہ میں ابن محمد کے بعد ابن عمر لکھنا کسی وجہ سے چھوٹ گیا ہے۔

قطب شاہی شجروں کا اختلاف و شمار پشتہا

ان نسب ناموں کے بیان کر دینے کے بعد میں پھر پہلے فریق کے ان نسبناموں کا ذکر کرتا ہوں۔ جن نے قطب شاہ سے عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب تک قطب شاہی اعوان کہلانیوالوں کا شجرہ نسب ملایا ہے۔ جن کی پشتوں کے شمار اور ناموں میں اختلاف پایا گیا ہے۔ باب الاعوان کے صفحہ ۱۱۹ اور ۱۲۰ اور نیز تاریخ اقوام پونچھ صفحہ ۶۲۸ اس قسم کے چار شجرے بیان کرکے صرف صاحب باب الاعوان نے ایک شجرہ کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ باقی تین مسترد کر دیئے گئے جنکی صحت تسلیم کی گئی ہے۔ وہ آخری نمبر ۴ جو عبید اللہ بن عباسؓ پر دس پشتوں پر منتہی ہوتا ہے

(۱)	قطب شاہ سے	محمود علی بن عباسؓ تک	سات	پشت
(۲)	" " "	حسن " " "	۱۰	"
(۳)	" " "	محمد " " "	۱۱	"
(۴)	" " "	عبید اللہ " " "	۱۰	"

شجرہ نسب چہارم مندرجہ بالا جو کہ ابتداء میں نے فریق اول کے بیان کرنے اور صحیح کہنے پر درج کر دیا ہے۔

ان کے بعد اسی طرح ناموں و پشتوں کے اختلاف و کمی بیشی ہونے کے باعث وہ نسبنامے درج کئے جاتے ہیں جو قطب شاہ سے محمدؒ بن علیؓ بن ابی طالب مشہور بہ محمد بن الحنفیہؒ سے ملائے گئے ہیں۔ اور کہ صاحب باب الاعوان نے جنھیں رد کر دیا ہے۔

(۱)	قطب شاہ سے	سکندر شاہ بن محمد حنفیہؒ تک	دس	پشت
(۲)	" " "	شاہ زبیر " " " "	۱۱	"
(۳)	" " "	ابو حمزہ بن محمد حنفیہؒ تک	۱۰ - ۱۲	"
(۴)	" " "	عبدالمنان " " " "	۱۰ - ۱۲	"
(۵)	" " "	منان غازی " " " "	۱۳	"

(۶)	قطب شاہ سے	احمد علی بن محمد حنفیہؒ تک	دس	پشت
(۷)	" " "	چمن شاہ " " " "	۱۵	"
(۸)	" " "	سرور شاہ " " " "	۱۰	"
(۹)	" " "	عبدالعلی " " " "	۸	"
(۱۰)	" " "	اشرف شاہ " " " "	۸	"
(۱۱)	" " "	حمید شاہ " " " "	۱۴	"
(۱۲)	" " "	تسہیل " " " "	۸	"
(۱۳)	" " "	عون " " " "	۹	"

نسبنامے ۱۰ ۔۱۳تک باب الاعوان سے لئے گئے[1] اور یہی تاریخ اقوام پونچھ میں بھی بجز اور درج تھے۔ نمبر سلسلہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ حاشیہ پر درج تھے۔ میں نے متن کتاب میں اکٹھے کر دیئے ہیں۔ مصنف اقوام پونچھ نے شجرہ نمبر ۱۱ حمید شاہ والا حاشیہ پر درج کرکے لکھا کہ یہ شجرہ نسب مانسہرہ سے ملا ہے قغیال یا کھیال خاندان سے تعلق رکھتا ہے[2]۔ لفظ قغیال جو مصنف مذکور کی وجہ کتابت کے مشتبہ معلوم ہوا۔ وہ اصل میں کھیال ہی درست ہے۔ قغیال غلط ہے۔

مانسہرہ کے کھیال خاندان کے جس شجرہ نسب کا ذکر صاحب تاریخ اقوام پونچھ نے کیا ہے۔ اس وقت بھی اور آج بھی جلو شہیدیا اور ہردو جبگ میں اسی کھیال خاندان کے افراد آباد ہیں۔ اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ اس وقت کے معززین نے خود یا بوساطت محبوب شاہ واتہ والا شجرہ نسب محمد دین فوق صاحب کو بھیجا ہو؟۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی بوقت تصنیف باب الاعوان امیر خان شہیدیہ اور نواب غازی خان نمبردار جبگ پائیں کا نام ملتا ہے۔ جو محبوب شاہ واتوی تحصیل مانسہرہ نے مولینا نورالدین کو نسبنامہ برائے تعارف روانہ کئے۔ اور باب الاعوان کے صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳ میں ذکر درج ہو گیا۔

تاریخ اقوام پونچھ میں ہے کہ کشمیر کے علوی خاندان کا سلسلہ خواجہ احمد یشوی کشمیری وفات ۱۱۲۵ھ تک عبدالفتاح بن محمد حنفیہؒ کے ساتھ ۲۶-۲۱[3] پشت میں جا ملتا ہے (اور ایسا ہی ایک دوسرا شجرہ علوی خاندان کشمیر میر صاحبزادہ نور محمد شاہ کوہستانی کا ملا ہے۔ جو اس کتاب کے قطب شاہ

[1] باب الاعوان ص ۷۸ تا ۸۱ مولوی نورالدین سیمانی۔
[2] تاریخ اقوام پونچھ ص ۶۲۸ محمد الدین فوق کشمیری مرحوم۔
[3] دونوں روایتیں آئی ہیں۔ مصنف۔

ہ شجرہ جات کے سلسلہ نسب کے مسلسل اور ذکر ۲۶ نمبر پر درج کیا (خواجہ احمد یسوی کشمیریؒ ف ۱۱۴۷ھ
حضرت خواجہ احمد یسوی ترکستانی بانی سلسلہ یسویہ کی نسل سے ہیں۔ ن خ (تحائف الابرار کشمیر)
مؤرخین ہند عبدالمنان پسر کلاں محمد بن الحنفیہؒ و عبدالفتاح پسر خورد محمد بن الحنفیہؒ شجرہ
نسب ہی بیان کرتے ہیں۔ ایک سے دس تک نسب نامے باب الاعوان نے رد کر دیئے۔
اس کے بعد جو شجرہ جات راقم سطور کے سامنے آئے وہ قطب شاہ سے محمد بن الحنفیہؒ تک
سامنے لائے گئے ہیں۔ تاکہ وہ بھی اس لڑی میں قارئین کرام کو اکٹھے نظر آئیں۔

(۱)	قطب شاہ	سے	سکندر شاہ	بن	محمد بن حنفیہؒ	تک	۱۳	پشت
(۲)	〃	〃	محمود شاہ	〃	〃	〃	۱۴	〃
(۳)	〃	〃	حمید شاہ	〃	〃	〃	۱۴/۱۵	〃
(۴)	〃	〃	زبیر	〃	〃	〃	۱۳، ۱۴، ۱۶، ۲۳	〃
(۵)	〃	〃	حضرت علی شاہ	〃	〃	〃	۱۵	〃
(۶)	〃	〃	حیدر شاہ	〃	〃	〃	۱۵	〃
(۷)	〃	〃	گجر شاہ	〃	〃	〃	۳	〃

متذکرہ بالا نسب ناموں پر مختصر تبصرہ

یہاں یہ بات سب سے پہلے ملحوظ خاطر رہے کہ غیر اقوام کے مؤرخین نے اعوان قوم کے متعلق ایسے موہوم و واہیات الزام و اقوال منسوب کئے ہیں جنکی تعداد کوئی پندرہ کے لگ بھگ شمار کی جاتی ہے۔ اور کچھ اقوال مسلمان مؤرخین نے بھی بوجہ ناواقفیت یا مشتبہ ہونے کے بیان کئے ہیں سب سے بڑا موہوم اور غلط قسم کا الزام یہ بھی دھر دیا گیا۔ کہ ان کا نسب ثبوت نہیں۔ ہر ایک کا بیان و تردید وغیرہ کا حال اپنے موقع پر انشاءاللہ مفصل آئیگا۔

یہاں صرف یہ عرض کر دینا مناسب و ضروری ہے۔ کہ پاک و ہند کے (علویوں) اعوانوں کی تاریخ مرتب کرنے میں جتنی مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اسکی پہلی اور سخت کٹھن منزل گویا یہاں سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ آپ نے پچھلے اوراق میں ملاحظہ فرما لیا ہو گا۔ کہ اس قوم نے نسب نامے نہ لکھوائے ہوتے۔ یا کسی نے انکی نشر و اشاعت کا کام کیا ہوتا تو یہ متضاد اقوال و شجرے ہی معرض وجود میں نہ آئے ہوتے۔

(تحقیق سیدہ سادات کے صفحہ ۳۴۵ پر صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ عباسی خلافت کے خاتمہ پر نقابت بنی ہاشم کا ادارہ بھی ختم ہوا۔ اس ادارے کے ذریعے ہاشمی خانوادے کے عباسی و علوی گھرانوں کے شجرے اور نسبدانی ریکارڈ مرتب رہتے تھے۔ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے صحیح و غلط کی جانچ اور مدعیان نسب کی تردید اور روک ٹوک کا ذریعہ باقی نہ رہا) قوم پر انقلابات زمانے اور پھر سکھوں کی جنگوں و اقتدار میں صدیوں جمود طاری کر دیا تھا۔ قوم کی آنکھ اس وقت کھلی جب قسما قسم اقوال مدون شکل میں اغیار کی کتابوں میں لکھے نظر پڑے۔

انگریز اور متحدہ قومیت کا پرچار کرنیوالے ہندو مسلمانوں کو متحدہ قومیت میں جذب کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ دونوں مل کر مسلمانوں کی عظمت و روایات کو مسخ کر کے مٹا رہے تھے۔ ہندو مسلمانوں سے مذاق کرتے۔ اور شکایت کرتے کہ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھتے۔ ان کے قوال گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ گیتیں گا رہے ہیں کہ۔

میرے مولا بلا لو مدینے مجھے الخ

پرانی کتابوں سے مسخ شدہ روایات انھیں دکھا دکھا کر شرمندہ کرنے لگے۔ اور انگریز
کے اس فعل میں ہمنوا تھے۔ عربی قومیں خصوصاً انکی نظر میں تھیں۔
اعوان قوم سے بھی بعض اہل فکر و تدبر حضرات کے کانوں تک بھی یہ لغویات پہنچیں تو انگشت
بدنداں ہو کر کچھ سوچنے، سمجھنے اور بولنے پر مجبور ہو کر ہاتھ پاؤں مارے۔ زبدۃ الحکماء حکیم غلام نبی
خان صاحب کی خدا مغفرت کرے۔ انکی ساعی صد بار قابل تشکر ہیں اور رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی
کہ انہوں نے اعوان قوم کی تاریخ لکھنے لکھانے کی بنیاد ڈال دی۔ اور اس وقت کچھ نہ کچھ سکت کی جواب
غیروں کو دیا گیا۔ جن کا مختصر تعارف دیباچہ کتاب ہذا میں کرایا گیا ہے۔ سید غلام حسن شاہ کاظمی کے احوال
سے ایک شعر یاد آگیا ؎

دیدمش چوں آسمانِ چشم پرسیدم کی چیست!   گفت این آہوز جولاں در غبار خود گم است [1]

مبتلائے رنج و آلام قوم نے اور اپنے نصب العین جہاد و تبلیغ اسلام کی دوڑ دھوپ میں نسب نامہ
کو بھول اور پس پشت ڈال کر اعوان قوم گم کردہ راہ ہو کر نادانستہ طور پر سب لوگ قطب شاہ
ہی کو جو مشہور و معروف شخصیت کے مالک پاک و ہند میں اعوانوں سے ہو گذرے تھے سلسلہ
نسب میں اسی کو وسطی مورث اعلیٰ ٹھہرانے کی فکر و تصور میں پڑ گئے۔ اور اسی میں انہوں نے فخر
سمجھا۔ ہر ایک اس شخص نے بھی جو قطب شاہ کے اسلاف سے جو دیگر بزرگان قوم و قبیلہ ہمراہ
جہاد ہند کیلئے آئے تھے۔ وہ بھی مثل دیگر اولاد قطب شاہ کے اضلاع ہند قدیم میں رہ پڑے، اور جو
لوگ محمد ابن الحنفیہؓ کی اولاد سے دوسری صدی ہجری میں بھی سندھ آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے
تا آنکہ یہ وقت آ پہنچا، جو بھی خواہ عمر بن علیؓ کی اولاد سے تھا یا عباسؓ بن علیؓ کی نسل سے تھا پہلے
آیا تھا یا پیچھے اپنے اپنے شجروں اور نسبناموں میں قطب شاہ ضرور مورث درمیان میں لاتا گیا۔
یا اس سے شجرہ ملا دیا گیا۔ اور یہ ایک بڑا باعث قطب شاہی اعوانوں اور ان دیگر اعوانوں کی اولاد
میں خلط ملط ہونے کا ہو گیا۔ پہچان اور تمیز مشکل ہو گئی، جن کا جدا کرنا اب کوئی آسان کام نہیں
رہا۔ ایک دوسری مصیبت یہ بنگئی کہ خود کئی دوسرے لوگوں نے وقت اور ضرورت کے ماتحت فرضی
اعوان بنکر چور دروازوں سے گھسنے کی کوششیں کیں۔ جن کے مفصل وجوہ و احوال کا بیان پہلے
اپنے موقع پر گذر چکا ہے۔ چند پشتوں کے غلط سلط نام یاد کرتے۔ اپنے خاندان کے کسی بڑے کا

[1] یہ شعر میر کریم اللہ غریب بلگرامی کا ہے۔ (غ غ د خواص خان)

نام قمبر کر شجاعت پیدا کرلی۔ شجرے چھاپے اور اعوان بن گئے۔
تیسری بڑی مصیبت جسکو حادثہ عظیمہ کہنا چاہیئے یہ ہوا۔ کہ پاک و ہند میں وہ اعوان اکثر جو
جو قطب شاہ مورث کی وساطت سے اپنے آپکو محمد بن علیؓ یعنی مشہور محمد ابن الحنفیہؓ کی اولاد سمجھتے تھے
بعض کتابوں میں ان کا شجرہ نسب قطب شاہ کی وساطت سے عباس بن علیؓ سے ملا دیا گیا۔ اور
صرف ملایا ہی نہ گیا بلکہ ایک عالمگیر تحریک بھی اس وقت اس قسم کی چلائی گئی کہ لوگوں میں یہ غلط
فہمی دور کرائی جائے۔ کہ وہ محمدؓ بن الحنفیہ کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ ذہن نشین یہ کرایا جائے کہ
کہ وہ عباسؓ علمدارِ حسینؓ شہید کربلا کی اولاد سے ہیں۔ اور قطب شاہ بغدادی وہی قطب
شاہ ہے۔ جو عباسؓ بن علیؓ کی اولاد سے تھا۔ اور کہ جسکو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ہند قدیم میں جہاد و تبلیغ اسلام کیلئے قطب
بنا کر بھیجا اور طریقہ قادری سب سے اول اسی نے سابق ہند میں رائج کیا اور کہا کہ وہ پہلے اثنا عشری
امامیہ مذہب رکھتے تھے۔ اور کہ عبدالقادر جیلانیؒ کی خالہ قطب شاہ کے نکاح میں تھی۔ قطب شاہ،
وہاں آیا جایا کرتے تھے۔ عبدالقادر جیلانیؒ کی توجہ سے شیعیت سے دستبردار ہوئے۔ اہلسنت و
الجماعت کا مذہب اختیار کیا۔ بیعت کی۔ آپکا پیدائشی نام عونؓ تھا۔ لقب قطب ہوا اور شاہ
اہل ہند نے کہدیا۔ تین لفظ عون، قطب، شاہ۔ مل کر عون قطب شاہ ہوا۔ اولاد بھی اسی
نام پر مشہور ہوئی۔ ابتدائے عہد غوری میں غالباً ہند قدیم میں آئے۔ سلطان شہاب الدین غوری
کے جہاد انہیں کے عہد میں ہوئے، خواجہ معین الدین اجمیری چشتی، شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی
شیخ علی ہجویریؒ (ہجویری) یہ معروف داتا گنج بخش لاہوری وغیرہ بھی انہیں کے عہد میں ہوئے اور ہم
عصر تھے۔ انہیں قطب شاہ نے ہند میں آکر تین شادیاں کیں۔ ایک پہلی بیوی تھی۔ جو [illegible] میں
پیدا ہوئے۔ اور [illegible] بعمر ۱۳۶ سال عبدالقادر جیلانیؒ سے (جو [illegible] میں فوت ہوئے) پانچ سال
پہلے بغداد میں فوت ہوئے، ہند قدیم سے مراجعت کرلی تھی۔ اولاد یہیں رہی۔ اور وہیں مقبرہ قریشیہ
بغداد میں مدفون ہوئے۔ وغیرہ۔ بیان اولاد (ملخصاً از باب الاعوان مصنفہ نور الدین بار سوم) جسکو میں نے
کتاب ہذا میں فریق اول قرار دیا جنہوں نے اپنی ہر دو تصنیفات زاد الاعوان اور باب الاعوان میں عون
قطب شاہ کو عباسؓ علمدار کی اولاد سے ٹھہرایا۔ یوں تو انہوں نے اپنے ماخذ کتب کی فہرست میں
بہاری سو کتابوں کی فہرست دی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اصل ماخذ اس بحث میں صرف
تین کتابیں میزان ہاشمی اور از ہاشم شاہ علوی اور میزان قطبی از مولینا قطب شاہ علوی۔ بغداد
اور خلاصۃ الانساب ہیں۔ جو عربی اور بغدادی مصنفوں کی تصنیفات بتائی جاتی ہیں۔

افسوس کہ یہ کتابیں بسیار تلاش کے بعد بھی نہ مل سکیں۔ ہم بھی تسلی کر لیتے
کیا حال ہے؟ صرف ایک شخص کے دیکھنے اور سمجھنے یا روایت کرنے پر دارو مدار
اور ما بعد والے جتنے مصنفین بھی اس ضمن میں بیان کرتے ہیں وہ سب انہی ایک
الاعوان و باب الاعوان کی روایات پر اعتماد کرکے بیان کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن
کہ ان اصل کتابوں و ماخذوں پر جن سے مصنف زاد الاعوان وغیرہ نے استدلال کیا
و تنقید کی گئی ہے۔ جبکہ تاریخ الاعوان شیر محمد خان صاحب سے اختصاراً درج
تائید بھی کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ: بغداد سے عبدالقادر جیلانیؒ نے خلیفہ بہ موسوم
تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان بھیجا۔ اہل بغداد اُسے قطب الہند سے یاد کرتے ہیں
اپنی ایک اہلیہ اور دو بیٹوں کی معیت میں سابقہ ہندوستان آیا۔ اور کچھ مدت
رہ کر اپنے اہل و عیال سمیت مراجعت بغداد فرمائی۔ بغداد کی تباہی کے بعد جو لوگ
اختیار کرکے سابقہ ہندوستان آئے۔ اور تاجرانہ مشاغل سے نفع کثیر حاصل کرکے
ہو گئے۔ راستہ میں وہ ہماری قوم (اعوان) سے ملے۔ جو حضرت میر قطب حیدر
قطب شاہ کے اخلاف تھے۔ لیکن اہل بغداد نے یہ باور کر لیا کہ یہ لوگ عون بن علی
معروف بہ قطب الہند کی اولاد سے ہیں۔ چونکہ عون بن یعلی بن حضرت عباسؓ علم بردار
ابن علیؓ کی اولاد سے تھے۔ اس واسطے بغدادیوں نے جو سفرنامے مرتب کئے ان میں
کو عون بن یعلیٰ قطب الہند کی اولاد لکھ دیا۔ اور یہ ایک تاریخی معمہ بن گیا۔ اور
غریب الجھن پیدا کر دی۔ جس اہل قلم نے اعوان قوم کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ
نوشتہ تاریخوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حل طلب عقدہ یہ تھا کہ اعوان علیؓ
اعلان کرتے ہیں کہ ہم حضرت محمد بن الحنفیہؒ بن حضرت علی رضی اللہ کی اولاد
میں عباسؓ بن علیؓ کی اولاد ثابت کیا گیا ہے۔ جن حضرات نے بھی اعوان قوم کی
ارادہ کیا۔ وہ اس عقدہ کے سلجھانے میں عاجز رہ گئے۔ ان اشکالات کی وجہ
اپنی صحیح تاریخ سے بے بہرہ ہو گئی"۔

مولوی نورالدین کی تالیفات کے بعد وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل و تعارف
درست۔ تمام تر ماخذ ان کا یہی تالیفات تھیں۔ بغیر مزید تحقیقات کئے اعوان قوم کو عباسؓ
کی اولاد سے لکھ دینے میں باک نہیں کیا۔ مؤلف مذکور نورالدین کو اس وقت بھی

ملہ اور ایسا ہی تاریخ حیدری صفحہ ۳ - ۴ مصنفہ مولوی حیدر علی ہی ہے۔

اپنے جمع کر دیئے تھے۔ جو کہ محمد بن الحنفیہؒ سے اتصال رکھتے تھے۔ جن سب کو مسترد
کر دیا گیا۔ (باب الاعوان ص ۶۵۔ تاریخ الاعوان ص ۲۱) افراد قوم متفق اللسان ہو کر پکارتے ہیں
کہ ہم حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے ہیں۔ مؤرخین کو اگر غلط فہمی ہو گئی ہو تو ہو، ہم حضرت
عباسؓ بن علیؓ کی اولاد سے تو نہیں ہیں۔!

اب تاریخ اقوام پونچھ میں جو کچھ تبصرہ کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو تاریخ الاعوان سے بہت
پہلے ۱۹۳۶ء کی تصنیف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ شک نہیں۔ کہ بعض شجرے قطب شاہی غلط ہیں،
اسی طرح اعوان کہلانیوالوں کے کئی شجروں میں نام غلط۔ بعض مجہول الکیفیت اور بعض پنجابی
نام مشہور موجود ہیں۔ کسی میں سات کسی میں گیارہ پندرہ سولہ بلکہ ۲۲ تک) پشتوں کا شمار ہونا
غیر صحیح ہونیکی دلیل ہے۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ عباسؓ اور محمد بن الحنفیہؒ کے فرزندوں میں
ایسے نام گھسیڑ دیئے ہیں جن کا کہیں ذکر نہیں۔ مثلاً محمود علی بن عباسؓ، حسن بن عباسؓ۔
سکندر شاہ بن حنیفہؒ، شاہ زبیر بن حنیفہؒ، عبدالمنان اور منان غازی بن حنیفہؒ، جھن شاہ
بن حنیفہؒ، علاوہ اس کے جھن شاہ خالص پنجابی ہے۔ تو ایسی صورت میں متفق علیہ عباسؓ
تک پہنچانے والے بھی دو فریق ہیں۔ ایک فریق قطب شاہ کو عباس بن علیؓ تک لے جا کر ختم کر
دیتا ہے۔ اور دوسرا فریق قطب شاہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ
تک لے جاتا ہے۔ چنانچہ مصنف باب الاعوان نے متذکرہ آخر کو مسترد کر دیا۔ کہ اعوانوں کے
جد اعلیٰ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلعم نہیں۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی قول درست ہے
لیکن پھر بھی مولینا مذکور کا ان متضاد شجروں کی بناء پر صرف اس شجرہ کے سوا
جو عبیداللہ بن عباسؓ بن علیؓ تک پہنچتا ہے۔ تمام دیگر شجروں کو جنکی تعداد بھی عباسی
شجروں سے زیادہ تھی۔ اور جن کی انتہا محمد بن الحنفیہؒ تک پہنچتی تھی۔ ان کا وجود ہی تسلیم
کرنا ایک مستبعد امر ہے۔ قطب شاہی اور حنفیہؒ کے اعوانوں کے شجروں میں نام مہمل بے
معنی ہونیکی وجہ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جیسے صدیوں سے مشہور چلی آتی ہے۔ اور قومی روایات
سالہا سال سے (بلکہ چودہ سو سال سے) سینہ بسینہ وابستہ چلی آتی ہیں۔ اور وہ اپنی قومی
روایات پر سختی سے کاربند ہیں۔ وہ پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ مؤرخ غلط ہوں تو ہوں، ہم اپنی
بڑوں کی روایات سے سر مو بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔ اور اولاد عباسؓ بن علیؓ بننا پسند
نہیں کرتے۔ حالانکہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی محمد بن الحنفیہؒ اور عباسؓ دونوں حضرت

علیؓ کی اولاد سے ایک باپ کے بیٹے ہیں، جالندھر، امرتسر، ہزارہ، کشمیر، پونچھ میں ایسے اعوانوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ جو اپنے آپکو محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد ظاہر کرتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اکثر اضلاع پنجاب کے اعوان یہی دعویٰ رکھتے ہیں جیسے کہ تاریخ الاعوان کے بیانات سے ظاہر ہو گیا ہے)

اسکے بعد مصنف تاریخ اقوام پونچھ ایک دوسرے قطب شاہ کا پتہ دیتے ہیں کہ اعوانوں کے سلسلہ نسب میں کوئی اور بھی قطب شاہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پونچھ کے حنفیہ اعوانوں کا شجرہ جو عون بن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ سے شروع ہوتا ہے جنکی آٹھ پشتوں کے بعد ایک نام قطب شاہ بھی آتا ہے۔ پھر اسی قطب شاہ کی پندرھویں پشت میں سادم خان[عنہ] بن سجاول خان علاقہ پکھلی ہزارہ سے پونچھ میں داخل ہوا ہے جسکو چار سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اور چونکہ سادم خان سے میاں زمان علی جنکی عمر ۷۰ سال کے قریب ہے بارہ پشتیں ہوتی ہیں۔ اسلئے زمانہ سادم خان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ باب الاعوان میں لکھا ہے کہ اعوانوں کا سلسلہ نسب اسی قطب شاہ بغدادی سے چلا ہے۔ مگر ان سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ اعوانوں کا کوئی ایسا شجرہ نسب بھی ہے کہ جس کے جدِ اعظم کوئی اور قطب شاہ یا بزرگ ہیں۔ اور اگر وہ بزرگ محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے نہیں تو اور کون ہیں؟ کتاب سر السلسلۃ العلویہ میں عون بن محمد بن الحنفیہؒ سے سلسلہ ملانیوالے کو جھوٹا کہا ہے اور تاریخ اقوام پونچھ میں کس کس کا ذکر کر کے کس باریک بینی سے قطب شاہ کا سراغ لگا رہے ہیں، جو قابل داد بھی ہے اور کتنا ٹھیک بھی پڑتا ہے کہ محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے قطب شاہ ہے)

صاحب تاریخ اقوام پونچھ لکھتے ہیں کہ سادم خان بن سجاول کی اولاد سے پکھلی ہزارہ میں موجود ہیں جن میں احمد خان اور میر عالم خان ولد شیر احمد خان نمبردار بتائے جاتے ہیں، سادم خان کے بھائی نسی خان کی اولاد مظفر آباد کے دیہات دوار ربدی، نوا کھاۃ اور دیگر چند دیہات میں موجود ہیں۔ سادم خان کے پوتے بھرام خان کے تین فرزند تھے۔ جنکی اولاد پونچھ وغیرہ میں آباد ہے صاحب تاریخ اقوام پونچھ نے اپنی کتاب میں جن احمد خان برادران کا ذکر کیا ہے اور شجرہ نسب

عنہ سادم خان اور نسی خان کہیں بابا سجاول (سجاول) کھرکوٹ کے فرزندوں سے تو نہیں جو کشمیر چلے گئے تھے اور وہ پہلے پکھلی میں تھے۔ بابا سجاول کے بیان میں ذکر آئے گا)

کا بیان بھی کیا ہے وہ موجودہ خاندان شبیلیا کے جد امجد سے تھے۔ جن کا ذکر قدرِ تفصیل سے خاندانِ شبیلیہ کے ذکر میں آئے گا۔

کتب زاد الاعوان و باب الاعوان پر صاحب تاریخ حیدری تاریخ اقوام پونچھ و صاحب تاریخ الاعوان کی جرح و تنقید یکے بعد دیگرے ذکر کرنے کے بعد کوئی گنجائش اتنی باقی نہیں رہ جاتی کہ مزید کچھ اضافہ کیا جائے البتہ قدرِ معلوم کے کچھ وضاحت مزید عرض کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ:-

(۱) مختلف نسبناموں میں قطب شاہ کے نام سے پہلے جو مختلف عبارتیں نظر آتی ہیں، قطب شاہ معروف کی شخصیت نام ور متعدد ہونے کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ ان سب سے فرد واحد قطب شاہ ہی مراد ہے۔ لقب، عرف، کنیت، اکراماً، تعظیماً وقتاً فوقتاً ان کے حق میں مختلف قسم کے لوگوں سے مختلف عبارتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات برابر اوپر کی پشتوں حضرت علیؓ تک استعمال کرتے اور پڑھتے چلے گئے ہیں۔ متذکرہ اوراق گذشتہ پر نظر کر لینے سے واضح ہوگا۔ صرف قطب شاہ ہی کے نام کو دیکھیں، کہیں شاہوں امیروں، ملکوں، غازیوں، شیخوں، پیروں، سیدوں وغیرہ کی ردیف وار پٹیاں چل گئیں تو سرے تک وہی رہیں۔ یا کہیں سے درمیان میں ٹوٹ گئیں۔ یا درمیان سے شروع ہو گئیں۔ مثلاً حضرت قطب شاہ، میر قطب شاہ، قطب الدین، ملک قطب حیدر شاہ ملک احمد خان قطب شاہ، سید قطب شاہ، سالار قطب شاہ، میر قطب حیدر وغیرہ، پشتوں کے شمار کا اختلاف، ناموں کی تقدیم و تاخیر، اصل نام، لقب، کنیت، عرف وغیرہ سب کچھ گڈ مڈ نظر آتا ہے۔ اور اس پر مزید حیران کن بات یہ ہے کہ عرب کے اصل ماخذوں میں ان سب میں سے کوئی ایک نام بھی اصل صورت میں ہمارے سامنے سوائے چند ناموں محمد بن الحنفیہؒ وغیرہ کے نظر نہیں آیا۔ گو ہمارے پاس اصل مقامی عربی ماخذوں کا کوئی اتنا وافر ذخیرہ نہیں ہے مگر جو کچھ ہے بھی وہ بہ نسبت دیگر قدیم مصنفوں کے نادرہ ہے۔ اس میں ان ناموں کا نشان نہیں ملتا۔ سوائے اس کے کہ اہل ہند بعض نسب نامے پیش کرتے آئے ہیں۔

(۲) تمام نسب نامے سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض نسبنامے ملتے جلتے ہیں صرف کتابت یا چھاپے کی ایک آدھ غلطی ہے جن نسب ناموں میں امیر زبیر بن حضرت علیؓ ہے

اور کسی میں زبیر بن محمد ابن الحنفیہؒ ہے۔ تاریخوں میں زبیر بن حضرت علیؓ سے انکار کیا گیا
ہے۔ اور محمد ابن الحنفیہؒ کے بیٹے کا زبیر نام بھی کتب تاریخ میں نہیں آیا۔ بعض زبانی
نسب خوانوں اور بعض نسبناموں میں بھی زبیر کنیت اور لقب محمد ابن الحنفیہؒ کا آیا ہے
ان وجوہ کی بناء پر یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ جہاں شجرہ انساب میں آخر زبیر کا نام آیا ہے
ان سے محمد ابن الحنفیہؒ ہی مراد ہیں۔

(۳) بعض نسب ناموں کے آخر پر جعفر شاہ موجود ہے۔ وہ دراصل جعفر شاہ کا بگڑا ہوا کتابت
اور پڑھنے کی غلطی سے محرف شدہ شکل اختیار کر گیا ہے۔ محمد ابن الحنفیہؒ کی جن سے نسل
چلی ہے وہ جعفرؒ ہی ہیں۔

(۴) بعض نسب نامے ایسے ہیں جو سوائے چند بنیادی ناموں کے عربی نسب ناموں سے موافقت
کرتے ہیں، بنیادی نام عبد المنان، عبد الفتاح، عبد الجلیل، عبد الجبار، عبد القہار وغیرہ
ان میں سے بھی عبد الفتاح کی اصل ملتی ہے۔ کہ وہ ابو الفتح یا ابو الفتوح سے محرف یا بر
بنائے لقب باقی رہ گیا ہو۔ جو ابتداء میں بہادر عربوں اور بادشاہوں کو بھی ما بعد انکے
ذاتی صفات و جدی نسبت سے ملقب کیا گیا۔ اور اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ علویوں میں
بھی ایسے مرد ہو گذرے ہیں جو ابو الفتوح کے لقب سے ملقب کئے گئے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اسلام
عبد الرحمان شوق کے صفحہ ۶۷۲ پر ابو الفتوح الحسن بن جعفر علوی جو چوتھی صدی ہجری میں ہو
گذرے ہیں (جس نے مصریہ خلافت کے برخلاف اپنی بیعت کرالی تھی) ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا
ہے بلکہ اغلب ہے کہ اولاد علیؓ نے خصوصاً محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد میں عبد الفتاح، ابو الفتح یا ابو
الفتوح لقب سے ہی باقی رہ گیا ہو۔ اور یہ میرا ذاتی خیال ہے کہ جعفر اول کا لقب ابو الفتح
ہو جس سے عبد الفتاح بگڑ کر رہ گیا ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے بعض لوگ ابو الفتوح
یا ابو الفتح لقب سے ملقب ہوئے ہیں مندرجہ ذیل کتب بطور ماخذ ہیں (تاریخ اسلام عبد الرحمان
شوق صفحہ ۶۷۲۔ تاریخ سندھ عبد الحلیم شرر صفحہ ۸ ج ۲۔ بیان الامراء صفحہ ۲۹۰-۲۹۱-
بہادران اسلام صفحہ ۸۱ تاریخ لب لباب صفحہ ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۲۰۱، ۲۰۳)

(۵) بعض نسبناموں میں غازی کا لفظ پشت در پشت جہاد کرنے کی وجہ سے لقب میں ملا دیا گیا
ہے۔ بلکہ اس وقت مثل ابو الفتح وغیرہ کے غازی لقب بھی خاص خاص لوگوں کو ملا کرتا تھا۔
اور لوگ اپنے غازی کے لقب سے گھبراتے نہیں تھے۔ بلکہ قابل فخر بات ہوا کرتی تھی۔ تاریخ

الاعوان باب صفحہ ۱۵۳ پر لقب غازی کا ثبوت بعض حکمرانوں کے ساتھ ملتا ہے۔

(۱) آل محمد ابن الحنفیہؒ کے بعض نسبناموں کے ساتھ لفظ "آتا" درج ہے۔ "اتا" ترکی لفظ
ہے اور بمعنی باپ کے آتا ہے (آئین اکبری جلد سوم ص ۱۲۰) اور پھر عربی شکل "عطا"
ہو گئی۔

(۲) مندرجہ نسب نامے الگ الگ کتابوں اور مقاموں سے ملے ہیں۔ اسلئے ایک قسم کے شجرے
متعدد بار درج ہو گئے تاکہ تائید و تقویت یا نقد و جرح میں مدد ملے۔

(۳) ناموں میں کمی بیشی اختلاف کے علاوہ تقدیم تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ اور پرانے زمانے میں
ایسا ہوتا بھی تھا۔ کہ آخر پر جب کسی سے شجرہ نسب ملاتے اسکے بھائی برادران کے نام بھی
برائے تعارف ایک جگہ دے دیتے۔ اس سے بھی کچھ خلط ملط واقع ہوا ہے اور اس پر مزید
نسب خوانوں کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔

(۴) سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ مولوی نور الدین نے بھی جو نسبنامے درج کئے ہیں اور جو
آج تک خود بھی مجھے ہزارہ کے بعض دیہات سے موصول ہوئے ہیں۔ اور بحوالہ باب الاعوان
تاریخ علوی میں بھی یہ نسبنامے پیش کئے گئے ہیں ان سب میں قطب شاہ سے اوپر شاہوں
کی ردیف وار پٹیاں چل کر محمد ابن الحنفیہؒ سے سلسلہ پیوست کیا گیا ہے۔ آمان شاہ اور حسین
شاہ تو ہرات میں آئے تھے۔ اور یہ نشان و نام عربی ماخذوں میں بھی ملتا ہے۔ مگر آخر تک
یہ نشان شاہ کہلانے کا نہیں ملتا۔ اس بناء پر میرا گمان نہیں بلکہ ظن غالب یہی ہے اور
اس کیلئے تاریخی شواہد بھی ہیں کہ غالباً یہ شاہوں والا نسبنامہ محمد ابن الحنفیہؒ کی اس اولاد
کا ہو جن کا دوسری صدی ہجری میں سابق سندھ میں آنا گذشتہ اوراق میں ثابت کیا گیا
ہے۔ اور وہ عمری علویوں کے دوش بدوش بعض علاقوں کے حکمران بننے کی وجہ سے شاہ
کہلاتے ہوں۔ یا شاہ کا لفظ علویوں کیلئے استعمال کیا جانا ابتداء سے رواج چلا آتا تھا۔
اس وجہ سے ہو۔ بہرحال یہ نسبنامہ علیحدہ ہے۔ اور اسکو نظر انداز کر جانا بھی میرے لئے
ایک مشکل امر ہے۔

زمانہ دراز گذر گیا۔ اور قطب شاہ کی معروف شخصیت سے نسبنامہ ملانا بھی ہر ایک
فرق کا نکتہ نگاہ رہا۔ قدیم محمدی، علوی جو ہند سابق کو دوسری صدی ہجری میں آئے اور
نقشبند شاہ، سالار وغیرہ جو سلطان محمود غزنوی کے عہد چوتھی صدی ہجری ربع آخر میں اور

شمال مغربی صوبہ جس سے سابق داخل سندھ ہوئے، خلط ملط ہو گئے۔ اور چونکہ ہر دو نوں فریق
محمد ابن الحنفیہؒ ہی کو اپنا جدِ اعلیٰ مانتے تھے، اسلئے ہندی میراثی نسب خوانوں نے قوم اعوان
کے نسبنامے دانستہ یا نادانستہ طور پر قطب شاہ سے سلسلہ ملا کر عوام میں مشہور کر دیئے
اور انہیں کے رٹتے ہوئے نسبنامے ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ ورنہ ان اعوان
کا قدیم عربی ماخذوں میں محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد سے نشان نہیں ملتا۔ اور ہم نے بھی گزشتہ
میں نے آئندہ اوراق میں اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ قطب شاہی اعوانوں کے علاوہ پاک و ہند
میں ایسے علوی الاعوان موجود ہیں جو محمد ابن الحنفیہؒ یا عمر الاطرف کی یا عباسؓ کی اولاد
ہوں۔ مگر قطب شاہی اعوان نہ ہوں۔ پاک و ہند کے سب علوی قطب شاہی اعوان نہیں
ہیں۔ اور نہ ایسا گمان یا یقین کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا نسبنامہ ملانا محمد ابن الحنفیہؒ سے
حالات واقعات کی رو سے درست آتا ہے۔ ناموں کا اختلاف یا کمی بیشی امر دیگر ہے۔

(۱) سب سے آخر جو بات زیادہ قابل غور اور اہمیت کی حامل ہے کہ جتنے نسبنامے یہاں زیر بحث
آئے ہیں۔ یا اس وقت مولانا مرحوم کو تقریباً پچاس عدد کے قریب مہیا کر دیئے گئے تھے خواہ
نام غلط ہوں۔ پشتوں کے شمار میں کمی بیشی ہو، عربی نام ہوں یا ہندی۔ اسبات کا کافی
ثبوت ملتا ہے۔ کہ پاک و ہند کے اکثر قطب شاہی اعوانوں کے نسب نامے محمد ابن الحنفیہ
سے ہی ملتے ہیں۔ اور جس جگہ و مقام سے بھی لوگ نسبنامے پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہیں بالکل اتفاق
محمد ابن الحنفیہؒ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہی منتہی ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک بالکل اتفاقی
امر ہے کہ شجرہ نمبر ۲۰ مندرجہ کتاب ہذا میں جس قطب شاہؒ کو عون قطب شاہ قادری بغدادی
علوی، جنفی، علی دیا ملی، ملک، عباسی، ہاشمی، بھی لکھا ہوا پرانے شجرہ میں پایا گیا ہے وہ نسب
نامہ بھی آخر پر محمد ابن الحنفیہؒ ابن حضرت علیؓ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ تو یہ وجوہ اس کا بین ثبوت
ہیں۔ کہ پاک و ہند کے قطب شاہی اعوان اکثریت اس امر کی قائل ہے کہ وہ محمد ابن الحنفیہ
کی اولاد سے ہیں۔ اور ہر بار و ہر دور میں یہ بات دہرائی جاتی رہی ہے۔ اور یہی بیشتر
متواتر روایات کا تقاضا ہے۔

زاد الاعوان و باب الاعوان پر تنقیدی تبصرہ

(قطب شاہ بغدادی از نسل عباسؓ نہیں ہو سکتے)

(۱) مولوی نورالدین کی یہ کتابیں جب شائع ہوئیں۔ تو مابعد کے اکثر تاریخ نویسان قوم اعوان نے
اور رسالوں اور ماہناموں میں انکی تبعیت میں بہت کچھ لکھا پڑھا گیا۔ مگر مجھے انکی کتابوں کو سرسری
نظر دیکھنے پر بھی بچند وجوہ اختلاف رونما ہو رہا ہے۔ اور مزید غور و خوض سے اور بھی کئی وجوہ
اختلاف برآمد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ مؤرخین کے پیش نہاد ایک ایسا اصول رہا ہے کہ وہ اس پر چل
کر سراغ لگاتے ہیں۔ اور خود مولینا مذکور کو بھی یہ اصول مسلم ہے۔

• روایات کی روشنی میں تحقیق و تلاش کی جاتی ہے۔ روایات کو مسخ نہیں کیا جاتا۔ تو پھر
جب پاک و ہند کے اکثر اعوان پکار پکار کر یہی کہہ رہے تھے۔ اور اب تک کہہ رہے ہیں کہ ہم
اس قطب شاہ کی اولاد ہیں جس کا سلسلہ نسب محمد ابن الحنفیہؒ سے ملتا ہے۔ اور بڑی کوشش
و جانفشانی سے اس وقت مختلف اضلاع، اطراف و جوانب سے ۵۰ عدد نسبنامے جن کا سلسلہ
نسب محمد ابن الحنفیہؒ سے ملتا تھا مہیا کر دیئے گئے تھے۔ اور ان نسبناموں کا ملنا انہیں تسلیم بھی
ہے۔ تو پھر انہیں یہ حق کہاں پہنچتا تھا کہ "وہ منظور اور وہ نامنظور" کہہ کر سب نسبناموں کو
ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔ اور دو لفظوں یا جملوں میں قصہ چکا دیتے ہیں کہ میزان
ہاشمی و میزان قطبی میں ایسا ہے۔ یا ان میں ایسا نہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا نام
لکھا ہے یا نہیں آیا۔ حالانکہ دونوں کتابوں کا مطالعہ کر دیکھئے۔ کہیں بھی ان کتابوں کے متعلق
کوئی تعارف نہیں کرایا گیا۔ کہ ان کے مصنفین کون اور کس پایہ کے اور کس صدی میں یہ بزرگ
گذرے ہیں اور کب یہ کتب تصنیف ہوئی ہیں؟۔ جنکی بنا پر بیسیوں دیگر نسبنامے اور
حقائق خواہ وہ حنفی علویوں کے تھے۔ یا عمری۔ عباسی علویوں کے تھے۔ سب مسترد کر کے
صرف ایک نسبنامے پر دار و مدار رکھا۔ انکی کتابوں کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ میزان ہاشمی، میزان قطبی اور خلاصۃ الانساب کو قطعیت کا درجہ دیکر سب اقوال

واحوال جو ان کے نظریے کیخلاف نظر آتے ہیں وہ رد کر دیئے جاتے ہیں۔ آخر قطعیت وصحت کا مرتبہ کیسے دیا گیا۔؟ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک مفروضہ قائم کر لیا ہے۔ وہ اس سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اسماء الرجال کی کتابوں میں تمام دنیا کے لوگوں کے نام درج کئے جاتے تھے۔ یا فقط اُن اسماء کی جانچ پڑتال کی جاتی تھی کہ جن سے کبھی احادیث کے اقوال منسوب کئے جاتے تھے۔؟ اسماء الرجال کی کتابوں میں اولاد محمد بن الحنفیہؓ کے سب کے سب فرزندوں کا نام سلسلہ بہ سلسلہ نہ آنا کوئی معنی رکھتا نہیں تھا خصوصاً جبکہ انکی اولاد میں سے کسی نے ان سے روایت حدیث بیان کرنے یا محدث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں انکی تحقیق کی جاتی۔ جس حد تک انکی اولاد سے کوئی روایت حدیث کے سلسلہ میں آئی ہے۔ وہاں ان کے نام بھی کتابوں میں آئے ہیں۔ مگر تمام عربوں کے سابقہ نام خواہ وہ ہندوستان میں ہوں یا دیگر ممالک میں اسماء الرجال کی کتابوں میں ڈھونڈنے کا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ اور بغدادی سفرناموں کی حقیقت پچھلے اوراق میں جیسے کہ تاریخوں سے ملا بیان کر دی گئی ہے۔ اور مولینا نے تاریخی اصول کے برخلاف یک نظریہ قائم کر دیا ہے۔ تلاش نہیں کی گئی ہے۔ اسلئے اُن کتابوں اور نسبنامے کو بھی قطعیت کا درجہ دینا خلاف اصول تاریخ و ضابطہ ہے۔

(۲) صاحب مصنف زاد الاعوان و باب الاعوان سے اختلاف اس بناء پر بھی کیا جاسکتا ہے کہ جس قطب شاہ بغدادی کو وہ قطب الہند اور اولیائے ہند سے شمار کرتے ہیں، عبد القادر جیلانی کا فرستادہ۔ پاک و ہند میں اول بانی سلسلہ قادریہ وغیرہ بیان کرتے ہیں[1]۔ مشہور کتب تذکرہ اولیائے ہند کی کتابوں میں قطعاً اس کا ثبوت و ذکر نہیں ملتا۔ کہ وہ کب آئے اور کہاں رہے۔؟ ان کے سلسلہ پیری و مریدی و خلافت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور پھر خاص کر عبد القادر جیلانیؒ کے جہاں بیسیوں خلفاء کی فہرست دی گئی ہے۔ ان کا نام تک کتابوں میں نہیں آیا۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ عبد القادر جیلانیؒ کے رشتہ دار و قطب قادریہ

[1] اصل عبارت باب الاعوان صفحہ ۱۴۴ میں یہ ہے۔ چونکہ اہل ہندوستان کہ اکثر تو ابعان غوث الاعظم اند۔ سبب آں اینست کہ حضرت عون و گوہر علی وغیرہ خلیفۂ آنجناب دریں دیار آمدہ۔ طریقۂ قادریہ را رواج دادہ اند و بعداز آنحضرت بودہ اند (فقیر) و بعضے را بہ ہند ارشاد شد۔ چنانچہ عون مع چند پسران راہی ملک ہند شد۔

سلسلہ و طریقہ کے پہلے رائج کرنیوالے ہند قدیم کے ہونے کے باعث ان باپ بیٹوں کا نام کتب تصوف و سلوک میں ولایت کے درجہ پر صفحہ اول سے شروع ہوتا۔ برخلاف اسکے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرہ جن دیگر اولیاء اللہ کو ان کا ہمعصر مانا گیا ہے۔ ان کے حالات و ذکر پاک و ہند کی تذکرۃ الاولیاؤں کی تاریخ میں صفحہ اول ہی سے ملتے ہیں۔ اور ان کے ذکر سے کتابیں بالکل خاموش اور ساکت ہیں جہاں تک سلسلہ قادریہ چشتیاء کے پاک و ہند میں رائج کرنے کا تعلق ہے قطب الدین بختیار کاکیؒ اور خواجہ معین الدین اجمیری کا نام اول آتا ہے، ملاحظہ ہوں کتب ذیل۔ (سوانح قطب الدین بختیارؒ کاکی صفحہ ۵، ۶۔ خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری نامی غلام دستگیر صفحہ ۱۶۔ تذکرہ شیخ دھمکار کاکا صاحب صفحہ ۳۶)

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیارؒ کاکی بھی عبد القادر جیلانیؒ سے بیعت ہوئے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی ہمراہی و رفاقت میں مع دیگر اور چالیس[2] رفقاء کے بغداد و خراسان غزنی سے ہوتے ہوئے ہند سابق پہنچے ہیں۔ (تذکرہ بہادران اسلام صفحہ ۲۱۸)

قطب الدین نام کے پاک و ہند، غزنی، خراسان، تبریز وغیرہ میں بیشمار افراد ایسے ہوگذرے ہیں جو حکمران اور بعض اوقات ولایت یا مجذوبیت کے درجے تک کی شہرت کو پہنچے ہیں، چنانچہ ایک تو خواجہ احمد یسویؒ ترکستانی کے خلیفوں سے چہارم نمبر پر قطب الدین حیدر المجذوب اور دوسرے موسیٰ کاظمؒ کی اولاد سے قطب الدین حیدرہ "تربت حیدریہ والے" جو باختلاف روایات سنہ ۵۹۵ھ / ۶۹۶ اور سنہ ۶۱۸ھ میں گذرے[3]۔ دونوں علوی نژاد تھے۔ اور آخر الذکر خراسان میں مدفون ہیں، اور بزرگ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ بغدادی مؤرخوں کو ان میں سے یا کسی دیگر قطب شاہ کی شخصیت میں اشتباہ پڑ گیا ہو یا موجب اشتباہ بن گئے ہوں۔ ان روایات و استدلال کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ عون بن یعلیٰ جو عباس بن علیؓ کی نسل سے ہوں، بغداد سے رخصت ہو کر آئے بھی ہوں تو وہ ملک ہند سابق کو نہیں پہنچے۔

(۳) سوئم وجہ اختلاف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی کتاب باب الاعوان کے صفحہ ۱۵۲ پر بحوالہ

[2] منتخب التواریخ محمد ہاشم خراسانی وفات سنہ [illegible]ھ مطبوعہ ایران سنہ [illegible]ھ باب دہم۔

[3] مقصد ششم و اختلاف سنین بحوالہ تذکرۃ الشعراء صفحہ ۱۲۴ سنہ ۸۹۲ھ / [illegible] مصنفہ امیر دولت شاہ سمرقندی۔

(ب) چند سال کا لفظ و عبارت غلط ،خلاف حالات و واقعات نظر آتی ہے ۔ روایت ہے ، کہ
قطب شاہ کی چار بیویاں تھیں ۔ ایک جدادی اور تین ہندی ۔ جن کے بطن سے آگے نسل
چلی ۔ صرف ہندی عورتوں سے ۹ فرزند اور تین دختران بقول مشہور ہوئیں ۔ پھر یہ شادیاں
ایک دن یا ایک سال میں تو نہیں ہوئی ہونگی ۔ دو دو ڈھائی ڈھائی سال کا وقفہ بھی ضرور ہوا
ہوگا ۔ پھر اولادوں کے درمیان بھی اسی نسبت سے وقفہ ضرور ہونا چاہیئے ۔ پھر اولاد کامل اور
فارغ ہوئی تب ملک و علاقے تقسیم کرکے بقول ان کے وہ بغداد واپس ہوئے ۔ اسی لحاظ سے
قطب شاہ چند سال نہیں بلکہ کافی عرصہ سالہا سال ہند قدیم میں مقیم رہے ہونگے (فتفکر فیہ)

(۵) قطب شاہ سے ملقب ہوئے ۔ ان کی کتاب میں قطب شاہ کے معروف نام ہونے کیلئے قطب
کا ذکر آیا ہے ۔ ایک تو اس نوعیت سے کہ حضرت پیر جیلانی کی صحبت کے فیض سے ہی قطبیت
کے درجے کو پہنچ گئے ۔ دوسرے یہ بھی کہا کہ پیر قطب عبدالقادر جیلانیؒ نے انہیں قطب الہند
بنا کر بھیجا ۔ تیسرے یہ کہ عون اصلی نام تھا ۔ قطب بنا دیئے گئے تھے ۔ اور شاہ اہل ہند
نے کہدیا تھا ۔ پس عون قطب شاہ ہو گئے ۔ ملاحظہ ہو عبارت کتاب باب الاعوان صفحہ ۱۴۲
ودر آں دیار ہند ملقب بہ قطب شاہ شد ۔ زیرا کہ بمرتبہ قطب مدار رسیدہ بود ۔ ازیں
جہت اورا اتباع محبوب سبحانی بہ قطب ملقب کردہ مے خواندند ۔ و بہ لفظ شاہ ہندیاں بے
افزودند ۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک وقت میں دو قطب مانتے ہیں ۔ بلکہ تین قطب
انہیں قطب شاہ کے بیٹے عبداللہ کو بھی قطبیت کے درجے پر فائز مانتے ہیں ۔ ایک تو محبوب
سبحانی قطب ربانی شیخ یا سید عبدالقادر جیلانی ، دوسرے یہی عون بن یعلیٰ
قطب شاہ قطب ہند الخ ۔ حالانکہ اس باب میں صوفیا کا مسلک یہ ہے اور یہی باب الاعوان
کے صفحہ ۱۳۸ پر مرقوم ہے ۔ کہ قطب ہر زمانہ میں ایک ہوتا ہے اور جب وہ رحلت کرتا ہے
تو دوسرا مقرر ہو جاتا ہے ۔ اگر یہاں کوئی یہ سوال وارد کرے ۔ کہ ہند دوسری ولایت
ہے اسلئے جائز ہے کہ کوئی دوسرا بھی قطب ہو ۔ یہ قطب الہند اور وہ قطب الاقطاب ؟ جواب
یہ ہو سکتا ہے کہ اول تو یہ محل تامل ہے کہ کوئی قطب دوسرے کو قطب بنا سکتا ہے اور قطبیت
کا درجہ وہبی ہے یا کسبی ؟ ۔ اور پھر صاحب کون ہو سکتا ہے ؟ قطع نظر ان باتوں کے ہم
کہتے ہیں کہ قاعدہ مقررہ اصولِ اولیاء و صوفیاء کیخلاف ہے ۔ کہ وہ ایک قطب کے قائل ہیں ۔

تاریخ ہند براتنکھیداس مطبوعہ آریہ دھرم لاہور یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ والدہ
شاہ جہان کھوکھر کلگان کی عہد خسرو ملک غزنوی شاہ لاہور و سلطان شہاب الدین
غوری بادشاہ ہند دہلی کے مسلمان ہو کر غوری سے نکاح کیا ۔ اور پھر آگے لکھا گیا
ہے کہ ۵۸۲ھ ہجری میں خسرو ملک سے ملک پنجاب کا شہاب الدین نے فتح کیا ہے
یہ ان جنگ کے بعد شاید پیدا ہوئے ، شاید یہ عہد غوری و غلامان میں ہوئے ۔
پھر آگے اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ در ذکر بی بی خدیجہ چوہانیہ میں یہی الفاظ دہرائے
ہیں ۔ غالباً عہد غوری میں یہ مسلمان ہوئیں ۔ اور عون کیساتھ ان کا نکاح ہوا ۔ پس بعہد
عہد غزنوی خسرو ملک کی یہ اولاد اس کی تولد ہوئی ۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ
۱۵۵ پر بھی یہ درج ہے ۔ کہ بی بی ام کلثومؓ چہارم زوجہ اور آخری زوجۂ قطب شاہ کے
اس بی بی کا اسلام اور نکاح عہد غوری میں غالباً ہوا ۔ الخ ان عبارات پر مختلف وجوہ
سے غور و اعتراض کیا جا سکتا ہے ۔

(ا) یہ کہ خسرو ملک سے شہاب الدین غوری نے ۵۸۲ھ نہیں بلکہ ۵۸۳ھ میں لاہور لیا ہے ۔
(ب) یہ کہ غالباً کا لفظ نکالتے اور لکھتے ہوئے وہ خود ازدواج کے ضمن نکاح و تولد اولاد میں شک و
شبہ میں پڑے ہوئے ہیں ۔ کہ کب نکاح ، بیاہ و اولاد ہوئی ۔
(ج) یہ کہ ادھر تو وہ وفات عون بن یعلیٰ کی ۵۵۶ھ قرار دیتے ہیں ۔ پھر یہ عورتیں غالباً عہد غوری
اور بعد خاندان غزنویہ جو مکمل طور پر ۵۸۳ھ میں ختم ہو گیا ۔ پس بعد عہد غزنوی یہ اولاد کی
تولد ہوئی ۔ نکاح وغیرہ کیا وقعت اور معنی رکھتے ہیں ۔ بلکہ یہ جملہ اقوال خود انکی تغلیط کرتے ہیں
(فتدبر فیہ)

(۴) چہارم وجہ اختلاف و انکی کمزور بیانی کے یہ بھی ہو سکتی ہے ۔ وہ اپنی کتاب باب الاعوان
کے صفحات ۱۴۲ ، ۱۴۳ میں بحوالہ میزان ہاشمی یوں لکھتے ہیں کہ ۔ پس عون چند سال در ہندو
ستان اقامت فرمود ، مردم را بیعت مے نمود ملقب بہ قطب شاہ شد ، بعدہٗ بحکم پیر جیلانی
واپس بغداد شد ۔ و در ۵۵۶ھ وفات یافت ۔
(ا) اول تو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ میزان ہاشمی کو جو عربی مورخوں کی عربی میں تصنیف شدہ
مانتے ہیں ۔ اور اکثر عربی کی عبارت ہی لائے ہیں ۔ مگر یہاں فارسی عبارت ہے ۔ معلوم نہیں
کہ اصل کتاب فارسی عربی دونوں میں ہے یا فارسی ترجمہ یہ خود بیان کرتے ہیں ؟ ۔

دوسرا انکی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک دوسری وجہ سے بھی اعتراض
کہ اگر جائز بھی ہو تو پھر بلا جرم و خطا یہ معزولی کیوں؟ جیسے کہ گذرا کہ۔
واپس بغداد اور یہاں ادھورا و کمزور ایسی کیا ضرورت پڑی تھی؟ ابا و عیال تو ہمراہ
یہاں اور اولاد بھی پیدا ہو گئی۔ ابتداً قطب درویش تھے۔ اب تو ماشاءاللہ امیر کبیر
ہندوستانی اولاد و حرموں نے ساتھ کچھ بھی نہ دیا۔ اور نہ آمد و رفت کا پتہ چلتا ہے۔
اتنی قوم کے باپ ہونے کے باوجود وہ اس کس مپرسی کی حالت میں رخصت ہو جانا
پھر یہاں ہند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ علاوہ ازیں اکثر اولیاء اللہ جو ہند
دنیا سے آئے وہ تو یہیں پیوند خاک ہوئے۔ اور آج تک ان کے مزار مرجع خاص و عام
ہیں۔ مثلاً علی ہجویری بمشہور داتا گنج بخش لاہوری۔ معین الدین اجمیری، قطب
کاکی وغیرہ۔ تو یہ وہ باتیں جو اُن سے منسوب کی گئی ہیں۔ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(۶) چھٹے اختلاف باب الاعوان کے مصنف سے اس طور پر بھی دکھا یا جا سکتا ہے کہ وہ قطب شاہ
بغدادی کیلئے تین ہندی حرموں کیلئے اور اولاد کیلئے جو ثبوت پیش کرتے ہیں انکی عبارت
اور وہ روایت تاریخ مخزن ہند مصنفہ منشی ہنومان پرشاد کائستھ قنوجی مطبوعہ لکھنؤ
پنجم ص ۱۳۲ (یا ۲۲۲ پڑھنے میں یہاں مشکوک ہے) بحوالہ باب الاعوان صفحہ ۱۴۲
ہو گئی ہے۔ "کہ میر قطب نام شخصے از بغداد بہ ہند آمدہ تہ زنان ہند در عقد آورد و
از ایشاں نسل بسیار است" انتہی۔ یہ بات یہاں بیحد کھٹک رہی ہے کہ اگر یہ وہی قطب شاہ
بغدادی ہیں۔ جو تبلیغ اسلام کیلئے سابق ہند تشریف لائے۔ صوفی اور درویش تھے
کہ کتب زاد الاعوان و باب الاعوان میں انھیں پیش کیا گیا ہے تو پھر یہ کیسے تصور کیا جا
سکتا ہے کہ چند صد ہمراہیوں کو لیکر یہاں انھوں نے ہند میں ریاست و شوکت و اقتدار
قائم کر لیا۔ جبکہ اس وقت محمود غزنویؒ جیسے ایشیا کے بڑے بھاری مدبر کو
بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ کرنے پڑے۔ اور پھر ساتھ ہی وہ عیش و عشرت
مشغول ہو گئے۔ بادشاہی اور درویشی میں شادیاں کرنی کوئی معیوب امر تو نہیں
بھی نہیں مگر چونکہ یہ روایت متذکرہ بالا قطب شاہ بغدادی کی نہیں بلکہ میر قطب حیدر کی
آئی ہے۔ جو قطب شاہ سالار سے معروف ہوئے جنھوں نے محمود غزنوی کے عہد
ہند جدید میں جہاد کئے۔ حکمران علاقہ پنجاب شمالی ہند رہے۔ راجپوت، بھارا

خوشی خاطر و فخر جان کر اسلام قبول کر کے اپنی بیٹیاں ان سے بیاہ کر دیں۔ اولاد ہوئی تو
ہم اس روایت کو عون قطب شاہ بغدادی سے بڑھ کر قطب شاہ سالار کی طرف منسوب
منتقل کرنے میں زیادہ حقدار و وزن دار سمجھتے ہیں۔ اور اس تطبیق و مناسبت نام کی وجہ
سے ترجیح کیا یقین کے درجے تک قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

اگر لفظ بغداد نے باب الاعوان وغیرہ کے مصنفین کو شبہ میں ڈال دیا ہو اور
وہ میر قطب حیدر کو قطب شاہ بغدادی کوئی دوسرا قطب شاہ اسلئے تصور کرتے ہوں
کہ وہ بغداد سے آئے ہیں۔ تو اس کا بھی جواب سن لیجئے۔ مصنف مخزن ہند نے قطب شاہ
کے غیر ہندی ثابت کرنیکو تو یقین راہ و سمت تبلادی۔ کہ میر قطب حیدر اس کے اسلاف
اصل میں بغداد عرب سے آئے ہیں۔ اور عارضی وطن غزنی کی بجائے بغداد لے لیا تو اس
میں کوئی برائی نہیں تھی۔ ہر زمانہ میں ایسا کیا اور کہا جا سکتا ہے۔ اقوام مشرق و مغرب
میں سمت و کرہ ارضی متعین ہو ہی جاتا ہے۔ مگر انھیں کیا خبر تھی کہ آئندہ چل کر بغداد
اور غزنی کا لفظ مابہ النزاع بن جائے گا؟ یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

چنانچہ تاریخ حیدری مصنفہ مولوی حیدر علی اعوان لدھیانوی کے صفحہ ۵۹ پر ہے،
کہ یہ بھی وہی غلطی ہے جو انکو بغداد سے آئے لکھا ہے۔ بغداد سے نہیں بلکہ غزنی سے آئے
ہیں۔ جو محمود کا دارالسلطنت تھا۔ اور غازیوں کا شہر۔ اور اسی قطب شاہ غزنی کا سراغ
و ذکر انگریز مؤرخین بھی لگاتے ہیں اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعوان قوم کے بزرگوں نے
انکو اس وقت یہ بیان دیا۔ جبکہ وہ ۱۸۶۵ء میں پنجاب کی قوموں کی تاریخ لکھ رہے تھے
گو آمد کی تاریخ ۱۰۳۶ء بیان کی ہے (پنجاب کاسٹس صفحہ ۲۵۶)

خود مصنف باب الاعوان و زاد الاعوان کو اس امر کا اعتراف ہے کہ یہ قطب
بغدادی ہیں اور بغداد آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ زاد الاعوان صفحہ ۱۴۲ و باب الاعوان
کے صفحات ۱۶۳-۱۹۶ سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ یہی ہراتی ثم الغزنوی قطب شاہ بغداد
آیا جایا کرتے تھے۔ انکی حرم اوّل بغدادی تھیں۔ بعض اولاد ہرات اور بعض اولاد
بغداد میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "و عون در شہر ہرات ہم چند عرصہ پیش تولد پیر
جیلانی اقامت و رزیدہ بود۔ و در ہرات قبیلہ علوی در آں ایام بسیار ماند"۔ اور
گو شوارہ اولاد قطب شاہ میں عبداللہ کی پیدائش ہرات اور محمد کندلان کی بغداد بتاتے

ہیں۔ اور صفحہ ۶۳ باب الاعوان پر بھی تولد (عبداللہ) گوہر علی ہرات ہی بتاتے
ہیں۔ اور جب میر قطب کو ہراتی بغدادی غزنوی مانتے ہیں تو پھر سلسلہ نسب میر
قطب کا عباسؓ علوی سے ملانا کیا معنی ہے؟ امیر قطب بہ معروف قطب شاہ سالار
تو محمد ابن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہیں۔

(۳) ہشتم جیسا کہ پچھلے اوراق میں زیر عنوان ذکر حضرت عباسؓ علوی فرزند حضرت علیؓ
میں مذکور ہو چکا ہے کہ شجرہ نسب عون قطب شاہؒ مندرجہ ہر دو کتب زاد الاعوان
و باب الاعوان بحوالہ میزان ہاشمی، و میزان قطبی جو آیا ہے اسمیں جعفر بن حمزہ اول
جیسی عربی مستند ابتدائی ماخذوں میں نہیں آیا ہے۔ اور یہ بات سب سے زیادہ اہم
اور قابل غور ہے۔ بلا دلیل ان کتابوں سے منہ موڑنا اصول اور ضابطہ تاریخ کیخلاف
ہے۔ اسلئے میزان ہاشمی وغیرہ کے ماخذوں کی تلاش جستجو و نظر ثانی کی دوبارہ شدت
سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اور محسوس ہونی چاہیئے بھی۔ اور اگر جعفر بن حمزہ اول
کسی ماخذ میں نکل بھی آئیں تو ہمیں کوئی اعتراض یا بَیر نہیں ہے۔ ہمارا مدعا اور اختلاف
رائے بہرحال ثابت اور جاری رہے گا۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ جہاں تک عون بن یعلیٰ
کے سلسلۂ نسب کا تعلق ہے جنکو حضرت عباسؓ کی نسل سے بیان کیا گیا ہے ہمیں ماننے
کوئی عذر نہیں ہو سکتا ضرور ایسا ہی ہوگا۔ مگر یہاں سے آگے انہیں عون بن یعلیٰ کو
قطب الہند بنا کر بھیجنا۔ اصلی نام چھوڑ کر قطب شاہ نام جوڑنا اور فرض کر لینا وغیرہ افسانے
کسی دوسری تاریخی روایات سے ثابت نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ نظریہ موہومہ مزعومہ نظر آتا
ہے۔ اسلئے نقل اور عقل دونوں اسے تسلیم کرنے سے معذور ہیں۔

اس پر مزید یہ کہنا کہ انہیں صوفی بزرگ اولیا و قطب کہلانے کی وجہ سے اولاد
قطب شاہی اعوان کہلائی محل تامل اور غور و فکر ہے۔ اگر ایسا ہونا امر واقعہ تسلیم
کر لیا گیا تو پھر سید عبد القادر جیلانیؒ جو زمانے کے قطب تھے۔ انکی اولاد قطب شاہی
سید کیوں نہ کہلائی۔؟ اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ عرب و عجم میں اور کتنے قطب
عالم گذرے ہونگے۔ کیونکہ سلک و اصول صوفیا کی بنا پر یہ معلوم ہو چکا کہ زمانہ
قطب سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر انکی اولاد بھی قطب شاہی کہلائی گئی یا مشہور ہوئی؟
ایک آدھ مثال اور پیش کیجئے کہ قطب کے درجہ پر فائز ہو جانے سے اولاد قطب شاہی

کہلائی گئی ہو؟ عون سے اعوان کا ہونا معنی کے لحاظ سے کچھ تو سمجھ آسکتا ہے مگر قطب الہند
کی اولاد سے اولاد کا قطب شاہی ہونا اور لقب دینا عون کو اصلی نام چھوڑ کر قطب شاہ
کا قطعاً حالات، مشاہدات و تاریخ کی روشنی میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

برعکس اس کے ادنیٰ درجہ تامل و غور سے یہ بات ذہن میں آ جاتی ہے کہ قطب شاہ
کہلانے و مشہور ہونے کے لئے کم از کم نام میں قطب کا لفظ تو ہوتا۔ اور عقل اس سے انکار
نہ کرے۔ پس جب قطب لفظ و نام کیساتھ ایسے اشخاص گذرے ہوں۔ جو بلحاظ وقت و دبدبہ
شاہی کیساتھ حکمرانی جہاد و تبلیغ کی ہر قطب شاہ معروف ہونے اور اولاد کو قطب شاہی
کہلانے میں کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ اور ہند سابق میں آنے سے پہلے بھی جن کی
شاہی آن بان کا سراغ ملتا ہو۔ خاندان غزنویہ کی ابتداء الپتگین سے شروع ہو کر خسرو
ملک آخری بادشاہ غزنویہ ۵۸۲ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس دور میں جس گھرانے اور خاندان کا
حال معلوم ہو رہا ہے۔ وہ اجداد میر ساہوؒ سالار و میر قطب حیدر بہ معروف قطب شاہ سالار
و سیف الدین سالار تھے۔ جنکو ابتداءً ہرات میں حکمرانی اور پھر محمود غزنوی کی ہمشیرہ ستر
معلیٰ کا میر ساہو سالارؒ کے عقد نکاح میں آنا خاندان شاہی سے ستر پردہ نہ ہونا۔ پھر
امیر ساہوؒ سالار کا سپہ سالار فوج برائے تسخیر ہند ہونا قطب شاہؒ سالار کا شمالی ہند میں
جہاد اور تبلیغ اسلام کا دورہ دورہ ہونا وغیرہ جملہ حالات، وقت اور واقعات اس امر
کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہی میر قطب حیدر قطب شاہ معروف ہوئے اور اولاد قطب شاہی
کہلائی۔

یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے؟ کہ کوئی دوسرے عون جنکو من گھڑت روایات سے قطب شاہ
کا لقب قطب الہند ہونیکی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ تین صد ہمراہی بغداد سے لیکر شمالی ہند
قدیم میں برائے جہاد و تبلیغ آتے ہیں۔ اور آتے ہی شوکت و اقتدار حاصل کر کے بیاہ شادیاں
رچا لیتے ہیں۔ جبکہ سلطان محمود غزنویؒ جیسے بادشاہ غزنی کو ہزارہا کے لشکر کیساتھ حملے
کرنے پڑے ہیں۔ اور پے بہ پے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد حملے کئے جاتے ہیں حتیٰ کہ
۳۹۲ھ تک سب سے پہلے پنجاب کو فتح کر کے مستقل سلطنت غزنی میں شامل کر لیا اور پھر
اسکے آگے پیش قدمی جاری رہی۔ مصنف کتب زاد الاعوان، باب الاعوان جب
بار بار آمد قطب شاہ در ہند و نکاح اولاد در عہد غوریہ ملتے و قائم کرتے چلے جا رہے

ہیں انھیں یہاں سوچ و بچار سے کام لینا چاہیے تھا۔ کہ عہد سلاطین غوریہ کی آمد ہند ۵۷۶ھ سے پہلے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ وہ بھی جنوبی راہ سندھ سے پہلے سندھ ملتان پر لشکر کشی کر کے فتح کرتے ہیں۔ پھر کہیں جا کر شمالی ہند سے حملہ آور ہو کر بتدریج ۵۸۵ھ میں خاندان غزنویہ کا چراغ گُل کر دیتے ہیں۔ اور جب عون قطب شاہ کی وفات ۴۷۵ھ مانتے ہیں تو پھر یہ مفروضے کہاں تک درست ہیں آپ خود غور فرمائیں ؟۔

میرا خیال ہے کہ بغدادی مؤرخوں کی تبعیت میں مولٰینا نے بھی سخت دھوکہ کھایا ہے اور گرد و پیش پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مفروضہ قائم کر لیا۔ اور اس سے باہر ہونا مشکل سمجھ کر اپنی ساری عمارت اسی مفروضے پر کھڑی کر دی جہاں میزان ہاشمی وغیرہ نے میزان قطبی کی عبارت پر اعتراض کیا کہ عون بن یعلیٰ کی پیدائش ۴۱۱ھ ہے۔ ادھر سلطان محمود غزنوی ۴۲۱ھ میں فوت ہوتے ہیں تو مستبعد جانا۔ کہ یہ ڈیڑھ سال کا بچہ کیونکر شریک جہاد ہند ہوا ہوگا، اعوانوں کا خطاب پایا ہوگا اور اسی نہج پر سوچ و بچار کا پہلا قدم انھیں تحقیق کی راہ سے دور لے گیا۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بیشک اگر وہ عون بن یعلیٰ جنکو تم یہاں مراد لیتے ہو تو وہ ہرگز جہاد ہند میں شریک نہیں ہوا ہے۔ اور نہ انہوں نے یہاں بیاہ شادیاں رچائیں۔ فافہم

(۸) ہشتم۔ صاحب زاد الاعوان و باب الاعوان نے متعدد مقامات پر یہ بھی لکھا ہے۔ "ہم حجاز سے عراق عرب آئے تو بغداد میں مذہب امامیہ شیعہ اختیار کر لیا۔ عہد ظہور عبدالقادر جیلانی میں عون نے شرف مذہب اہلسنت والجماعت پایا۔ اور پھر سالار و احباب سنی ہوئے۔ غالباً قطب شاہ و گورڑہ و کنڈاون وغیرہ حنفی گروہ مذہب سنی ہوئے۔ بعد ازاں کے یہ خراسان سے ہند کو پہنچے۔ تو قوم اعوان حنفی گروہ مذہب سنی میں اکثر ہوئے۔" (باب الاعوان صفحہ ۴۰) پھر اسی کتاب میں دوسری جگہ صفحہ ۱۴۳ پر ایک طویل قصہ و روایت مذہب شیعہ امامیہ کے ترک کرنے کی آئی ہے ... سطور سے کچھ نقل کیا جاتا ہے کہ شبہ نہ رہے "مرحوم را خبر شد کہ عون و خاندانش مذہب شیعہ امامیہ ترک کردہ بدست شیخ جیلانی مذہب اہلسنت والجماعت اختیار کردند الخ۔

معلوم نہیں ہوتا کہ عباسی علویوں کو کیسے بعد دیگرے یہ تین جا پلٹے کیونکہ

پہلے شیعہ تھے۔ بغداد میں شیعت سے توبہ کی۔ اہلسنت والجماعت کا مذہب اختیار کیا۔ چونکہ سید عبدالقادر جیلانی حنبلی مذہب کے پیرو تھے۔ اسلئے حنبلی مسلک اختیار کر لیا۔ اور پھر خراسان سے جب ہند پہنچے تو حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ بعد اس کے کہ شیعت ترک کر دی یہ قیاس میں نہیں آتا کہ پیر کے مسلک کو اتنی جلدی ترک کیوں کر دیا؟۔ قطع نظر اس کے کہ ایک قطب وقت مجتہد کی یہ تقلید تائید کہاں تک وزن رکھتی ہے؟ اور پھر واپس بغداد جا کر پیر جیلانی سے ملاقات بھی ہوئی۔ پیر صاحب دریافت فرما سکتے تھے کہ حنبلیت کی جگہ حنفیت کو ترجیح دینے کے کیا دلائل رکھتے ہو۔؟ ترک مسلک شیخ کی کوئی وجہ نہ بتائی۔

کون مؤرکھ اور نادان ایسا ہوگا جو سید عبدالقادر جیلانی کا نام سنکر سر عقیدت و نیاز خم نہ کرتا ہوگا؟ اور ان کے علم و فضل و کرامات کا یقین نہ کرتا ہوگا؟ کہیں بغدادی مؤرخوں نے اور انکی تبعیت میں مولانا مرحوم مذکور نے خوش اعتقادی و خوش فہمی میں مبتلا ہو کر کہیں مبالغہ آمیز افسانے تو نہیں گھڑے ہیں؟

رہا شیعت سے دستبرداری کا مسئلہ۔ تو عون بن یعلیٰ اور انکی اولاد پر جنکو "عباسؓ بن حضرت علیؓ" کی نسل سے شمار کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا الزام ہے جو شاید ان کی اولاد کو بھی مسلم نہ ہو۔ یہ کب ضروری سمجھا گیا ہے اور لابدی امر ہے؟ کہ اولاد حسنین یا اولاد عباسؓ علمدار سب کے سب شیعہ ہوں۔ جو ہمارے زمانہ میں ایک مخصوص جماعت مراد لی جاتی ہے؟ کیا وہ سب سید جو شیعہ بننا پسند نہیں کرتے وہ قابل احترام اور حق پر نہیں ہیں؟ یا صرف اس جرم پر مورد طعن و تشنیع ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر فی الحقیقت عباسؓ بن علیؓ کی اولاد سے جو شیعوں کے مشن سے کام و محبت رکھتے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی جابر و قاہر حکومتوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور اپنے نصب العین کیلئے صدیوں تک ٹکراتے رہے مورد الزام ہیں؟ اور شیعہ حضرات تو آج بھی ان کے جد امجد عباسؓ کی یاد میں علم (جھنڈے) کا جلوس نکالتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

علم آیا علمبردار نہ آیا !!

کیا اہلسنت والجماعت اہل بیتؓ کی محبت و احترام سے اپنے آپکو مستثنیٰ سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سنیوں کے امام شافعیؒ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

ان کان رفضا حب آل محمد   فلیشہد الثقلان انی رافضی

لیکن سنی المذہب کے پیروؤں کے نزدیک اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اور کمال محبت کے باوجود وہ عقیدہ و کردار نہیں ادا کرتے۔ جنکی زد براہ راست شریعت کا حقہ کے بنیادی اصولوں پر پڑتی ہو۔ اور رسول پاک صلعم کا مشن رسالت چند موہوم رسوم ادا کرنے کا صرف نام رہ جاتا ہو۔

مصنف باب الاعوان وغیرہ انساب کے ضرور قائل ہیں۔ اور اپنی کتب میں انکار نہیں کیا ہے کہ محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد سے اعوان پاک و ہند میں نہیں۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اعوان جو محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد ہند قدیم میں سالار مسعود سالار کے ہمراہ آئی۔ انکی اولاد سے اعوان پاک و ہند میں موجود ہے جو اپنے آپکو حنیفی کہلاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کا سلسلہ نسب محمد حنیفؒ سے ملتا ہے۔ اور ایسا دعویٰ کرنیوالا بھی بڑا گروہ اعوانوں کا ہے۔ اور بڑے دعویٰ سے حنیف شاہی اعوانوں کی تاریخ لکھنے کا بعض مقامات میں ذکر بھی کرتے ہیں۔ افسوس کہ ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے کوئی کتاب لکھی بھی یا نہیں؟ اگر حنیف شاہی اعوانوں کا ایک آدھ سطر پر شجرہ ہی ذکر کر دیتے مثل اپنے شجرہ نسب و بیان کے۔ تو آج اتنی دقت پیش نہ آتی۔ سارا زور اس قول کے ثابت کرنے میں صرف کر دیا ہے۔ کہ قطب شاہ بغدادی کی اولاد سے قطب شاہی اعوان ہیں۔ اور وہ قطب شاہ عون بن یعلیٰ از نسل عباسؓ بن علیؓ تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ خیال قطب شاہی اعوانوں کی عباس علمبردار کی اولاد ہونے سے کہاں اور کس طرح سے پڑ گئی؟۔ اگر وہ ادنیٰ درجہ تامل سے بھی کام لیتے۔ محمودؒ غزنوی کے دور میں سالار مسعود سالار کے زمانہ، قوم کی روایات و تاریخی واقعات پر تاشانہ اور مدبرانہ طور پر سوچ و بچار کرتے تو انہیں تحقیقات کا رُخ ایک دوسرے موڑ پر ڈال دیتا۔ اور گنجائش نکل جاتی۔ میر قطب حیدر معروف قطب شاہ سالار سے منہ موڑنے اور صرفِ نظر اور انکار کی ضرورت نہ پڑتی۔

حیرت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ خود اپنی کتاب میں ملک قطب حیدر یا میر قطب حیدر شاہ باوجود تسلیم کرنے کے کہ وہ سالار مسعود کے ہمراہیوں (دیگر بھائیوں) سے ہے جیسا کہ شجرہ نسب نمبر ۳ سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اقرار و تسلیم کرتے ہیں کہ بعض اعوان یہ شجرہ بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بھی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعات کو بالائے طاق رکھنا اصولاً

انساب سے بعید ہے۔ تمام قوم کی پکار کو خود نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور میر قطب حیدر کو جو ہر لحاظ و واقعات و حالات، روایات کی بناء پر موزوں و سمجھتا ہے مطلق کان نہیں دھرتے۔ تاریخی روایات کی روشنی میں تلاش تو درکنار خود بیسیوں نسبنامے کئی اختیارات استعمال کرتے ہوئے رد کرتے ہیں اور ایک دوسرے فرضی قطب شاہ بغدادی کی اولاد میں جکڑنے کیلئے نانامے کی پیشیوں کی طرح خالیں نکالنے کیلئے بیسیوں کتابوں کے صفحات الٹ دیتے ہیں۔ اور آج محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد کہلانیوالوں کیلئے انکی کتابیں موجب اضطراب و تشویش بنی ہوئی ہیں۔ ایسی تاریخیں جو شکوک و شبہات پیدا کرنے کا موجب بنتی ہوں نہ لکھنی ہی بہتر ہیں۔ قطب شاہ بغدادی اور ہراتی، غزنوی میں افتراق کی خلیج حائل نہ ہوتی۔ جنکی بناء پر تعین قطب شاہ کی وجہ سے تاخر یا تقدم زمانی کے لاحق ہونے سے بیسیوں حقائق بھی رو پوشی کرنے نہ پڑتے۔ جبکہ اعوان قوم کا دعویٰ تھا کہ وہ سبکتگین اور محمود غزنویؒ کے عہد سے ہی داخل ہند قدیم از راہ شمال مغربی صوبہ سرحدی (سابق) ہوئے اعوانوں کا خطاب پایا۔ مجاہدانہ لڑائیاں لڑیں۔ حتیٰ کہ معرکہ سومنات میں بھی شجاعتی کارنامے دکھائے۔ نائب سلطنت ہند و پنجاب رہے جاگیریں پائیں۔ قدیمی ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے بیاہ شادیاں کیں۔ اولاد ہوئی۔ اور اب تک پنجاب و سابق صوبہ سرحد (پشاور ڈویژن) کے بیشتر اضلاع میں مقیم و موجود ہیں۔

یہ جملہ حقائق قطب شاہ بغدادی سے منسوب کر دینا قطب شاہ بغدادی کی حقیقت جداگانہ اور جملہ حال احوال کو مشتبہ و کالعدم بنانے میں ممد و مددگار بن گئے۔ بلکہ تاریخی حالات و واقعات کی روشنی میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ میر قطب حیدر مجاہد بہ معروف قطب شاہ غزنوی کے کوئی دوسرا قطب شاہ بغداد سے ہند کو آیا ہی نہیں۔ اور نہ اس کا ہمیں تاریخوں میں کوئی سراغ ملتا ہے۔

درحقیقت اگر غور کیا جاوے تو کتاب زاد الاعوان صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۲ بار سوم ۱۹۸۱ء میں مصنف میر قطب کو ہی بغدادی قطب شاہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ میر قطب حیدر کا نسبنامہ محمد ابن الحنفیہؒ سے ملتا ہے۔ ایک لفظی نزاع درمیان میں آ پڑا ہے۔ فرق نسبنامے ملانے اور آمد ہند کے وقت کے تعین کا ہے۔ وہ عہد غوریہ مانتے ہیں اور ہم عہد محمود غزنوی۔ گذشتہ اوراق میں ثابت کر چکے ہیں (فافہم وتدبر)

میں نے اپنی اس ناچیز تالیف میں حتی الامکان اس امر کا التزام کیا ہے کہ مجھے کوئی قول یا روایت یا تحریر خصوصاً اولاد علیؓ سے محمد بن الحنفیہؒ کے متعلق موافق و مخالف ملے۔ بغیر کسی جھجک یا چھپانے کے بیان میں لاؤں۔ محقق اور مدبر خود نقل و عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول یا رد کر دیں۔ اسلئے کہ اب ایسا ہوتا ہے کہ جسکو ایک مورخ یا تذکرہ نویس اپنی عقل اور سمجھ کے موافق غلط سمجھتا ہے۔ تو دوسرے کے نزدیک واقعات و حالات کی بناء پر وہ روایت درست ٹھیکتی ہے۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ آئندہ ہر تحقیق کرنیوالا کیلئے ایک قدم اور آگے ہی بڑھے۔ کسی کی تحقیق تاریخ میں تو حرف آخر نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ تحقیق و تجسس کے تمام پہلو اجاگر نہ ہو جائیں اور شک و شبہ باقی نہ رہے۔ اب میرا تصور اور دماغ پاکستان کے باہر ملکوں و مقامات و علوی تاریخوں کی تلاش میں ہے۔ مگر کہاں ؟

میرا ابتدائی تصور کچھ ایسا ہی تھا کہ حضرت علیؓ کی اور انکی اولاد کی بابت کوئی خصوصی ایسی کتابیں ملیں کہ کچھ آگاہی حاصل ہو۔ اور ضرور ایسی کتابیں ہونگی۔ مگر معلومات اور وسعت نظر محدود تھیں۔ اتفاق سے ایک کتاب جس کا نام "سر السلسلۃ العلویہ" لابی نصر بخاری جو ۳۴۱ھ صدی ہجری کی تصنیف عربی میں ہے۔ اور نئی مطبوعہ نجف اشرف ۱۳۸۲ھ سامنے آئی[1]۔ جو خالصاً خود علی و بنی فاطمہؓ یعنی اولاد علیؓ کے بیان و نسبناموں چند پشتوں کے بیان پر مشتمل تھی۔ جو اس وقت تک ہونی چاہیئے۔

یہ مذہبی اور مسلکوں کی کتاب نہیں صرف بیان اولاد علیؓ و نسبناموں کا ہے۔ جو ایک تاریخی نوعیت کی ہے۔ اور بیان بالکل مختصر ہے۔ یہ اولاد ہے۔ یہ نسب ٹھیک ہے۔ فلاں غلط ہے۔ فلاں اولاد سے نسب چلا ہے۔ وہاں جا کر ختم ہوا۔ مختصر روئداد اگر ہو تو بیان کر دی گئی۔ حتیٰ کہ اس میں آلِ علیؓ یعنی اولاد علیؓ کی اس وقت تک کی مردم شماری بھی کی ہے جو اس وقت اطراف و اکناف بلاد عرب میں بستے تھے۔ اسلئے میں اُسے اس سلسلہ میں قدرے مفتی اور جامع دیکھتا اور پاتا ہوں۔

اولاد محمد بن الحنفیہؒ کے ذکر میں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن

[1] سر السلسلۃ العلویہ، نسب قریش۔ جمہرۃ الانساب وغیرہ متذکرہ کتب عنوان بخدا سید غلام حسن شاہ کاظمی ٹھنگر آزاد کشمیر کے کتب خانہ میں موجود ہیں)

الحنفیہؒ کی اولاد و نسل جن سے چلی ہے۔ وہ جعفر الاصغر ہی ہیں۔ جعفر الاصغر سے آگے چل کر زید الطویل، اسحٰق بن عبداللہ۔ محمد ابن علی بن عبداللہ، راس المذری انہیں تینوں سے اور باختلاف روایت چوتھے محمد ابراہیم بن جعفر سے۔ جس کے بارے میں اس وقت کے علماء نسب نے یہ رائے پاس کی کہ ابراہیم بن جعفر کا لاولد ہونا صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے نسل چار سے چلی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت نسب ناموں وغیرہ کا کس قدر زبردست اہتمام ہوا کرتا تھا۔ اور ان تینوں کے نسب نامے وہاں پر اس طرح درج ہوئے ہیں۔

(۱) کوفہ کے محمدی :۔ اولاد ابی یعلیٰ[2] حمزہ۔ بن الحسین، بن زید، بن جعفر ثالث بن عبداللہ بن عبداللہ، بن جعفر اول (مقتول یوم الحرہ) بن محمد بن الحنفیہؒ۔

(۲) فارس کے محمدی :۔ ابی الحسن احمد بن محمد ابن محمد بن علی، بن اسحٰق، بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد بن الحنفیہؒ۔

(۳) قزوین کے محمدی :۔ جو بڑے رئیس اور قم میں علماء اور رئیسوں میں نقیب تھے۔ وہ اولاد محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ، بن جعفر بن محمد بن الحنفیہؒ

(۴) شیراز اور ہوز رکے محمدی :۔ ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد الحنفیہؒ سے نسب ملاتے ہیں۔ یہ وہی اختلاف والے ابراہیم ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ نسب بھی ملانیوالے صحیح ہیں کیونکہ علمائے نسب اس وقت کا فیصلہ معتبر سمجھنا چاہیئے کہ وہ اجماعی ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط تک محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد کو بطور امتیاز محمد بن الحنفیہؒ سے نسبت کی وجہ سے محمدی کہتے اور کہلاتے تھے۔ اور پھر ہند قدیم میں وہ اعوان کے خطاب کی بدولت اعوان کہلانے لگے۔ اور یہ تینوں بلکہ چاروں شجرے نسب عربی نام و رسم عرب کے موافق ہیں۔

(ب) اسی سلسلہ میں ایک اور کتاب ۔ "نسب قریش" ابی عبداللہ المصعب بن عبداللہ بن المصعب الزبیری ولادت ۱۵۶ھ وفات ۲۳۶ھ کے اقتباس بھی سامنے آئے۔ جو

[2] شاید یہی یعلیٰ کا لفظ محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے اور ادھر یعلیٰ کا لفظ عباس علمدار کی اولاد کے موجب اشتباہ بغدادی مورخوں اور مولوی نور الدین مصنف زاد الاعوان وغیرہ کیلئے بن گیا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سرالسلسلۃ العلویہ سے بلحاظ وقت وتصنیف مقدم ہے اور اولاد علیؑ کے بیان میں ہمکو ٹھیک دوسری صدی میں پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ وہاں بھی کتاب کے ص ۷۷ ۔ ۸۰ پر محمد ابن الحنفیہؓ کے بیٹے جعفر الاصغر سے لیکر جعفر ثالث تک بیان آیا۔ اور جعفر ثالث سے آگے سرالسلسلۃ العلویہ سے نقل ہو گیا۔ کما مر۔

(ت) اس کے بعد جمہرۃ الانساب العرب ص ۶۶ لابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی ولادت ۳۸۴ وفات ۴۵۶ھ دارالمعارف بہ مصر مطبوعہ ۱۳۸۲ھ، ۱۹۶۲ء میں بھی محمد ابن الحنفیہؒ کے بیٹے جعفر اور انکے بیٹے عبداللہ سے کثیر اولاد ہونا بیان کیا۔

(ج) اسکے بعد ملاحظہ ہو کتاب منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل فارسی ج ۱ ص ۱۳۰ مطبوعہ طہران۔ ایران ۱۳۷۷ھ مصنف علامہ شیخ عباس قمی وفات ۱۳۵۹ھ (ذکر اولاد محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ)

نقل مطابق اصل:۔ محمد بن الحنفیہ را بیست[۲۴] وچہار فرزند بودہ، چہاردہ تن از ایشاں ذکور بودند ومعقبش از دو پسران خود علی وجعفر است۔ وجعفر در یوم حرہ کہ مسرف بن عقبہ بامر یزید بن معاویہ اہل مدینہ را میکشت۔ بقتل رسیدہ وبیشترا عقاب او منتہی مے شوند۔ بہ راس المذری عبداللہ بن جعفر الثانی بن عبداللہ بن جعفر بن محمد بن الحنفیہؒ وجملہ ایشان است شریف نقیب ابوالحسن احمد بن القاسم بن محمد العوید بن علی بن راس المذری وپسرش ابو محمد حسن بن احمد سیدی جلیل القدر است۔ خلیفہ سید مرتضیٰ بود، درامر نقابت بغداد از برائے او اعقابی است از اہل علم وجلالت وفضل وروایت معروف اند۔ بہ بنی النقیب المحمدی نیکن منقرض شدند، واز جملہ ایشاں است، جعفر الثالث بن راس المذری وعقب او از پسرانش زید وعلی وموسیٰ وعبداللہ است واز بنی علی بن جعفر ثالث است ابو علی محمدی مدمعجرہ وا ومحسن بن حسین بن عباس بن علی بن جعفر ثالث است کہ صدیق عمری است۔

از ابی نصر بخاری نقل شدہ کہ منتہی مے شود نسب محمدیہ صحیح بہ سہ نفر زید الطویل بن جعفر ثالث، اسحٰق بن عبداللہ راس المذری، ومحمد بن علی بن عبداللہ بن محمد راس المذری واز بنو محمد بن علی بن اسحٰق بن راس المذری است۔ سید ثقہ ابو عباس عقیل بن حسین بن محمد مذکور کہ فقیہ محدث کثیر الروایۃ بود۔ برائے او ست کتاب صلوٰۃ، کتاب مناسک

حج وکتاب آماتی قرأت کردہ براو شیخ عبد الرحمان مفید نیشاپوری۔ واز برائے او عقبی است۔ بہ نواحی اصفہان وفارس واز فرزندان راس المذری است۔ قاسم بن عبداللہ راس المذری فاضل محدث وپسرش شریف ابو محمد عبداللہ بن قاسم۔ واما علی بن محمد بن الحنفیہؒ پس از اولاد اوست۔ ابو محمد حسن بن علی مذکور بود مرے بود فاضل کیسانیہ در حق او ادعا کردند۔ امامت را وصیت کرد بہ پسرش علی کیسانیہ در حق او ادعا کردند۔ امامت را۔ وصیت کرد بہ پسرش علی کیسانیہ او را امام گرفتند، بعد از پدرش الخ۔ ابو نصر بخاری گفتہ کہ محمدیہ در قزوین رؤسا مے باشند ودر قم علما باشند ودر رے سادات اند (یعنی نقیب خواص)

علہ:۔ علی شاید لقب ابو ہاشمؒ ہو۔ ادعائے امامت یا کیسانیہ کی نسبت انہیں ابو ہاشمؒ کی طرف کتابوں میں کی گئی روایت ہے۔ جو آگے مقطوع النسل ہو گئے۔ اور اگر علی بن محمد حنفیہؒ سے ٹھیک وہی مراد لئے جائیں۔ تو وہ بھی آگے مقطوع النسل ہو گئے۔ مصنف،

آخری زاویہ نگاہ

ہمارے سامنے بظاہر محمد بن الحنفیہؒ سے ملنے والے شجرہ جات (نسبنامے) دو قسم کے اینک نظر آتے ہیں، عربی اور ہندوستانی۔

(۱) ایک تو یہی گذشتہ متصلہ اوراق پر جو کتاب سر السلسلۃ العلویہ سے بیان کیا گیا۔ کہ کل محمدی کہلانیوالے جعفر الاصغر کی اولاد سے ہیں۔ حمزہ، علی، قاسم، عون، ابراہیم (زندان محمد بن الحنفیہؒ) یا تو شروع ہی سے یا آگے چل کر لاولد ہو گئے۔ اور نسل منقطع ہو گئی۔ ہاشم، حسن، عمر، جعفر الاکبر وغیرہ کی اولاد سے بھی سکوت ہے اور تحقیقی بلکہ اصح یہ ہے کہ یہ بھی منقطوع النسل گذر رے۔ کتابوں میں انکی اولاد کا ذکر ذیلی دیں قطع کی ہو سکتی ہے۔ کتاب سر السلسلۃ العلویہ اس وقت کے قریب العہد تصنیف ہونے کے اور صرف اسی موضوع یعنی اولاد علیؓ کے ذکر و نسب ناموں و مختصر تاریخی ذکروں پر مشتمل ہے۔ تاریخی تحقیقاتی لحاظ سے بہت اہم اور جامعیت کی حامل ہے؛ عربی رسم و رواج کے موافق اور مطابق نام بھی ہیں اور نقد و تبصرہ کے بعد جو کہا گیا ہے وہ نہایت قیمتی اور وزن دار ہے۔ اور اصحاب تدبر و فکر کیلئے اس موضوع پر سب سے پہلا ماخذ قبول کرنا چاہیئے۔ اور اس سے فرار بوجوہ مسلم نہیں۔

(۲) دوسری قسم کے وہ نسبنامہ جات ہیں۔ جو مؤرخین ہند بیان کرتے ہیں۔ اور وہ بھی تین شقوں پر منقسم ہو سکتے ہیں۔

شق اول الف یہ کہ ان میں ایک تو بالکل اس قسم کے نسبنامے نظر آتے ہیں جو میراثیوں نسب خوانوں ! بھاٹوں، مؤرخوں وغیرہ کے طوطے کی طرح قطب شاہ سے اوپر محمد بن الحنفیہؒ تک شاہوں وغیرہ کی ردیف وار نیچے چلا کر محمد بن الحنفیہؒ سے پہلے کسی شاہ پر پہنچا کر بے دھڑک رٹ رٹے گئے ہوں۔ اور اسی قسم کے شجرے کچھ زیادہ بھی نظر آتے ہیں۔ پشتوں کے شمار میں اختلاف وغیرہ۔ قسم قسم ناموں کا اضافہ خود انکی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔ صاحبان

غور و فکر سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہ جاتا۔ جن کے متعلق مفصل تبصرہ پہلے گذر چکا۔

شق دوئم ب) وہ شجرے ہیں جو عون بن علی بن محمد۔ عون عرف قطب غازی بابا۔ عون سکندر غازی بابا وغیرہ پر ختم ہوتے ہیں اگر یہ علی بن محمد یا عون بن علی بن محمد پسر محمدؒ بن علیؓ کی اولاد سے ہوں تو ایسے شجرے نسب سر السلسلۃ العلویہ میں ملانے درست نہیں ٹھہرائے۔ بلکہ ملانیوالوں کو کاذب کہا اگرچہ آخری نام عربی ہی ہیں اور اولاد محمد بن الحنفیہؒ سے عون بھی ہیں مگر وہ لاولد رہے۔

شق سوئم ج) وہ نسبنامے جو میر قطب شاہ سے شروع ہو کر شاہ عطاء اللہ غازی۔ بن شاہ طاہر غازی وغیرہ سے لیکر عبد المنان و عبد الفتاح انہیں عبد المنان کے برادر خورد پسر محمد بن الحنفیہؒ سے ملاتے ہیں (جیسے ملاحظہ ہوں اسی کتاب میں نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸) اور انہیں ناموں و نسبناموں کو قطب شاہی اعوانوں کے سلسلہ میں اہل ہند محمد بن الحنفیہؒ سے بیان کرتے ہیں۔ یہی کتاب آئینہ مسعود غازی از عنایت حسین بلگرامی اور پھر انکی تبعیت میں کتاب رشحی محمود آبادی میں سلطان الشہدائے ہند اور تاریخ حیدری و تاریخ الاعوان وغیرہ میں یہی سلسلہ نسب حضرت میر قطب شاہ کا لکھتے ہیں۔ تائید پر تائید کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور درست تسلیم کرتے ہیں۔ اور انہیں کو قطب شاہی اعوانوں کے مورث نسلی ذکر کرتے ہیں۔

درحقیقت گہری سوچ و بچار اور غور و خوض کے بعد یہ بات پائی جاتی ہے کہ شق و۔ ب۔ ج گو بظاہر مختلف نظر آتی ہیں مگر ان کا منبع و ملن ایک ہے۔ اور یہ نسبنامہ جات آپس میں قریب کا تعلق رکھتے ہیں۔ گو نسابوں اور بھاٹوں کی دستبرد سے نہیں بچ سکے۔ فرد واحد قطب شاہ سے شروع ہو کر محمد بن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ بن ابی طالب پر ہی جا کر ختم ہونے بیان و ذکر کئے گئے ہیں۔ اور اختلاف لقب، کنیت عرف وغیرہ کے لاحق ہو جانے سے حقیقت مسطور نہیں ہو سکتی۔ اب میرے ذہن میں یہ بات مختلف اسبابوں کی وجہ سے دخل پذیر ہو رہی ہے۔ کہ کیا یہ اصلی نام ہیں؟ یا لقب، کنیت، عرف وغیرہ؟ تو میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ یہ نام اصلی ذاتی وصفوں، عرفوں کنیتوں سے ملقب ہو کر اہل ہند قدیم کے سامنے آئے۔ اور انہوں نے ہی جاری و قائم کر دیئے۔ خود اس کتاب کے چند متذکرہ نسبناموں میں

ایک شخص کے تین تین نام متصور ہو سکتے ہیں جو بیان ہوئے ہیں۔ اور ہر کہ و مہ اصلی نام نہیں شناخت کر سکتا۔ دوسری وجہ اصلی ناموں کے گم ہونے کی تاریخوں سے بھی پائی جاتی ہے۔ خصوصاً عباسیہ دور کے خاتمے تک اُن علویوں کیلئے جنھوں نے حکومت وقت کا سکون دیا اور علویوں کی تحریک سے وابستہ یا مشتبہ سمجھے گئے۔ بہتیرے علوی نسب بھیس اور نام بدل بدل کر سرحدوں تک پہنچے ہیں۔ کیونکہ انکی زندگیاں مخدوش و مخطور دور سے گذر رہی تھیں۔ اور وہ اصلی نام ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اور رواج بھی اکثر پکارنے کا قبیوں سے زیادہ تھا۔

یوں تو قصہ طویل ہے۔ میں اپنے مطلب کی بات سامنے لاتا ہوں۔ حیات سلطان باہو میں لکھا ہے کہ سادات بنو فاطمہ و علویہ سمٹ سمٹا کر جب ہرات کے نزدیک پہنچے تو علویوں نے قلعہ ہرات پر قبضہ کر لیا چونکہ ہرات پر شاہ حسین نے قبضہ کیا تھا اُس کا بیٹا امان شاہ بعد کو تخت نشین ہوا۔ (یعنی حکمران بنا) اور تین چار پشت تک ہرات رہا ہے۔ بعد کو اپنے غلبے کے دور میں اور زیادہ عباسیوں کے آخری عہد میں پنجاب وغیرہ کو پہنچے۔

یہ بات یہاں ذہن نشین رہے۔ اور ذرا دیر کے لئے پچھلے اوراق میں قطب شاہ سے اوپر کے بعض شجرہ نسبوں کو مطالعہ کیجئے۔ قطب شاہ بن امان شاہ۔ بن سلطان حسین شاہ تیسرے نمبر اور کہیں مسخ شدہ صورت میں چوتھے نمبر پر ملیگا۔

جیساکہ میں پچھلے اوراق میں ذکر کر آیا ہوں ایک تائید غیبی سے ہی ابتدائی کتب تاریخ نسب خصوصاً آل علیؓ میسر مل گئی ہیں۔ پھر قریب العہد ہونے کی وجہ سے ۱۵۶ھ سے لیکر ۱۳۵۰ھ تک حتیٰ کہ منتہی الآمال فی تاریخ النبی والآل مطبوعہ طہران فارسی جس کا مصنف ۱۳۵۹ھ میں فوت ہوا۔ کے بعد دیگر صدیوں سے ایک دوسرے کی تائید کرتی چلی جا رہی ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ سلسلہ نسب قریش خصوصاً بنو علیؓ اور پھر آل محمد ابن الحنفیہؒ کے حق میں وہ مستند، مکمل اور جید ماخذ ہیں جو کبھی بھی اور کسی بھی وجہ سے نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔

تاریخی حالات و واقعات کی روشنی میں ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ میر قطب حیدر شاہؒ عون بن ابی یعلی حمزہ لقب میر شاہ عطاء اللہ غازی امان شاہ بھی کہا گیا۔ بن الحسینؒ

لقب میر طاہر غازی سلطان حسین شاہ والئے ہرات بن زیدؒ ملقب بہ طیب غازی بن جعفر ثالثؒ ملقب بہ شاہ محمد غازی بن عبداللہؒ ملقب و مشہور بہ میر شاہ عمر غازی بن جعفر ثانیؒ ملقب بہ شاہ ملک آصف غازی۔ بن عبداللہؒ راس المذری ملقب بہ شاہ بطل غازی بن جعفر الاصغرؒ اول علیہ ملقب بہ عبد المنان سکندر ثانی بن محمد الاکبر مشہور و معروف بہ ابن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔

یہی شاہ حسین والئے ہرات اول نواح کوفہ و عرب و عراق سے سندھ آئے اور یہاں سے ہرات پر تسلط اور پھر غزنی غازیوں کے شہر میں سبکتگین کے عہد سے تا آخر عہد غزنویہ غزنی، ہرات، بغداد بھی آمد و رفت رہی۔ چونکہ خاندان شاہ حسین اور اُن کے اخلاف کا ہرات میں باعزت وجاہ و با اقتدار خاندان تھا۔ اسی لئے محمود غزنویؒ جیسے ایشیا کے اس وقت کے بڑے بھاری مدبر و سلطان نے میر ساہوؒ سالار کو اپنی ہمشیرہ بیاہ دینے میں کوئی عار نہ سمجھا۔ میر ساہوؒ کی اولاد کا سلسلہ سالار مسعود غازیؒ پر ختم ہو گیا۔ اور میر سیف الدین کی اولاد کا بھی ذکر سامنے نہیں آیا۔

یہ شجرہ نسب پاک و ہند کے قطب شاہی اعوانوں کا ہے۔ اور اس کے علاوہ تین چار شجرے نسب ایسے ہونگے جو محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد سے تو ہوں۔ مگر قطب شاہی اعوان نہ ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو اولاد محمد ابن الحنفیہؒ سے ابتدائے عہد اسلام میں سندھ آئے ہیں جیسے کہ اس سے پیشتر کے اوراق میں ثابت کیا گیا ہے کہ عمر الاطرفؒ اور محمد ابن الحنفیہؒ کی اولاد سے علوی سندھ میں موجود تھے۔ اور عمری علویوں کا تو سندھ کی ریاست ملتان پر حکمرانی کا نشان بھی ملتا ہے (اور کتاب سر السلسلۃ العلویہ میں اولاد عمر علوی کا ہند جانے کا ذکر بھی کیا ہے) ان کا شجرہ نسب محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے کسی سلسلہ دوسرے سے ملتا ہو وہ درست ہوگا۔

پس قدر مہیا کتب قدیم و جدید کے اس مبحث کے مطالعے، موازنے، جائزے، اور تبصرے کے بعد مختلف قسم کے شجرۂ انساب پر گہری سوچ بچار کے بعد قوم اعوان کی چودہ سو سالہ سینہ بسینہ متواتر روایات اپنے موقف و معتقدات پر ڈٹے رہنے کی بناء

عله مقتول یوم الحرہ مدینہ شریف۔

ثه مشہور سلطان حسین شاہ ہرات ان سے بہت موخر تر ہیں۔ اور وہ نسباً غوری ہیں۔

پر حالات تاریخی واقعاتی کی روشنی کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے۔ (اور اس کے برعکس ایسے ہی مدلل وجوہ کی بناء پر نظریہ اور قول مخالف سے رجوع بھی کیا جا سکتا ہے اگر کل) و ہند میں قطب شاہی اعوان اسی ایک میر قطب حیدر معروف بہ قطب شاہ غزنوی کی اولاد سے ہیں جن کا شجرہ نسب محمد بن الحنفیہؒ سے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ بن ابی طالب کے بیٹے ہیں، ملتا ہے۔ اور مصنف باب الاعوان وغیرہ اور ما بعد انکے جانشین مصنفین نے جو اسی غزنوی قطب شاہ کو بغدادی قطب شاہ سمجھ لیا۔ جن کا شجرہ نسب وہ عباس علمدار سے ملاتے ہیں یہ نظریہ اور نسب نامہ ملانا غلط ہے۔

یہی قطب شاہی اعوان یا ان کے اسلاف و دیگر کنبہ و قبیلہ وہ ہیں جنھوں نے چوتھی صدی ربع آخر سے سلطان سبکتگینؒ و محمود غزنویؒ کے جہادی لشکروں میں افواج غزنوی میں کمانڈر انچیف اور جنرلوں کی حیثیت سے بہادری و شجاعت کی انمٹ نشانیاں قائم کیں۔ اقتدار و عروج حاصل کیا۔ اعوانوں کا خطاب پایا۔ پاک و ہند کے شمالاً جنوباً کشمیر تا کراچی سابقہ وسعت حدود سندھ وغیرہ تا حدود مغرب افغانستان و فارس تک غزنوی تاجداروں کے ماتحت نائب ہند وغیرہ حکمران رہے۔ جاگیر پائی شاہ کہلائے۔ اور اپنی ہمعصر قوموں افغانوںؒ، خشکوں، جنجوعوں، ہندوں، راجپوتوں پر گوئے سبقت لے گئے۔

سلطنت غزنوی کے زوال کیساتھ ساتھ انکی حکمرانی و اقتدار ختم ہوتا گیا اور قوم سے ملک و علاقے چھوٹتے اور تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔ تاہم پھر بھی سمٹتے سمٹاتے ہوئے اس وقت سے لیکر آج تک سرزمین سندھ شمالی کوہستان کے والی علاقہ اعوان کاری میں بہتیرے خاندان اس وقت کی یادگار باقی ہیں۔ سرزمین کالا باغ جو اعوان پاک و ہند کا قدیم سے سب سے بڑا گھرانا و مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔ جن سے آج بھی ملک امیر محمد خان صاحب گورنر مغربی پاکستان کے عہدہ پر فائز ہیں۔ ایک یادگار باقی ہے آج سے دس صدیاں پیشتر داخل ہونے والی قوم اعوان پاک و ہند میں جس نے

عـہ پچھلے اوراق میں گذرا کہ مولوی نورالدین پٹھان اسے گوارا نہیں کرتے۔ یہ تو گئی گذری باتیں ہم اس وقت کا ذکر کرتے ہیں۔ مصنف۔

باڑھ سے اب تک زندہ مشہور و معروف ہے۔) یہ ان کے شاندار ماضی کی روایات و کارناموں کی ایک زندہ یادگار روشن مثال موجود ہے۔ اور یہ نوابیاں جاگیریں۔ اکثر اضلاع پنجاب کی ملکیتیں جو اب تک باقی ہیں۔ میر قطبؒ مجاہد ہی کی اولاد میں باقی رہ و حاصل ہو سکتی تھیں۔ نہ کہ کسی درویش صفت قطب شاہ کی اولاد تابعض و مالک اضلاع پنجاب و سرحد میں اب تک باقی رہ سکتی تھی۔ میر قطب مجاہدؒ کو انکے مابعد اولاد کو خاندان غزنویہ کے شروع سے لیکر عہد غوریہ و غلامان وغیرہ تک شوکت رہی۔ گو سلطنت غزنویہ کے زوال کیساتھ ساتھ انکی حکمرانی ماند پڑتی گئی۔

ایک اور اہم نکتہ

مصنف زاد الاعوان باب الاعوان نے قطب شاہ بغدادی جو از نسل عباسؒ بن علیؓ ہیں اور جو اپنے ہمراہ ایک بیوی اور دو بیٹے جن کے نام عبداللہ و محمد تھے۔ لیکر چلے تھے۔ یہاں ہند میں آکر انہیں بغدادی سے زنان ہندی کو عقد میں لکھ دیا ہے۔ چونکہ ہمارے نزدیک قطب شاہ بغدادی کا جو از نسل عباسؒ بن علیؓ ہو آنا ثابت نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے میر قطب حیدر بہ معروف قطب شاہ غزنویؒ کا جہاد ہند کرنا اور ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے شادیاں کرنا ثابت ہے۔ اسلئے یہ بھی انہیں ایک مغالطہ اور دھوکہ لگا ہے۔ بلکہ صحیح اور قرین قیاس یہی ہے کہ انھیں میر قطب حیدر بہ معروف قطب شاہ کی بیوی منکوحہ اوّل غزنوی یا ہراتی (جنکی اصل بغداد سے معلوم ہوتی ہے) تھیں۔ ان کے بیٹے عبداللہ و محمد ہمراہ آئے۔ اور جہاد ہند میں شریک بھی ہوئے۔ چنانچہ بیان اپنے مقام پر آئے گا انکی آمدورفت ہند سے غزنی بغداد اور واپس ہند جاری رہی اور یہاں پاک و ہند میں انکی نسلیں جاری ہوئیں۔ اور اب تک باقی ہیں۔ بقول اُن کے جب وہ باپ کے ہمراہ واپس بغداد ہو گئے تو پھر یہ عبداللہ گولڑہ و محمد کنڈان کی کثیر اولاد کہاں سے؟ اور یہ آمدورفت سے سکوت کیوں؟ اور پھر ہند سے واپس جانیکی ضرورت کیوں پڑی؟ یہ سب اس قسم کے سوال ہیں جو مصنف باب الاعوان وغیرہ کی تغلیط کرتے ہیں۔ باب الاعوان کے ص ۱۴۴-۱۶۳-۱۹۶ بار سوم پر عبداللہ گولڑہ کی پیدائش ہرات درج ہے۔ اور وہاں سے میر قطب وغیرہ غزنی تشریف لائے اور محمود غزنویؒ کے ساتھ اعوان جہاد ہند میں شریک ہوئے۔

میر ساہو برادرِ کلاں قطب شاہؒ کا مختصر احوال

سالار ساہوؒ کے بیٹے سید سالار مسعود غازیؒ کے ذکر اذکار میں مستقل کتابیں تصنیف ہو گئی ہیں۔ بہت بزرگ اور مقتدر ہستیاں پاک و ہند میں مانی جاتی ہیں۔ جنھوں نے سب سے اول محمود غزنویؒ کی افواج کے کمانڈر انچیف ہونے کی حیثیت سے ہند قدیم میں جہادی لشکروں سے یلغار کی حتی کہ سومنات کا معرکہ محمود غزنویؒ کی معیت میں انہیں امیر ساہوؒ اور ان کے کمسن بیٹے سالار مسعود غازیؒ وغیرہ کا مرہون منت ہے۔

ابتدائی حال یوں لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ کے بیشتر جنرل سادات تھے (اور علویوں کو بھی سادات کہا گیا ہے) اور ان سب کے امیر و سربراہ میر ساہوؒ سالار بن شاہ عطاء اللہ غازی۱؎ تھے۔ سلطان محمود غزنویؒ سالار ساہو سے بہت، متاثر تھا۔ سلطان نے اپنی ہمشیرہ بی بی ستر معلی کی سالار ساہوؒ سے شادی کرا دی تھی۔ اور اس رشتہ کی وجہ سے سلطان کے بہنوئی بھی ہو گئے۔ اور سلطان ان پر کافی اعتماد بھی رکھتا تھا۔ اور ان سے کوئی ستر پردہ نہ تھا۔

ایک واقعہ ہے کہ اجمیر سے چار شتر سوار منظفر خان نامی حاکم اجمیر نے دربار غزنوی میں برائے امداد مانگنے بھیجے کہ ہندو راجاؤں نے انہیں و دیگر مسلمانوں کو بہ جبر و تعدی سے کام لیکر محصور کر رکھا ہے۔ سلطان محمود غزنویؒ نے سالار ساہو کی سرکردگی میں ہندوستان قدیم میں ایک مہم بھیجی۔ اور بعد لڑائی جھگڑے کے اجمیر پر علم اسلام لہرا دیا گیا۔ اس مہم کی تاریخ ۴۲۷ھ لکھی ہوئی ہے۔ آپ نے اجمیر کو اپنے قیام کیلئے منتخب فرمایا۔ اور جنگ سے اطمینان کے بعد اپنی بیوی ستر معلی کو بھی غزنی سے یہیں بلا لیا۔ اور نائب سلطنت لاہور ہوئے۔ اور یہیں

۱؎ سلطان کا جرنیل عطاء اللہ غازی بڑا پرجوش مسلمان مجاہد تھا۔ جس طرح سلطان کا دل غیرت و حمیت کے جذبات سے معمور تھا۔ اسی طرح اس کے امراء و جرنیل بھی اس جذبے سے سرشار تھے۔ (سرزمین پوٹھوہار ص ۴۷)

سلطان الشہداء حضرت سید سالار مسعود غازیؒ یوم یکشنبہ اتوار وقت صبح صادق باختلاف روایات ۲۱ رجب یا ۲۱ شعبان ۴۰۵ھ۱؎ میں پیدا ہوئے (تاریخ الاعوان ص ۵۴ و سلطان الشہدائے ہند ص ۴ بار اول ۱۹۳۱ء)۔

سالار ساہوؒ نے۔ کاہلر۲؎ واقع کشمیر کو بھی باغی حاکم سلطان سے بھی سرکوبی کر کے فتح کر لیا۔ سلطان نے کاہلر سالار ساہوؒ ہی کو جاگیر بخش دیا۔ اور پھر آپ نے سید مسعود غازی اور انکی والدہ کو کاہلر بلا لیا۔ جب سلطان محمود غزنویؒ سومنات کیلئے وارد ہند ہوئے تو کاہلر سے سید سالار ساہوؒ کو بلا لیا۔ تاکہ فتح سومنات میں افواج سلطانی کی امداد کریں۔ سالار مسعودؒ غازی بھی ہمراہ تھے۔ سلطان محمودؒ غزنویؒ بعد فتح سومنات کے ان کو ہمراہ غزنی لے گئے۔

سالار ساہوؒ اور ان کے بھائیوں و بیٹے سالار مسعود غازی نے ہند قدیم میں بہت سی جہادی لڑائیاں لڑی ہیں۔ بی بی ستر معلی کاہلر میں فوت ہوئیں۔ اور ان کا تابوت غزنی ارسال کیا گیا۔ سالار ساہوؒ نے ۲۵ شوال المکرم ۴۲۳ھ کو ستر کھ ضلع بارہ بنکی میں وفات پائی؛ اور مزار ستر کھ بارہ بنکی سے پانچ میل کے فاصلہ پر پختہ سڑک کے کنارے واقعہ ہے۔ روایت آئی ہے کہ یہ اور ان کے بھائی سالار قطب شاہ بھی بھتیجے سید مسعود غازی کو دیکھنے وہاں تشریف لے گئے تھے جو وسط ہند میں مجاہدانہ لڑائیوں میں مصروف تھے۔

سید سالار مسعود غازیؒ بھی بہ عمر ۱۸ سال ۱۱ مہینے ۲۴ دن کی عمر میں ۱۴ رجب ۴۲۴ھ اتوار کے دن بوقت عصر بہرائچ صوبہ اودھ میں ۲۱ راجگان ہند کی اجتماعی فوجوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور ان کے چچا سیف الدین بھی اسی دن ان سے پہلے شہید ہونے والوں میں پہنچ چکے تھے۔ سیف الدین سالار کو سرخرو سالار بھی کہتے تھے۔ تاریخ الاعوان ص ۵۰ پر لکھا ہے کہ چچا ان کے بعد شہید ہوئے۔ اور پہلے انہوں نے مسعود غازی کو دفن

۱؎ تاریخ الاعوان میں ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۵ء عیسوی لکھا۔ سن عیسوی کا اندراج غلط ہے۔ کیونکہ وہ خود قطب شاہ کی وفات ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ عیسوی لکھتے ہیں۔ شاید ٹھیک ۱۰۱۴ء ہے۔

۲؎ کاہلر کے پرانے نام شاکلہا و کلوکہر۔ کہلر۔ کالہیر۔ کاہونیر۔ کلر کہار جو تمام کے تمام سابقہ کشمیر میں واقع ہیں (تاریخ سندھ وغیرہ تاریخ سید سالار مسعود غازیؒ عنایت حسین بگرامی وحشی محمود آبادی)، اب ہم کاہلر کی حدود سامنے لانے سے قاصر ہیں (سرزمین پوٹھوہار ص ۸۸)

کیا۔ مسعود غازیؒ کا مختصر تذکرہ آئندہ آئے گا۔

کتاب زادالاعوان مصنفہ مولوی نورالدین نے صفحہ ۱۰۵ پر قطب شاہی اعوانوں کے متعلق ایک سوال کیا ہے۔ اور پھر جواب بھی خود دیا ہے۔

سوال:۔ علوی سلطان محمود غزنوی کیساتھ ضرور جہاد ہند کرنے کو آئے ہیں۔ اور ان میں نائب سلطنت کون شخص تھا؟۔

جواب:۔ کتاب مراۃ مسعودی فارسی و تاریخ سالار مسعود غازی مطبوعہ نامی لکھنؤ میں لکھا ہے۔ کہ سلطان محمود کے ہمراہ علوی حنیفی جہاد ہند کو آئے ہیں۔ ان میں سالار ساہوؒ امیر تھا۔ اور یہی لاہور میں نائب سلطنت رہا۔ اور بیٹا بھڑائچ میں شہید ہوا کوئی اولاد نہیں رہی۔ مصنف زادالاعوان کہتے ہیں کہ امام حنفیہؒ کی جو اولاد ہند میں آئی وہ سالار ساہوؒ کے اجداد کی اولاد سے ہے۔ اور قطب شاہی نسل سے نہیں کیونکہ قطب شاہ عباسی علوی ہے۔ مصنف مرحوم کے ایسے اقوال کا جواب پچھلے اوراق میں دیا گیا ہے۔ اور حقیقت حال رو بہ کار آگئی ہے۔ اور مکرر عرض گزاری تضیع اوقات ہے۔

مختصر احوال سالار میر قطب شاہؒ

سالار قطب شاہ علوی النسل کا محمدؒ بن الحنفیہ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے نسبنامہ پیوست ہوتا ہے۔ میر قطب مجاہدؒ جو قطب شاہ سے معروف ہوئے ہیں۔ اور جنھیں ملک نیک دل۔ ملک نیک بخت بھی بعض اوقات کہا گیا ہے۔ یہ میر عطاء اللہ غازی امان شاہ کے دوسرے بیٹے ہیں۔ میر ساہوؒ سالار سے چھوٹے اور میر سیف الدین سے بڑے تھے اوراق گذشتہ میں اس امر کا کافی ثبوت گذر چکا ہے کہ اعوان قطب شاہی انھیں مجاہد قطب شاہ کی اولاد سے ہیں۔ اور یہی قول متعدد پرانی و نئی تاریخوں سے پایا گیا ہے۔ مثلاً تاریخ حیدری وعلوی مولوی حیدر علی اعوان۔ تاریخ الاعوان شیر محمد خان۔ سرزمین پوٹھوہار پروفیسر کرم حیدری صاحب نے اپنی اپنی تحقیق میں یہی فرمایا ہے[1]۔ اور اسی پر میرے دلائل قائم ہیں سلطان محمود غزنویؒ پر غیر مسلم مؤرخین اعتراض کرتے آئے ہیں کہ ہندوستان پر حملوں سے محمودؒ غزنوی کی مراد و مقصد ہند قدیم کی دولت سمیٹنا تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر مسلمان کی نیت صاف ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اور دنیا دونوں عطا کئے ہیں۔ جو ہم خرما و ہم ثواب والی مثال پوری صادق آتی ہے۔ جہاں تک دولت سمیٹنا یا لالچ اور جواہرات کا تعلق ہے۔ یا اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ خود سومنات کے واقعہ سے عیاں ہو جاتا ہے۔ کہ جب محمود غزنویؒ نے بت توڑنا چاہا تو پجاریوں نے زر و جواہرات کے ڈھیر لگانے کا لالچ و طمع دلا کر بت کو محفوظ کرنا چاہا۔ تاریخ کے اوراق اسکے شاہد ہیں کہ سلطان محمود نے کیا جواب دیا " میں بت فروش نہیں بلکہ بت شکن کہلانا چاہتا ہوں " بادشاہ کے منہ سے یہ کلمہ نکلا ہوا ابد الآباد تک تاریخوں کے اوراق میں زینت بن گیا۔ آپ نے بت کو توڑ دیا۔ مثل مشہور ہے: بادشاہوں کو سونوں کی کیا کمی ہے: چند زر و جواہرات کے پتھروں کی لالچ میں نہ آنا کوئی بڑی بات نہیں۔ بات حقیقتاً جو وزن رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے۔ دین کو دنیا

[1] سرزمین پوٹھوہار ص ۷۹۔

سے نہ بدلا۔ اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا بھی عطا کی۔ اور دینی دنیوی دونوں مراتب و فوائد حاصل ہوئے۔ آج کل کے دور کی طرح انھیں کبھی خوف اور ڈر نہیں رہا کر غیر مسلم دنیا انہیں مذہبی دیوانے* کہکر اسلام کے اصولوں کی پیروی کرنے سے باز رکھ سکے ہونگے انھوں نے ہمیشہ اسلامی اصولوں کی تابعداری میں لومتہ الائم سے مبرا ہوکر اسلام کا مقصد اول پورا کیا۔ اور تحت میں انہیں دنیا و ملک کی سلطنتیں حاصل ہوئیں۔ بعض مسلمان مملکتیں افراد اور شخصیتیں جو سیاسی دنیوی اغراض سے اگر آپس میں ٹکرا گئی ہیں تو وہ خود مسلمانوں کی اندرونی خانہ جنگیوں کے واقعات ہیں۔ گو مستحسن اور جائز نہیں تھیں۔ لیکن جہاں کہیں ابتداً کفار کے ملکوں پر یورش کا تعلق ہے ملکی ہوس گیری سے بڑھ کر دفاع و اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا فریضہ بھی انکے پیش نظر رہا ہے۔ پھر محمود غزنویؒ کا دل اسلامی غیرت و جذبات سے معمور تو تھا ہی۔

خوش قسمتی سے اُسے اپنی سلطنت کے ماحول میں علویوں کے پرجوش مجاہد گھرانے جو پشتوں سے غازیوں کے نام سے مشہور چلے آتے تھے۔ اکثر و بیشتر امراء اور جرنیل بھی اسی جذبے سے سرشار اور آزمودہ کار ملے تھے۔ سالار عطا اللہ غازی سبکتگین کے وقت ہی اپنے جوہر دکھا چکے تھے۔ اور دربار محمود غزنوی میں کافی اثر و رسوخ اس علوی قبیلہ کو حاصل تھا۔علہ جس کا بین ثبوت سلطان محمود غزنوی کا اپنی ہمشیرہ کا عقد نکاح میر عطاء اللہ غازی کے بیٹے میر ساہوؒ سالار سے کرنا تھا۔ عمر رسیدہ میر عطا اللہ غازی دارالخلافہ غزنی ہی میں رہتے تھے۔ اور اب باری مشتاقان شہادت و نصب العین تبلیغ و اشاعت اسلام میر ساہو سالارؒ و سالار قطبؒ شاہ وغیرہ برادران کی تھی۔ اور یہ ہر سہ بھائی بھی اپنے وقت اور مقام پر فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ جنکی اولوالعزمی و تدبر پر خود سلطان محمود کو ناز تھا۔

ان تینوں بھائیوں و اُن کے بیٹوں کی قسمت میں زیر قیادت محمود غزنوی کے حملوں اور ماسوائے سلطان کی شرکت کے بھی شمالی ہند انکی مجاہدانہ کارناموں کی جولانگاہ اول رہا ہے جہاں اُس وقت شمالی ہند میں ۵۲ راجہ گان راجہ لاہور کے ماتحت متفرق طور پر حکمران تھے،

علہ بلکہ میر عطاء اللہ غازی سلطان کی ہمشیرہ کے خسر ہونیکی وجہ سے شاہی محلات میں بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ اور کوئی ستر پردہ نہ تھا۔

گو ان کا آپس میں اتفاق کم تھا۔ حکمرانوں کے پردوں میں برہمنوں اور پجاریوں کی حکومت تھی۔ اور کفر کی گھٹا ٹوپ اندھیریاں و مظالم چھائے ہوئے اپنی انتہا پر تھے۔

جہلم سے لیکر سندھ تک اور مری کے پہاڑوں سے لیکر سون سکیسر کی پہاڑیوں تک کی حدود جسکو سرزمین پوٹھوہار بھی کہا جاتا ہے۔ تول اور پھر لاہور سے پرے دہلی و اجمیر اور وسط ہند کے علاقوں کو فتح کیا اور اس میں پھیل گئے۔ سالار غازی مسعودؒ کی شہادت کے بعد سوائے لاہور پنجاب کے باقی علاقے قبضے سے نکل گئے۔

میر ساہوؒ سالار تو اکثر شاہی محاربوں پر غزنی سے باہر ہی مصروف رہتے تھے۔ اور میر قطب شاہ حیدر دارالخلافہ غزنی میں فوجی خدمات سرانجام دینے کیساتھ ساتھ اپنے والد کی خدمت گزاری اور گھریلو کنبہ و کام و کاج بھی سنبھالے رہتے۔ جب دارالخلافہ میں ہند سابقہ پر جہاد کی قرناء پھونکی گئی۔ اور طبل جنگ بجوایا گیا۔ تو غزنی میں جو غازیوں کے شہرہ سے مشہور تھا۔ سالار قطب شاہ بھی اپنے لشکر و کنبہ کے ساتھ حاضر تھے۔علہ اور شمولیت جہاد کی اجازت چاہی۔ سلطانؒ نے اجازت دی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس مختصر میں اتنی گنجائش کہاں کہ گذشتہ تاریخوں کے سب اقتباسات دہراؤں۔ مختصراً ذکر کیا جاتا ہے کہ سالار قطب شاہ اور انکے خاندان کے جھنڈے تلے کے جمع شدہ لشکر نے دریائے سندھ کو عبور کر کے موجودہ سرزمین پوٹھوار

اعوان کاری وغیرہ (سابق سندھ) میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ مختلف علاقوں و سمتوں میں پھیل کر جہاد کیا۔ اور پنجاب کے راجاؤں کو پے در پے شکستیں دیں۔

قطب شاہ اور ان کے خاندان نے دریائے سندھ کو عبور کر کے پوٹھوہار کے علاقہ میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ سون سکیسر کے راجہ سے لڑائی ہوئی۔ جو شکست کھا کر تابع، فرمان مسلمان ہوا۔ سکیسر کے علاقہ کے لوگ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد سرزمین پوٹھوہار کے ایک اور راجہ پرتھوی راج سے لڑائی ہوئی۔ راجہ شکست کھانے کے بعد مشرف باسلام ہوا۔ راجہ چوہان خاندان سے تھا۔ قطب شاہ سے اپنی لڑکی بیاہ دی۔ اس بیوی کی اولاد

علہ اس وقت یہ ایک رسم ہوا کرتی تھی۔ کہ خاندان کے سرکردہ افراد اپنے کنبہ و قبیلہ مددگاران دیگر جوش و خروش سے جہاد کیلئے دلیرانہ مظاہرے کرتے تھے۔ اور اپنی اپنی قوموں کی کمان کرتے تھے۔ ہر ایک گروہ سے حسب موقع کام لیا جاتا۔

علہ اور یہ اب تک قبائلی اعوانوں کا صدر مقام ہے۔

چوہان اعوان کہلائی۔ اسکے بعد آخری سرحد پنجاب مقام کالا باغ پہنچے[۲۲۲]۔ جہاں راجپوت راجہ کو انکی آمد ناگوار گذری۔ مقام نگر کوٹ پر جس کا بعد میں اعوانوں نے دین کوٹ نام رکھا اور اب تحریف ہو کر ڈھنگوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ راجہ کلک نے قطب شاہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی، کچھ عرصہ بعد وہ اور اسکی رعیت اسلام لائی۔ اسنے بھی اپنی بیٹی استواری تعلقات و خوشنودی خاطر کیلئے سالار قطب شاہ سے بیاہ دی۔ اور ان کے بطن سے بھی اولاد ہوئی۔ غرض یہاں سالار قطب شاہ نے تین شادیاں کیں۔ جو راجے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے یہ انہیں کی دختران نیک بخت تھیں۔ راجہ کلک کی اولاد۔ کیلے۔ کلیار۔ اور کلو کے سے مشہور رہی۔

اور اسی طرح قدیم قوموں جنجوعہ، خشک، بنیے۔ راجپوت راجگان کو نکال کر جنھوں نے قدیم باغستان اور قلعے بنا رکھے تھے۔ خود قابض ہو گئے۔ اسی زمانہ کی نمک کی کانیں، پھنگڑی وغیرہ کے کارخانے۔ لوہے کے بڑے بڑے برتن آثار قدیمہ کے قلعے، بڑے بڑے پتھروں سے انبھائی ہوئی عمارات، زائرین و سیاحوں کیلئے دلکش اور باعث حیرت بنے ہوئے ہیں۔ قدیم راجاؤں کی نسل کے لوگ جو اس وقت ہندو اور بت پرست تھے۔ مذکورہ پہاڑوں کے دامن میں آ کر آباد و پناہ گزین ہو گئے۔ اور وطن شہر بنائے۔ اب تک یہ قومیں مزبور، کٹھہ، پنڈ دادن خان، احمد آباد، سکھانہ، ڈوال وغیرہ میں مقیم ہیں۔ سکھوں کے عہد حکومت تک بھی اعوان قبیلہ سے ملک کوہستان کا دعویٰ رکھتے اور جھگڑتے رہتے تھے۔ آئین اکبری کو جو پرانی تصنیف ہے) میں علاقہ تلہ گنگ کو آوان محل (اعوان محل) لکھا ہے۔ اور جب آبادیاں قائم کرلیں۔ تو دین داری و پرہیزگاری کی وجہ سے اعوان محل سے اعوان کاری پڑا اور مشہور ہو گیا۔ جو سرزمین پوٹھوہار کا ایک حصہ ہے۔

علہ جنگلات کی زیادتی اور شاہراہوں کے غیر محفوظ ہونیکی وجہ سے قدیم شاہراہ جو ایشیا کے علاقوں کو ہندوستان کے میدانوں سے ملاتی تھی۔ متروک ہو گئی تھی۔ اب مسافروں، تاجروں اور فاتحوں کے قافلے پوٹھوہار کی جنوبی سرحد کیساتھ ساتھ گذرنے لگے۔ محمود غزنوی اور سلطان غوری کے بعد جو فاتح بھی افغانستان کی طرف سے آئے وہ اٹک کے جنوب کی طرف سے گذر کر سون سکیسر کی پہاڑیوں کو عبور کر کے شاہ پور کے میدان میں اترے اور وہاں سے لاہور یا ملتان تک پہنچے (سرزمین پوٹھوہار ۱۱-۱۱۸)

غرضیکہ جب سالار قطب شاہ نے متذکرہ علاقہ فتح کر لیا اور یہ روایت تاریخی ہے۔ کہ ۴۱۴ھ تک صوبہ لاہور شمالی ہند کی حدود پر فتح ہو کر سلطنت غزنویہ میں شامل ہو چکا تھا۔ مجاہد قطب شاہ نے سلطان سے تبلیغ دین کی اجازت کی تجدید کر کے اب اطمینان سے اپنے ہمراہیوں سمیت تبلیغ و اشاعت دین میں مصروف ہوئے۔ اور انکی دینداری، علم و تقویٰ پاکبازی، مشفقانہ پالیسی۔ زہد و عبادت وغیرہ نے خلق خدا کے انبوہ کثیر کو سچے اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ اور یوں یہ بت پرستوں کا دیس نور توحید کی کرنوں سے منور ہو گیا۔ اور اسی طرح قطب شاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے بھی تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ خصوصاً عبداللہ گولڑہ و محمد کنڈلانی جو ہراتن بیوی کے بطن سے تھے۔ نمایاں کردار و کام سرانجام کیا ہے۔ سرزمین پوٹھوہار خصوصاً و اس کے مسلمان ساکنین عموماً خواہ وہ اعوان ہوں یا دیگر کنبہ و قبیلوں کے افراد سالار قطب شاہ کی انمٹ ساعی تبلیغ دین اسلام و مجاہدانہ کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرینگے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ آنگہ میں رہے اور آخر عمر میں دارالسلطنت غزنی اپنے آبائی وطن کی طرف مع دو بیٹوں کے مراجعت کی اور ملک پنجاب کے مفتوحہ علاقے اپنی جملہ اولاد میں تقسیم کر دیئے جو ان کے اس وقت زیر قبضہ و تصرف میں تھے۔ باوجود تشنگی کے سالار قطب شاہ کے حالات یہاں ختم ہوتے ہیں اور بعض دیگر حالات دوسرے عنوانوں کی تحت عرض ہوں گے

مختلف اوقات و مقامات و افراد سے یہ روایتیں زبانی سماع میں آئی ہیں۔ کہ بابا قطب شاہ کی زیارت یا مرقد ضلع جھنگ بمقام جھنڈ (چھپڑیاں) نام گاؤں میں مرجع خاص و عام بنی ہوئی ہے مگر سابقہ کتب میں اختلاف مشہور ہے جو اپنے مقام پر بیان ہو چکا ہے۔ یہ روایت درجہ شہرت کو نہ پہنچی ہے۔ شاید قطب شاہ کے کسی بیٹے کی قبر ہو۔ اور زمانہ دراز گذرنے پر عوام میں اشتباہ واقع ہو گیا ہو۔

علہ سلطان محمود پر بہتان ہے کہ وہ بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ ہند میں اسلام بذریعہ صوفیائے اسلام پھیلا نہ کہ جبر و اکراہ سے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ سلطان محمود اور اس کے سرداروں نے ایسے مشنریوں کی امداد کی ہو گی جیسے کہ انہیں قطب شاہ کے متعلق یہ روایات آئی ہیں۔ کہ شمالی ہند میں انہیں کی تبلیغ و مساعی سے اسلام پھیلا (خواص مصنف)

ملے سرزمین پوٹھوہار مصنفہ کرم حیدری صفحہ ۴۷۔

قطب شاہ کی وفات ازواج و اولاد کا بیان

تاریخی روایات کا ہر جگہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ملتا ہے۔ جیسے قطب شاہ کی شخصیت و مقام میں جہاں پہلے اختلاف کا بیان ہو چکا ہے۔ ویسے یہاں بھی اسی قسم کے اختلاف تاریخ پیدائش و وفات اور مقام میں واقع ہوئے ہیں۔ گذشتہ حالات اور روایات چاہتی ہیں کہ قطب شاہ نے طویل عمر پائی اسلئے کہ پرتھی راج وغیرہ کے قصے و سلاطین غوری یعنی شہاب الدین محمد غوری کے زمانے کی باتیں ہیں۔ جبکہ غوریوں نے مکمل طور پر ۵۸۲ھ میں پنجاب کو فتح کر کے "دولت غزنویہ" کو ختم کیا اور حکومت غوریہ کی ابتدا ہوئی۔ اسی لئے (۱) ایک فریق نے تاریخ پیدائش ۳۸۵ھ بیان کی اور وفات بڑھا کر ۵۸۵ھ پورے دو سو سال زندگی شمار کر دی۔ اور اسی قول کو تاریخ حیدری مصنفہ مولوی حیدر علی لدھیانوی نے صحیح کہا۔ اور اسمیں سب اقوال و روایات متفق ہو جاتی ہیں پورا غزنوی خاندان ختم ہو کر غوریہ کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ مگر مقام وفات ذکر نہیں۔

(۲) دوسرا قول زاد الاعوان و باب الاعوان کے مصنف کا ہے کہ وہ ۴۱۹ھ کو پیدا ہوئے اور [illegible] ۵۵۰ ہجری میں بغداد ہی میں واپس جا کر وفات پائی۔ اور مقبرہ قریش میں مدفون ہوئے[علہ]۔

یہاں یہ بات ضروری یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مولوی نور الدین مصنف باب الاعوان کو جتنا دھوکا لگا ہے۔ یا لکھا ہے یا یہ مفروضہ قائم کیا ہے۔ وہ اسی لئے ہوا کہ مصنف میزان قطبی جو انہیں کے ہمعصر اور ملکی ہیں نے جب اپنی تاریخ میں یہ کہا کہ یہ سلطان محمودؒ کے حملوں میں برابر

علہ چونکہ قطب شاہ کی قبر اور اسی طرح عبد اللہ و محمد کندلان کی قبریں ہند میں مشہور و معروف نہیں ہیں جیسے سالار ساہو سیف الدین سالار مسعود غازی تو بہت ممکن ہے کہ اپنے آخری وقت بغداد توم دکیے۔ اقربا کی ملاقات کو گئے ہوں۔ اور موت کا وقت آ پہنچا ہو۔ لیکن جو فرزند ان قطب شاہ یہاں رہے اور فوت ہوئے۔ انکی قبریں کہاں معروف و مشہور ہیں؟ چونکہ بادشاہوں کی ... کر یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ اگر ہند میں فوت ہوئے ہوتے تو انکی قبریں بھی مشہور و معروف نہ ہوتیں۔

اعانت کرتے اور حملوں میں شریک رہے۔ اسلئے یہ اعوان مشہور ہو گئے تو مصنف باب الاعوان نے وقت پیدائش عون بن یعلیٰ پر غور کیا اور ادھر سلطان محمود غزنویؒ جو ۴۲۱ھ میں فوت ہو گئے مستبعد جانا کہ یہ ڈیڑھ سال کا بچہ کیونکر شریک جہاد ہند ہوا ہو گا۔ اور اعوانوں کا خطاب پایا ہو گا۔ اور اپنی تحریر کی ساری عمارت اسی ایک قول پر کھڑی کر دی۔ اور میر قطب حیدر؟ معروف قطب شاہ کو عون بن یعلیٰ قطب الہند قرار دیدیا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر وہ عون بن یعلیٰ جنکو قطب شاہ لقب دیدیا وہی قطب شاہ بغدادی کوئی دوسرے ہیں تو وہ بیشک شریک جہاد ہند نہیں ہوئے۔ اور شادیاں بیاہ بھی انہوں نے زنان ہندی سے نہیں کیا (کما مر)

(۳) تیسرا قول صاحب تاریخ الاعوان کالا باغ کا ہے۔ تاریخ پیدائش تو واضح نہیں کیگئی مگر تاریخ وفات ماہ رمضان المبارک ۴۳۱ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۰۳۹ء شب جمعہ کو قرار دی۔ لکھتے ہیں اپنی وصیت میں یہ آیت تین دفعہ تلاوت فرمائی۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا الآیۃ اور جب آپکی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ اس وقت بھی کلمہ شہادت کے بعد فرمایا۔ آپس میں جھگڑے نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ اور ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ اور مقام وفات و مدفن غزنی ہے۔

اس قول پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور کہ خود بھی انہوں نے لکھا ہے۔ کہ پرتھوی راج سے انکی لڑائی ہوئی۔ اِلّا آنکہ پرتھوی راج ایک اور راجہ سرزمین پٹھوار پر قابض و متصرف مانا جائے۔ اور یہ پرتھوی راج قنوج کے پرتھوی راجے علاوہ ہو جو اجمیر کے آگے کہیں واقع ہے۔ اور اسی کی طرف صاحب تاریخ الاعوان کا قول راجع ہے کہ پٹھوار میں ایک پرتھوی راج نام تھا۔ اور یہی قول صحیح اور قرین قیاس ہے۔ قنوج کا پرتھوی راجہ جس پر شہاب الدین غوری نے فتح پائی وہ بھی ۵۸۸ھ کا واقعہ ہے (تاریخ اسلام کامل علامہ قاری احمد پیلی بھیت ۱۹۵۲ء ص ۹۴۳) یہاں سے وہ صاحب بھی جان لیں جو خواہ مخواہ قطب شاہ کو پوری دو سو سالہ زندگی کی روایات شاید اسلئے بیان کرتے ہیں کہ انکے بیاہ نکاح عہد سلاطین غوری میں ہوئے اور اولاد بھی انہیں خاندان غوریہ کے عہد میں ہوئی اور آخری بیاہ راٹھے پرتھوی راج کی لڑکی سے ہوا۔ پھر تو سنہ وفات اور بڑھانی چاہیئے تھی۔ ہاں اولاد کا ہمعصر ہونا خاندان

غوریہ کے بادشاہوں کا الگ بات ہے۔ اور ان کے ساتھ اولاد قطب شاہ کا شریکِ جہاد
ہند ہونا بھی صحت کو پہنچتا ہے۔

(۴) چوتھا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کڑا مانک پور میں سالار مسعود غازی وغیرہ
کے ہمراہ ہی وفات[1] پائی۔ یہ روایت بھی اپنے اندر ایک وزن دار حقیقت اور
دلائل رکھتی ہے۔ تاریخ حیدری نے نقل کیا ہے کہ وہ بہت آخری وقت تک قریب ہی
تھے۔ گو لڑائی جاری یا بند کرنے کے اور صلح صفائی کیلئے سلسلہ رسل رسائل شروع تھا
لڑائی جاری نہیں ہو چکی تھی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ان سے اس وقت کسی دور دوسرے محاذ
پر لڑ رہے ہوں اور بھائی بھتیجے کی شکست کے بعد اپنی سابقہ جاگیر کاہلر کی طرف مراجعت
ہی مصلحت وقتی اور دیگر قبیلہ باقی ماندہ کی خاطر گوارا کر لی ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ صلح و
لڑائی کی گفتگو جاری ہی تھی کہ وہ واپس مزید لشکر کی تیاری کیلئے آئے ہوں اور اسی
دوران انکی شہادت کی خبر مل چکی ہو اور اب وہ معذور ہوں۔ غیر حاضری کی مزید تقویت
اس امر سے ہوتی ہے۔ کہ سالار ساہو اور ان کے سب سے چھوٹے بھائی میر سیف الدین،
سالار اور بیٹے مسعود غازی کی قبریں تو وہاں مشہور و معروف ہیں۔ مگر سالار قطب شاہ
کی قبر کا کسی مورخ نے وہاں ذکر نہیں کیا۔ فتدبر۔

میرا نظریہ اس بحث میں یہ ہے کہ جب انسان کوئی مفروضہ قائم کرے کہ ایسا ہو
سکتا ہے یا نہیں؟ تو پھر دونوں طرف سے دلائل کے ڈھیر لگ جاتے ہیں واقعات چوتھی
صدی میں گزرے ہیں اور بہتیرے اس بحث کے پانچویں صدی ہجری میں۔ اور کتابیں ملتی
ہیں۔ چودھویں صدی کی تصنیف یعنی نو دس سو سال بعد کی۔ ان کا بھی یہ حال ہے کہ آپ
دیکھ رہے ہیں۔ کسی بات پر اتفاق نہیں۔ ایک روایت یا واقعہ میں چار چار قول مل جاتے
ہیں۔ اور قدم قدم پر ٹھوکریں لگ رہی ہیں۔ یہ زمانہ اس قسم کی روایات قبول کرنے کا
نہیں۔ اور قیاسی دلائل کی دوڑ بھاگ بہت قلیل ہی ہوتی ہے۔ ولا یحیطون بشیء من
علمه الا بما شاء الآیۃ ہی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے۔ اور ہم ان کے علم کی باتیں
جاننے سے قاصر ہیں۔ الا بقدر واقف کر دینے کے۔ بہر حال طولانی زندگی والی روایات
کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ پے در پے نکاح کرنا باری باری وقفہ چاہتا ہے ۱۲-۱۴-۱۶-

[1] تاریخ محمدی یا محمودی ص ۸۲ از ملا محمد غزنوی بحوالہ مکتوبات محمد افضل اعوان باخانوادہ۔ ضلع جہلم

اولاد پیدا ہونا ان کا جوان ہونا پھر ان میں ملک تقسیم کر کے واپس غزنی جانا وغیرہ۔
انکے برعکس ۴۲۷ھ، ۴۳۱ھ، ۵۵۶ھ و ۵۸۲ھ سے کمترین سن کی وفات میں بھی
بچپن بلحاظ عمر اور کام یہ سب کارنامے سرانجام پا سکتے ہیں۔ جبکہ محمود غزنوی نے ۴۱۲ھ
میں بھی پنجاب فتح کر لیا۔ اور اس کے بعد آگے پیش قدمی جاری ہوئی۔ اور لاہور
وغیرہ میں میر ساہو نائب سلطنت رہے۔ بشرطیکہ سن پیدائش کیلئے جدید ماخذ نہ
ہوں۔ جیسے کہ تاریخ الاعوان کے مصنف نے تاریخ پیدائش سے سکوت کیا ہے۔

سالار قطب شاہ (جو میر قطب حیدر ہیں) کی ازواج و اولاد میں بھی اسی طرح کا
اختلاف ہے۔ جس طرح انکی شخصیت میں اختلاف ہے بعض نے تین حرم ہندی ہی کو
بیان کیا۔ اور بعض نے چار شمار کیں۔ بعض نے ۱۱ تا ۱۷ ذکور بیان کئے ہیں۔ مگر مشہور
معروف گیارہ فرزند ہی ہیں اور تین دختران (عبداللہ۔ محمد کنڈلان) (مزمل علی کلگان۔
جہاں شاہ و در یتیم۔ زمان علی کھوکھر) (محمد علی چوہان۔ فتح علی کلاں۔ نجف علی) (کرم علی
شاہ۔ جہاد علی۔ نادر علی) بیٹے۔ رقیہ۔ فاطمہ اور ہاجرہ دختران تھیں۔ بیویوں کی تعداد
اور دختران کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔

چونکہ میرے نزدیک میر قطب حیدر کے سوا کوئی دوسرا قطب شاہ بغدادی ہند
کو آنا ثابت ہی نہیں یہی غزنوی بغدادی ہی ہیں[1] تو لامحالہ قول راجح یہی ہو سکتا ہے کہ
یہ چار حرم میر قطب حیدر بہ معروف قطب شاہ سالار ہی کے ہیں۔ ایک ان سے ہراتن
بغدادی عائشہ نام تھی۔ اور تین زنان ہندی۔ زینب، خدیجہ، ام کلثوم نام تھے۔
ہم نے پچھلے اوراق میں ثابت کیا ہے کہ ابی یعلیٰ حمزہ اور انکی اولاد قطب شاہ پہلے ہرات
میں رہتے تھے۔ اور وہاں کے خود مختار حاکم تھے۔ خود مصنف باب الاعوان کو اس
واقعہ سے انکار نہیں وہ کہتے ہیں کہ عون قطب شاہ ہرات میں رہتے تھے۔ اور ہرات
میں قبیلہ علوی زیادہ تھے۔ اور یہاں سے ہی یہ بغداد آتے جاتے رہتے تھے۔ کہ رشتہ
داری تھی۔ اور یہیں عبداللہ ہرات میں پیدا ہوئے اور محمد کنڈان انکے بعد بغداد میں پیدا
ہوئے۔ ان بیانات کی وضاحت و تصدیق کے لئے باب الاعوان کے صفحات ۳۵-۱۴۴

[1] اور مولانا نورالدین اپنی کتاب زاد الاعوان ص ۱۴۱-۱۴۲ بار سوم ۱۹۷۳ء میں میر قطب شاہ بغدادی تسلیم
کرچکے ہیں اور یہ میر قطب شاہ سالار ہیں جن کا سلسلہ نسب محمد ابن الحنفیہؓ سے ملتا ہے۔

۱۶۲ - ۱۶۳ مطبوعہ الیکٹرک پریس لاہور بار سوم ۱۹۲۳ء ملاحظہ ہوں۔ بغداد کی آمد و رفت و پیدائش بعض اولاد قطب شاہ محمدؒ دلیل ہے۔ اس امر کی کہ انکی زوجہ بغدادن ہراتن تھیں۔ جن سے عبداللہ و محمد پیدا ہوئے۔ اور یہی باپ کے ہمراہ ہند کے جہاد و میں شریک ہوئے۔ ابتدائی مسکن ہرات تھا۔ پھر غزنی چلے آئے تھے۔ اور غزنی سے ہند آئے۔ اور ہند سے کبھی غزنی اور پھر کبھی واپس ہند اپنے مفتوحہ علاقہ کے انتظام و ملکیت کو سنبھالتے رہے۔ اور اولاد نے پھر غوریوں وغیرہ سلسلہ بہ سلسلہ شاہان ہند سابق کے ساتھ مل کر جہادی جنگیں لڑیں۔

سالار قطب شاہ کی بیویوں کی تفصیل ذیل ہے۔

(۱) بی بی عائشہ ہراتن بغدادی (ان کے دو بیٹے عبداللہ گورڑہ و محمد کنڈلان ہوئے) نام میں مختلف روایات بھی آتی ہیں۔ فاطمہ، خدیجہ، شہربانو وغیرہ۔

(۲) زینبؒ (ہندوستانی) (مزمل علی کلگان۔ جہان شاہ در تیم۔ زمان علی کھوکھر ۳ بیٹے۔ رقیہ دختر۔

(۳) خدیجہؒ (ہندوستانی) (محمد علی چوہان۔ فتح علی۔ نجف علی) ۳ بیٹے ۔ ایک بیٹی فاطمہ

(۴) ام کلثومؒ (ہندوستانی) (کرم علی شاہ ۔ بہادر علی، نادر علی ۳ بیٹے) بی بی ہاجرہ دختر

سالار قطب شاہ کی پہلی بیوی کے متعلق روایت ہے کہ وہ بغدادن ہراتن تھیں۔ دوسری تیسری اور چوتھی تینوں بیویاں ہندوستان قدیم کے راجاؤں کی بیٹیاں تھیں۔ جو مختلف اوقات میں اسلام قبول کرنے کے بعد قطب شاہ کے نکاح میں آئیں؛ ہندوانہ نام انکے معلوم نہیں ہوسکے۔ مگر اسلامی نام حسب ترتیب وار موجود مؤرخوں کو بھی تسلیم ہیں۔

دوسری ہندوستانی بیوی زینبؒ کھوکھر ہندو راجہ کی لڑکی تھی۔ تیسری ہندوستانی بیوی خدیجہ چوہان خاندان کے رئیس کی بیٹی تھی۔ اور چوتھی ام کلثوم راجپوت نسل کے راجہ طلحہ کی بیٹی تھی۔ اسلئے کھوکھر۔ چوہان۔ طلمی ان برادران کی اولاد کو والد کی نسبت سے یاد کرنے لگے۔

مختصر بیان اولاد میر قطب شاہ سالارؒ

جب کتب سابق زاد الاعوان و باب الاعوان میں قطب شاہ کے ہندی حرم و اولاد کی پیدائش کا ذکر غالباً عہد غوریہ میں ہونے کے مفروضے سے شروع کرتے ہیں تو اسلئے مناسب اور ضروری ہے۔ کہ ان واقعات کے متعلق تاریخ کی روشنی میں حتی الامکان واضح کر دیا جائے۔ کہ یہ مفروضے کہاں تک درست ہیں؟ اور اس ضمن میں ہمیں سلاطین غزنویہ کے عہد اور غوریہ کے عہد کے سلاطین کے وقت کو مختصراً زیر بحث لانا ہوگا۔ کیونکہ انہیں ہر دو خاندانوں کے عہد حکومت سے ہی آمد ہند قطب شاہ کا تعلق دخل بیان کرتے ہیں بموجب روایات تاریخ خاندان سلاطین غزنوی کا دور الپتگینؒ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مگر عروج اُسکے بعد الپتگین کے غلام و داماد سلطان سبکتگینؒ اور محمود غزنویؒ کے عہد میں کمال کو پہنچا۔ سلطان سبکتگینؒ ۳۶۶-۳۶۷ھ میں غزنی کا حکمران بن گیا۔ سلطان ۵۶ سال کی عمر میں بیس سال حکومت کر کے شعبان ۳۸۳ھ میں موضع ترمذ علاقہ بلخ میں فوت ہوگیا۔ اُسکے بعد سلطان محمودؒ اس کا بیٹا جو شب عاشورہ ۳۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ تخت نشین ہوگیا۔ جسنے ۴۲۱ھ مطابق ۹ ار اپریل ۱۰۳۰ء میں وفات پائی غرضیکہ اسی خاندان کے افراد ۳۶۶ء سے لیکر ۵۸۲ھ تک غزنی و سابق ہند پنجاب میں حکمران رہے؛ مگر ٹھیک ۵۴۳ھ میں جبکہ خاندان غزنویہ کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ سلطان بہرام شاہ کے عہد میں پایۂ سلطنت غزنوی پر غوریوں نے قبضہ کر لیا۔ اور سلطان بہرام شاہ بھاگ کر ہند آ گیا۔ گو دوسرے سال پھر اُسنے ہندی فوج لا کر غزنی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ مگر بہت جلد اُسے پھر راہ فرار ہند کو اختیار کرنی پڑی۔ اور لاہور میں ۵۴۷ھ میں فوت ہو کر وہیں مدفون

لہ باب الاعوان ص ۱۶۹ - ۱۷۳ - ۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - زاد الاعوان بار سوم
لہ ترجمات ۱۳۵ - ۱۳۷ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۸ -
لہ وفات ملاحظہ ہو -

ہوا۔ اسکے بعد خسرو شاہ بن بہرام شاہ ۵۴۷ھ سے ۵۵۵ھ تک تخت حکومت پنجاب پر قابض رہا۔ اسکی وفات کے بعد خسرو ملک ۵۵۵ھ تا ۵۸۲ھ قابض حکومت پنجاب رہا۔ اور غزنی میں خاندان غوریہ کی حکومت ۵۴۳ھ سے قائم ہوگئی۔ اور اس طرح خاندان غزنویہ کے بادشاہوں نے غزنی سے نکل کر بھی پنجاب صوبہ شمالی ہند میں دارالخلافہ لاہور میں کوئی بیالیس (۴۲) سال حکمرانی کی تا آنکہ غوریوں نے پنجاب کو بھی فتح کر کے سلاطین غزنو کا ڈیوا پنجاب سے بھی ہمیشہ کیلئے گل کر دیا۔

ادھر غزنی و غور میں ۵۴۳ھ کے بعد آخر میں غیاث الدین بن بہاؤ الدین سام ۵۵۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور غیاث الدین نے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین کو ۵۶۹ھ میں غزنی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور پھر ان دونوں بھائیوں نے اپنی جنگی سرگرمیوں کیلئے علیحدہ علیحدہ میدان تجویز کئے۔ غیاث الدین اندرونی بغاوتوں اور قرب و جوار کے علاقوں کو دبانا و فتح کرنا۔ اور شہاب الدین نے اپنی فتوحات کیلئے سابق ہند کو تجویز کیا۔

شہاب الدین غوری نے سب سے پہلے براہ سندھ گجرات[1] ۵۷۴ھ میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ اور پھر براہ پشاور ۵۷۵ھ حملہ کر کے سندھ پار کا[2] علاقہ خسرو ملک سے چھین لیا۔

۵۸۰ھ میں سیالکوٹ پنجاب پر حملہ کیا۔ اور ۵۸۲ھ میں لاہور کا محاصرہ کر کے خسرو ملک کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ۵۸۸ھ[3] میں دوسری بار پرتھوی راج سے معرکہ ہوا۔ اور فتح پائی۔ اور اجمیر دہلی تک قبضہ ہو گیا۔ اور پیشقدمی جاری رہی۔ غیاث الدین کی وفات ۵۹۹ھ میں اور شہاب الدین محمد غوری نے ۶۰۲ھ میں جام شہادت نوش فرمایا اور ہند سابق کی حکمرانی خاندان غلامان کے بانی و غلام گورنر شہاب الدین غوری قطب الدین ایبک کے پاس چلی گئی۔

اس تاریخی بیان کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ جب قطب شاہ نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔ تو انہیں عہد غوریہ خصوصاً شہاب الدین غوری کا ہند میں پایا ہے۔ اور نہ بیاہ شادیاں کیں۔ اور

ملہ بعض تاریخوں میں ۵۷۵ھ میں شہاب الدین کا حملہ ذکر کیا ہے (تاریخ اسلام عبدالرحمن شوق امرتسری ص ۶۸۵) شاید یہ حملہ انکے اس طرف مشرق میں ہو۔ کیونکہ ۵۷۵ھ میں سندھ پار کا علاقہ جانب مغرب لے لیا تھا۔ ملہ یعنی دریائے سندھ کا مغربی علاقہ۔
حاشیہ ملہ بر صفحہ ملاحظہ ہو۔

اولاد پیدا ہوئی۔ اور جہاد و فتوحات کر کے پھر گیارہ فرزندوں میں ملک تقسیم کر کے واپس بغداد میں جا کر فوت ہو گئے۔

اب میں کتب سابق زاد الاعوان و باب الاعوان اور تاریخ علوی کے وہ اقتباسات ازواج و اولاد قطب شاہ کے متعلق عہد وار یا سنوار آئے ہیں۔ محترم قارئین کرام کی خاطر اکٹھے اس جگہ تحریر کرتا ہوں۔ کہ وہ تاریخ کی روشنی میں انکی جانچ پڑتال کر سکیں کہ یہ مفروضے کہاں تک درست یا غلط ہیں؟ پہلے باب الاعوان وغیرہ سے پھر تاریخ علوی حیدر سے نقشہ پیش کر رہا ہوں۔

(ا) زاد الاعوان و باب الاعوان۔ مصنفہ مولوی نور الدین مرحوم

نمبر شمار	نام ازواج	تعداد اولاد و نام	تاریخ پیدائش	تاریخ وفات	جائے مدفن	مختصر نوٹ
	قطب شاہ بزرگ	مورث اعلیٰ	۴۱۹ھ	۵۵۵ھ – ۵۵۶ھ	مقبرہ قریش بغداد	عرب بایام محمدی ہند میں آیا زاد الاعوان ص ۵۰ ۴۹۲ھ بعد فتح لاہور واپس چلے گئے
(۱)	بی بی فاطمہ بغداد وفات	۲۔ ذکور (۱) عبداللہ (گورڑہ) (۲) محمد (کندلان)	۴۵۲ھ ۴۲۵ھ	۵۶۰ھ ۵۱۶ھ	مقبرہ قریش بغداد	
(۲)	زینب کھوکھرانی کھوکھر	۴۔ تین بیٹے یک دختر (۱) زبیر علی کھگان (۲) جہان شاہ در یتیم	(بحکم محمود غوری) غالباً عہد غوری ... عہد غوری فتح لاہور سے پہلے		ملک پنجاب "	باب الاعوان ص ۱۹۸ باب الاعوان ص ۱۹۷ - ۱۹۸

ملہ مختلف تاریخوں میں سنین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام عبدالرحمن شوق میں ۴۸۳ھ درج ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ ملہ باب الاعوان صفحہ ۱۶۱-۱۶۲ بار سوم ۱۹۴۳ء لاہور۔ میں میزان ہاشمی سے تاریخ پیدائش ۴۵۶ھ بھی نقل کیا ہے اور ۴۶۱ھ دوسری تاریخ ایضاح العباد فی تاریخ شاہ بغداد سے اخذ کی ہے۔ ملہ باب الاعوان ص ۱۵۱۔

نمبر شمار	نام حرم قطب شاہ	تعداد اولاد و نام	تاریخ پیدائش بیاہ	تاریخ وفات	جائے دفن	مختصر نوٹ
		٣۔ زمان علی کھوکھر ٤۔ رقیہ دختر	عہد غوری فتح لاہور سے پہلے		ملک پنجاب	
(٣)	خدیجہؒ (چوہانی) چوہانیہ	کل ٤ تین بیٹے یک دختر ١۔ محمد علی چوہان۔ ٢۔ فتح علی کلدان ٣۔ نجف علی ٤۔ بیٹی فاطمہ	(نکاح عہد غوری) تولد عہد غوری 〃 〃		〃	
(٤)	ام کلثومؒ (راجپوتن)	کل ٤ سہ پسر یک دختر ١۔ کرم علی شاہ ٢۔ بہادر علی ٣۔ نادر علی ٤۔ بیٹی ماجرہ	(نکاح عہد غوری) تولد عہد غوری 〃 〃			

کل چار ازواج گیارہ فرزند۔ سہ دختران۔ بقول صاحب باب الاعوان ترتیب پیدائش یوں ہے۔ (١) عبداللہ (٢) محمد کندلان (٣) مزمل علی کلگان (٤) در یتیم جہان شاہ (٥) زمان کھوکھر (٦) نجف علی (٧) فتح علی (٨) محمد علی (٩) نادر علی (١٠) بہادر علی (١١) کرم علی آخرہ۔

(ب) تاریخ مولوی حیدر علی اعوان لدھیانہ "علوی و حیدری"

نمبر شمار	نام ازواج	تعداد اولاد و نام	تاریخ پیدائش	تاریخ موت	جائے دفن	مختصر نوٹ
	امیر قطب شاہ	مورث اعلیٰ اعوانان کل نرینہ ٩۔ اناث ٣	٣٨٥ھ	٥٨٥ھ		
(١)	زینبؒ	کل چار۔ سہ پسر یک دختر ١۔ مزمل علی کلگان ٢۔ در یتیم جہان شاہ ٣۔ زمان علی کھوکھر ٤۔ رقیہ	 ٥٧٢ھ ٥٧٤ھ ٥٧٦ھ			نمایاں بات یہ ہے کہ اسمیں حرم تین اور نو فرزند بتائے ہیں۔ عبداللہ گولڑہ و محمد کندلان سرے سے ہی ندارد۔ سنین کا تعین مفروضے عیاں نظر آتے ہیں۔
(٢)	خدیجہؒ	کل چار۔ سہ پسران یک دختر ١۔ محمد علی۔ ٢۔ فتح علی۔ ٣۔ نجف علی ٤۔ فاطمہؒ	 ٥٧٨ھ ٥٧٩ھ ٥٨٠ھ			
(٣)	ام کلثومؒ	کل چار۔ تین لڑکے ایک بیٹی (١) کرم علی شاہ ٢۔ بہادر علی ٣۔ نادر علی ٤۔ ماجرہ	 ٥٨١ھ ٥٨٢ھ ٥٨٣ھ			

کل تین حرم نو فرزند۔ تین دختران

(ج) تاریخ الاعوان مصنفہ شیر محمد خان داعوان) کالاباغ

نمبر شمار	اسماء زوجات قطب شاہ	تعداد و اولاد کے نام	تاریخ پیدائش	تاریخ موت	جائے مدفن	مختصر نوٹ
	میر قطب شاہ	کل نرینہ ۱۰۔ اناث ۳		۴۳۱ھ ۲۹-۱۰ محرم ۳۲۲ھ	غزنی	بااختلاف روایات محمد بغداد
(۱)	بی بی زینب	کل ۴۔ تین فرزند ایک لڑکی ۱۔ مزمل علی کلغان ۲۔ میر جیان شاہ در یتیم ۳۔ زمان علی ۴۔ بی بی رقیہ				نمایاں فرق مرحوم تین اولاد ذکور دستی عبداللہ گوڑہ کو تم غلطی کے فرزند دینا عمر اور محمد کندلان کا نام نک ذ دیا۔ حالانکہ صاحب زادوں کو خود بھی تسلیم کرتے ہیں اور وہ کیساتھ مراجعت غزنی بھر تاریخ میں فرداً فرداً بیان ہیں نج علی متروک ہو گیا اور عبداللہ گوڑہ کو فواں فرزند شمار کیا۔
(۲)	بی بی سیدہ بنت چوہان راجپوت	کل ۴۔ تین لڑکے ایک لڑکی ۱۔ محمد علی ۔ چوہان ۲۔ فتح علی ۔ کلدان ۳۔ نجف علی ۴۔ بی بی فاطمہ				
(۳)	بی بی ام کلثوم بنت راجہ جترو راجپوت چوہان	کل ۵۔ چار لڑکے ایک لڑکی ۱۔ کرم علی ۔ ۲۔ بہادر علی ۳۔ نادر علی ۴۔ عبداللہ گوڑہ ۔ ۵۔ بی بی ہاجرہ				
کل	تین حرم ۱۰ فرزند اور تین دختران ۔					

علہ راقم الحروف نے مصنف تاریخ الاعوان سے بعض غلط مقامات کی صحیح نشاندہی کی ۔ اور ہاں یا نہیں کا استفسار کیا مگر متعدد خطوط کا جواب خاموشی سے ٹال دیا گیا ۔ خواہی ۔

گوشوارہ اولاد قطب شاہؒ کے پیش کرنے کے بعد جو سنین پیدائش قطب شاہ و آنکی اولاد کی سامنے آتی ہیں ۔ مخدوش اور فرضی نظر آتی ہیں ۔ اگر واقعی ان سنین کیلئے جدید ماخذ نہیں ہیں ۔ تو پھر قطب شاہ کی وفات کی سنین سے کثرت سن وفات والی روایتیں بھی قابل قبول ہو سکتی ہیں ۔ گو وہ روایتیں بھی صحت اور غلط دونوں پہلو کا احتمال رکھتی ہیں ۔ اسی لئے بعض کتب تاریخ میں قطب شاہؒ کی تاریخ پیدائش سے سکوت اختیار کیا گیا ہے ۔ اور جیسے کہ کتب زاد الاعوان، باب الاعوان اور تاریخ علوی، حیدری وغیرہ میں آمد ہند حضرت قطب شاہ بیان شدہ ہیں ۔ اولاد کا تولد عہد بیان کرتے ہیں ۔ تو پھر ٹھیک لمبی سی لمبی سن وفات کی روایت بھی صادق نہیں آسکتی ۔ کیونکہ ان کتب کے بعض مقاموں میں واضح لکھا ہے :" کہ عون ہند میں بایام غوری آیا ۔ اور بعد فتح لاہور ۵۸۲ھ (حالانکہ لاہور ۵۸۲ھ میں خسرو ملک سے لیا گیا) بن عون گوڑہ و کندلان ہند سے بغداد چلے گئے " اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ " پرتھوی راج پر جب شہاب الدین غوری چڑھ آیا (یہ لڑائی ۔ تاریخوں کی روشنی میں ۵۸۸ھ میں واقع ہوئی) جاہد نامی، معز الدین، محمود ۔ وگوڑہ و کندلان ۔ بختیار و قطب وغیرہ آگئے ۔ اور راج سلطانوں کا ہو گیا ۔ اور اسی اثناء میں کئی فقراء اسلام بھی آگئے :" (زاد الاعوان ص ۱۳۵ - ۱۳۷ بار سوم ۱۹۲۱ء)

دوسری طرف سلطان محمود غزنویؒ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بلاد ہند پر حملوں کی اہم اغراض سے ایک غرض اشاعت دین اسلام بھی تھی ۔ اور وہ غوریوں سے پہلے داعی اسلام کے ہند سابق ہیں تھے ۔ اور یہ مقدس فریضہ ان کے عہد میں حضرت میر قطب شاہ سالار نے شمالی بلاد ہند میں جہاد کر کے خود انھوں نے اور انکی سرپرستی میں دیگر علمائے کرام نے ادا کیا شمالی ہند کے راجے مسلمان ہوئے ۔ اور انہوں نے اپنی لڑکیاں بخوشی خاطر برائے استواری تعلقات و فوز و حاجات کے ان سے بیاہ دیں ۔ اور اولاد ہوئی ۔ جیسے کہ اوراق گزشتہ میں مفصل مذکور ہو چکا ۔ یہ بیاہ و اولاد خصوصاً دور محمود غزنویہ میں ہو کر پھولنی پھلنی شروع ہو گئی ۔ اور یہی میرے نزدیک صحیح اور راجح ہے ۔ گو ہمیں ان کے بیاہ شادیوں اور اولاد کی پیدائش کی صحیح سنین معلوم ہوں یا نہ ہوں ۔ خواہ انکی بیاہ شادیاں اناسی ۳۹ سال سے پہلے یا بعد میں کسی مورخ نے ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو ۔ جزوی طور پر ہندی حرموں کا ذکر کیا ہو ۔ یا بسبب بغدادی ہندی بیاہوں کا ۔ لیکن جہاں تک ضرورت لاحق تھی قدیم مؤرخوں نے ذکر کر دیا ہے ۔

عبداللہ و محمد کندلان کی تاریخہائے پیدائش۔ اوراسی طرح سے زنان ہندی
کی اولاد کی پیدائش کی تاریخہائے مفروضہ کی صحت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب
تک کوئی جید ماخذ دن تائید شہادت و دلائل عقل و نقل سے ثابت نہ کیا جائے
انھیں مفروضہ تاریخوں اور روایتوں کی بناء پر ہی سالار قطب شاہ کی ۵۱ - ۵۲
بلکہ ۵۸ سال تک کی زندگی کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جو کسی صورت میں بھی متصور
نہیں کی جاسکتی۔ بایام غوری آنا۔ پرتھوی راج کے معرکے اور زنان ہندی نکاح
کی روایتوں کی طرف جب نظر دوڑائی جاتی ہے۔ تو پھر پورے ۱۸۶ سال کے بعد
سلسلہ توالد و تناسل قطب شاہ کا دھڑا دھڑ شروع ہو جاتا ہے۔ خواہ مخواہ مفروضے
گھڑنے پڑتے ہیں۔ اور یہ خیال نہیں کرتے اور وہ بھول جاتے ہیں۔ کہ ایک طرف تو
وہ عون قطب شاہ کو [illegible]ھ میں فوت شدہ مانتے ہیں اور دوسری طرف نکاح بیاہ
و اولاد کو جو عہد غوریہ [illegible]ھ سے قبل ہند میں عمل دخل [illegible]ھ فتح لاہور از خسرو
ملک آخری بادشاہ غزنوی پنجاب سے اور [illegible]ھ معرکہ پرتھوی راج و شہاب الدین
محمد غوری و فتح کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ زنان ہندی سے نکاح و تولد اولاد کیا
معنی اور وقعت رکھتا ہے۔؟

کسی نے مولوی حیدر علی اعوان نے اپنی کتابوں میں بطور طنز و حجت مولوی نور الدین کی
کتابوں پر تنقید کرتے ہیں۔ اور انکے بیان کو مجروح کر کے کالعدم قرار دیتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے
نزدیک بھی قطب شاہ کی وفات [illegible]ھ مقرر ہے۔ اور زنان ہند کے بیاہ و اولاد کو متاخر تاریخ
عہد پر منحصر رکھتے ہیں۔ اسلئے وہ خود ایسے مفروضے قائم کرتے ہیں۔ جو مخدوش اور ثبوت طلب ہیں
کوئی قطب شاہ کے چار - کوئی تین حرم لکھتا ہے۔ اسی طرح فرزند کوئی گیارہ اور کوئی نو
ٹھہراتا ہے۔ اور کسی نے عبداللہ و محمد کو علیحدہ بیوی بغدادن سے تولد ہونے کا کہا اور کسی نے
خود عبداللہ گوڑہ کو ہندی زنان کے شجرہ نسب میں گھسیڑ دیا۔ اور محمد کندلان کو ذکر ہی نہ کیا
خواہ بھول چوک سے خواہ کچھ ذہن آنے سے عمداً متروک ہی کر دیا۔ جیسے تاریخ الاعوان میں
ہے۔

میرے نزدیک ان سب مفروضوں کو گھڑنے کیلئے زیادہ بغدادی سیاحوں کی اندھادھند
تقلید اور مشعل راہ مان کر خود ہندی مؤرخین سے بھی بعض غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اور کچھ

کھوکھر کا پنڈتوں کے قیافے بھی موجب لغزش بنے۔ بال کی کھال نکالنے والے زمانے میں یہ مفروضے
بیہودہ اور ناقابل بخشش ہیں۔ صحیح بات میرے نزدیک یہ ہے کہ جو باتیں اب تک ہمارے سامنے
دانش و تحقیق کی روشنی میں نہیں آئی ہے جن کی تحقیق کیلئے ابھی سینکڑوں کتابوں کے اوراق الٹنے
پڑتے ہیں۔ ہم صاف کہہ دیں کہ ہمیں اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ یا ہماری معلومات وسعت
کا دائرہ کہاں تک محدود ہے۔؟ بجائے اس کے کہ ہم مفروضے گھڑیں۔ اور اپنے قول و فعل کیلئے
کوئی قیاسی کا دلیل بھی نہ رکھتے ہوں۔ تو یہ قیاس مع الفارق بنائے فاسد علی الفاسد نہ ہوگی،
تو اور کیا ہوگی؟ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا مے رود دیوار کج!

ان جملہ حالات واقعات و کتب سابق کی روشنی میں تحقیق و تطبیق کا لحاظ کرتے ہوئے
یہی صحیح اور مفصل اور جامع نظر آتا ہے۔ اور یہی مشہور بھی ہے۔ کہ قطب شاہ کے گیارہ فرزند
اور نو دختران تھیں (عبداللہ گوڑہ۔ محمد کندلان) از زوجہ بغدادی ہراتن (مزمل علی کلگان
ندیم جہان شاہ، زمان علی کھوکھر) از بطن زینب کھوکھریہ ہندی (نجف علی۔ فتح علی، محمد علی)
از بطن جوہانیہ ہندی (نادر علی، بہادر علی، کرم علی) از بطن ام کلثوم راجپوتنی تھے۔ اور دختران
بھی حسب بیان گوشوارہ ذکر مذکورہ میں درج ہی تھیں۔

احوال عبداللہ گوڑہ

کتب سابق میں جہاں بعض حالات غلط سرزد ہو گئے ہیں وہاں کئی دیگر واقعات
و بعض باتیں مفید بھی رو بکار آ گئی ہیں۔ بعض غلط روایات سرزد ہو جانے سے سب کتب
کی قدر و قیمت نظر انداز کرنی کوئی معقول کام نظر نہیں آتا۔ آج ہم خود جن کتابوں پر تنقید
کرتے ہیں انھیں کتابوں سے بعض مفید حسب منشاء و مدعا روایات کو اخذ و قبول بھی کرتے ہیں؛
لنگر دست گیر اور ماخذ مانتے ہیں۔ کتابوں کی قدر و قیمت وہی شخص جانتا ہے جس نے ابتداً کوئی

موضوع اختیار کرکے کوئی بات لکھنی چاہی تو شائستہ مشعل راہ بنانے کے نئے مواد اور ذخیروں
گی۔ تو سوچا یہاں یہ ہے کہ جنہے یہ ذخیرہ ابتداً تیار کیا ہے۔ روایات کیلئے مارا مارا پھرا ہے
سینکڑوں مہینوں اور دنوں کا وقت ضائع کیا ہے۔ وہ بالکل رائیگاں و فضول ثابت ہوگا؟
انصاف کا خون کرنا ہے۔ راستہ کی تلاش میں بھول جانا امر دیگر ہے۔ مگر منزل کی تلاش کیلئے
مستعد ہو کر نکل جانا الگ بات ہے۔

عبداللہ کو گوہر علی گورڑہ اور گوہر شاہ بھی کہتے تھے۔ گورڑہ کی وجہ تسمیہ میں اقوال ہیں
اول تو یہ کہ وہ بہت گورے یعنی سفید سرخ رنگ کے تھے۔ بعض نے کہا گوہر تحریف ہو کر
گورڑہ بن گیا۔ دوسرے یہ کہ رنگ سیاہ تھا۔ گورا بضم کاف فارسی واؤ ساکن و رائے مہملہ
والف ممدودہ یعنی سیاہ اور گورڑہ بہ زیادت رائے فارسی تصغیر گورا کی ہے۔ اور کہا گیا ہے
کہ اہل لغت ہر رنگ والے ———— کو گورا کہتے ہیں۔ اور ہنود ذہلد بوجہ حقارت گورڑہ
کہتے تھے کہ وہ ان سے لڑائیاں کرتے تھے۔

اور لفظ "گورڑہ" قدیم سے آج تک بولا و پایا جاتا ہے۔ زبان سے بھی اور کاغذات
کہن و کاغذات سرکاری میں بھی ابتداً ایسے ہی لکھنے و بولنے کا رواج تھا۔ مگر اب رفتہ رفتہ یہی
گورڑہ سے مرور ایام اور اردو کی ترقی یافتہ صورت میں "گوڑہ" ہو گیا۔ اور لکھنے میں گاہ گاہ رواج
ترک ہونے لگا ہے۔

کئی ایک مقامات کے نام گوڑہ سے مشہور ہیں۔ ایک تو یہی راولپنڈی کے قریب شمال
میں ایک گوڑہ سٹیشن بھی قصبہ کے نام سے جو دو میل کے فاصلہ ہی پر واقع ہے۔ گوڑہ رک گیا ہے
ہے۔ جہاں عصر حاضر کے بہت بڑے بزرگ صوفی حضرت پیر مہر علی شاہؒ صاحب قدس
سرہ العزیز کا مزار ہے۔ جن کا قدرے مفصل ذکر سادات کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور اس
گوڑہ کے شہر میں اب بھی گوڑہ اعوانوں کی اکثریت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کے سب سے
پہلے بانی مبانی تعمیر کے شہاب الدین گوڑہ ہیں۔ اگر موقع ملا تو ایک علیحدہ خاندان گوڑہ
شہر کے عنوان میں مفصل ذکر آئے گا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گوڑہ کا قصبہ بھی بابا گوڑہ کے
نام سے منسوب ہے۔ جہاں کہ کچھ عرصہ انھوں نے قیام کیا۔ اور دوسرا گوڑہ نام مقام علاقہ سون
سکیسر میں ہے۔ جو سڑک خوشاب سے سون سکیسر کی طرف شہر کنڈ سے گذرتی ہے۔ اس
سڑک کے متصل سون سکیسر کی بلندئی پہاڑ پر ایک مقام بنام گوڑہ مشہور ہے۔ اس

جگہ اعوانوں نے پتھروں کا ایک ڈھیر بھی جمع کر دیا ہوا ہے۔ اور آج کل بھی پتھروں کا یہ ڈھیر
وہاں موجود ہے۔ اور اس یادگار کے متعلق تین روایتیں مشہور ہیں۔
(۱) ایک یہ کہ بابا گوڑہ کی گذرگاہ بطور یادگار قائم رہے۔
(۲) دوسری یہ کہ اس جگہ بھی ہنود سے بابا گوڑہ کا جہاد ہوا ہے۔
(۳) تیسری یہ کہ یہاں اعوان کی چارپائی رکھی گئی۔ اور پھر بغداد کی طرف اٹھائی گئی۔[1]
عبداللہ گوڑہ کا زیادہ مقام سون سکیسر[2] میں رہا اور یہی علاقہ ان کے حصہ میں
آیا۔ وہاں کے لوگ انہیں کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ گوڑے سب جہاں کہیں بھی پائے
جاتے ہیں۔ بابا گوڑہ ہی کی اولاد سے ہیں۔ اور اسی سے شجرہ ملاتے ہیں۔ اکثر شجروں
میں بن گوڑہ بن قطب شاہ بھی" دیکھا گیا۔

ان روایات سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ بعض گاؤں۔ مقام یا شاخ قوم کی اولاد میں
کا نام اپنے بڑے سردار کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور گوڑہ لقب بابا گوڑہ کا قدیم
سے ہند و پاک میں مشہور چلا آتا ہے۔ عبداللہ گوڑہ کے چار فرزندوں کا نام روایت کیا جاتا
ہے۔ (۱) سب سے بڑے کا نام عالم دین اسکی ماں کا نام مریم بنت عقیل تھا۔ کہتے ہیں یہ ماں
کی طرف سے علیحدہ ہی ایک تھے۔ اور باقی تین دوسری والدہ سے تھے۔ جس کا نام سارہ بنت
ابراہیم تھا۔ عالم دین کی اولاد ہند میں نہیں۔
(۲) احمد علی بن گوڑہ کا دوسرا نام بدر الدین مشہور تھا۔ بدھو بھی کہلایا گیا۔ اور
احمد علی بھی بدرالدین کا بیٹا حسن دوست مشہور سندروج تھا صندوج خان بھی بعض
چھاپہ شدہ شجروں میں بجائے سندروج کے لکھا دیکھا گیا۔ جیسے کہ خود میں نے کرنل
قاضی محمد یوسف صاحب سکندر پور ہری پور تحصیل (ہزارہ) میں دیکھا۔ قبیلہ خال اعوان
اسی سے منسوب ہیں۔ اسکی اولاد کو ہستان میں بہت ہے۔ قوم بدھوال۔ وکھلان۔ افوال،
اندھوال اسی سے اپنے کو بتاتے ہیں۔ احمد علی، بدرالدین، بدھو، یہ ایک ہی آدمی کا نام ہے
(۳) زمان علی بن گوڑہ۔ (۴) غلام علی بن گوڑہ۔
تاریخ کندلانی میں ہے کہ جب گوڑہ سکیسر پر آیا ہے۔ اس کے ہمراہ چھوٹا بیٹا غلام

[1] باب الاعوان ص ۱۶۵ بار سوم ۱۹۳۳ء لاہور [2] سون سکیسر تحصیل خوشاب۔ ضلع شاہ پور میں واقع
ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ پچاس، ساٹھ گاؤں خالص اعوانوں کے ہیں۔

اور جنجوعوں کی لڑائی میں باپ کے ہمراہ رہا - احمد علی ، زمان علی ، غلام علی
علی بھی آیا ہے - اور یہ سگے بھائی تھے - اور یہ دونوں
کی والدہ کا نام سائرہ بنت ابراہیم روایت کیا گیا ہے - اور ایک شادی کھوکھر خاندان کے ایک معزز قبیلہ کی
عبداللہ گولڑہ نے بغداد سے کی تھیں - اس کے بطن سے پانچ لڑکے محمد، احمد، علی، عمر
سلمان لڑکی سے کی - جس کا نام فاطمہ تھا - اور باختلاف روایات سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ہم عمر
زید تولد ہوئے - عبداللہ گولڑہ اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ہم عمر ہونے روایت کئے جاتے ہیں - میں پہلے وہ واقعات بیان
ایک سال کے فرق سے آگے پیچھے پیدا ہونے روایت کئے جاتے ہیں - میں پہلے وہ واقعات بیان
کرتا ہوں - جو اس سلسلہ میں مجھے اپنے مخلص دوستوں و کتب کے ذریعے سے عبداللہ گولڑہ
کے موصول ہوئے - اور بعد میں کچھ اپنی طرف سے بھی عرض کیا جائے گا - وہ لکھتے ہیں -

کو قطب شاہ کی وفات سے تین سال بعد ۵۵۵ھ میں سید عبدالقادر جیلانیؒ کے
ارشاد کے مطابق عبداللہ گولڑہ اپنے اہل و عیال سمیت اور برادران کے ہمراہ اپنے تین
سو وفادار تابعین کی معیت میں دوبارہ اپنے باپ کی جائے اقامت پر شمالی ہند میں
تشریف لائے - یہ علاقہ کوہ سون سکیسر اور کڑانہ پہاڑی کے درمیان واقع ہے اور
وادی سون کے نام سے مشہور ہے - اس وقت یہاں کے ہندو راجاؤں نے خلق خدا
پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا - آپ نے ان بے کس و بے بس انسانوں کو ان راجگان کے
چنگل استبداد سے نجات دلانے کیلئے کفار نابکار سے نبرد آزمائی کی - اور اپنی ازلی
شجاعت و بسالت کے طفیل انکو پے در پے شکستیں دیں - اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان
راجاؤں کو تہ تیغ کر کے کوہستان علاقہ پچھڑ، کوہ سکیسر، کوہ کھون اور شمال میں علاقہ
دھنی چھنوار پر قبضہ کر لیا - ان راجاؤں کی نسل بھاگ کر پہاڑوں کے دامن میں آ کر مقیم
ہو گئے - اور شہر بنائے - آخر مشرف باسلام ہو گئے - انہیں کھوکھر، جوطان اور جنجوعہ کی،
وہی پہاڑوں کے دامن میں اب تک آباد ہیں ۔

• سون سکیسر میں قیام فرمانے کے بعد عبداللہ گولڑہ مقام لاڈوانہ ضلع شیخوپورہ کی
تشریف لے گئے - اس مقام کا نام جہاں آپ نے سکونت اختیار کی خانقاہ علویین کے نام
مشہور ہوا - آپ نے اپنے اہل و عیال کو خانقاہ علویین میں لا کر اور کمزور ہمراہیوں کو طاقتو

گذشتہ گوشوارہ از باب الاعوان کے حاشیہ میں یہ اختلاف سن پیدائش بیان ہو چکا ہے

اور نامور برگزیدہ لوگوں کی پناہ میں چھوڑا اور پھر تین سو ۳۰۰ وفادار تابعین کی معیت
مراجعت فرمائے لاہور ہوئے - راستہ میں بہت سے کفار مشرف باسلام ہوئے - اور ا
ملک میں آپکی کرامات کا بہت شہرہ ہوا - اور کھوکھر یہ خاندان کی ایک لڑکی فاطمہ نام
شادی ہو گئی - اور جیسا کہ ذکر ہو چکا اسکے بطن سے پانچ لڑکے پیدا ہوئے ۔

• ۵۸۰ھ بروز سوموار کافروں نے آپکو مقام علویین میں شہید کر دیا - آپکے وفا
تابعینوں اور برادران و فرزندان نے ان کا بدلہ لیا - کچھ کافر تو وہیں ہلاک ہوئے اور کچھ
فرار ہو گئے - اسکے بعد آپکی نعش مبارک کو صندوق میں بند کر کے خانقاہ علویین میں دفن کر
اس قبرستان کا نام آپکے مدفن کی وجہ سے قبۃ الشہداء مشہور ہوا - ۱۵۱۱ء میں ڈوگر قو
کے ایک " ولی نعمت اللہ نامی المشہور حاجی دیوان علیؒ " کی تربت قبرستان قبۃ الشہداء میں
اس وجہ سے پھر یہ مقام خانقاہ علویین ۳۱ ۴ برس کے بعد " خانقاہ ڈوگراں " کے نام سے مشہ
ہوا - اور اب تک اسی نام سے مشہور ہو کر چلا آتا ہے - اس خانقاہ علویین سے متعلقہ اراضی
بھی اب تک خاندان ڈوگراں کے قبضہ میں چلی آتی ہے ؟

• کچھ عرصہ عبداللہ گولڑہ کی نعش قبۃ الشہداء میں دفن رہی - اس کے بعد انھوں نے
انکی نعش مبارک کو وہاں سے بھی نکال لیا - اور اپنے اول مقام اقامت علاقہ سون سکیسر کی
سرحد پر جنوبی پہاڑوں کی کوٹھن پر سڑک کے متصل انکو دوبارہ دفن کر دیا - یہ مقام آج تک
بنام گولڑہ مشہور ہے وہی جس کا ذکر پہلے ہو گیا) اس جگہ اب آپکے خاندان کے لوگوں نے
پتھروں کا ایک ڈھیر جمع کر رکھا ہے - اس علاقہ میں عبداللہ گولڑہ کی اولاد بکثرت پائی جاتی ہے "

• محمد کنڈلان نے اپنے چند برادران اور وفادار تابعین کی معیت میں ۱۳ ماہ کے بعد یہاں
سے بھی تابوت نکال کر بغداد میں لے گئے - اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مقبرہ کے پاس دفن کر دیا
اسلئے تربت بغداد میں ہے - اس وقت اولاد مختلف قبیلوں میں بٹ گئی ہے - قبیلوں کے
نام سردار قوم کے نام پر مشہور ہیں لیکن بعض قبیلوں کے نام بعض روایات سے وابستہ ہیں ؟ انتہی
(مقالہ مرسلہ محمد افضل خان اعوان - باغانوالہ - ضلع جہلم)

یاد رہے کہ یہ مقالہ ان صاحب سے موصول ہوا ہے - جو عون قطب شاہ بغدادی کو ابھی
تک عباس علمبردار کی اولاد سے سمجھتے ہیں - اور بعض اقتباس از باب الاعوان لئے گئے ہیں
جن کے ماخذ ایک ہیں - جس کا مفصل طور پر رد اوراق گذشتہ میں گذر گیا ہے - اب مجھے

بالہذا کے بعض مقامات سے اختلاف خود انہیں کی کتابوں کی بعض عبارتوں سے رونما
ہو رہا ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ جب بعد فتح لاہور جو [illegible]ھ میں واقع ہوئی۔ تو عون و عبداللہ گولڑہ
و کندلان بغداد چلے گئے۔ تو [illegible]ھ میں گولڑہ کی واپسی دوبارہ ہند کو کہاں؟ اور
اگر بعد فتح لاہور کی واپسی والی عبارت ضعیف مان لیں تو پھر گنجائش قدرے نکل سکتی
ہے۔ مگر یہ سب واقعات خود قطب شاہ سالار کے عہد سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں

(۲) یہ بات کئی وجوہ سے متفقہ ہے کہ تین سو وفادار ہمراہیوں سے پنجاب کے راجاؤں
کو مشہور و مفتوح کیا۔ البتہ یہی واقعات خود میر قطب حیدر کی موجودگی میں بیان ہوں
تو موجب تسلیم ہو سکتے ہیں۔ مفصل جواب پچھلے اوراق میں ملے گا۔ اور یہ سب باپ بیٹے
تسخیر ہند میں ہمراہ ہوں گے۔ اور بعد وفات قطب شاہ بھی غزنویوں کی حیثیت میں پہلے
غزنویوں اور بعد میں غوریوں کے عہد میں معرکہ تلونڈی وغیرہ میں شریک ہوئے ہیں۔ جیسے
کہ روایت آگے گذری ہے۔

(۳) مقام گولڑہ واقع سون سکیسر کی وجوہ و بیان قدر تفصیل سے گذر چکا ہے۔ کسی نے وہاں
گولڑہ کے دفن کی وجہ سے گولڑہ مشہور ہونا ذکر نہیں کیا۔ البتہ وطن چارپائی اعوان کی
رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ اور چارپائی رکھنے سے شاید دفن مراد لیتے ہوں۔

(۴) باب الاعوان سے عبداللہ گولڑہ کی تاریخ موت [illegible]ھ درج ہے۔ اور یہ [illegible]ھ بیان
کر رہے ہیں۔ فتدبر۔

(۵) خود زاد الاعوان ص ۱۲۴ میں یہ عبارت درج ہے۔ "پس سفر کیا اُسنے اور باپ اسکے
نے اور بھائی اسکے محمد نے طرف ہند کے اور ہند میں پہنچ کر جہاد کیا اس نے ساتھ ہنود کے
بیچ کوہستان شمالی ہند کے اور اسلام لایا اکثر لوگوں نے اس کے ہاتھ پر۔ اور واپس ہوا وہ
اور باپ اس کا۔ اور بھائی اس کا بغداد کی طرف اور بغداد میں وفات پائی۔ اسنے نو دن
سترہ شب جمعہ تاریخ رجب مہینہ میں اور [illegible]ھ تھی۔ اور دفن کیا گیا اپنے باپ کے پاس"
اس عبارت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ عبداللہ گولڑہ و باپ قطب شاہ اور بھائی محمد کندلان اکٹھے ہند میں آئے۔ اور مل
کر جہاد کیا۔

(۲) دوسری یہ کہ لوٹے بھی اکٹھے۔ تا آنکہ واپس نہیں آئے دوبارہ ہندوستان سابق کو بغداد
ہی وفات پائی ہے ظاہر ہے کہ وہ [illegible]ھ کو ہند قدیم میں شہید نہیں ہوئے۔ اور نہ
انکی میت لے جائی گئی۔ الا آنکہ ان روایت کی تغلیط ثابت کریں۔ جو زاد الاعوان و باب
الاعوان میں عہد غوریہ میں لوٹنے۔ [illegible]ھ میں وفات وغیرہ کے متعلق آئی ہیں۔

باب الاعوان میں عبداللہ گولڑہ کے متعلق افیون کھلانے کے قصے۔ ہندی عورت کے
شیشے دکھلانے۔ اور دودھ کے آبانے وغیرہ کی حکایتیں ضعیف اور بے سر و پا منسوبات
معلوم ہوتی ہیں۔

---

(۲) محمد کندلان

بعض اہل انساب نے گل شاہ و گل محمد کا لکھا ہے۔ کندلان سے بعد کنڈان بھی مشہور
ہو گئے۔ کوہستان نمک پنجاب میں زیادہ آباد ہیں۔ بلکہ ایک چک موضع کنڈان کے نام سے
مشہور موجود بھی ہے۔ اعوان کنڈان دریائے جہلم و اٹک کے درمیان جو دو آبہ سندھ
ساگر کہلاتا ہے۔ اسمیں سلسلہ کوہستان نمک ہے۔ اس پہاڑ کے مشرقی حصہ میں بھی کچھ کنڈان
آباد ہیں یہ سب لوگ محمد شاہ کے بیٹے سکن کیساتھ شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ اور سکن سے
سکھو غلط بھی ہو گیا۔ سکن کا بیٹا بدیع نام تھا جس کو بھولا بھی کہتے ہیں۔ اعوان برقعال
انکی اولاد سے ہیں۔ بعض نسب نامہ میں بدیع شاہ۔ بن سکن شاہ۔ بن محمد شاہ، بن قطب
شاہ ہے۔

پنجاب کی اکثر وادیوں میں بدیع کی اولاد دیکھی گئی ہے۔ اہل دو آبہ باری کے نسب نامہ
اسطرح ہے۔ بھیّن بن سکھو بن گل شاہ۔ بن قطب شاہ۔ اور یہ بھی اسی اصل سے ملتا
ہے۔ بدیع بن سکن بن محمد بن قطب شاہ اور اکثر نسب ناموں میں یہ مرقوم ہے۔ محمد کنڈان کے
پسر سکھو جد قوم سکھرال ہے۔ اور بیٹا بھیّن اسکی اولاد کندوال اور برقعال ہیں۔ گل شاہی
گوت بھی انہیں کی اولاد سے ہے۔ موضع پدہراڑ بدیع بن سکن بن کنڈان محمد شاہ کا آباد کیا

ہوا ہے۔ بدیع کا ایک مکان پہاڑ میں بھیورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پختہ مکان غیر آباد پڑا ہے۔ اس میں ایک چشمہ شفاف پانی کا دیگر چشموں کے پانی سے وزنی پتھر سے نکلتا ہے۔ بدیع کی اولاد سے فیروز کی اولاد کو ستیال اور ملک خان کی اولاد کو ملکال کہتے ہیں (باب الاعوان ص ۲۱۳)

(۳) منزل علی کلگان

کلگان کی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال آئے ہیں (۱) کلگ ایک موضع ہے۔ اس نام کی مناسبت سے کلگان کہلانے لگے۔

(۲) قوم مجوس فارس نے لقب کلگان رکھا۔ کلگان کے لغوی معنی نامبارک ہیں۔ چونکہ یہ مجوس کیساتھ لڑتا تھا اور وہ اُسے نامبارک سمجھتے تھے۔ اسلئے کلگان لقب وضع ہو گیا۔ (۳) دستار میں ہر وقت کلگی لگائے رہتے جیسے امراء لوگ پگڑی ٹوپی یا تاج وغیرہ پر لگاتے ہیں کلگان مشہور ہو گئے۔ پس کلگان۔ کلکان۔ کلغان۔ گل غن۔ گل فن۔ کلغن وغیرہ سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ جتنے منہ اتنے نام۔ مشہور منزل علی کلگان نسے ہیں۔ اور یہی اکثر شجرہ انساب میں تحریر شدہ ثابت ہوا۔ مولوی حیدر علی نے تاریخ علوی میں منصور شاہ ملقب بہ گلغن دوسرا بیٹا قطب شاہ کا بیان کیا۔ مگر منصور کلغن دوسرا بیٹا قطب شاہ کا نہیں۔ دوسرا بیٹا محمد کندان ہے اور کلگان منزل علی تیسرا بیٹا قطب شاہ کا ہے۔ بھائیوں میں سرخیل مدبر تھے۔ اس وجہ سے اُنکی اولاد کو بھی زمانہ میں سیادت وقیادت رہی۔ منزل علی کلگان سندھ کے کنارے کالا باغ کے کنارے متصل ڈھنکوٹ جاکر آباد ہوئے۔ اور یہی علاقہ ان کے حصہ میں آیا۔ کالا باغ کے اعوان آن ہی کی اولاد سے ہیں۔ انکی ایک ہمشیرہ بی بی رقیہ تھیں۔

بزرگی علم وفضل، زہد وتقویٰ، بہادری اور سیاست میں سب سے آگے تھے۔ اور متعدد لڑائیاں بھی کفاروں سے انکی ہوئیں۔ باختلاف روایات والدہ کا اسلامی نام زینب تھا۔ کھوکھر ہندو راجہ کی لڑکی تھی۔ ان سب بھائیوں کی اولاد کو قطب شاہی کھوکھر کہتے ہیں۔

(۴) جہان شاہ عرف دُرِ یتیم

کتابوں میں نام درِ یتیم عرف جہان شاہ مذکور ہے۔ کہا گیا کہ ہنود کیساتھ جہاد کرتا تھا۔ اور بڑی تیزی سے فتح پاتا تھا۔ اسلئے جہان شاہ کا لقب دیدیا گیا۔ غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں زندہ تھا۔ ساتویں صدی ہجری کا زمانہ بھی کچھ پایا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ

دہلوی۔ امیر خسرو دہلویؒ شیخ سعدی شیرازیؒ معاصرین سے ذکر کرتے ہیں۔ تین بیٹے تھے (۱) سلطان محمود علی بڑا۔ جسکو بدھو بھی کہتے ہیں (۲) دوسرا محمد محسن علی (۳) تیسرا محمد انور علی۔ علاقہ کوہستان نمک میں آباد تھے۔ انکی اولاد جہان شاہی کھوکھر کہلاتی ہے۔ اُن کے حصے میں علاقہ چھوٹی پیلاب آیا۔

(ا) محمود علی کے دو فرزند تھے (۱) ایک محمد یار علی لاولد (۲) دوسرا محمد عثمان۔ جسکو بدھو بھی کہا گیا۔ صاحب کثرت اولاد ہوا۔ اور قوم تیرہ اسی سے منسوب کرتے ہیں۔

(ب) محمد محسن علی۔ جو لاولد رہا۔ گھنڈر انکی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ٹھیک نہیں۔ کتابوں میں کہا گیا ہے کہ گھنڈر محسن کی اولاد سے ہیں (بحوالہ انساب الاعوان) اور انساب میں لکھا ہے کہ گھنڈر اپنے کو حضرت علیؓ کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ اور قطب شاہی اعوانوں کی گوت جہان شاہی یا شاہجہانی لوگوں سے ہیں اور اُن سے نسب ملاتے ہیں۔ اعوانوں کے رشتہ کی وجہ سے اعوان کہلانے لگے۔ اور دوسرا قول یہ کہ گھنڈر کا صحیح محمد محسن علی بن جہان شاہ سے نسب ملا ہے۔ اور وہ لاولد نہیں رہا۔ بہرحال اختلافی قول ہے۔

(ج) محمد نور علی پسر جہان شاہ لاولد فوت ہوا۔ انکی اولاد سے کوئی نہیں۔ اہل نسب اس پر متفق ہیں۔

(۵) زمان علی کھوکھر

زمان علی کھوکھر سلسلہ کوہستان سے چلے موسیٰ خیل اور پھر کڑانہ ضلع شاہ پور میں ایک رئیس کی حیثیت سے رہنے لگے۔ شاہ پور میں راجکماری بھرت کو مسلمان کرکے نکاح کر لیا۔ بھرت کھوکھر انکی اولاد اور اسی رانی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۱) سبھن رانی بھرت سے بڑا بیٹا زمان علی کھوکھر کا تھا۔ اور اس کا لڑکا کوٹ نام تھا۔ کوٹ ولد سبھن کثیر النسب ہوئے۔ اولاد ہند قدیم میں بہت مقامات پر رہتی ہے۔

(۲) وگھرا (یا وگھیرا) کا بیٹا جنیسر نام ہوا۔ پنجاب میں انکی اولاد سے کھوکھر موجود ہیں۔ جنہیں جنیسر (جنیس) کہتے ہیں۔ پونچھ کے قطب شاہی کھوکھر مواضعات بوت۔ چلان۔ سدھرہ۔ پنجھ چھانبل۔ تحصیل ہویلی۔ ماہڑہ گوتہ، گوہلہ۔ تحصیل مینڈھر میں واقع ہیں۔ اپنے آپکو قریشی ہاشمی کہتے اور لکھتے ہیں۔ صاحب تاریخ الاعوان لکھتے ہیں۔ کہ جب راجپوت خاندان کے اکثر افراد مسلمان ہوئے۔ نو مسلمانوں میں دو فریق ہوگئے۔ یہ دونوں پہلو، پہلو آباد ہوئے۔ تو امتیاز

اعوان قطب شاہی کہلانے لگے۔ اور جہاں انکی آبادی اکٹھی نہ تھی وہاں یہ امتیاز نہیں کیا گیا، اسی طرح اعوان چوہان اعوان کھوکھر وغیرہ سے جدا امتیاز قائم ہوئی۔

تاریخ انساب الاقوام میں یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ کھوکھر راجپوت اور کھوکھر اعوان خلط ملط ہو گئے ہیں۔ یہ اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ راجپوت اپنے کو معزز اور رتبہ میں کم قوم نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمان ہو کر بھی اپنی قوم کو دوسری نو مسلم اقوام کی طرح شیخ نہیں تبلاتے۔ تو انہیں اعوانوں میں خلط ملط ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ جواب صاحب تاریخ الاعوان دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب قوموں پر زمانہ دراز گذر جاتا ہے جن کے پاس کسی قسم کے شجرے و نسب نامے نہیں۔ نادانستہ طور پر گم کردہ راہ ہو کر خلط ملط ہونے سے کون چیز روک سکتی ہے؟۔ اور بعض لوگ تو دیدہ و دانستہ بھی نسب تبدیل کر کے خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ اور خاص خاص لوگ کہ دعوے درمیان سے مستثنیٰ رہ جاتے ہیں مگر سرے سے خلط ملط ہونے کے نظریے کو نہ ماننا قدرت کے اصول سے۔ جیسے کہ ایک روایت آئی ہے کہ:۔

جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں دادن خان کھوکھر جس نے کوہستان نمک کے پاس پنڈ دادن خان اور دیگر شہر کھوکھروں کے آباد کئے۔ کھوکھر دادن خان اور احمد آباد میں صاحب حکومت تھے اور یہ لوگ قطب شاہی اعوان ہونے کا دعوی کرتے ہیں اپنے شجرہ اور بزرگوں کے حالات میں دادن خان مسلمان راجپوت کھوکھر کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یقیناً قطب شاہی کھوکھر نہیں۔ دادن خان راجپوت کھوکھر راجپوت تھا۔ جس نے پنڈ دادن خان آباد کیا۔ قطب شاہی کھوکھروں اور راجپوت کھوکھروں کا لفظ ایک ہونے کی وجہ سے بہت کچھ خلط ملط ہو گیا ہے۔ (تاریخ اقوام پونچھ محمد دین فوق ص ۱۴۱)

۶ نجف علی (۷) فتح علی (۸) محمد علی

یہ تینوں بھائی بی بی خدیجہ ہندی رئیس چوہان خاندان کی مسلمان بیٹی کے بطن سے ہیں۔ نجف علی عرف محمد یحییٰ فتح علی عرف کلدان۔ محمد علی چوہان وغیرہ القاب سے مشہور ہوئے۔ یحییٰ، کلدانی یا کلکاری اعوان چوہان انہیں برادران کی طرف منسوب ہیں۔ محمد علی کی نسبت سے چوہانی نسبت انکی طرف ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ نجف علی کی اولاد پاک ہند میں بہت کم آئی۔ بلکہ روس میں آباد ہیں۔ اور زور وہاں دوسرے ممالک کی نسبت زیادہ ہے۔ اسی طرح اختلاف ہے کہ فتح علی کی اولاد بھی ہند میں کم ہے اور دیگر ممالک میں زیادہ

ہے۔ محمد علی چوہان کی اولاد علاقہ پنجاب کے سندھ میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ زیادہ اضلاع سے زیادہ تاریخ کندلانی امام بخش اعوان کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ محمد علی علاقہ سندھ میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ محمد علی کے حصہ میں قلعہ رہتاس پنجاب آیا تھا۔ کھوکھروں کی طرح اعوان چوہان اور ہندو چوہان بھی بعض مقامات پر مخلوط ہو گئے۔ سلسلہ کوہستان نمک میں اعوان، چوہان چند افراد مانے جاتے ہیں۔ اور ان کا غلبہ وہاں نہیں۔ انکی ایک ہمشیرہ بی بی فاطمہ نام تھیں۔

(۹) نادر علی (۱۰) بہادر علی (۱۱) کرم علی

یہ تینوں برادران بی بی ام کلثوم راجپوت راجہ طلحہ کی بیٹی مسلمان کے بطن سے ہیں۔

نادر علی کا لقب محمد عثمان، بہادر علی محمد طلع۔ کرم علی کا شاہ محمد رؤف بیان ہوا ہے۔ عثمانی، طلعی، رؤفی گوتیں انہیں کے لقب سے مشہور ہیں۔ طلحہ شاید تلہ گنگ سے مشہور ہو گیا۔ آئین اکبری میں اعوان محل نام تھا۔ انکی اولاد پنجاب و ہند میں شاذ و نادر بیان کی جاتی ہے۔ بلکہ ممالک غیر شام کی طرف جانا روایت کرتے ہیں۔ اور مختلف فیہ ہیں۔ انکی ایک ہمشیرہ بی بی ہاجرہ نام تھی۔

واضح ہو کہ فرزندان قطب شاہ کا جتنا حال کتب سابق میں آیا تھا۔ وہ برائے آگاہی درج کیا گیا۔ افسوس کہ کتنی تشنگی ہے ان مختصر حالات اور واقعات میں ۹۔ باوجود کمی استعداد کے بیان ختم ہو گیا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ بیان انہیں کتب سے اخذ کیا گیا ہے جن کے مانند میزان ہاشمی قطبی وغیرہ بغدادی مؤرخ ہیں۔ جنھوں نے میر قطب شاہ سالار کو عون قطب شاہ عباس علمبردار کی اولاد سے لکھ دیا ہے۔ شروع سے آخر تک انہیں کتابوں کا حوالہ دیتے رہے ہیں۔ جو مبنی بر وہم و مغالطہ ہے۔ اور بغدادی مؤرخوں کا ہم پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ گو وہ قطب شاہ کی شخصیت کے تعین و نسب ملانے میں تو چوک گئے مگر اولاد قطب شاہ کا بیان تو کچھ نہ کچھ اپنی کتابوں میں کر گئے۔ جو آج تک کسی دوسری تاریخ میں کوئی دوسرا تاریخ نویس تحقیق و تلاش کر کے چند سطور کا اضافہ معلومات میں نہ کرا سکا۔

باب چہارم

کہتی ہے تجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا!

(بے سروپا منسوبات کی تردید)

علم تاریخ کی رُو سے مختلف روایات، اعتراضات بیان کرنا قدیم سے مقرر ہے۔ تاریخی روایات و اعتراضات کا روایت کردینا چنداں معیوب نہیں۔ فیصلہ درایت پر ہی ہوتا ہے۔ جب اوّل اوّل ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے پنجاب و سابق صوبہ سرحد کو مکمل طور پر سکھوں سے قبضہ میں لے لیا۔ اور نمک کی کانیں جو اعوانوں کے قبضہ میں تھیں۔ وہ انگریزوں نے سنبھال لیں ۱۸۷۲ء تا ۱۸۸۰ء میں بندوبست کرکے پنجاب اور سرحد کے اضلاع کی قوموں و قبائل کے ذکر میں کتابیں اور گزیٹیئر لکھے۔ اور مردم شماری کی رپورٹیں مرتب کیں۔

بیشک یہ ان کا مستحسن اقدام تھا۔ حقیقت کا اعتراف کرلینے سے ایک بہت بڑی بھاری ذمہ داری شکریہ کی ادا ہو جاتی ہے۔ انسانوں سے فروگذاشتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور تاریخی روایات کی تحقیق کسی کی حرف آخر نہیں۔ میرے خیال میں ان سے بھی لغزشیں ہوئیں۔ اور معصوم تو وہ نہ تھے۔ اور کچھ قصور بھی اتنا زیادہ ان کا نہیں تھا۔ اعوان قوم خود لامرکزیت کی وجہ سے یورپین صاحبان کے تجسس و تفحص کے وقت اوراق منتشر کی طرح ان اضلاع میں پھیلی ہوئی تھی۔ خصوصاً عہد سکھاں میں وہ بہت زیادہ مضطرب تھی۔ سکھ قوم کے مقابلہ میں متحدہ محاذ قائم کرنے کے قابل نہ تھے۔ خاندان غزنوی کے زوال کے ساتھ جتنے انقلاب اس کے بعد صوبہ سرحد بانی و پنجاب لاہور وغیرہ پر غوریوں کے بعد سے آج تک ہوئے۔ سب سیلاب انکی پیٹھ پر سے گذرے کتنے سخت جان تھے یہ کہ ہر آنیوالے انقلاب نے انہیں مثل دریا برد نہیں کردیا۔ بلکہ ان کا وجود کرہ ارضی پاک و ہند پر اللہ کو مٹانا مقصود نہیں تھا۔ جو آج تک قائم و باقی ہیں۔ بقول صاحب تاریخ الاعوان سکھا شاہی تھی۔ ہر محاذ جنگ پر برابر امداد ملتی رہتی تھی۔ باوجود ماحول کی ان

مشکلات کے اعوانوں نے ہر جنگی محاذ پر سکھوں کے دانت کھٹے کئے۔ ایک جتھے کو جگاتے تو دوسرا حملہ آور ہو جاتا۔ رات کو فصلوں میں آگ لگادیتے جن سے اعوانوں کی اقتصادی حالت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اندریں حالات وہ کوئی صحیح نسب نامہ حالات و روایات مکمل متعلقہ محکمہ بندوبست کو بہم پہنچا نہ سکی۔ جو کچھ تھا وہ بھی گم کردیا یا لاپرواہی برتی۔ مگر صرف ایک بات جو متفقہ طور پر بھی اور انگریزوں نے بھی اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ کہ ہم اعوان قطب شاہ غزنوی کے جانشین ہیں۔ اور وہ قطب شاہ علیؓ کے بیٹے سوائے نبیؐ کی دختر کی اولاد سے تھے۔ (پنجاب پنس ص ۲۰۶، ۱۹۱۶ء دوبارہ) مگر انگریزوں پر مشتبہ ہو گیا۔ انہیں عربی کتابوں اور روایات کی تلاش یا کتابیں منگانا یا اتنی گہری تحقیق کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ وہ رائے زنیاں اور قیافے کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اور رائے قائم کردی۔ جو کچھ کسی کے منہ سے نکلا۔ کا تذکرہ ان میں کہیں جاٹ اعوان کہیں راجپوت، کہیں میر، سردار کہیں ملک وغیرہ لکھدیا۔ اور اُن کتابوں و گزیٹیئروں میں ایسی روایات داخل کردیں۔ کہ حقیقت مستور ہوگئی۔ جتنے منہ اور مشہور اتنی ہی باتیں یا اقوال انکی اصلیت مسخ کرنیکی طرف منسوب کئے گئے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انگریزوں نے خصوصاً مسلمانوں اور اسلام ان باشوکت و عظمت مسلمان کنبوں کو جو عربی النسل ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ زور توڑنے کیلئے بھی قسما قسم ہتھکنڈوں، حیلوں، بہانوں سے بدنام و مسخ کرکے ہی آئندہ نسلوں کو مشتبہ کرنے کی غرض سے جعل کو پیش کیا۔ اور اکثر غلط روایات و اقوال کا حل تاریخی روایات ملنے پر بھی بڑھا ہی تجویز کیا گیا۔ حالانکہ اصول کے مطابق تاریخی روایات کو مسخ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ انکی روشنی میں اصلیت کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور ایسی ایک آدھ روایت جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خود انکی کتابوں میں ملتی ہے۔ پس عرب تاریخوں اور روایات کی طرف حقیقت دان مؤرخ کیلئے رجوع کرنا ضروری تھا۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتے تھے یا ہوسکتا تھا۔ تو خود از کار قیافے گھڑنے کی بھی ضرورت نہ تھی

لیکن سوچنا یہاں یہ ہے۔ کہ انگریزوں کو اعوان قوم کے حسب و نسب کی تحقیق کی اتنی شدید ضرورت کیا لاحق ہوگئی تھی جو کہ مارے مارے پھرتے۔ دوسری طرف سونے پر سہاگہ یہ چڑھا۔ کہ جن لوگوں کے پاس اپنی قوم کے متعلق کوئی علم ہی نہ تھا۔ چاروناچار اعوانوں میں گھسنے اور گھسیٹنے کی کوششیں کیں۔ ہندی الاصل لوگوں کو بھی ایسے مواقع میسر آئے۔ خواہ پہلے کسی بھی ہندوستانی قوم سے مسلمان ہوئے تھے۔ اور پھر قطب شاہی کو محور بنالیا۔ جو قوم خود مردہ ہے۔ اپنے اسلاف کے حال اور نام سے واقف نہیں۔ وہ دوسری پر تو گلہ کرسکتی ہے۔ مگر یہ الزام سب کا سب اسی قوم

پرٗ مِعرو دنیا بھی انصاف کے تقاضے سے باہر ہے۔ کسی بیرونی قوم یا مقامی افراد کی غلط بیانی و توجیہات کو ماننے کیلئے ہم بالکل تیار نہیں ہیں۔ اور یہ مؤرخوں کی خدمت میں اظہار حقیقت ہے۔ کوئی ضد اور تعصب نہیں۔

بیرونی یا مقامی غیر مسلم قوموں کا مسلمانوں اور خصوصًا عربوں کی صحیح تاریخ کا مرتب کرنا۔ یا امید کرنا ہی میرے نزدیک بے حسی دبے شعوری کا عالم ہوگا۔ افسوس کہ پاک وہند کے اعوانوں کی تاریخ کا لکھا جانا کوئی اتنا سہل معاملہ تو نہیں تھا۔ جو مجھ جیسے نااہل و بے علم بھی "مینڈکی کو بھی زکام تنے لگا۔" کے مصداق بن گئے۔ اب میں ذیل میں ان جملہ اقوال کو جو قوم اعوان کے متعلق وقتاً فوقتاً تجویز یا گمان کرتے گئے ہیں۔ خواہ کسی نے بھی کہے ہوں۔ اور کسی بھی بناء پر کہے گئے ہوں۔ درج کرتا ہوں۔ اور جو تردید کی گئی ہے وہ بھی بیان کی جائیگی (کذافی باب الاعوان)

(۱) اعوانوں کا مصری النسل (قوم فرعون) سے ہونا۔
(۲) اعوانوں کا قوم یونانیوں سے ہونا۔
(۳) اعوانوں کا قوم ایرانیوں سے ہونا۔
(۴) اعوانوں کا قوم ترک سے ہونا۔
(۵) اعوانوں کا قوم افغان کی اولاد سے ہونا۔
(۶) اعوانوں کا قوم ہند سے ہونا (یعنی ہندی الاصل ہونا)
(۷) اعوانوں کا قطب شاہ ایک سے ہونا۔
(۸) اعوانوں کا قطب الملک شاہ سے ہونا۔
(۹) اعوانوں کا قوم جاٹ سے ہونا۔
(۱۰) اعوانوں کا قوم راجپوت سے ہونا۔
(۱۱) اعوانوں کا عباس عم رسول اللہ صلعم سے ہونا۔
(۱۲) اعوانوں کا زبیر بن علیؓ کی اولاد سے ہونا۔
(۱۳) اعوانوں کا عمر بن علیؓ کی اولاد سے ہونا۔
(۱۴) اعوانوں کا عباسؓ علمدار بن علیؓ کی اولاد سے ہونا۔
(۱۵) اعوانوں کا محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہونا۔
(۱۶) اعوانوں کیلئے ثبوت نسب ہونا[1]

[1] انقلابات زمانہ بنا کچھ ایسا نام + ایک ہی جھلک سے اپنا ہو گیا قصہ تمام ۔ خوامی۔

میرے نزدیک ان جملہ اقوال متذکرہ بالا کے علاوہ بھی اگر کوئی اور اقوال ان کی جانب منسوب کئے جائیں۔ تو کہہ دیا جائے۔ ابتدائی جہادی جنگوں میں مسلمان روس، ترکستان ہوتے ہوئے چین کی سرحدوں میں بھی داخل ہوئے ہیں۔ پہلے اور رہ پڑے ہیں۔ ناگزیر ہے۔ کہ اولاد علیؓ سے بھی کوئی نہ کوئی شریک نہ ہوا ہوگا۔ اور شاید اب بھی اگر کوئی مؤرخ وہاں پر سراغ لگائے۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ روسی الاصل یا چینی الاصل بھی ہیں۔ کیونکہ یہ بیچارے بھی ستم رسیدہ کچھ لوگوں کے ستائے ہوئے، کچھ اپنی شامت اعمال کی بدولت منتشر اوراق کی طرح اسلامی دنیا کے کونہ کونہ تک اڑتے پھرے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلامی دنیا کی حدود سے بھی آگے نکل کر مثل عبداللہ الاشتر و انکے ساتھیوں کے ہندو راجہ گان کی پناہ میں چلے جانے کے امکان و مواقع بھی انھیں نصیب ہوئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ع

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست

قیافے اور اٹکل کے ایسے اقوال لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایسے اقوال سنکر غضبناک ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنا چاہیئے۔ کہ تاریخ کی روشنی میں کہاں تک درست ہیں، کیوں کہے گئے ہیں۔ اور کیا حقیقت ہے۔؟

دیکھنا یہ ہے کہ نفس الامر میں جس وقت تمکو یہ خطاب کیا جاتا ہے تم اس وقت اس وصف سے متصف ہو یا نہیں؟ معاملہ کی تہ تک پہنچنا ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہو تو پھر کسی کا قول اور طعن تشنیع کچھ مضر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ وصف کسی کے چھیننے سے چھینا جا سکتا ہے۔ اور جس وصف کے کوئی اہل نہ ہو۔ تو لوگوں کے متصف کر دینے سے یا منسوب کر دینے سے نفس الامر میں وہ متصف ہو سکتا ہے اور نہ فائدہ۔ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں یخرج الحی من المیت الآیۃ جیسے آزر سے ابراہیمؑ نبی پیدا کئے و یخرج المیت من الحی الآیۃ جیسے نوحؑ سے کنعان کو ذریت اہل ہونے سے نکال باہر کیا۔ ایسا ہوا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔

اگر اور کچھ جواب نہ بن پڑا تو لگے منہ آتا ضرور کہہ ڈالیں گے۔ کہ تم ہو۔

؎ دنیا ہے مثل گنبد جیسی یہاں کہو گے
ویسے ہی عزیزو تم آپ بھی سنو گے

ہم تو کہتے ہیں جو کچھ بھی تھے۔ مگر اب لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہتے ہیں۔ اور تم ہو کافر، لاثبوت ؟۔ بشرطیکہ گریباں میں منہ ڈالکر یہ دیکھ لیا جائے۔ کہ ہم ان الفاظ کے

کے منتفی ہیں۔ اور استعمال بجا ہوا ہے یا بیجا ہے جذبات واحساسات کے بہاؤ
بات طول کردی۔ پھر اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ مشکل بات یہاں یہ درپیش
کسی قوم کی تاریخ لکھنے والے کیلئے ان متضاد اقوال کی روشنی میں خواہ مخواہ
کشی ہونیکی نوبت آجاتی ہے اور انسان شش و پنج میں پڑجاتا ہے۔ کیا کرے
ہے؟

عاشقی خاک کرے گا وہ بزدل جس نے
منزلِ عشق میں گھبرا کے قدم چھوڑ دیئے

کہتا ہے کہ۔ انشاء۔ تاریکیوں میں ٹھوکر کھاتا اور پھسلتا ہوا ایک قدم آگے ہی بڑھ
انگریز اور ہندو وغیرہ مہتممان بندوبست ۱۸۶۲ء یا ۱۸۸۲ء نے یا دیگر حالات نویسوں
اقوال اعوان قوم کی نسبت لکھے ہیں۔ انکے نام یہ ہیں:۔ مسٹر برانڈرتھ، جنرل کننگھم،
سر ٹامس بیمبروی، کرنل ڈیوس۔ بیورنی، راجن، واٹسن۔ سرپیل گریفن، ولسن۔ لاکھے
سر ڈینزل ابٹ سن وغیرہ انگریزوں سے۔ اور ہری کرشن کپول۔ پروفیسر
مسٹر جیارام وغیرہ ہندوؤں سے تھے۔ اور کچھ اقوال کے واضع مسلمان مؤرخین
لکھتے ہیں۔

اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ ان سب کیلئے تذکرہ نویسوں میں سے ہر ایک نے اپنے
اقوال و مفروضے کچھ نہ کچھ قائم کئے ہیں۔ اگر طوالت کا باعث نہ ہوتا تو یہاں بیان کئے جاتے
(البتہ انکی کتب کی طرف رجوع کیا جائے) مگر خود ان میں سے بعض نے بعض کے اقوال
کو تنقید و جرح کی روشنی میں انکی تردید کی ہے۔
مندرجہ اقوال میں سے پہلے آخری قول نمبر ۱۶۔ اعوانوں کا بے ثبوت نسب ہونا کی
توجہ مبذول کراتا ہوں۔ کہ انکی اصلیت کیا ہے۔
تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی نے نسب نامے محفوظ رکھنے
نسب نامہ جو موجود ہوں وہ بھی اغلاط و اسقام سے خالی نہ ہوں۔ زیادہ پشتوں
انقلاب طریقوں سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہ تو قطعی غیر ممکن ہے کہ کسی
قوم کا نسب ہی نہ ہو۔ اور خواہ مخواہ بے ثبوت نسب کی قوم قرار دیں۔

تاریخ باب الاعوان ص ۹۴ میں لکھا ہے کہ اہل عجم کے اکثر نے اپنے انساب ضائع کر دیئے

ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل اعوان تھوڑے ہیں۔ اور مدعی ہونے اعوان قوم کے بہت لوگ ہیں۔ جو
بودوباش اور تبدیلی نسب کی ضروریات وقتی کے ماتحت گھس آئے ہیں۔ اور کچھ بیان اس کا
ہندی نسل ہونے میں آئے گا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اعوانوں کا سلسلہ نسب حضرت
علیؓ سے ملتا ہے۔ اور اہل اسلام میں علوی لوگ اشراف نسب مانے جاتے ہیں ولیکن سلسلہ
نسب ملانا اور ثبوت دینا بھی ضروری ہے۔ ورنہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔ اور خلط ملط
گھسنے گھسیڑنے سے کسی قوم کی اصلیت نہاں نہیں ہو جاتی۔ در اصل میرے نزدیک بچھڑے
ہوئے سلسلہ نسب کے لوگوں کے لئے قطب شاہ کا نام بھی ایک بہت بڑی حد تک بعض مختلف
اقوال کے کہلانے کا سبب بن گیا۔ اسلئے کہ اعوانوں کے شجرہ نسب میں قطب شاہ نام آیا ہے
اور کہا گیا کہ اعوان قطب شاہ کی اولاد ہیں۔ اور قطب شاہی اعوان کہلاتے ہیں۔ پس اختلاف
اسمیں ہے کہ وہ کون قطب شاہ ہیں جو اعوانوں کے مورث اور جد اعلیٰ وسطی ہیں۔ بالفاظ دیگر
ایک طبقہ وہ ہے جو مجرد "اعوان" اور دوسرا طبقہ "قطب شاہی اعوان" ہے۔ اور قطب شاہی کی
شہرت عام اور عظمت تام کی وجہ سے خود اعوان ہی قطب شاہی کہلانے پر اصرار کرتے ہیں۔
اور حدود امتیاز کو پھاندتے ہیں اور اس طرح اعوان کے تعارف میں رخنہ اندازی ہو جاتی
ہے۔ پس اتنے اختلاف کی وجہ سے کسی کا بے ثبوت نسب ہونا صحیح نہیں کہلایا جاسکتا۔ کسی کو
اپنا نسب معلوم نہ ہو تو بے نسب ہونے کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ ہر ایک کے لئے ۳-۴ پشت
سے اوپر دھیان کر لینا چاہیئے کون شخص ہے؟ اور دنیا میں کتنے شخص ہیں؟ جو اپنی موجودہ
پشت سے آدمؑ تک کتنی پشتوں کا سلسلہ نسب ملا سکیں گے؟ اسلئے اس کے بعد اب قول اول
کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔؟ اور یہ جملہ اقوال باب الاعوان سے لئے گئے ہیں۔

(۱) اعوانوں کا مصری النسل سے ہونا:۔

کتاب تاریخ افغانی کے باب دہم میں قبطی قوم کا ذکر آیا ہے۔ کہ ملک فرعون شاہ مصر
قوم قبط سے تھا۔ انکی اولاد سے اعوان ہیں۔ بہت لوگ بعض غرق ہونے فرعون کے قبطی دین
موسوی میں آئے۔ آخر وہ لوگ دنیا میں متفرق ہو گئے۔ اور ہندوستان پہنچکر اعوان کہلائے
اور زراعت کرکے مال واسباب کے مالک ہوئے۔

علہ تاریخ علوی ضمیمہ بحوالہ باب الاعوان۔ کئی انگریز لوگ کہتے ہیں کہ اعوان بے ثبوت نسب ہیں بحوالہ سپرنٹنڈنٹ
مردم شماری پنجاب۔ اسلئے متفرق اقوال انکی طرف منسوب کئے گئے۔

منشی سعادت خان کی "تاریخ فضائل السعادت" میں فرعون کا طویل قصہ فارسی میں مرقوم ہے اور آخر پر لکھا ہے کہ فرعون مصر کو قطب الدولہ کا لقب دیا گیا۔ اور ایک دوسری عبارت ہے۔ کہ جبارے وستمگارے وظالم وقہارے از نتائج اسباط طائفہ قطب بن مالک بمصر متولی شد کہ جسے بعض مؤرخ اور نساب نے عبارت مذکورہ سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ فرعون موسیٰ کا لقب قطب تھا۔ اور شاہ سے مراد بادشاہی ہے۔ پس قطب شاہی اعوان کہلانیوالے اسی قطب شاہ مصری کی نسل سے ہیں (بحوالہ باب الاعوان ص ۴۲)

صاحب باب الاعوان مولوی نور الدین صاحب اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ مؤرخین و نساب کا یہ انتساب و بیان فرضی اور تراشا ہوا ہے۔ اور کوئی اس سلسلہ نسب کا قائل نہیں اہل عرب و عجم کے محقق مؤرخ لکھتے ہیں کہ فرعون کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ فرعون کی صرف ایک دختر تھی۔ تو انکی اولاد بھی یہاں پایۂ صحت کو نہ پہنچی۔ اعوان کیسے انکی نسب سے ہو سکتے ہیں۔ دوسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو فرعون کا زمانہ بہت دور اور متقدم ہوتا ہے۔ تو چاہیے تھا کہ آج انکی نسل کا زمین پر غلبہ ہوتا۔ اور اعوان تو بہت قلیل ہیں اور پھر قطب شاہ کے سلسلہ نسب میں یہ تھوڑے نام کس لئے آتے ہیں۔ مناسب تھا کہ نام کثیر سلسلہ میں بیان کئے جاتے اور نسل سے آخر معروف بھی ہوتے۔ فرعون کا قصہ متعدد مقامات قرآن میں مذکور ہے۔ جس نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ اور بحر قلزم میں غرق ہوا[علہ]

بات کا بتنگڑ بنا ہوا ہے اور نقطوں سے فالیں نکالکر تاریخیں اور نسب گھڑنے کا یہی حال ہوتا ہے۔ کہ روایت کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہیں تو انکی بے وقعتی ایک عالم پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ پھر تو سب دنیا کے انسانوں کے نسب حضرت آدمؑ سے ملتے ہیں۔ آدمی ہی ہیں۔ ڈھکوسلے کہاں سے کہاں نکلے جاتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ اور بیان قریب العہد ہونے کا ہے یہ تو عربوں کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ وہ کس قوم اور شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربوں کی تاریخ بیان کرنی یہاں ہمارے پیش نظر نہیں ہے اعوانوں کا علوی النسل یعنی حضرت علیؑ کی اولاد سے ہونا ایسا تواتر تعلق رکھتا ہے۔ کہ عقل بھی اسے رد نہیں کر سکتی۔ اسماء الرجال کے شش انکے حالات و واقعات ہیں مختلف ادوار میں بعد از ظہور اسلام کے ممالک عرب و عجم میں انبار بھرے پڑے ہیں۔ خواہ وہ جزوی ہی کیوں نہ ہوں۔ میر قطب مجاہد جو قطب شاہ کے نام سے پاک و ہند میں مشہور معروف ہوئے۔ جو قطب شاہی اعوانوں کے وسطی مورث اعلیٰ ہوئے۔ آدمؑ تک کے قطب شاہ

علہ وہ علوی النسل ہیں [illegible] تاریخ خٹک ص ۲۹۲۔

نام ڈھونڈ ڈھونڈ کر فالیں نکال کر تاریخ بنانے و سمجھنے کا فلسفہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔

(۲) قول دوم۔ اعوانوں کا قوم یونانیوں سے ہونا۔

تاریخ علوی کے ضمیموں میں مولوی حیدر علی اعوان رقمطراز ہیں کہ کتاب مردم شماری مؤلفہ رابنسن صاحب ۱۸۸۱ء میں یوں مذکور ہے کہ مسٹر برانڈرتھ کا قول ہے کہ اعوان یونانیوں کی اولاد سے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ اعوان پہلے بلخ اور اس کے مضافات میں آباد تھے۔ اور باختری یونانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ جب تاتاریوں نے اس علاقہ پر حملے شروع کئے تو وہ ہرات میں آگئے۔ وہاں سے بطور فاتح اپنے سرداروں کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوئے۔ اور جنجوعوں کو بے دخل کر کے خود انکے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اور وہیں اب تک آباد ہیں۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قوم انہیں یونانیوں کی نسل سے ہے۔ جو سکندر اعظم کے ہمراہ تھے۔ اور جب سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو انکے ہمراہی یہیں آباد ہو گئے۔

مولوی حیدر علی صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب بہادر نے اعوانوں کو یورپین بھائی بند بنانے اور ہمدردی کے سبب بے بنیاد خیال گھڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ کئی وجوہ سے ان قولوں کو رد کرتے ہیں۔ اول تو یہ کہ خود بیل گرفنج انکی تردید کرتا ہے کہ یونانیوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر دنیا کے اس دور دراز گوشے میں آبستے۔ (ملک تو بعض وجوہ کی بنا پر چھوڑنا پڑ ہی جاتا ہے۔ جبکہ چھوڑنے کی ضرورت پڑے۔ خواص) مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سکندر کو یہ اطمینان کب نصیب ہوا کہ وہ یہاں آکر قوم کے آباد ہونے کی بناء ڈالتا[علہ] انکی حکومت کی یہاں برسوں کیا مہینوں کی بھی نوبت نہیں آئی۔ انکی سپاہ نے ستلج پار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کے سبب وہ جلد واپس لوٹ گیا۔ اگر ایسی روایتوں کی کچھ اصل ہوتی تو ضرور کوئی سابقہ مؤرخ اور مقامی گذرنے والے ذکر کرتے۔ اور بغیر سند کسی پہلے مؤرخ کے کہ وہ اپنی قوم یہاں آباد کر گیا۔ فرائض تاریخ نویسی سے بعید ہے۔ اور یہی حال اس سے پہلے قول کا ہے۔

علہ یونانیوں کی یہاں سکونت۔ موریہ خاندان کی ملازمت اختیار کر لینی۔ ملدائے سندھ کے مغرب میں عرصے تک یونانیوں کی حکومت کی روایت ملتی ہے۔ (دیکھو سرزمین پوٹھوہار ص ۵۰) مگر اس نے اعوانوں کا قوم یونانیوں سے قیاس کر لیا محض ڈھکوسلہ ہے۔ مصنف۔

خلیفہ مامون نے یونانیوں کے کتب خانوں کو جو ان دنوں قبرص میں تھا۔ منگا کر ترجمہ
کرائے۔ اور یونانی اس وقت علم و فضل میں بڑھے ہوئے مانے جاتے تھے۔ اور اب تک وہ
زمام لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ مگر کہیں ایسا لکھا ہوا نہیں پایا گیا۔ ہندوستان سابق میں جتنی
بھی تاریخ کی کتابیں مطبوع ہوئی ہیں اُن میں یہ ذکر نہیں۔ مثلاً۔

(۱) تاریخ ہندوستان منشی ذکاء اللہ مطبوعہ مرتضوی الہ آبادی نے حملہ سکندر کا حال لکھا
ہے مگر باقی کچھ نہیں لکھا۔

(۲) آئینہ سکندری (۳) سکندر نامہ (۴) شرح سکندر نامہ (۵) رسالہ فرق بین اسکندرین
فاران مطبوعہ محمدی فقیر اللہ لاہور (۶) گلزار سکندری منظوم محمد مسلم گڑھی (۷) تاریخ ہند
اردو۔ یوسف خان پونیزی۔ مطبوعہ لاہور (۸) مختصر تاریخ ہند۔ اردو مطبوعہ مفید عام
وغیرہ جو کتب ہیں حملہ سکندر یونانی کا تو ذکر ہے۔ مگر اعوانوں کا کہیں یہ ذکر نہیں کیا گیا
کہ وہ یونانی ہیں۔ جب مؤرخین اس ذکر سے ساکت ہیں تو لامحالہ اعوان یونانی نہیں۔ اور اسمیں
بھی شک پہلے قول کے دور از کار باتیں ہیں۔ کہاں سکندر کا قصہ اور کہاں عرب کے علوی النسل
اعوان کہلانے۔ تک بندی سے کیا فائدہ۔ جب صحیح روایات موجود ہیں۔

(۳) تیسرا قول۔ اعوان کا قوم ایرانیوں سے ہونا:۔

ارشاد ہوتا ہے کہ داراگشتاسپ شاہ نے مغربی پنجاب کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں
شامل کر لیا۔ تو یہیں آباد ہو گئے۔ مولوی حیدر علی اپنی کتاب میں یعنی تاریخ علوی میں یہ جواب دیتے
ہیں کہ اگر یہ اعوان ان سے ہوتے تو مرزا کے خطاب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ کیونکہ ایران سے
جس قدر لوگ اس زمانہ میں یا مابعد میں آئے ہیں۔ وہ سب مرزا کہلاتے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ جملہ
کتابوں میں جہاں ہند میں ایرانیوں کے حملے وغیرہ کا ذکر ہے ان میں کہیں نہیں لکھا کہ اعوان انہیں
سے ہیں۔ اور نہ اعوان یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور نہ اب تک یہ مانا گیا ہے۔

(۴) چوتھا قول۔ اعوانوں کا قوم ترک سے ہونا:۔

جو لوگ اعوانوں کا قوم ترک سے ہونا بتاتے ہیں۔ اس کا جواب بھی مولوی حیدر علی نے
یوں دیا ہے۔ کہ ترک وہی مغل ہیں۔ بادشاہی کرنیوالوں کے فخر قومی کو آسانی سے کوئی نہیں چھوڑتا
اور اعوان جب خود ترک ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ تو وہ جبراً بجبر ترک نہیں بنائے جا سکتے۔ وہ
تو حضرت علیؓ کی اولاد سے اپنا نسب ملاتے ہیں۔ جو بادشاہ صوفیا تھے۔ اور زہد و تقویٰ [illegible]

قناعت فقر و فاقہ میں عمر گذاردی۔ ورنہ یہ کیوں گمنام ہوتے۔ اور کسی تاریخ میں بھی ایسا
ذکر نہیں دیکھا۔ سکونت کے لحاظ سے بعض دفعہ ترک کہلانے و ہونے کا گمان کیا گیا ہے مگر
ظاہر ہے کہ کسی ملک سے منسوب ہو جانا ذات یا نسل و نسب نامے کو تو نہیں بدل سکتا۔

(۵) پانچواں قول۔ اعوانوں کا قوم افغان سے ہونا۔

جو لوگ افغانوں سے اعوانوں کا ہونا ذکر کرتے ہیں۔ اور جو بعض نسابین کی زبان پر
آیا ہے کہ پٹھانوں کے عہد حکومت میں کوہستان نمک کی زرخیز وادیوں پر قابض ہو گئے۔ ان
کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ جو افغان ہند میں آئے ہیں۔ وہ آج تک افغان کہلاتے ہیں۔ اور یہ افغان
ہر جگہ معزز گنے جاتے ہیں۔ بلکہ لوگ تو خوشامد سے کھان۔ کھان (خان۔ خان) کے لفظ سے
پکارتے ہیں۔ اگر اعوان افغان ہوتے تو وہ اپنے معزز لقب کو کبھی نہ کھوتے۔ اور افغانوں کی
اب تک مختلف ریاستیں بھی پاک و ہند میں موجود ہیں۔

(۶) چھٹا قول یہ ہے۔ کہ اعوان ہندی الاصل ہیں:۔

اور اس میں انگریز و ہندو مؤرخ ایک دوسرے کے زیادہ ہمنوا ہیں۔ اور جتنا زور ہندی
الاصل ہونے و بنانے پر صرف کیا گیا ہے۔ اتنا زور دوسرے اقوال پر نہیں لگایا گیا۔ مسٹر تھامسن
مسٹر ولسن، تیپل گریفن۔ ریورٹی۔ جنرل کننگھم، ہری کرشن کول۔ پروفیسر گلشن رائے وغیرہ
سب انگریز و ہندو مؤرخین باختلاف قلیل اس کے قائل ہیں۔ کہ اعوان ہندی النسل ہیں بلحاظ و
کے وہ ناظم مسٹر تھامسن اور ولسن کا خیال ہے۔ کہ اعوان ہندی النسل ہیں۔ اور جاٹ قوم سے تعلق
رکھتے ہیں۔ یہ پہلے پہل مغربی دروں سے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے شمال
کی طرف پھیلے۔ جہاں اب یہ آباد ہیں۔ (جنوب اور شمال سے پھیلنا خود ہی نے ثابت کیا ہے)
مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعوان ہندی النسل ہیں۔ بلکہ یہ دھوکہ لگتا ہے۔ اور وہاں مفصل و
مدلل بیان ہو چکا ہے جبکہ وہ ابتدائے عہد اسلام میں براستہ جنوبی سندھ داخل ہوئے۔ اور
شمالی سندھ ملتان تک بڑھ کر اقتدار حاصل کر لیا۔

جنرل کننگھم رقمطراز ہے۔ کہ اعوان اور جنجوعے ایک ہی نسل سے ہیں اور مسٹر برانڈرتھ کی
رائے کا انکار کرتے ہیں۔ جو اعوان قوم کو یونانی النسل قرار دیتے ہیں۔ اور عون کی اولاد ہیں۔
(اوعن یا اون) یہ کوہستان نمک کی شمالی سطح مرتفع میں آباد تھے۔ جب دوسری صدی میں
[illegible] تو انہوں نے کوہستان نمک کی وادیوں میں پناہ لی۔ جہاں

وہ بابر کے حملوں کے وقت تک موجود تھے۔ بابر اپنی تزک میں ان کا ذکر جودھ کے نام سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جود اور جنجوعہ ابتداء ہی سے کوہستان نمک اور دامنی میدان کے مالک رہے ہیں اور ان کے سرداروں کو ملک کہتے ہیں۔[۱۵] اور جنرل کننگھم اپنے نظریہ کی تائید میں رشیدالدین کی یہ روایت پیش کرتا ہے۔ کہ وہ پہلے کوہستان نمک میں آباد تھے۔ جہاں وہ ایک بادشاہ کلانی کے ہمراہ اسطرف آئے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ بادشاہ بابر تھا۔ پس لیپل گریفن بھی انہیں ہندی الاصل بتلاتے ہیں۔ بلکہ ہندو۔

مسٹر راورٹی کا خیال ہے کہ اعوان ہندی النسل ہیں۔ مگر وہ تعاملین اور دوسروں کا اختلاف کرتے ہوئے کھٹر اور گکھڑوں سے جا ملاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کھٹر اور گکھڑ وہ بدلی یا بدنی (بدھ کا بگڑا ہوا۔ خواص) قبائل ہیں جنہیں سلطان بہرام حاکم غزنی نے ان کی سرکشی کی وجہ سے اپنے علاقہ سے نکال دیا جو شنگر اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقہ پر قابض تھے۔ جب افغان اقوام علاقہ بنگش (موجودہ کرم) میں داخل ہوئیں تو بدلی بدنی یا بدنی وہاں سے نکال دیئے گئے۔ وہ رائے اخوند درویزہ کے قول کے مطابق کافر تھے۔[۱۶] اور وہاں سے نکلے جانے کے بعد اپنی قوم کے نام سے جانے جاتے۔ راورٹی کا خیال ہے۔ کہ اعوان کھٹر اور گکھڑ وہی بدلی یا بدنی قبائل ہیں جو دریائے سندھ کو عبور کرکے سندھ ساگر دوآب شمال مغربی پنجاب میں آباد ہوگئے۔

ہری کرشن کول نے مردم شماری کی رپورٹ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اعوان ہندی النسل ہیں۔ اور طویل عرصے سے اپنے موجودہ علاقوں میں آباد ہیں۔ آوان کے معنی محافظ کے ہیں۔ چونکہ بیرونی حملوں سے انہوں نے اپنے علاقہ کی حفاظت کی اور بیرونی قوم کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اسلئے ہندوؤں کے عہد میں انہیں اعوان کہنے لگے۔ بعد میں مسلمانوں کے عہد میں حضرت قطب شاہ کی تبلیغ سے اسلام لائے۔ اور اپنے آپکو قطب شاہی اعوان کہلانے لگے۔

پروفیسر گلشن لال نے لکھا ہے کہ پنجاب میں جو قبائل اپنے آپکو آوان کہتے ہیں۔ وہ ہندی الاصل ہیں۔ پروفیسر صاحب کے خیال میں انکے صفات و خصائل پرانے ہندوستانی جنگجو آدیبوں

---

[۱۵] یہ روایت آگے آئیگی جس میں انہوں نے اپنے آپکو اعوان کہلایا ہے۔ جو کننگھم کے نظریہ کو غلط کرتی ہے۔

[۱۶] تذکرۃ الابرار والاشرار از اخوند درویزہ ننگرہاری ف ۱۰۴۸ھ

[۱۷] رسالہ الاعوان ماہنامہ ماہ نومبر ۱۹۶۳ء لاہور۔ وقلمی مسودہ از ڈاکٹر شیر بہادر خان ایبٹ آباد۔ پنجاب کاسٹس ص ۱۲۹-۲۲۵ اعوان کاسٹ نمبر ۲۱۳ (علاقہ پشتو زبان کو بھی ملک اعوان کہا گیا ہے۔)

کی طرح ہیں۔ اور آوان کا لفظ آدن یا ایوَن سے مشتق ہے۔ آون نام ایک راجہ کا بھی تھا۔ جو مالوہ کے شمالی حصہ پر حکومت کرتا تھا۔ (تاریخ گوجر حسن علی چوہان ص ۴۰۳) یہ ہیں وہ اقوال جو ہندی الاصل ثابت کرنے کیلئے اعوان قوم کے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خیال اس امر سے اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ پشاور میں انکو ہندکے کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو عوام الناس کی رائے کا کافی ثبوت ہے (کہیں کانگرس کی متحدہ قومیت کا پرچار تو نہیں۔ خواص)

جواب دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں رہنے کے باعث اعوان ہندی الاصل تو نہیں ہو سکتے پشاور میں کسی پنجابی مسلمان کو ہندی کہنا ایسا ہی ہوگا جیسے عرب میں سب مسلمانوں کو جو ہند سے جاتے ہیں ہندی کبھی ہندو کہا جاتا ہے۔ اگر یوں کہنا سند مانا جائے تو ملک پاک و ہند میں کیا سید کیا مغل کیا افغان کیا اعوان کوئی ہندو ہونے سے نہیں بچ سکتا۔ نسل ہندو اور مسلمانوں کے پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ آج تک پاک و ہند میں ایسی قوم کوئی نہیں جو بالکل سب کی سب مسلمان ہو گئی ہو۔ بلکہ سب قومیں اسلام کے سبب دو حصوں میں تقسیم ہوگئیں۔ ہندو یا مسلمان۔ کوئی ہندو جاٹ کہلاتا ہے۔ کوئی مسلمان جاٹ۔ کوئی ہندو راجپوت ہے کوئی مسلمان راجپوت۔

اور یہ جو لکھا گیا ہے کہ پشاور میں اعوانوں کو ہندکے کے نام سے پکارتے ہیں اور اس لفظ کو عوام الناس کی رائے کے جواز میں دلائل کے طور پر پیش کیا ہے وہ اس واسطے بھی ٹھیک نہیں کہ پشاور میں عام زبان پشتو بولی جاتی ہے۔ مگر وہاں پر بہت سے قبیلے ایسے ہیں جو پشتو کے ساتھ ساتھ ہندکو زبان بھی بولتے ہیں مثلاً خانس وال یا خالصے بھی ہندکو بولتے ہیں جو اپنے آپکو افغان قوم سے بتلاتے ہیں اور انہیں وہاں کے ٹھیٹھ پشتو بولنے والے ہندکیے کے نام سے محض ہندکو بولنے کی بناء پر کہتے ہیں نہ کہ قومیت کے لحاظ سے لہذا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندکیے کے لفظ سے ہندی قومیت مراد نہیں لی جا سکتی۔

کوئی قوم بھی جب کسی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہو جاتی ہے تو لامحالہ رفتہ رفتہ وہاں کے مقامی تہذیب و تمدن کو امتدادِ زمانہ کیساتھ ساتھ قبول کرتی چلی جاتی ہے آخرکار وہ اپنی مادری زبان بھی کھو بیٹھتی ہے۔ اور اسی مقامی رنگ میں رنگی جاتی ہے جیسا کہ وہاں پر پہلے سے ماحول بنا ہوتا ہے۔ لیکن اعوان قوم میں اب تک بیشتر صفات و خصائل موجود ہیں جو انکے عربی النسل ہونے کا بیّن ثبوت ہیں تو اس تغیر زبان اور انقلابات زمانہ سے انکی اصلی قومیت کو تبدیل کرنا یا سمجھنا اصول انساب کے تقاضوں کے منافی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر اعوان ہندی النسل سے ہوتے تو قوم کا ایک بڑا حصہ ہندو اعوان
کہلاتا۔ اور عادات، اطوار، اور شکل میں ان سے مشابہ ہوتے۔ پس جب ان کے مقابلہ کی کوئی
ہندی نسل قوموں کے کوائف پیش نہیں کی جاتی۔ تو ان کے ہندی بنانے میں کوشش بے فائدہ ہے
اعوان قوم ان غیر ملکی اور مقامی لوگوں کی غلط بیانی و غلط توجیہات کو قبول کرتی ہے۔

اسی طرح ویورٹی کی رائے جو بولی یا بدنی قبائل کو کھٹروں اور گکھڑوں سے ملا
جاتے ہیں[1] یا جنکو اخوند درویزہ صاحب نے بدنی قبائل ٹھہرا کر کافر کہا ہے۔ وہ ہمارے مذہب کے
مخالف ہیں۔ کھٹر، گکھڑ وغیرہ اگر بدنی یا بدلی قبائل سے ہوں تو ہوں یہ بار ثبوت ان کے ذمے
ہے۔ حالانکہ ایسا ہے بھی نہیں۔ اعوان ان سے نہیں۔ یہ خود ان کو مغالطہ ہے۔ کہ وہ ہندی الاصل
لوگوں کو اعوان سمجھ بیٹھے ہیں۔ دراصل علوی الاعوان جو حضرت علیؓ کی اولاد سے اپنے آپکو شمار
کرتے ہیں وہ بہت قدیم سے پاک و ہند میں داخل ہوئے۔ اور پھلے پھولے۔ پہلی بار یہ ابتدائے
عہد اسلام میں از راہ سندھ پاک و ہند میں از جانب جنوب بحری و بری راستہ سے داخل ہوئے
جنہوں نے بڑھتے بڑھتے ایک وقت ملتان پر بھی اقتدار حاصل کیا۔ اور پھر دوسری بار چوتھی صدی
ہجری میں از راہ شمال کابل، پشاور سلطان سبکتگینؒ و محمود غزنوی کیساتھ فاتحانہ انداز میں
داخل ہوئے۔ جنکو پاک و ہند میں نشاۃ ثانیہ اعوان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ انکی قدیم
الایام سے پاک و ہند میں دونوں راستوں سے داخل ہونا نیچے جنوب سے اوپر شمال کی جانب
پھیلنا اور شمال جانب جنوب سیلاب کی طرح رواں ہو جانا انگریز و دیگر مؤرخین کے مغالطہ کا
سبب بنا۔ بعضوں نے کہا کہ مغربی دروں سے ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ سے داخل ہوئے اور
بعض انکی آمد شمال بلخ بخارا سے تاتاریوں کے حملوں سے جانب جنوب دھکیل دیئے جانے کا
ذکر بیان کر دیتے ہیں۔

بعض ہندی الاصل ہونیکی وجہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ان کے شجرہ نسب میں (ہرپال یا ہرکرن)
بھی آتا ہے جو خالص ہندوانہ نام ہے۔ تو اس کے متعلق مولوی حیدر علی کی تاریخ علوی میں یوں
مذکور ہے کہ سب اعوان لوگ قطب شاہی کی اولاد سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے سولہ[2] بیٹے
تھے۔ ان میں ایک ناصر شاہ تھا جنکو کھوکھر کہتے ہیں (راب الاعوان ص ۱۵۰) سب سے بڑا تھا

[1] بلاشبہ اخوند درویزہ ننگرہاری نے تذکرۃ الابرار و الاشرار میں "مردم بدنی" کا چند لفظوں میں ذکر کیا ہے
لیکن انہوں نے ان کو کھٹر یا گکھڑ قرار نہیں دیا۔ یہ میجر راورٹی کا استنباط ہے۔
[2] نیز شکل و شباہت کی وجہ سے بعض پشتون قبیلوں پر بھی ترک اور بدنی کا شبہ کیا گیا ہے۔ مصنف۔ خادم

جنکو کھمن یا کھن کہتے ہیں۔ تیسرا نام گوہر شاہ تھا جنکی اولاد گوہری کہلاتی
[illegible] منصور شاہ۔ اور باقی تیرہ کے نام کسی کو یاد نہیں۔ انکو اعوان کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ جو کیفیت سے
[illegible] تھے۔ یعنی قطب شاہ کے حرم میں ہندو سرداروں کی جتنی بیٹیاں تھیں بہتوں کے لقب
[illegible] سے پڑ گئے۔ کھوکھر، چوہان وغیرہ کہلانے لگے۔ ان سولہ صاحبزادوں کے سوا
[illegible] خاندان [illegible] بیٹا ہرپال بن انند پال بن راجہ جے پال ہے۔ کیونکہ انکے حرم قطب شاہ میں پیدائش
[illegible] منہ بولا بیٹا قطب شاہ کا ہوا۔ اور آپ نے انکو اپنے بیٹوں کے برابر حقوق عطا
[illegible] ہیں۔ اور اولاد کو وصیت کی کہ میری اولاد پر فرض ہوگا کہ وہ ہرپال کی اولاد کو میرے
بیٹوں کے برابر سمجھیں۔ چنانچہ وہ برابر ہر طرح سے کھرے اعوان سمجھے جاتے ہیں مگر
[illegible] بیٹے قطب شاہ سالار کے گیارہ ہی ہیں۔
تذکرہ ہرپال کا کتب تواریخ عہد اسلامیہ میں مفصل درج ہے (راب الاعوان ص ۱۴۷-۱۵۸)
[illegible] اسکی اولاد کا اعوان ہونا ثابت نہیں۔ منہ بولے بیٹے کی اولاد صحیح النسب قطب شاہی اعوان
نہیں قرار دی جا سکتی۔ پس اسکی اولاد والدین کی طرف سے راجپوت ہے۔ قطب شاہ کی
[illegible] نہیں۔ اسکی اولاد کا اصل اعوانوں میں مل جانا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گوشت کا
[illegible] سے فرق ہے۔ قطب شاہ سے شجرہ ملانے کو طبعی فخر سمجھتے ہیں۔ اور آرزو رکھتے ہیں۔
بعض رسومات اب تک ہندوؤں کی سی ہیں۔ اسی سبب سے اعوانوں کو بعض لوگ ہندی الاصل
ہونا لکھ گئے۔ اور اسی سے مسٹر ولسن صاحب انگریز استدلال کرتے ہیں۔ اور بعض
ان نسب ناموں پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ قطب شاہ سے فوراً بعد لڑکے ہرکارن کا
نام لکھا ہے۔ لہذا اعوان کو ہنود میں شامل سمجھ لیا جائے۔ جسکی وضاحت مندرجہ بالا
[illegible] سے ہو گئی۔ کہ معاملہ اصل وہ نہیں جو یہ صاحبان سمجھتے ہیں۔ اور اس باب میں صاحب
تاریخ الاعوان مصنفہ شیر محمد خان کالاباغ نے تحقیق دقیق سے کام لیکر ان اعوانوں کا نزول
[illegible] کلگان بن قطب شاہ کی اولاد سے ہونا ثابت کیا ہے۔
یاد رہے کہ اوپر تاریخ علوی میں سے جو یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ قطب شاہ کے
[illegible] بیٹے تھے۔ تین کے نام معلوم ہیں دیگر کے نہیں۔ اور پہلا، دوسرا، تیسرا بیٹا جو بیان
[illegible] کیا۔ یہ ترتیب بھی صحیح نہیں اور نہ یہ اصل نام ہیں۔ نیز دوسری تاریخوں سے بعض
[illegible] ملتے ہیں۔ اور کل تعداد گیارہ بیان کی ہے۔ باقی نام ذکر میں نہیں آئے اور تاریخ حیدری

ہیں خود مصنف مولوی حیدر علی نے اسماء فرزندان قطب شاہ شمار کئے ہیں اور صرف نو ہی کا نام لکھے ہیں۔

(۷) ساتواں قول۔ اعوان کا قطب شاہ ایبک سے ہونا۔

ہند کے بعض نسابوں نے بتایا ہے۔ کہ اعوانوں کے معنی مددگار ہیں۔ ان کے جدا علیٰ قطب شاہ ایبک نے ہند پر حملے کئے۔ مگر قطب شاہ کے باپ ایبک کا سلسلہ غوریوں سے ملتا ہے۔ (قطب شاہ ایبک کے سلسلہ نسب سے تواریخ ساکت ہیں۔ باب الاعوان ۸۴ اور یہ قطب شاہ شہاب الدین محمد غوری کا غلام تھا) اور یہ بات متحقق نہیں۔ ہوئی کہ اعوان اسکی اولاد سے ہیں۔ تواریخ سے یہ امر پایا جاتا ہے کہ خاندان غلامان کے بعد خلجی۔ تغلق، سادات وغیرہ ہند میں ہوئے۔ اگر یہ اعوان اس خاندان غلامانی سے ہوتے تو ضرور معروف ہوتے۔ صرف آرام شاہ قطب الدین کا بیٹا ثابت ہوتا ہے اور ایک دختر تھی جو ترکی غلام سے بیاہی گئی؛ اور صاحب اولاد ہونا آرام شاہ کا بھی صحت کو نہیں پہنچتا۔ اس بے بنیاد ہے۔ اسلئے اعوان اُس سے منتشر بھی نہ ہوئے۔ اور قطب شاہ کا نام و لفظ بھی اعوانوں کے لئے موجب اشتباہ بن گیا۔ یا بنایا گیا۔ کہ ان کے شجرہ نسب میں مورث وسطیٰ معروف کا نام قطب شاہ بھی آتا ہے۔

(۸) آٹھواں قول۔ اعوانوں کا قطب الملک شاہ سے ہونا۔

علم تاریخ کی رو سے مختلف روایات کا بیان کرنا قدیم سے ہے کہ بعض اہل انساب یہاں بھی کہہ دیتے ہیں۔ کہ اعوان قطب الملک شاہ کی اولاد ہیں اور اسی لئے خاندان ان کا قطب شاہی مشہور ہے۔ ہند میں اس خاندان کی حکومت رہی ہے۔ اور پھر تنزل ہو کر ایک گروہ زراعتی ہو گیا ہے۔ یہ قطب الملک شاہ وہ ہے جس نے سلطنت دہلی کی ہم سرحکومتوں میں ملک دکن میں قطب شاہیہ حکومت قائم کری تھی۔ بانی اس کا قطب الملک تھا۔ جو ۱۵۵۶ء میں قائم ہوئی۔ اور عالمگیر نے ۱۶۹۰ء میں تباہ کی۔ پایہ تخت اس کا گولکنڈہ تھا۔ ہرچند یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ اعوان قطب الملک شاہ دکن ہند کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ سلطنت اورنگزیب کے عہد تک رہی۔ اگر اعوان اُسی خاندان سے ہوتے۔ تو ضرور معروف مشہور ہوتے۔ قطب شاہیہ دکن سے اعوانوں کا نسب نامہ بتانا محض ایک مفروضہ اور زعم ہوگا۔ کوئی تحریر بھی کسی کی سابقہ موجود نہیں۔ اور ملک دکن میں اعوان مشہور بھی نہیں۔ اعوان تو مغربی اضلاع اور پنجاب کے اضلاع میں اکثریت سے رہتے ہیں اور دکن کا کوئی ذکر نہیں۔

(۹) نواں قول۔ اعوانوں کا قوم جاٹ سے ہونا۔

مردم شماری کے انگریز مؤرخین نے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ہندی الاصل ثابت کرنے کے لئے مختلف توجیہیں بیان کی ہیں۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اعوان ہندو جاٹ سے ملتے ہیں۔ مولوی حیدر علی جواب دیتے ہیں کہ اعوان اگر نسب کے جاٹ ہوتے تو مسلمان جاٹ کہلاتے۔ جیسے ہندو جاٹ اپنے آپکو ہندو جاٹ ہی کہلاتے ہیں اور عادات اطوار میں ان کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ہندو جاٹ بنانیکی کوشش بیہودہ ہے۔ البتہ کسب زراعت کر نیوالے کو اہل ہند جاٹ بولتے ہیں۔ اور چونکہ اعوان ہمیشہ سے زبردست زراعت پیشہ رہے ہیں اسلئے شبہ کی بناء پر انھیں جاٹوں سے منسوب کیا گیا۔ زراعت پیشہ لوگوں کو جاٹ بولنا اور سمجھنا پاک و ہند میں قدیم سے ہے سلطان باہو کی کرامت کی ایک روایت آئی ہے جس میں اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ زراعت پیشہ لوگوں کو جاٹ سمجھا گیا۔ اور وہ اس طرح ہے کہ ایک خاندانی امیر سید جو اب قرضدار اور مفلس ہو گیا تھا۔ سلطان باہو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت خود اپنی زمین میں ہل چلا رہے تھے۔ وہ کچھ بددل ہو گیا۔ اور واپس لوٹنے لگا تب آپ نے ہل چھوڑ کر اسکو بلایا۔ اور کہا کہ اتنے دور سے سفر کیا اور بغیر ملے واپس لوٹ رہے ہو۔ وہ لوٹ آیا اور اپنا قصہ مفلسی کا سنایا آپ نے کہا کہ تم میرا ہل چلاؤ کہ میں پیشاب کر لوں۔ جب آپ پیشاب سے فارغ ہو کر آئے تو طہارت کیلئے جس مٹی کے ڈھیلے کو استعمال کر رہے تھے۔ اسکو کھیت میں دے مارا۔ تو کھیت کی ساری مٹی سونا بن گئی۔[1] اور وہ اس سے بقدر ضرورت تھوڑے پر لادے گیا کہتے ہیں کہ یہ پنجابی کا شعر اسی کا ہے۔

نظر جنہاں دی کیمیا سونا کردے وٹ

قوم اُتے موقوف نہیں کیا سید کیا جٹ

(حیات سلطان باہوؒ ص ۱۰۶ اور رسالہ اعوان ہند بہاؤالدین ماہ اپریل ۱۹۳۶ء ص ۸)

یہاں جٹ زراعت پیشہ گروہ پر دلالت کرتا ہے اور شورکوٹ میں جٹ کا لفظ زراعت پیشہ کے لئے اس قدر مخصوص ہو گیا ہے کہ سلطان باہو کی اولاد کیساتھ اب تک کاغذات مال میں اعوان جٹ لکھا جاتا ہے اور یہی حال مظفر گڑھ اور ملتان کے اعوانوں کا ہے۔

[1] یہی روایت حضرت نصیر الدین چراغ چشتی دہلوی کے متعلق ہے اور مولینا محمد امین فوق کشمیری نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں اسے بیان کیا ہے۔ ع غ (خواص خان)

یہاں مصنف، مؤرخ فنگ نے بھی ۔۔۔ جٹ اور اعوان میں تمیز نہیں کر سکا۔ اور سندھ کے جاٹوں کو اعوان کہلوایا ہے جو غلط ہے۔ مصنف۔ خواص۔

صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ مردم شماری نے اس امر پر زور دیا تھا کہ اعوانوں کو
جاٹ نسب سے مقرر کریں۔ لیکن اعوانوں کا کسی حالت میں بھی نسب ہندو جاٹ سے
ملتا۔ غیر اقوام جو چاہیں جسکو جس سے منسوب کر دیں سکتے ہیں جاٹ تو ہندو کی قوم
قوم تھی۔ جس پر خود محمود غزنوی نے چڑھائی کی تھی اور فتح پائی (تذکرہ مجاہدان اسلام

(۱۰) دسواں قول۔ اعوانوں کا قوم راجپوت سے ہونا:۔

یہ قول بھی جنرل کننگھم کا ہے۔ کہ اعوان راجپوت ہی ہیں۔ جو سکندر اعظم
سے مدتوں پیشتر ان قطعات میں آباد ہوئے تھے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ
جو سورج بنسی خاندان سے ہوتے ہیں۔ کسی حالت میں اپنی خاندانی شرافت کو نہیں
وہ مسلمان ہو کر بھی دوسری نومسلم قوموں کی طرح شیخ نہیں بتلاتے تو انہیں اعوانوں
ملط ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ مولوی حیدر علی کہتے ہیں کہ جنرل کننگھم کی تردید خود
دوسرے جرنیل کرتے ہیں۔ یعنی ہمیں جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے
دوسرے انگریز مؤرخ نے جنرل کننگھم کے خلاف کہا ہے۔ اور وہی مولوی حیدر علی صاحب
نے نقل و ذکر کیا۔ مؤرخ مذکور کا کہنا ہے کہ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ راجپوت
باوجود اس کے کہ یہ قوم راجپوت نہیں کہلاتی۔ ان (اعوانوں) کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے
ہیں۔ اور جہاں موقع ملتا ہے۔ رشتہ ناطہ کر کے ملتے اور برتتے ہیں۔ اور جو اعوان
کے موضع جمال پور اعوانوں کی بستی سے پٹیالہ میں ملازم ہونے کے سبب قصبہ منصور پور
چھنیاں والا میں آباد ہوگئے۔ قوم سے دور ہونے کے باعث راجپوتوں کے معزز خاندانوں
سے رشتہ ناطہ کرتے ہیں۔ یعنی لڑکیاں ایک دوسرے کے گھر عقد نکاح میں آتی جاتی ہیں
یہ قول معتبر اسلئے بھی نہیں کہ تاریخ سے کوئی شہادت نہیں ملتی۔ اب راجپوت کچھ
مسلمان ہیں اور کچھ ہندو۔ اور سابقہ ہند میں انگریزوں کے عہد میں کم از کم سترہ اٹھارہ کے لگ
بھگ ریاستیں راجپوتوں کی موجود تھیں۔ اعوان اگر راجپوت ہوتے۔ تو ریاست سے محروم
ہوتے اور نہ اپنے اصل کو چھپاتے۔

(۱۱) گیارہواں قول۔ اعوانوں کا عباس عم رسول اللہ صلعم کی اولاد سے ہونا۔

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اعوانوں کا شجرہ نسب عم رسول اللہ صلعم حضرت عباس
رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے۔ اور یہ قول بھی کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اعوان کہلانے والے

حضرت علیؓ کی اولاد سے شمار کرتے ہیں۔ اور عباس عم رسول اللہ صلعم کی اولاد
کو اعوان کہنا متفق نہیں ہوا۔ بلکہ آج تک جتنے شجرہ نسب دستیاب ہوئے ہیں۔ اور
بیان کئے جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں سے پوچھ گچھ کی گئی ہے۔ سب نسب نامے خصوصاً،
حضرت علیؓ کی اولاد سے بھی حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے ملتے ہیں۔ چودہ سو سالہ روایات و دعویٰ
اعوانوں کا اولاد علیؓ سے ہونے کا بین ثبوت ہے۔

(۱۲) بارہواں قول:۔ اعوانوں کا زبیر بن علیؓ کی اولاد سے ہونا:۔

بعض اہل انساب قطب شاہ کا زبیر کی اولاد سے لکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ سلسلہ نسب
یوں روایت کرتے ہیں۔

(۱) جناب قطب شاہ۔ بن الف خان۔ بن آمان خان۔ بن دراب خان، بن زمان خان، بن
بجر خان، بن نواب خان، بن سکندر خان، بن شاہ زبیر بن حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ

(۲) بعض اہل نسب یوں روایت کرتے ہیں۔ نواب خان بن زبیر خان بن سکندر خان، بن
بن شاہ زبیر بن شیر خدا علیہ السلام (باب الاعوان ص ۸۱)

(۳) اسکے بعد ایک اور شجرہ نسب حضرت سلطان باہوؒ کا کتاب حیات سلطان باہوؒ از
حمید اختر یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امیر زبیر بن علیؓ کی والدہ کا نام میمنہ تھا جو
رستم پہلوان کی اولاد سے تھیں۔ (بحوالہ مناقب سلطانی فارسی۔ جس نے فتاویٰ غیاثیہ
سے نقل کیا اور فتاویٰ غیاثیہ سے کتاب انساب نامہ نے نقل کیا) تیس واسطوں
سے حضرت زبیر اور اکتیس واسطوں سے حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔ اور یہ شجرہ نسب
قطب شاہ و شجرہ انساب کے بیان میں نمبر ۲۵ پر قطب شاہ۔ سے اوپر درج ہے۔

مصنف باب الاعوان کہتے ہیں کہ زبیر فرزند علیؓ کا ہونا صحت کو نہیں پہنچا۔ اگر
انیس الواعظین[۱] فارسی لاہور کے ذکر محرم میں زبیر بن علیؓ اور اسی طرح جنگ نامہ
منظوم پنجابی شاعر۔ جنگ امام حنیف میں زبیر بن علیؓ مندرج ہے۔ ابو بکر سندھی مصنف
انیس الواعظین رطب و یابس اقوال بیان کرتے ہیں۔ جس سے معتبر ہونا اس کتاب کا نہیں
سمجھا جاتا۔ اور حامد شاعر پنجابی بھی موضوعات کا راوی ہے۔ اور کسی معتبرہ مخطوطے نے زبیر نام
حضرت علیؓ کے فرزند کا نہیں لکھا۔ پس ایسے شجرے، نسب نامے منقطع ہیں اور میراثیوں کے نسب

[۱] انیس الواعظین ترجمہ اردو انیس الواعظین ص ۲۰۱۔ اور اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں ہیں (خواص)

ہے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اور حافظ ابرو کی تاریخ میں جو آیا ہے کہ قوم اعوان اولاد حضرت عباسؓ سے ہیں جو لوگوں میں مشہور ہے کہ شاہ زبیر کی اولاد ہیں۔ یہ غلط ہے وہ لاولد فوت ہوئے۔ اسمیں آخری جملہ کہ زبیر لاولد فوت ہوئے۔ علمائے اسماء الرجال کے خلاف ہے۔ اور ان کا قول ہے۔ کہ جناب علی المرتضیٰ کا زبیر نام کوئی فرزند مشہور نہیں ہوا۔ اور حضرت علیؓ کے اٹھارہ فرزندوں میں سے صرف پانچ کی اولاد ہوئی۔ دو اولاد سادات حسنؓ و حسینؓ اور تین کی اولاد علوی۔ محمد حنیفؒ۔ عباس علمدار اور عمر الاطرفؒ ہیں۔ یہ مضمون حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کسی مورخ نے زبیر کا صاحب اولاد ہونا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ نام سے بھی مورخین ساکت ہیں۔

صاحب تاریخ الاعوان شیر محمد خان کالا باغ نے بھی مثل مصاحب باب الاعوان کے کہا کہ حضرت زبیر کے شجرہ ملانیوالے تاریخ سے ناواقف ہیں۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اکثر شجرہ انساب میں آخر پر زبیر بھی آیا ہے۔ جو حضرت محمد بن الحنفیہؒ کا لقب تھا۔ کئی زبانی بھی لقب روایت کرتے ہیں اور شجرہ انساب کے بیان نمبر ۲ میں بھی واضح ہے کہ زبیر لقب وکنیت محمد حنیفؒ کا تھا اور کسی نے زبیر بیٹا محمدؒ بن الحنفیہ کا کہہ دیا اور ما بعد والے فرق و تمیز نہ کر سکے۔

دوسری توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے ان تین بیٹوں میں سے ایک کا لقب وکنیت ہے۔ جو حضرت حسینؓ کیساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ چنانچہ تائید الواعظینؒ کے صفحہ ۲۱۱ چودھویں مجلس میں مذکور ہے۔ کہ جب حضرت حسینؓ کی طرف سے باری باری متعدد افراد نکل کر میدان میں شہید ہوئے۔ تو دسواں لشکر سے زبیر ابن علیؓ باہر آئے۔ اور امیر المومنینؓ (یعنی حسین شہید) کے یہ تین بھائی دوسرے تھے۔ زبیر علی۔ طلحہ اور جعفر تھے اور یہ زبیر اپنی ماں سے اکیلا تھا۔ پس یہ شہید ہوئے۔

تاریخ کی دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ام البنین کے بیٹے عبداللہ، جعفر، عثمانؓ، عباسؓ۔ اور لیلیٰ بنت مسعود کے بیٹے عبداللہ۔ ابوبکر وغیرہ شہید ہوئے۔ پس یہ شاید انہیں ناموں میں سے کسی کا لقب عرف وغیرہ ہو۔

ہمارے زمانے کے شجرہ نسب زبانی طامیراوں کا یہ ایک قاعدہ بھی اکثر اوقات ایسا رہا ہے

ملہ تائید الواعظین اردو ترجمہ انیس الواعظین فارسی۔

کہ شجرہ نسب مثلاً ابن الحنفیہ بن علیؓ سے ملاتے ہیں۔ تو محمد بن الحنفیہ کے دیگر بھائیوں کے حق التعدد یادداشت و نام و عرف کنیتوں کا یکجا ذکر کے گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی اولاد سے فلاں فلاں بھائی بھی انکے تھے۔

(۱۳) تیرھواں قول۔ اعوانوں کا عمر بن علی رضی اللہ کی اولاد سے ہونا:۔

باب الاعوان میں ہے کہ بعض اہل نسب اعوان کا سلسلہ نسب مندرجہ ذیل بیان کرتے ہیں۔ ملک احمد خان قطب الدولہ بن قاسم خان، بن امیر خان، بن فائز خان، بن دلدار خان بن عبدالرؤف خان، بن محمد خان، بن حضرت عمر بن حضرت علی رضی اللہ عنہ

مفصل ذکر اسی قول کی نسبت عمر الاطرفؒ فرزند حضرت علیؓ میں گذر چکا ہے۔ عمر بن علیؓ کی اولاد ہندوستان قدیم میں آئی ہے۔ اور موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ سندھ از عبدالحلیم شرر ص ۱۱۴ ج ۲ میں لکھا ہے کہ یہاں سندھ میں کثرت سے حضرت علیؓ کی نسل کے لوگ موجود تھے۔ اور انکی علوی شیوخ میں زیادہ شمار ان لوگوں کا تھا۔ جو اپنے آپکو عمر بن علی اور محمد بن علیؓ کے خاندان سے بتاتے تھے۔ اسلئے یقیناً عمر بن عبداللہ کی نسل ان محترم نسب والوں میں مل گئی۔

ایک دیگر روایت یہ بھی ہے۔ کہ عمر بن علیؓ نسل سے بعض اشخاص ابتدائے عہد اسلام میں ملتان پر حاکمانہ اقتدار رکھتے تھے (خلافت معاویہؓ یزید ص ۸۰ و رحمۃ اللعالمین از سلیمان سلمان منصور پوری ص ۳۰۶) اور اب بھی انکی نسل سے ملتان میں پائے جاتے ہیں۔ بغداد اس کے نواحی بلخ میں اور خراسان میں بھی ہیں۔ اور عجب نہیں کہ محمودؒ غزنوی کے حملہ ملتان کے وقت یہی عمری النسل لوگ حاکم ملتان ہوں۔ جو مرور زمانہ اور مختلف قسم کی مذہبی و سیاسی تحریکوں کے زیر اثر اپنے عقائد میں تغیر اختیار کر بیٹھے ہوں۔ جو کچھ بعد حملہ کے وہاں سے بھاگ گئے اور کچھ باقی رہ گئے ہوں۔ تسخیر ملتان کے وقت ابو الفتح داؤد بن نصر بن شیخ حمید لودھی کا نام تاریخ میں لیا جاتا ہے جو عقیدہ ملاحدہ رکھتا تھا۔ سلطان محمودؒ غزنوی نے اس پر فتح پاکر توبہ کرائی اور احکام و حدود شرعیہ کے اجراء کا وعدہ لیکر بیس ہزار درہم بطور خراج ادا کر لیکے وعدے پر اسے چھوڑ دیا۔ اور یہ سن ہجری ۳۹۵-۳۹۶ھ کا واقعہ تھا۔ مگر جب دوبارہ اس سے عقائد کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو ۴۰۱ھ میں ملتان آکر اسے یعنی ابو الفتح داؤد کو قید کر کے غزنے لے گیا۔ اور وہیں مرا۔ یہ روایت یہاں اسلئے بیان ہوئی ہے کہ بعض کتابوں میں جو یکجا

ہے کہ محمود غزنویؒ کے عہد میں علوی عمری النسل کے حکمران تھے۔ جو عقائد کھو بیٹھے تھے۔ اسی لئے سلطان محمودؒ نے اُن پر حملہ کیا۔ مگر یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملتان میں اس وقت ابوالفتح تو دہی ملحد حاکم تھا (کذا فی تذکرہ بہادران اسلام ص ۸۱ - ۹۲) مگر میرے نزدیک یہاں توضیح یہ ہے کہ اصل حاکم و حکمران اعلیٰ تو وہی علوی تھے جو انند پال کی شکست از دست محمود غزنوی کی خبر سنکر بھاگ کر سراندیپ کو چلے گئے۔ اور ابوالفتح جو بدستور وہاں کا حاکم تھا وہیں رہ گیا۔ اور اسی کو محمودؒ غزنوی نے دوسری بار قید کر کے غزنی بھیج دیا۔ اور یوں ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہ قرین قیاس ہے کہ وہ علوی النسل حکمران بھی اسماعیلیہ شیعہ فاطمیین کے تحت حاکم ملتان ہو (تاریخ سندھ ص ۱۲۶ ج ۲)

دراصل حضرت علیؓ کی اولاد جن سے آگے نسل چلی ہے ان میں عمرالاطرف بھی ہیں۔ حضرت علیؓ کی اولاد کو علوی کہتے تھے۔ اور اعوان کا خطاب تو انہیں سبکتگینؒ اور محمودؒ غزنوی کے عہد میں ملا اور قائم و دائم ہو گیا۔

سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اُن لوگوں کو بھی جو محمودؒ غزنوی سے پہلے ابتدائے عہد اسلام میں سندھ وغیرہ میں آکر قدم جما چکے تھے۔ وہ خواہ عمر بن علیؓ کی اولاد سے ہوں یا محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے یا عباسؓ بن علیؓ کی اولاد سے ہوں ان سب پر اعوان کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ یا اعوانوں سے شمار کیا جا سکتا ہے؟ تو میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ جس طرح علوی کا لفظ سوائے فاطمہؓ کے دیگر بھائیوں کی اولاد کیواسطے خاص ہو گیا ہے اور سید و علوی کہلانے لگ گئے ہیں اسی طرح سب علویوں پر اعوان کا لفظ بولا و استعمال کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ اول آئے ہوں یا بعد۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہوگا کہ سلسلہ نسب ملانے میں وہ اپنے مختلف آباؤ اجداد کے ساتھ پیوست ہو سکتے ہیں۔ جن کی تعداد صرف تین محمد بن الحنفیہؒ۔ عباسؓ بن علیؓ اور عمرالاطرفؒ تک محدود بیان کی جاتی ہے۔ جن سے نسل جاری ہوئی۔ جن کو باب الاعوان وغیرہ بعض کتب میں محمدی یا حنیفی یعنی محمد بن الحنفیہؒ یا عمری یعنی عمرالاطرف یا عباسی وغیرہ اجداد کے نام کی مناسبت سے پکارا یا لکھا جانے لگا۔ اور دوسری سب سے بڑی تفریق و امتیاز کا یہ پہلو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ کہ میر قطب حیدر بہ معروف قطب شاہ سالار جو غزنی سے ہند میں سلطان محمود غزنویؒ کے عہد میں آئے جن کا مفصل بیان پیچھے گذر چکا۔ انکی نسل و اولاد کو قطب شاہی اعوان کہینگے۔ جو از نسل محمد بن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ تھے۔ اور سوائے قطب شاہ سے اوپر کے آباد

و اجداد کی نسل سے بھی محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد سے ہیں۔ مگر وہ قطب شاہی اعوان نہیں۔ اعوان کا لفظ حضرت علیؓ کی اولاد سے ماسوائے حسنؓ و حسینؓ کی اولاد کے دیگر سب بھائیوں کی اولاد پر پاک و ہند میں عام طور پر مستعمل ہوتے ہوئے مخصوص ہو گیا ہے۔ اور سمجھا جانے لگا ہے۔ اور انہیں علوی کہلانے پر ہی اکتفا کیا گیا۔

(۱۴) چودھواں قول۔ اعوانوں کا عباسؓ علمدار بن حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہونا۔

واضح ہو کہ مؤلف کتب زاد الاعوان و باب الاعوان اور مابعد کے مؤلفین و مصنفین نے انہی ہر دو کتب کی تبعیت میں سارا زور اس قول کے ثبوت میں دیدیا ہے۔ کہ اعوان قطب شاہی عباسؓ نامدار جو حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ انہی کی نسل سے ہیں۔ عباسؓ حضرت حسینؓ کے لشکر کا علم اٹھائے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے علمدار۔ یا علم بردار مشہور ہوئے۔ وہ شجرہ نسب جسکو مصنف باب الاعوان نے ذکر کر کے رد کیا ہے؛ حسب ذیل ہیں:-

(۱) قطب شاہ بن عبدالرحمان بن عبدالملک بن مظفر شاہ بن انور شاہ بن کمال الدین بن محمود علی بن عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب۔

(۲) قطب شاہ بن عقیل، بن حمیدالدین، بن اسمٰعیل، بن محمد، بن قاسم، بن محمد، بن علی بن عبداللہ بن حسن، بن عباس بن علیؓ بن ابی طالب۔

(۳) قطب الدین قطب شاہ۔ بن شاہ قیس بن شاہ حمیدالدین، بن شاہ اسمٰعیل، بن شاہ محمد بن قاسم علی، بن محمد عباس، بن علی العریفی، بن محمد حمزہ، بن محمد زبیر، بن محمد بن عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب۔

اس ضمن میں جو شجرہ نسب مولانا نورالدینؒ نے باقی شجرہ جات درج کرنے کے بعد صحیح سمجھا ہے وہ نسب ناموں کے بیان میں درج کر دیا گیا ہے۔ اور مفصل بیان بھی اس بحث میں گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ یہاں چنداں دھرانے کی ضرورت نہیں۔ کتاب کے شروع میں بیان گذر چکا ہے کہ مولوی حیدر علی لدھیانوی نے اول اول تاریخ علوی معہ ضمیمہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھی۔ شاید اس کے بعض کمزور پہلوؤں پر اعتراض ہوئے ہونگے۔ جسکو مولوی نورالدین صاحب نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس میں اعوانوں کا شجرہ نسب محمد بن الحنفیہؒ سے ملانا بیان کیا گیا تھا۔ مولوی نورالدین نے اُسکے بعد یکے بعد دیگرے دو کتابیں شائع کیں۔ جنمیں انہوں نے

اور قطب شاہی کو عباسؑ علمدار پسر حضرت علیؓ کی اولاد سے ثابت کیا۔ مگر مابعد مولوی حیدر علی صاحب نے ۱۹۰۶ء میں کتاب کا مسودہ تیار کیا جو ۱۹۲۲ء مارچ کو منظر عام پر آیا۔ جس میں انہوں نے مولوی نور الدین صاحب پر تنقید کی روشنی میں ثابت کیا کہ اعوان قطب شاہی محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور شجرہ نسب میں جعفر بن حمزہ اول کا ثبوت بھی قابل غور ہے۔ مفصل بیان گذر چکا ہے۔

مصنف نور الدین صاحب چغان کی تصنیفات کے بعد ایک تحریک ایسی بھی چلائی گئی کہ اعوانان پاک و ہند اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اپنے آپکو محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے سمجھتے اور کہلاتے ہیں۔ چنانچہ لکھے پڑھوں میں یہ چرچا عام ہو گیا۔ یہ تحریک ہر جگہ پہنچی۔ کشمیر کی حدود پونچھ میں بھی قطب شاہ کی آڑ میں شجرہ نسب بنانے والوں نے زور دیا۔ کہ عبداللہ بن عباسؑ تک سلسلہ ملایا جائے۔ لیکن لوگوں نے شد و مد سے انکار کیا۔ اور ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہونا چاہا۔ جس کا کچھ مختصراً بیان گذشتہ صفحات میں گذر رہا ہے (بحوالہ تواریخ اقوام پونچھ۔ محمد دین فوق)

اس تحریک کا ایک دوسرا پہلو بھی تاریخ حیدری مؤلفہ مولوی حیدر علی اعوان سے روشن ہوتا ہے۔ وہ اپنی تاریخ حیدری کے صفحہ ۶۰ مطبوعہ سیوک پریس لدھیانہ مارچ ۱۹۲۲ء پر لکھتے ہیں۔ کہ اس مؤلف کو بھی کئی تدبیر دلاسے روکا گیا۔ مگر چونکہ قوم سے وعدہ کر چکا تھا۔ اسلئے لکھا گیا۔ اس تحریک کا مقصد بظاہر معلوم نہیں ہو سکا اور یہ وہم کرنا بھی بیجا ہو گا۔ کہ کہیں عباس شخصیت شیعیت کی نقطہ نگاہ سے محبت و استقلال و تقویت اس فرقہ کی پیدا ہو جائے یا کوئی سیاسی نکتہ نگاہ اس کا پس منظر ہو کیونکہ شیعہ حضرات خصوصاً اثنا عشریہ امامیہ ذی والے محمد بن الحنفیہؓ کو بھی بے حد قابل احترام و مکرم سمجھتے ہیں۔ اور یہ ثبوت انکی کتب سے پایا جاتا ہے (۱) ہو سکتا ہے کہ کتب کے منظر عام پر آجانے کے باعث اختلاف رفع کرنا مقصود ہو تو ہو سکتا ہے کہ شجرہ انساب و کتب کے تاجروں نے وقت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر لوگوں میں بیداری پیدا کرکے دولت کمانی چاہی ہو۔ یا کوئی دوسرا خیری پہلو انکے مدنظر ہو۔ جو کچھ بھی ہو حیران ہوں کہ وہ لوگ جو زاد الاعوان یا باب الاعوان کے نظریے کو عرصے سے اپنائے ہوئے ہو گئے۔ وہ اس کتاب سے کیا تاثر لیں گے؟ یا کیا کہیں گے؟ بہر حال تنقید تحقیق کی روشنی میں ہوئی تو بہتر نتائج برآمد ہونگے۔

مصنف زاد الاعوان وغیرہ مولوی نور الدین نے جب یہ یقین کر لیا۔ کہ قطب شاہ بغدادی ہی اعوانوں کے مورث ہیں۔ اور اپنے اس مفروضے پر ایک نظریہ قائم کرکے راہ متعین کر لی۔ تو پھر انہیں وجوہ اور مفروضات کی بناء پر اور بعض حقائق سے دانستہ اضطراراً یا نادانستہ خود بھی تحقیق سے دور رہے۔ اور اعوان قوم کو بھی دور اور مذبذب کر دیا۔ لہذا یہ ایک قوم کیلئے حادثہ عظیمہ تھا جسکی سرسری روئداد پچھلے اوراق میں گذر چکی ہے۔

صاحب تاریخ اقوام پونچھ کے صفحہ ۲۸۰ پر جو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اعوان اور انکی اکثر شاخوں اور اعوان مصنفوں کو اسبات پر قطعی اتفاق ہے کہ وہ حضرت علی کے فرزند حضرت عباسؑ علمدار کی اولاد سے ہیں۔ جو معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ محل تامل ہے۔ اور خود انکی تاریخ مذکورہ کے صفحہ ۴۳ پر لکھے ہوئے بیان کے متضاد اور مخالف ہے۔

متعدد اضلاع میں بسنے والے اعوانوں کی اکثریت عباسؑ علمدار کی فرزندی پر متفق نہیں۔ (جیسے کہ پچاس یا زیادہ شجرہ انساب خود مولوی نور الدین کے پاس بھی اس امر کا ثبوت تھے۔ کہ وہ محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہیں) تو وہ کون سے مصنف ہیں۔ اور کون سی کتابیں ہیں (جنکی نشاندہی نہیں کی گئی) جو کتاب کی چند سطور میں لکھ دینے سے اعوانوں کو عباسؑ کی نسل بننے یا بتلانے پر متفق سمجھے جا سکتے ہیں؟ اگر مصنف تاریخ اقوام پونچھ کی مراد ان کتابوں اور مصنفوں سے ہو جو زاد الاعوان یا باب الاعوان کی اشاعت کے بعد وجود میں آئیں۔ تو ایسی کتابیں اور اقوال ان مصنفین کے اس بارہ میں قابل التفات نہیں۔ انکی بنیاد کھوکھلی ہے (خدا رحم کرے اور مغفرت کرے ان جملہ مصنفین پر جن کا اس ضمن میں کتاب میں ذکر آ گیا اور یہ کہ وہ اب اس دنیا میں باقی نہیں ہیں)

مختصراً یہ عرض ہے۔ کہ بڑے گہرے غور و خوض کتب قدیم و جدید کے مطالعہ و موازنہ سے یہ سمجھ آئی ہے کہ اعوان قطب شاہی عباسؑ علمدار بن حضرت علیؓ کی اولاد سے نہیں بلکہ محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور کہ ہم اسبات کے بدلائل و بوجوہ قائل ہیں۔ کہ قطب شاہی اعوانوں کے علاوہ محمد بن الحنفیہؓ سے شجرے ملانے والے عباس علمدار اور عمر بن علیؓ سے شجرے ملانیوالے بھی پاک و ہند میں بہتیرے ہیں۔

(۱۵) پندرھواں قول (سب سے آخری قول) اعوانوں کا محمد بن الحنفیہؓ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہونا۔

پاک و ہند کے اکثر اضلاع کے اعوان یہی دعویٰ و بیان کرتے ہیں کہ وہ محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد

سے ہیں۔ اور قطب شاہ غزنی کو اپنا مورث قرار دیتے ہیں۔ جس نے محمود غزنوی کے ہمراہ
ہند میں جہاد کئے اور ہندوستان قدیم کے راجاؤں کی بیٹیوں سے شادیاں کیں اور اولاد چھوڑی
اور قطب شاہی اعوان کہلائے۔ گذشتہ اوراق مبحث قطب شاہ میں جملہ اقوال کا بیان آ
گیا ہے۔ اسی لئے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

تاریخ حیدری، تاریخ اقوام پونچھ از محمد دین فوقؔ اور تاریخ الاعوان مصنفہ شیر محمد اعوان
کالاباغ۔ سرزمین پوٹھوہار سے بھی اسی نظریہ کی تائید و توثیق پائی جاتی ہے۔ اور یہ نہیں
ہو سکتا کہ قطب شاہی اعوان محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے بھی ہوں اور عباسؓ علمدار کی اولاد
سے بھی ہوں۔ صرف ایک ہی کی اولاد سے قطب شاہی اعوان ہو سکتے ہیں اور وہ میرے نزدیک
محمد بن الحنفیہؓ کی اولاد سے ہی قطب شاہؒ ہیں۔

اعوان قوم کے اخلاق عادات تجارت و زراعت کا بیان

آج کل کے سائنسی تحقیقات کے قدر میں ماہرین علم النسل جہاں صرف اپنے فن کمال کے عروج
میں نسل انسانی کی شناخت کیلئے جسم کے اندرونی اور بیرونی اعضاء کی ساخت جبڑے، بال،
رنگ (زرد، سفید، سرخ، کالا) سے بھی نسل انسانی کے ارتقاء و مقام کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ اور نوع
انسانی کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ وہاں ماہرین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حیوانات
کے کسی نوع کے فطری خصائص نسل بہ نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایک نسل کو دوسری نسل
سے تمیز کرنے میں ان سے کافی مدد ملتی ہے۔ تو یہ قوم اعوان بھی اپنے وصف و اوصاف سے
متمیز اور ظہور دکھائی دیتی ہے۔ عربی النسل ہونے میں نمایاں شانِ امتیاز رکھتے ہیں۔ اگرچہ حاسلاً

لہ مجھ سے پہلے شجرہ نسب میں قطب شاہ بغدادی قادری علوی، حسنی، تقی، عباسی، ہاشمی بھی لکھا ہے تو وہ شجرہ بھی آخر پر محمد بن الحنفیہؓ
سے جا ملتے ہیں (دیکھو بیان شجرہ انساب نمبر ۳ کتاب ہذا)

نظر آتی ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

ہندوستان میں آکر رسم و رواج کے طور پر کچھ خلط ملط ہو گیا ہے۔ مگر اصلیت فطرتاً
باقی ہندوستان میں ایک ایرانی اور عربی کو دیکھ کر ہی بتا سکتے ہیں کہ دونوں اقوام کے مد
مقابلے پھر بھی پائی جاتی ہیں۔ مختلف اقوام کے نسلی خصائص سے
مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔
پہ گروہ میں ہم کو ان کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض خاندان ہیں جو طول عمر کیلئے مشہور ہیں۔ اور
دوسرے خاندانوں کی نسبت طویل عمر کے اشخاص ہوتے ہیں۔ بعض خاندان کے افراد کے بال ساٹھ
ستر سال تک سفید نہیں ہوتے۔ اور وہ دن بھی شاید دور نہیں جب ایک سائنسدان خون اور
بالوں کی ساخت سے بتا دیگا۔ کہ وہ کس نسل یا خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

میرے کانوں سنی روایت ہے شاید آپ تعجب کریں کشمیر کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے،
کہ کفو یا غیر کفو میں کسی لڑکی کے بیاہ دینے کا واقعہ یا حادثہ پیش آیا تھا۔ اور حقیقت میں ان
دو امیدواران رشتہ ایک اعوان تھا اور دوسرا کھشر۔ ایک بزرگ قوم اعوان نے دونوں کے مخصوص
کی ہتھیلیوں کو ہاتھ سے رگڑا اور پھر سونگھ کر یہ بتا دیا۔ کہ ان میں ایک شخص اعوان ہے۔ اور
ایک کھشر۔ اور جب یہاں اس ملک ہزارہ میں آ کر ان کی تحقیق کی گئی۔ تو اس بزرگ کی مہارت
خداداد پر داد دینی پڑی۔ کہ واقعی ایسا ہی تھا۔ اور یہ تو ہم بھی دیکھتے اور سنتے آئے ہیں کہ خونی
کشش ہوئی یا خون دوڑ آیا۔ یا جوش مارا۔ اکثر مواقع پر ایسی باتوں کا تجربہ ہوا ہے۔ اور روایتیں
بھی موجود ہیں۔

دوسرا نفسیاتی پہلو یہ بھی ہے جس میں قوموں کے مخصوص خصائص رسم و رواج کا مقابلہ کر کے ان
میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ عربوں کے چند مخصوص خصائل ہیں۔ اور جب اس قوم عرب کے خصائل کا
مقابلہ و موازنہ کرتے ہیں تو نمایاں مشابہت پاتے ہیں۔ اول یہ کہ عرب میں ہمیشہ سے اپنے
نسبنامے اور سب لوگ تقریباً اپنی اپنی سوانح عمریاں رکھتے تھے۔ اور کچھ بیان عربوں کے نسبناموں
سے دلچسپی کا پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ اور یہ کہ وہ اپنے نسبناموں کے مکمل رجسٹر موت پیدائش
تک درج کرتے چلے جاتے تھے۔ اعوانوں کا اپنے نسبناموں سے دلچسپی لینا ان کے عربی نژاد ہونے
کا بیّن ثبوت ہے۔ اس کے مقابلہ میں خود ہندی الاصل قوموں میں بہت کم دلچسپی رہی ہے۔ بہادری

لہ زبانی روایت ملک محمد الطاف خان حال میرا ام تلا تحصیل ایبٹ آباد۔ ضلع ہزارہ۔
ٹہ رسالہ دارالعلوم دیوبند مارچ [illegible]۔

جان نوازی۔ زہد و تقویٰ۔ قومی سپرٹ انکی خصوصیات قوی سے ہیں۔ اگرچہ ہندوستانی قوم کے رسم ورواج سے گندمند زیادہ ہی ہوگیا ہے۔

جس طرح انگریز مؤرخین نے ۱۸۰۲ء-۱۸۶۰ء کے بندوبست میں مردم شماری کی اور قوموں کے حالات لکھے۔ وہاں قوموں کے بعض اوصاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر تھامسن ڈنسن ریل ڈوس وغیرہ مہتمان بندوبست نے ان کے اخلاق و عادات کے بارے میں کہا ہے کہ یہ خوش اخلاق، خندہ پیشانی، منتقم، جوشیلے اور جلد باز۔ میانہ قد اور قوی الجثہ ہوتے ہیں۔ قومی جھگڑوں کو نہیں بھولتے اور بدلہ لیکر چھوڑتے ہیں۔ بے صبری میں نہایت احمقانہ کشتی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ جس وقت کسی قانونی گرفتاری کا حکم ہو۔ تو اُس کے فساد اور قتل تک نہیں رکتے۔ گو یہ ایک صدی پیشتر تک کا جائزہ ہے جو انگریز مؤرخین نے لگایا ہے۔ مگر یہ سب کی سب باتیں اب تک کہ ۱۳۸۵ھ ہے منفرداً و مجتمعاً اس قوم میں پائی جاتی ہیں۔ ان خاصیتوں کی وجہ سے ان کے فرقے باہم جدا جدا ہوگئے ہیں۔ ہر ایک گروہ کا ایک سردار ہوتا ہے۔ گو جدا جدا فرقوں میں کچھ رابطہ اتحاد نہیں ہوتا۔ مگر شک نہیں کہ اپنے اپنے گروہ والوں سے ہر ایک نفع و امداد کی امید رکھتا ہے۔ آج کل کے نوجوان اپنی پارٹی کو چھوڑ کر دوسری میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اس امر کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ ہمارے باپ دادوں کے دشمن تھے۔ بسا اوقات اس سے نااتفاقی پھیلتی ہے۔ چنانچہ اسباب پر باپ بیٹے کو عاق کر دیتا ہے۔ ہمیشہ فسادوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور مدت تک ان کے فساد زندہ رہتے ہیں۔ لڑائیوں میں اکثر سروں کا پھٹنا کوئی عجیب نہیں۔ جرائم کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔

اعوان عام طور پر اپنی لڑکیوں کی شادی دوسری قوم میں نہیں کرتے۔ اور اگر کسی کا دوسری قوم میں تعلق ہو جائے۔ تو اولاد اصلی اعوان نہیں سمجھی جاتی۔ راجپوتوں کو جہاں کہیں موقع ملتا ہے

لے ہمارے سابقہ مغربی ہندوستانی آقاؤں کی تاریخی کتابوں اور بعض نوٹوں میں انکی تعمیت میں دیگر ہندی مؤرخین نے بھی اعوان قوم کی قوم کو علاوہ دیگر وصف اوصاف بیان کرنے کے۔ ڈاکو، قزاق اور راہزنوں سے بھی نسبت دیگئی ہے۔ بہ لحاظ پیشہ ورانہ تو یہ باتیں صادق نہیں آسکتیں۔ البتہ جب ہندوستان میں گھڑ گون دشمنیوں اور جوہوں سے واسطہ پڑا تو چشک چشموں، ڈکیتیوں، رہزنیوں جو اس وقت کے لحاظ سے چھوٹی چھوٹی ڈیروں میں مقابل دشمنوں کو خیال کرنے انتقامی جگہیں اور ویرانیوں کا سبب ہوا کرتا تھا۔ تاکہ وہ اپنے وجود کو قائم رکھ سکیں۔ ضرور سرزد ہوئی ہونگی صداقت قوم اعوان اپنے زندگی کے اوقات وحالات میں بھی بقدر اپنی وسعت کے ایسے کم ہو گذرے ہونگے کہ وہ خود کو نسبت گئے مظلوموں کا منہ دیکھتے رہیں۔

رشتہ ناطہ کرکے ملتے جلتے ہیں۔ اور برتتے ہیں۔ ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ للاضیاء و پنیالہ کے اعوان راجپوت آپسمیں رشتہ رکھتے ہیں۔ جہاں قوم سے دور ہیں وہاں کا یہ حال ہے۔ لیکن اب تو رواج تیزی کا گھٹتا چلا جا رہا ہے۔ بزور بازو اکثر قطعات پر قابض ہوجاتے ہیں۔ اور نسب علوی قطب شاہی عربی ہونے کا فخر کرتے ہیں۔

اعوان ہمیشہ لڑتے بھڑتے آئے ہیں۔ سریع الغضب ہوتے ہیں، ذاتی، خاندانی عزت وحرمت کے معاملہ پر جلد مشتعل ہوجاتے ہیں۔ اپنی زبان و لباس نہیں چھوڑا لیکن اب یہ رواج کم ہوگیا ہے۔ جفاکش سپاہی پیشہ ہیں۔ پہلے یہ پردہ رکھتے تھے۔ اپنے اپنے مکان ملکی باشندوں سے الگ و علیحدہ بنایا کرتے تھے۔ ہندی رسوم کچھ بیاہ شادی میں داخل ہوگئی ہیں۔ تاہم پرانی آبائی شریعت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بابر کے زمانہ تک یہ قوم کچھ نہ کچھ اپنے اطوار افعال ظاہر کئے بغیر پہچانے جاتے تھے۔ عصر تیموری سے زمین جوتنے والے کسان بن گئے ہیں

جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جو اتحادیوں اور جرمنی کے مابین بڑے زور شور سے رہی۔ ہندوستان قدیم کی فوجوں سے ایک بڑا حصہ ضلع راولپنڈی، جہلم، میانوالی، و دیگر اضلاع پنجاب کے اعوان کثیر تعداد میں شامل تھے۔ تاریخ جنگ یورپ مصنفہ ایل رنیا رام ملاحظہ ہو۔ جسمیں اعوانوں کی جنگ میں شمولیت، بہادری، حوصلہ کی داد مصنف مذکور نے پرزور الفاظ میں دی ہے۔ ان عربی نژادوں پر جنگجو اوصاف ورثتاً ملے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی سست ہوا کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ کہا گیا ہے کہ عین موقع جنگ وکشت وخون میں کمپنی یا ترپ کے سردار تنظیم و نسق کو لوازمات جنگ مہیا کرنے اور لڑائی کے گروں میں اس قدر شاق ثابت ہونے کہ انگریزوں کو ماننا پڑا۔ اور سرکار نے بالآخر صرف پنجابیوں کے لئے بلکہ سابقہ ہندوستان کے شریفوں کو کمیشن افسروں میں لینے کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس سے پہلے فرنگیوں کے سوا کسی دوسری قوم کے افراد کے لئے ممکن نہیں۔ بلکہ تھا ہی نہیں۔ خواہ وہ کیسا ہی قابل کیوں نہ ہوا۔ جنگ عظیم کے سارے سابقہ ہندوستان میں سب سے پہلے وکٹوریہ کراس اسی قوم کے بہادر نوجوانوں نے حاصل کیا۔ دو توپیں نصب ہوئیں۔ ایک سکاٹ لینڈ میں اور ایک اُن میں موضع ڈلیال ضلع جہلم قوم اعوان کو عطا ہوئی (تاریخ اقوام کشمیر صفحہ ۱۴۳۔ از محمد دین فوق)

اگرچہ یہ قوم پنجاب و کوہستان نمک میں ایک طاقتور قوم شمار ہوتی ہے۔ میانوالی بگھر، موضع عیسیٰ خیل، کالا باغ وغیرہ میں اس خاندان کے نامور اور نیم آزاد حکومت کر رہے ہیں۔

[illegible] پیشہ ہوتے ہوئے۔ دستکاری، صنعت وحرفت کے پیشوں میں کافی دلچسپی لی ہے۔ جہاں
[illegible] و اہل علم و دولت مند و بڑے بڑے زمیندار ہیں۔ وہاں صنعت وحرفت کے اکثر کسب
[illegible] بہترے ہیں۔ اور مزدوری کو کوئی شرم وعار نہیں سمجھا۔ جو لوگ جہالت و نافہمی سے
[illegible] تجارت، دستکاری سے غافل ہیں۔ نافہمی سے برا سمجھتے ہیں۔ جلد یا بہ دیر نیست
[illegible] ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کے پیشوں وغیرہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی مفصل کیفیت پچھلے
اوراق میں گذر چکی ہے۔ آخر انبیاء نے بھی تو یہ کسب اور پیشے کئے ہیں۔ اور انکی امت مسلمہ نے
بھی اس وقت یہ پیشے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور بہت سے اہل علم فقیہ اور مصنف بڑے بڑے
پیشہ ور حضرات گذرے ہیں۔

یہ بالکل زراعتی گروہ ہے۔ اور زراعت میں جفاکش ہوتے ہیں۔ بعض میلے کچیلے اور سُست
[illegible] ہیں۔ پنجاب کی مردم شماری میں انگریزوں نے زمیندار کے معنی کم درجہ کے جاٹ لکھے ہیں۔ اس
کا جواب مولوی حیدر علی لدھیانوی نے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمیندار و جٹ پنجابی زبان میں
کل زراعت پیشہ لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ راجپوت ہوں۔ اعوان، سید جاٹ گوجر وغیرہ
ضلع راولپنڈی۔ اٹک، مظفر گڑھ میں اول درجہ زراعت پیشہ قوم ہے۔ ہوشیار پور، جالندھر، لدھیانہ
لاہور، امرتسر، سیالکوٹ، گجرات، گوجرانوالہ اور جہلم میں درجہ دوئم پر ہیں۔ اور ملتان، شاہ پور،
میانوالی میں سوئم درجہ پر۔ سرحدی اضلاع و ریاستوں میں بھی زراعت پیشہ ہے۔ اور یہ پیشہ بعد
[illegible] شاہ و زوال سلطنت غزنوی اور عصر تیموری سے زیادہ پاک وہند میں اختیار کیا۔ شادی بیاہ
میں خرچ زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ ہندو مہاجنوں سے سودی قرضہ لینے پڑے اور قرضوں کی خورد بُرد
[illegible] رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ سود خوروں میں زمین رہن بیع ہونے لگی۔ اور قوم زیادہ
نادار وخوار ہو گئی۔ ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن نے زمینداروں اور کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے
کے لئے پنجاب میں ایکٹ انتقال اراضی پاس ہوا۔ ایکٹ کی رو سے غیر زراعت پیشہ اقوام زمین
نہیں خرید سکتی تھیں۔ سود خواروں کی دوڑ ڈھیلی پڑ گئی۔ اور خاندانی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے کنالوں
کی جگہ مرلوں میں بٹ گئی۔

یہ تھا مختصر احوال جو پرانی تاریخوں سے لکھا گیا۔ اور پایا گیا۔ کہ وہ شرافت، انکساری، صبر
و ایثار پسندی، نیک چلنی، حلیمی، مہمان نوازی، اسلام شعاری، پابند صوم و صلوٰۃ، تعلیم القرآن اس
قوم کا دائمی پیشہ وشیوہ رہا ہے۔ مصنف مناقب سلطانی جو سوا سو سال پہلے لکھی گئی ہے وہ

[illegible] معلوم نہیں کہ سوا سو سال گذر جانے پر کیا کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو گی مگر بحیثیت مجموعی اب بھی ان اوصاف کے حامل ہیں۔

اپنے چشم دید حالات میں لکھتے ہیں کہ اعوانوں کے قبیلہ میں کہ اپنے ہاشمی اور علوی نسب کے
فضائل وخصائل کی علامتیں اب تک پائی جاتی ہیں۔ تمام مرد اور عورتیں، سخی، بہادر، صاحب حیا،
ووفا، دیانتدار، امین، عہد کے پابند، بامروت وغیرہ اوصاف سے متصف ہیں۔

علاقہ اعوان کاری میں دینداری اور پرہیزگاری کا بڑا چرچا ہے۔ بدعتیوں بےدینوں
کو اپنے علاقہ میں داخل بھی نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ توبہ کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ نشہ کرنیوالا، ڈاڑھی
ہیجڑے، رافضی وغیرہ اب تک اس علاقہ میں کوئی نہیں۔ مسجدوں میں طالبعلموں، قرآن مجید
کے حافظوں کی خدمتگذاری میں نمایاں خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی
ہزارہا صالح، متقی اور دیندار آدمی موجود ہیں۔ مردم خیز علاقہ ہے۔ کوئی شہر ایسا نہیں جہیں
صاحب اثر وہدایت، صاحب احوال واطن آدمی نہ ہوں۔ حافظ قرآن وشب بیدار آدمی موجود
نہ ہوں۔ ہر مسجد میں کلام اللہ اور حدیث کا درس جاری ہے (اب بیسیوں مدرسے دینی تعلیم
کے جگہ بجگہ جاری ہو گئے ہیں) کئی کئی عورتیں بھی حافظ قرآن ہیں اس لئے اپنی دینداری، اور
پردہ کیلئے مختلف قبیلوں نے الگ الگ گاؤں اور شہر آباد کئے۔ تو اس علاقہ کا نام اعوان کاری
پڑ گیا۔

جغرافیہ ضلع شاہ پور از مسٹر جیا رام میں ہے کہ اعوان بہادر اور لڑاکے ہیں۔ جنجوعوں ٹوانوں
سے ان کے معرکے ہوئے۔ اور قبضہ حاصل کیا۔ پہاڑ کا علاقہ ضلع شاہ پور میں انہیں اعوانوں کا ہے
اور ان کی لڑائیوں کے آثار جو دریائے سندھ کے شمالاً جنوباً ہندو راجاؤں سے ہوئیں۔ اب
تک موجود ہیں۔

یاد رہے کہ اہل ہند کسب و زراعت کرنیوالے کو جاٹ بولتے ہیں۔ اور چونکہ اعوان ہمیشہ
سے زراعت پیشہ رہے ہیں۔ اسی شبہ کی بنا پر اعوانوں کا جاٹ قوم سے شمار کرنیکی روایت
وقول پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ ریاست، شورکوٹ، مظفر گڑھ اور ملتان میں جٹ کا لفظ
زراعت پیشہ کیلئے اس قدر مخصوص ہو گیا ہے کہ کاغذات مال میں ابتک انکو اعوان جٹ ہی
لکھتے ہیں۔

اعوانوں کے رشتے، ناطے ابتدائی صدیوں میں بڑے بڑے فرمانرواؤں حکمرانوں سے ہوئے
ہیں۔ مثلاً سالار ساہوؒ، سلطان محمود غزنوی کے بہنوئی تھے۔ اور سید سالار مسعود غازی محمود
غزنوی کے بھانجے تھے۔ اور سالار ساہو کے بیٹے تھے۔ اسی طرح معمولات مظہریہ قاضی ثناء اللہ

پانی پتی میں لکھتے ہیں کہ شہنشاہ اکبر کی بیٹی کا نکاح حضرت محمد امان بن حضرت باباسلطان سے ہوا۔ جن کا نسب کمال الدین جوانمرد سے ملتا ہے۔ جنکی اولاد سے مرزا مظہر جان جانان ہوئے۔ اور ان سالار ساہوؒ و محمد امانؒ کا سلسلہ نسب محمد ابن الحنفیہؒ بن حضرت علیؓ سے، ملتا ہے۔

جغرافیہ ضلع ایک مصنف ماہتاب سنگھ ۱۹۲۹ء ص ۴۹ میں لکھتے ہیں " آوان (اعوان) اپنے تئیں حضرت علیؓ کی اولاد بتاتے ہیں۔ اکثر تندخو۔ اور لڑاک ہیں۔ مدتوں کینہ رکھتے ہیں۔ پیشتر جنجوعوں اور آوانوں (اعوانوں) میں بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں۔ اب تلہ گنگ کی تحصیل انہی کی ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے آوان کاری کہتے ہیں۔ اعوان لوگ عموماً شکیل اور بہادر ہیں۔ اکثر کھیتی کیاری اور فوجی ملازمت کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

فقرائے اعوان

جتنی کتابیں بھی اس عنوان سے نظر سے گذری ہیں۔ " فقرائے اعوان " کا باب باندھ کر چند بزرگوں کے نام وحالات بیان کئے ہیں۔ میں بھی انکی تقلید میں بطور تبرک چند اعوان بزرگوں کے مختصر ذکر پر اکتفا کروں گا۔

سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ :-

حضرت کا اصلی نام سید مسعودؒ ہے۔ لیکن مختلف مقامات میں مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اودھ میں آپکو غازی میاں یا بالے میاں کہا جاتا ہے۔ کہیں بالا پیر یا بٹیلا پیر کہتے ہیں۔ اطراف دہلی میں پیر سلیم اور خراسان میں رجب سالار لقب عالی سے ملقب کئے جاتے ہیں۔

ان کا نسب نامہ کتابوں میں یوں تحریر ہے۔ اور جیسے کہ پہلے تحقیق ہوا یہ اصلی نام نہیں بلکہ لقب عرف اور کنیت ہیں۔ سید مسعود بن سید سالار ساہوؒ۔ بن سید عطاء اللہ غازی بن سید طاہر غازی۔ بن سید طیب غازی۔ بن سید محمد غازی۔ بن سید عمر غازی بن سید ملک آصف غازی۔ بن سید بطل غازی۔ بن سید عبد المنان غازی۔ بن حضرت سید محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ بن سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب آپکی والدہ کا نام ستر معلی (ستر معلیٰ) تھا۔ جو سلطان محمود غزنویؒ کی خواہر نیک اختر تھیں۔ آپ بہ اختلاف روایات ۲۱۔ رجب ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۵ء اتوار کے دن صبح صادق کے وقت اجمیر شریف میں پیدا ہوئے۔ بعض نے تاریخ پیدائش ۲۱ شعبان بھی لکھی ہے۔ لیکن اتفاق پہلی روایت پر ہے۔ انکی تاریخ تولد پر اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق دیگر خوشیوں کے علاوہ بعض شاعروں نے قطعات اشعار بھی کہے۔ ایک آدھ یہاں بھی ملاحظہ ہو۔

مہر مسعود جب ہوا تاباں — ہو گیا عرش و فرش نورانی
لکھی تاریخ یہ عنایت نے — قطب عالم حبیب سبحانی
ہوئے پیدا جو سید سالار — سر اعلائے دیں ہوئے قرباں
اے عنایت لکھو ہجری سال — قبلۂ دیں و کعبۂ ایماں

سلطان الشہدائے ہند کے لقب سے یاد کئے گئے ہیں۔ ۴۱۶ھ میں جبکہ سومنات رد ہوا تھا۔ والد اور محمود غزنویؒ کی معیت میں شامل تھے۔ سلطان محمود غزنویؒ کے بھانجے تھے۔ اور ان پر کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے تھے۔ کہ فتح سومنات کے بعد انکو اپنے ہمراہ غزنی لے گئے۔ کہتے ہیں کہ فتح سومنات کے بعد پجاریوں نے محمود غزنویؒ کو سونا ہموزن بت دینا چاہا۔ تو ایک وزیر غزنوی حسن میمندی نے فائدہ اٹھانے کا سلطان کو مشورہ دیا۔ مگر انہوں نے (سردار مسعود غازیؒ) نے کہا کہ فردائے قیامت ایک طرف آواز ہو گا جو بت فروش کے لفظ سے پکارا جائے گا۔ دوسری طرف سلطان محمود "بت فروش" کے لقب سے تو حق پسند سلطان کی رائے کلمہ حق کے سامنے جھک گئی۔ اور بت توڑ دیا گیا۔ ہندوستان قدیم بہرائچ میں انکی شہادت و جہادی کارناموں پر کتابیں مدون ہو چکی ہیں۔ جو بہت طویل اور حسرتناک واقعات پر مشتمل ہیں۔ دریائے کھٹیلا کے کنارے ۲۱ راجہ گان ہند کیساتھ جہاد کرتے ہوئے ۱۴ رجب ۴۲۴ھ اتوار کے دن عصر کے وقت ایک تیر لگنے سے کلمہ پڑھتے ہوئے سکندر دیوانہ کی گود میں شہید ہوئے۔ عمر آپکی اس وقت اٹھارہ سال گیارہ مہینے ۲۴ دن تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

کہا جاتا ہے کہ نزدیک کے ساتھی سب شہید ہو چکے تھے۔ سید صاحب کی نعش دو دن تک وہاں پڑی رہی تھی۔ دو دنوں کے بعد آپکے چچا سرخرو سالار سیف الدین تشریف لائے اور آپکی تجہیز و تکفین کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کے چچا میر سیف الدین سالار ان سے پہلے شہید ہوئے۔ اور انکو سید ابراہیم نے دفن کیا اور بعد میں وہ بھی شہید ہو گئے۔ دونوں کے مزار بہرائچ میں موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اس لڑائی سے صرف چند خدمتگار اور غلام بچے تھے۔ باقی سب نے جام شہادت موقعہ پر نوش فرمایا۔

سید صاحب مسعود غازیؒ کا شمار پاک و ہند کے اولین شہدائے اسلام میں سے

ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام سے پونے دو سو سال پہلے سید صاحب بہرائچ میں شہید ہوئے۔ باہر سے آنے والے مسلمان بزرگوں میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کو اولیت کا درجہ دیا جاتا ہے آپکا زمانہ ۴۳۵ھ یا ۴۳۸ھ تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن حضرت داتا گنج بخش کی تشریف آوری سے تقریباً ۱۴ سال پہلے اپنا مشن پورا کر کے ۴۲۴ھ میں شہید ہو چکے تھے۔

عبدالقادر جیلانیؒ ۴۷۱ھ میں سید سالار غازیؒ سے (۵۳ برس) بعد گیلان میں پیدا ہوئے۔ اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ۱۴ رجب ۵۳۷ھ ۱۱۳ سال بعد سجستان میں پیدا ہوئے۔ اور شہر اجمیر میں جہاں ۲۰۰ سال قبل سالار غازیؒ کی پیدائش ہوئی تھی وہیں حضرت خواجہ اجمیریؒ نے ۶ رجب ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس طرح سے سید سالار غازی مسعود کو سرزمین پاک و ہند میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

مسعود غازیؒ کی شہادت کے بعد ہندوؤں نے انھیں رحمت کا فرشتہ سمجھا۔ انکی شہادت کی تاریخ پر ہر سال میلہ لگتا ہے۔ اتنے طویل عرصہ گزرنے پر بھی ہندوؤں کی عقیدت میں فرق نہیں آیا۔ اور اپنے محسن کو نہ بھول سکے۔ ہر سال تقریباً ایک لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں پچھتر ہزار کے قریب ہندو ہوتے ہیں (سلطان الشہدائے ہند) سید صاحب کے مزار پر بعض شاہان وقت نے حاضری بھی دی ہے۔ اور کرامات کے قائل ہوئے ہیں۔ اور فیروز شاہؒ دہلی نے قبہ بھی بنوایا ہے۔ ہندوؤں کے اجتماع سے ظاہر ہے کہ بہت سی بدعاتی رسمیں بھی جاری ہو گئی ہیں۔ اور انکی اصلاح کی طرف اکثر مؤرخین نے توجہ مبذول کرائی ہے۔

سلطان محمود نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ پنجاب میں خاندان غزنویہ کی حکومت قائم تھی۔ اور سلطان محمود کا بیٹا سلطان مسعود حکمران تھا۔ بہت سے مؤرخین کو سلطان مسعود اور سید سالار مسعود غازی کے نام سے بڑی غلط فہمی ہوئی اور ان دونوں کے واقعات کو خلط ملط کر دیا۔ سلطان مسعود سلطان سالار مسعود غازی کا ماموں زاد بھائی تھا۔ اور دونوں ایک ہی زمانہ میں تھے۔ مگر ہر دونوں کی زندگیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کچھ عرصہ بعد سید حاجی احمد و سید حاجی محمد جو سالار ساہو کے ملازم اور سلطان الشہدائے کے قدیمی نیاز مند تھے۔ ستر کھ سے بہرائچ آئے اور مزار شہید پر مجاور ہوئے۔ اب تک انھیں کی اولاد مجاور مسعودؒ غازی ہے۔ مسعود غازیؒ کی اولاد سے مؤرخ ساکت ہیں۔

...سعود غازیؒ لاولد فوت ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سید جمال الدین کی دختر زہرا نابینا
...ہوگئی۔ خواب میں سلطان الشہداء کا آنا اس کا بینا ہو جانا وغیرہ ایک طول کرامت کی کہانی
سوائے۔ اس سید جمال الدین نے پہلے روضۂ سید سالار و سیف الدین کا مقبرہ بنایا اور
...ن تذکرہ گنج شہیداں کے نام سے بھی ایک عمارت تعمیر کرائی تھی۔" اور غازی میاں کے بیاہ
کی رسم بھی یہیں سے وہاں رائج ہو گئی۔ اور فرضی مقبرے اور روضے بن گئے۔ اور میلے
جاری ہو گئے۔
مورخ تاریخ سید سالار مسعود غازی نے قطع تاریخ شہادت حسب ذیل تصنیف کئے ہیں۔
...ے صرف دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت مسعود غازی خسرو شہدائے ہند   بود ذات عالیش شرع نبی را منتظم
یافت از حق چوں حیات سرمدی تاریخ سال   محو دیدار خدا فرمود بل احیاء عند ربهم

حضرت مسعود غازی واقف سر اله
۴۲۴ھ
شد فدائی اللہ زہے والد فدا با عزو جاہ
سال تاریخ شہادت در سن ہجری بفکر
زود رقم محکم وصال قبلہ ایماں پناہ!

عبدالرحمان علوی چشتی المتوفی ۱۰۴۲ھ نے کتاب مراۃ مسعودی تصنیف کی۔ مؤلف تاریخ سید سالار غازیؒ نے لکھا ہے کہ مصنف صاحب کمال عقیدت حضرت سید سالار غازیؒ سے رکھتے تھے۔ اور روحانی فیض بھی حاصل تھا۔ تصنیف کے وقت انکی طرف رجوع اور اجازت حاصل کی۔ اور حسب ضرورت واقعات میں امداد دینے کا وعدہ ہوا۔ جہاں دوسری کتابوں سے مدد ملی۔ اس طریقہ سے بھی کمال افادہ ہوا۔ مصنف مراۃ مسعودی ہی کے حوالہ سے ادریت کی عجیب و غریب باتیں متعلق دریافت مراتب سلطان الشہداء و نسب نامہ سلطان الشہداء مذکور ہیں۔

~~~~~~~~~~

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

سلطان باہوؒ اوال اعوان گوڑہ گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلطان باہوؒ کے والد سون سکیسر کے علاقے کے گاؤں انگہ میں شاہنشاہ دہلی کی طرف سے اعوان کاری کے علاقہ دار تھے۔ ان کا نام بازید محمدؒ تھا۔ عالم اور درویش صفت تھے۔ بادشاہ کی منصبداری چھوڑ کر ملتان کی راہ لی۔ اور ملتان کے حاکم کے پاس رہے۔ حاکم ملتان اور راجہ امروٹ کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ تو بازید محمدؒ نے راجہ امروٹ کا سر دربار میں کاٹ کر لائے اور کسی کو ان کے رعب کے آگے جرأت نہ ہوئی۔ کسی نے یہ شعر بھی کہا ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دق نیست!

اور کتابوں میں یہ طویل قصہ روایت ہے۔ اور کراماتی واقعہ ہے۔ پھر آخر کار بازید محمدؒ نے وطن کو رجوع کیا۔ اس کے صلہ میں قصبہ شورکوٹ ضلع جھنگ میں کچھ جاگیر مہمانوں کے خرچ کے لئے منظور فرمائی۔ اور باقی سے انکار کر دیا۔ یہیں سلطان باہوؒ پیدا ہوئے۔ سلطان باہوؒ کے ذکر میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف شدہ ملتی ہیں۔ اور یہ خود بھی مصنف تھے۔ ان کے خلفاء نے انکی ایکسو چالیس تصنیفات کو جمع کیا۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

عین الفقر کبیر، عین الفقر صغیر، عین الفقر متوسط، بیدار کبیر، بیدار صغیر، کلید التوحید کبیر، کلید التوحید صغیر، تمییز الرحمٰن، مجالستہ النبی، محبت الاسرار، اسرار قادری، توفیق الہدایت، تیغ برہنہ، مجموعۃ الفضل، محک الفقر کبیر، محک الفقر صغیر، فضل اللقاء، شمس العارفین۔ دیوان باہو کبیر، دیوان باہو صغیر، رسالہ روحی۔ اورنگ شاہی، امیر الکونین، جامع الاسرار، مفتاح العاشقین، قرب دیدار، نور الہدیٰ، عین نما، قطب الاقطاب۔ محکم الفقراء، کشف الاسرار، محبت الاسرار، جامع الاسرار وغیرہ۔ ان تمام کتابوں میں فقر کے احوال اور مقامات کا بیان ہے۔ اور باتیں آپکی زیادہ تر کشفی ہیں۔
~~~~~~~~~~

ابتدا میں کھیتی باڑی کا کام شروع کیا تھا۔ دو دفعہ بیل خرید کر کھیتی باڑی شروع کی۔ فصل پکنے پائی تھی۔ کہ چھوڑ کر نکل گئے۔ ایک کراماتی قصہ اس وقت کا مشہور ہے۔ اور یہ مادرزاد ولی تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک خاندانی امیر سید جناب قرضدار اور مفلس ہو گیا تھا۔ سلطان باھوؒ کی خدمت میں دعا کرانے کیلئے حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نے ہل جوتا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر شکستہ خاطر ہو گیا۔ کہ جو خود بیلوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ میری مصیبت کا کیا علاج کر سکے گا۔ اپنی تکلیف سفر پر نادم ہو کر لوٹنے لگا۔ آپ نے ہل چھوڑ کر اسکو بلایا۔ اور نام و آواز سے پکار کر اتنے دور دراز کا سفر کیا۔ اور بغیر ملے واپس جا رہے ہو۔ اسباب سے اسکو تسلی ہوئی۔ لوٹ آیا۔ دردناک کہانی سنائی۔ آپ نے کہا میرا ہل چلاؤ۔ میں پیشاب کر لوں۔ جب آپ پیشاب سے فارغ ہو آئے۔ تو جس مٹی سے طہارت کر رہے تھے۔ ڈھیلے کو کھیت میں دے مارا۔ معاً مٹی کھیت کی ساری سونا بن گئی۔ آپ نے کہا اس سے بقدر ضرورت سونا اٹھا لے چنانچہ جو لے جا سکتا تھا۔ گھوڑے پر لاد دے گیا۔ دعائیں دیتا گھر واپس چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ پنجابی کا یہ شعر اُسی کا ہے ؎

نظر جنہاں دی کیمیا سونا کردے وٹ   قوم اُتے موقوف نہیں کیا سید کیا جٹ

جٹ کا لفظ شورکوٹ میں زراعت پیشہ لوگوں کے لئے ایسا مخصوص ہو گیا کہ حضرت سلطان باھوؒ کی اولاد کیساتھ اجتک اعوان کیساتھ کاغذات مال میں "اعوان جٹ" لکھا جاتا ہے اور یہی حال مظفرگڑھ اور ملتان کے اعوانوں کا ہے۔

۱۱۰۲ھ بروز جمعہ یکم جمادی الثانی بعمر ۶۳ سال فوت ہوئے۔ موضع قہرگان میں مدفون ہوئے۔ یہ موضع مع کئی ہزار بیگھہ زمین وچاہات اورنگزیب شاہ نے اخراجات کیلئے وقف کئے تھے۔ اور یہ خاندان بھی مثل اعوان خاندان کالاباغ و سہال تھے۔ اور علاقہ سون سکیسر کے رؤسا سے شمار ہوتا تھا۔ جو دہلی کے بادشاہوں کے دربار میں پشت بہ پشت اپنے علاقے کے منصبدار تھے، ستر سال آپ اسی جگہ مدفون رہے۔ جب لاہور میں سکھ حکومت قائم ہوئی۔ اور جھنڈا سنگھ و گنڈا سنگھ وغیرہ کا شورکوٹ وغیرہ پر قبضہ ہوا۔ تو آپکی اولاد اور درویش ہجرت کر گئے دریائے چناب مزار تک پہنچ گیا۔ آپکا صندوق مزار سے نکالا گیا۔ تو میلوں خوشبو پھیل گئی یہاں سے لے جا کر پیپل والے کنوئیں کی حویلی میں دوسری دفعہ دفن کئے گئے۔ دیکھنے والے کہتے

ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل فرما کر سوئے ہیں۔ یہ مزار و مقبرہ ۱۱۹۲ھ میں تعمیر ہوا اور یہ روایت کتاب حیات سلطان باھوؒ از حمید اختر صفحہ ۱۱۲ پر ہے۔ کہ ۱۵۰ برس گذرنے کے بعد دریا پھر مزار کے قریب پہنچ آیا۔ اور ۱۳۳۰ھ محرم میں نکالکر محفوظ کر لیا۔ اور پھر دوسرے مقام پر محل تیار کر کے چھ ماہ بعد صندوق دفن کیا گیا اور مثل پہلی دوسری بار خوشبو کا بھی عالم رہا۔ اور آج بھی زندہ کرامات کا ثبوت پیش ہو رہا ہے۔ اور ہزارہا خلق خدا کو فیض پہنچتا ہے۔ حضرت سلطان باھوؒ کی تصانیف تصوف و سلوک پر ہیں۔ جن میں بعض بہت ضخیم ہیں۔ ایک پنجابی اور ایک فارسی دیوان بھی ہے۔ اردو، فارسی، پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ سید عبدالرحمٰن دہلوی سے بھی کسب فیض حاصل کیا۔

باھو یعنی خدا کیساتھ کے لفظ سے ہی انکے علو مرتبت کا انکشاف ہوتا ہے۔ متبع شریعت عالم تھے۔ اور اپنی تعلیمات میں اتباع شریعت پر زور دیا ہے۔ شعر۔

ہر مراتب از شریعت یافتیم   پیشوائے خود شریعت ساختیم

فارسی زبان کے چند ابیات۔ فرماتے ہیں:۔

یقیں دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ہو   ولا موجود فی الکونین لا مقصود الا ہو
چو تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری   مجو از غیر حق یاری کہ لا فتاح الا ہو
بلا لا الٰہ ہمہ لاکن بگو اللہ و اللہ چوں   نظر خود سوئے وحدت کن کہ لا مطلوب الا ہو
ہو الاول ہو الآخر ظہور آمد تجلی او   بذات خود ہویدا حق لا فی الکون الا ہو
الا اے یار شوقانی مگو ثالث مگو ثانی   ہو الواحد ہو المقصود لا موجود الا ہو

پنجابی شعر بھی ملاحظہ کیجئے:۔

اندر ہُو تے باہر ہُو وت باھُو کتھ لبھیندا ہُو
ہُو دا داغ محبت والا دم دم نال سڑیندا ہُو
جیتھے ہُو کرے رُوشنائی چھوڑ اندھیرا ویندا ہُو
دوہیں جہان غلام تھنیدے باھُو جیہڑا ہُو نوں صحیح کریندا ہُو

سلطان باھُوؒ نے چار نکاح کئے تھے۔ دو اپنی ہم قوم اعوان سے اپنی ہم کفو تھیں۔ ایک ہندو ساہو کار کی صاحبزادی تھیں۔ جو دیدار سے منور بہ سلام ہو گئیں۔ اور ایک بی بی مخدوم [illegible] کے خاندان سے تھیں۔ آپ کے ان بیبیوں کے بطن سے آٹھ فرزند ہوئے۔ اور ایک لڑکی تھی

نام یہ۔ (۱) سلطان نور محمد (۲) سلطان ولی محمد (۳) سلطان لطیف محمد (۴) سلطان صالح محمد (۵) سلطان اسحاق محمد (۶) سلطان فتح محمد (۷) سلطان شریف محمد (۸) سلطان حیات محمد اور لڑکی کا نام رحمت خاتون تھا۔ اورنگزیب بادشاہ کو اورنگ شاہی نام کتاب تصنیف کر کے بطور یادگار عطا فرمائی۔ آپکی کرامات کثرت سے مشہور ہیں۔ اور کتابوں میں درج ہیں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ ان کے بہت خلیفہ ہوئے ایک خلیفہ سلطان نورنگ عرف کھتراں مضافات قندھار کے خلیفہ صحابیؒ۔ سندھ میں گھوٹکے حضرت ابو صالح موسیٰ شاہ المعروف موسن شاہ گیلانی (روہڑی شکارپور) خلفائے مشہور سے ہیں۔

خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ

لفظ سیال کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ اسمیں ایک بزرگ کا نام سال تھا۔ اسکی اولاد اس کے نام پر سال سے سیال مشہور ہو گئی۔ خواجہ شمس الدینؒ زمان علی کھوکھر کی اکتالیسویں پشت پر تھے۔ چشتی مسلک کے بڑے نامی بزرگ گذرے ہیں۔ روضہ ان کا تمام پنجاب میں مشہور ہے۔ اور اس روضہ کے سجادہ نشین ملک میں بڑا احترام رکھتے ہیں۔

سوانح حیات حضرت عبد القادر رائے پوریؒ صفحہ ۱۹۹ پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، خواجہ شمس الدین سیالوی اور پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کا تذکرہ تھا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی جس وقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی خدمت میں بیعت کرنیکی غرض سے جارہے تھے۔ تو راستہ میں ان سے کسی شخص نے کہا کہ آپ تو سید ہیں۔ اور وہ جاٹ ہیں آپ انکے پاس کیوں جاتے ہیں؟ مہر علیؒ شاہ صاحب نے اسکو جواب دیا۔ میاں جاٹ سخی ہوا کرتا ہے۔ امید ہے کہ اس جاٹ کے پاس جاؤں گا تو خالی ہاتھ واپس نہ آؤں گا۔ اسی سیال قوم کے ایک بزرگ غلام محمد خان حافظ القرآن تھے۔ اور صوفی و دینی عالم تھے۔ جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ میں پونچھ ریاست کشمیر کو آئے۔

حافظ قادری۔ ابراہیم ساڑی والے۔ حافظ محمد عظیم وٹے پٹ ۔ بھی مشہور اولیاء سے گذرے ہیں جو اعوان قوم سے تھے۔ ان کے مزار کوہستان نمک شمالی۔ سون سکیسر پنجاب وغیرہ میں ہیں۔

شاہ شیر محمد شاہ قادری ۔ بارہ اعوانوں سے ولی اللہ مشہور ہیں۔ لدھیانہ پنجاب میں ان کا مزار ہے۔

شاہ یعقوبؒ و نصیر الدینؒ ۔ بھی بارہ اعوانوں سے اہل اللہ گذرے ہیں۔ مزارات لدھیانہ میں ہیں

بابا سجاول مشہور بہ بابا سجالف کھرکوٹ ہری پور ہزارہ

نام ان کا اصلی سجاولؒ تھا۔ سجاول سے سجالف مشہور ہو گیا۔ پرانے زمانے میں اکثر ایسے نام عوام کے منہ سے بگڑ کر نکل جاتے اور مشہور ہو جاتے تھے۔ اکثر شجرہ نساب میں بابا سجالفؒ لکھا ہوا ہے۔ دروازہ مزار پر سجاولؒ نام لکھا ہوا دیکھا گیا۔ اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ سجاول اور سجالف ایک ہی نام ہے۔ تاریخ اقوام پونچھ میں سجاول خان بھی پایا جاتا ہے۔ اور یہ خان کا لقب ہمارے ملک میں اکثر صاحب جائداد و ثروت کیلئے عام مستعمل ہو گیا ہے۔

بابا سجاولؒ مزمل علی کلگان پسر قطب شاہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب یوں پڑھنے نسبنامے میں ملتا ہے۔ سجاولؒ کھرکوٹ بن بیبایا (بھیو۔بھی) بن بابا موپال (مہاپال) بن بابا سائے (کالا) بن بابا کامل۔ بن سینہ شاہ (سہار) بن قیل شاہ (کلی) بن کلگان شاہ (مزمل علی کلگان) بن بابا قطب شاہ۔ الخ

ہزارہ کی اعوان برادری انکی نسل و اولاد سے کچھ زیادہ ہی نظر آتی ہے۔ کھیال۔ شدوال وغیرہ انہیں کی اولاد سے ہیں۔ جرل کلگان شاہ کے دوسرے بیٹے سلامت سے جدا ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ موجودہ کھرکوٹ کی بستی اصلی پرانی کچھ دور اوپر اونچی جگہ پر واقع تھی۔ اکثر اونچی جگہوں کو کوٹ کہتے ہیں۔ یا قلعہ کی جگہ کو۔ اور اکثر کوٹ نام سکھوں کی

یادگار و نام رکھنے سے بھی پڑا اور مشہور ہوگئے ہیں۔ خرکوٹ بھی شجرہ[۴] سلطان علی گوہر دیکھا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ بابا سجاول کی وجہ سے پرانے زمانہ میں "کھرے کوٹ" کے یاد کیا جاتا ہو۔ اور بعد کو بگڑ کر یا جلدی نام لینے کی وجہ سے (ی) حذف ہوکر کھرکوٹ رہ گیا ہو۔ اور جب سکھوں کو یہاں بڑی سندھ میں (جن کا بیان آگے آئے گا۔ بابا سجاول کے مزار پر پناہ وامن میں بچ جانے کی وجہ سے کھرے کوٹ سے مشہور ہونا زیادہ اغلب ہے۔

کھرکوٹ ہری پور سے آگے شمال مغرب درنبد روڈ پر ۱۵ یا ۱۶ میل کے فاصلے پر بر لب سڑک واقع ہے۔ متعدد روایات سے ان کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ انکی والدہ ماجدہ صاحبہ بی بی چمن جان (جن کے نام پر لب تناول میں چمن جان نام موضع مشہور آباد ہے اور وہیں مائی صاحبہ کا مزار بھی ہے[۱]) بعد وفات انکے شوہر یعنی بابا سجاول کے والد کے اپنے دیور سے ناراض ہوکر اعوان کاری سے نکل کر سیری مشانہ علاقہ تناول چلی آئیں۔ اور محنت مزدوری کرکے گذر اوقات پر قناعت کی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن وہ گندم کاٹنے والوں کے پیچھے پڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے خوشے (جنہیں ہند کو زبان میں "ڈاڈے" کہتے ہیں) جو فصل کی کٹائی میں اکا دکا کھیت میں بکھرے پڑے ہوتے ہیں، چن رہی تھیں (یعنی ہمارے زمانہ و زبان میں جسکو "سلہ" کرنا کہا جاتا ہے) اور ان ایام میں بابا سجاول ماں کے پیٹ میں تھے۔ ابر کا ایک ٹکڑا انھیں گندم کاٹنے والوں پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ اور گرد نواح ایسے سخت دھوپ اور گرمی پڑ رہی تھی۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ گندم کے کھیت کے مالک خان پٹھان نے حال جانچنے کیلئے سب کام کرنیوالوں کو اس سایہ دار کھیت سے باہر دھوپ کی طرف نکل جانے کو کہا۔ تاکہ معلوم ہو کہ سایہ کس کی وجہ سے یہاں پڑ رہا ہے؟ وہ سب نکل گئے۔ مگر ابر بدستور مائی صاحبہ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ جس کھیت میں وہ خوشے چن رہی تھیں۔ مائی صاحبہ کی عظمت اُن کے دل میں بیٹھ گئی۔ خصوصاً خان مذکور

[۱] اینٹوں کا پرانا گنبد دار پختہ مزار ہے اور صرف ان کا ہی وہاں واحد اور اکیلا مزار دریا کے کنارے چھوٹے جیسے ٹیلے پر واقع ہے۔ وہاں کوئی دوسری قبر نہیں۔

بابا سجاول کے صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت کی اور انھیں اپنی کفالت میں رکھنے کی پیشکش کی۔ اور کہا کہ آپ نماز روزہ میں مشغول رہیں اور کام کاج وغیرہ ترک کر دیں۔ مگر کہتے ہیں کہ مائی صاحبہ نے محنت مزدوری پر ہی قناعت کی اور کسی کے گھر بیٹھکر زندگی بسر کرنا گوارا نہ کیا[۱]۔

کسی بھی وقت بابا سجاول مع اپنی والدہ ماجدہ کے علاقہ پکھلی تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ موجودہ نوکوٹ کے متصل "شاہ داکنڈ" یا "شاہ دو کنڈ" بھی کہتے ہیں آگئے۔ اور بود و باش اختیار کرکے زراعت وغیرہ میں مشغول ہوگئے اور اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے کافی شہرت پائی۔

یاد رہے کہ گلی باغ۔ نوکوٹ، بھیڑ کنڈ، شنکیاری، مانسہرہ کو گذشتہ شاہان مغلیہ سے لیکر ترک اور سکھوں کے عہد تک کافی اہمیت و شہرت رہی ہے۔ گلی باغ علاقہ پکھلی کا صدر مقام رہا ہے۔ نوکوٹ، بھیڑ کنڈ وغیرہ میں ان کے فوجی کیمپ رہا کرتے تھے۔ اور یہاں سے دور دراز مقامات کی حفاظت فوج کشی وغیرہ کا انتظام کرتے۔

"شاہ داکنڈ"، "کنڈ" رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور شاہ معنی بادشاہ۔ یعنی بادشاہ کے رہنے کی جگہ۔ اور شاہ کا لفظ درویشوں پر بھی بولا گیا ہے۔ جو دنیا کی مال و دولت سے مستغنی ہوتے ہیں۔ اور حصہ کرامت اپنے پلے رکھتے ہیں۔ شاہ داکنڈ یہ جگہ و مقام ٹھیک نوکوٹ شہر سے جانب شمال قدر مشرق بلند سے نیچے دریائے سرن کے کنارے ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک اونچے ٹیلے۔ پر فضا مقام سرن کے کنارے واقع ہے۔ محل وقوع اور کمہار کے پکائے ہوئے مٹی کے برتنوں کے ٹوٹے پھوٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے ڈھیر بتا رہے ہیں کہ یہاں کسی وقت اچھی خاصی بستی بلکہ شہر آباد تھا۔ اور غالباً اُس جگہ سے ہٹ کر موجودہ شہر نوکوٹ آباد ہوگیا ہے۔ شاہ داکنڈ کہلانے اور یہ نام پڑ جانے کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے ایک تو یہ کہ ترکوں کو بھی شاہ کہتے تھے۔ جیسے محمود شاہ ترک جو وہ بھی گلی باغ نوکوٹ میں رہا ہے۔ غالباً شاہ داکنڈ کسی ترک حکمران نے پر فضا مقام و بر لب دریائے سرن جنگی فوجی، ضروریات کے پیش نظر ابتداً تعمیر کیا گیا ہو۔ اور حکمران جسے شاہ کہتے ہوں اکثر یہاں رہتا ہو۔ اور قرب میں ضروری بستی بھی بنائی گئی۔ اس وجہ سے اس مقام کا نام شاہ داکنڈ

[۱] یہاں سے آگے کی کڑیاں میں تلاش نہیں کرسکا۔ خواص۔

پڑا۔ اور مشہور ہو گیا۔ اور بابا سجاولؒ یہیں آکر رہ پڑے۔ اس سے بابا سجاولؒ کے قیام
چکھلی کے زمانہ کا بھی کچھ نہ کچھ تعین ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہاں سے واپس کھرکوٹ کا بھی یعنی
سکھوں کی آمد سے بہت پیشتر سید جلال بابا کے چکھلی فتح کرنے سے بھی کچھ پہلے اندازہ و
تخمینہ ہوتا ہے۔ بکتاریخ اقوام پونچھ سے ۳۰۰ سال سے اوپر کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ بابا سجاولؒ کے نام ہی سے اس مقام کو شاہ داکنڈ کہنے لگے،
اور گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ہی اس جگہ و مقام کو آباد کیا۔ اور رفتہ رفتہ بستی بڑھ
گئی۔ اور انکی شہرت و نام سے اس مقام کا نام شاہ داکنڈ پڑ گیا۔ جہاں انہوں نے اپنی
طویل عمر گذاری ہے۔

تیسری روایت یہ ہے کہ بابا سجاولؒ کے بیٹے شادا جنکی اولاد سے شروع آل ہیں
شادو کنڈ بولنے لگے و مشہور ہو گیا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ مابعد کے لوگوں
کو بابا سجاولؒ کے بیٹے شادا کی نسبت سے زیادہ باعث اشتباہ بن گیا۔ اور
شادو کنڈ سے منسوب کرنے لگے۔ میرے نزدیک سب سے پہلی وجہ زیادہ مستحسن اور
قرین قیاس ہے۔

شاہ کنڈ کے آس پاس وسیع آبپاش ہوتروں کا رقبہ ہے۔ جہیں فصل دھان
کاشت کی جاتی ہے۔ اور ہوتروں میں محنت مزدوری کافی کرنی پڑتی ہے۔
کہتے ہیں کہ بابا سجاولؒ بہ مشہور بابا شمالف نے یہاں آکر بیاہ شادیاں کریں اور اولاد
ہوئی اور اپنے آبائی پیشہ کسب زراعت میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہے۔ اور اولاد کی بھی
یہاں شادیاں کرائی گئیں۔ اور یہ زمانہ چکھلی میں رہائش کا آج تک کے لوگ بیان کرتے چلے
کرتے ہیں۔ اور یہ آئندہ ذکر کئے جانے والی روایتیں بھی گرد و پیش کے لوگ و مجاور زیارت
کھرکوٹ بیان کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد بابا سجاولؒ کو محسوس ہوا۔ کہ انکے بیٹوں کی اولاد کیوں
نہیں ہو رہی۔ تو اس بارہ میں یہاں ایک عام زبان زد لطیفہ روایت کیا جاتا مشہور ہے اس
طرح کہ بابا سجاولؒ نے اپنی زوجہ محترمہ کے ذریعے اپنی بہوؤں یعنی (نوحوں) سے دریافت اس
امر کی فرمائی کہ کیا وجہ ہے یا قصور ہے جو اولاد نہیں ہوتی۔ انکشاف یہ ہوا کہ بیٹے دن بھر کی
زراعت کے کاموں سے اس قدر تھکے ماندے ہوتے ہیں کہ انہیں چارپائی پر لیٹتے کروٹ بھی
بدلنا نصیب نہیں پڑتی۔ اور وہ نیند میں اپنے گرد و پیش سے بے خبر رہتے ہیں۔ یہاں اس مقام پر ایسی

روایت آتی ہے کہ جو مبالغہ آمیز اور عقل باور نہیں کرتی۔ مگر چونکہ لوگ آج بھی اسے بیباک
روایت کرتے ہیں۔ کہ بہوؤں نے اپنی ساس کو جواباً کہا۔ پانی کے کٹورے بھر کر رات کو انکی
چھاتیوں پر رکھا جائے۔ اگر حرکت کرنے پر پانی الٹ کر بہہ جائے تو قصور ہمارا ہوگا۔ اور
یہ الٰہی اسرار تھے کہ بابا صاحب کی روانگی کا وقت وہاں سے مقدر ہو چکا تھا۔

جب انکو یہ حال معلوم ہوا تو غصہ اور ناراضگی میں وہاں سے رخت سفر باندھا اور
گھوڑے وغیرہ تیار کرنے لگتے ہیں اور اب تک یہ روایت بڑے زور و شور سے
مشہور ہے کہ بابا سجاولؒ نے اسی غصہ میں گھوڑے کی ایک لگام (نام۔ باگ ڈور)
کو وہاں ہی اس زور سے پھینکا کہ وہ موجودہ مقام کھرے کوٹ میں ایک پلاس[1]
کے درخت پر آ اٹکی۔ اور فرمایا کہ جہاں یہ لگام پائی جائیگی وہی میرا مقام ہوگا۔ سبحان
اللہ کہاں شاہ داکنڈ نوکوٹ چکھلی اور کہاں کھرکوٹ تحصیل ہری پور ہزارہ کنارہ سندھ
کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اولیا راہست قدرت از الٰہ ! تیر جستہ باز گرداند ز راہ !

چنانچہ بابا سجاولؒ مع اہل و عیال وہاں سے رخصت ہو گئے۔ سب سے پہلے دھیر
باندی مترچھ آئے۔ کچھ روز قیام کیا۔ پھر وہاں سے کسی کلاں، وہاں سے ڈانڈری
تینتری، اور کھیری ہوتے ہوئے اس لگام والے مقام کھرکوٹ میں آپہنچے اور
بعض اولاد راستہ میں ہی اس مقام کے آس پاس جو تحصیل ہری پور میں واقع ہیں
سکونت گزیں ہوتی گئی۔ اور بابا اسی مقام پر فکر و ذکر میں مشغول ہو گئے۔ اور
یہیں سے انکی شہرت و کرامت میں اضافہ ہوا۔

انکی کرامات کے متعلق ایک تو یہی پہلی لگام والی روایت بیان کی جاتی ہے کہ بابا صاحب
نے جب لگام کو وہاں سے پھینکا تو اس درخت پر وہ سونے کی مانند چمکتی ہوئی سنہری لگام
نظر آئی مگر جب دیکھ کر درخت پر چڑھ کر کسی نے اتارنے کی کوشش کی تو وہی لگام
اژدھا بنکر دکھائی دینے لگی۔ اور ڈر کے مارے قریب نہ ہو سکے۔ اور چڑھنے کے بعد جلد

---

[1] چاری کی جگہ بیری کے درخت کی روایت بھی سنی گئی ہے۔ جبکہ لوگ کہتے بھی ہیں ایسے
کے درخت اب بھی وہاں موجود ہیں۔ اور یہی روایت بہ نسبت چاری کے درخت سے مقدم و راجح
معلوم ہوتی ہے۔ اور نشان بھی ملتا ہے۔ قوامی۔

بندر کے مارے درخت سے نیچے اتر جاتا۔

ایک دوسری روایت یوں مشہور ہے کہ جب سکھوں نے اول اول اس مقام کے قریب ہی گڑھی بنانے کیلئے بابا صاحب کے مزار کے اردگرد یا خود انکی مزار سے پتھر اکھاڑ کرلے جانے چاہے اور وہاں خچریں باندھیں اور بے حرمتی کی تو صبح خچروں کو مردہ پایا گیا۔

تیسری روایت بڑی سندھ (زبردست سیلاب) کے آنے میں جو ۲ جون ۱۸۴۱ء میں واقع ہوا۔ سکھوں نے بھاگ کر بابا صاحبؒ کے مزار میں پناہ لی تو سندھ کا وہ طوفانی سیلاب وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اور اس طرح مزار میں پناہ گیر سکھ جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ اکثر سکھ جو نیچے اور مزار سے دور تھے سب غرق ہوگئے۔

ایک چوتھی روایت یہ بھی زیارت پر مجاور روایت کرتے ہیں کہ جن مال مویشیوں کو "پیلا" کی مرض ہو وہاں سے لوگ لکڑی کا کھونٹا لے جاتے ہیں اور بیمار جانور کو اس سے باندھتے ہیں تو ایسے جانور کو بحکم خدا مرض سے شفا مل جاتی ہے۔

اب بھی ہر جمعرات و جمعہ کو دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں عقیدت مند مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ اور نذر و نیاز و شکرانے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بابا صاحبؒ کی قبر پر "اولاد نرینہ" اور مائی صاحب کی قبر واقع چندور پر گلے کی مہلک بیماری "ہجیروں" وغیرہ کی صحت یابی کی مجرب روایات رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ٹھیک اور راس آئی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کہتے ہیں مقام کھیری میں ناڑے اور گھنے درختوں کا جنگل ہے۔ دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا گماں ہوتا ہے اور آدمی وہاں پہنچکر دہشت زدہ ہوجاتا ہے کہا جاتا ہے کہ واپسی پر بابا صاحب کا وہاں قیام رہا۔ اور یہاں کی سنگلاخ پہاڑی میں آپکی برکت سے چشمے اب بھی جاری ہیں۔ اور بمقام تھاتھی ملک اسلم قدیمی شدہ ال اعوان، خاندان کے پاس بابا سجاولؒ کی بندوق اب بھی محفوظ چلی آتی ہے۔ زچگی کی تکالیف رفع کرنے کیلئے بندوق کے دستے (کندے) کو دھو کر پانی پلاتے ہیں۔

اکثر اعوان بستیاں تناول گڑھیاں میں سال میں ایکبار ان ہرسہ تحصیلات ہریپور، ایبٹ آباد، مانسہرہ میں اپنے اپنے گھروں میں باوضو ہو کر اہتمام کیا تھا مکان وغیرہ لیپ کر چندہ اکٹھا کرکے یا انفرادی طور پر اپنی حسب توفیق سوج (سوجی) (انکے روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر ایک قسم کی خیرات) کے نام سے نہایت ہی پاکیزہ ماحول میں ذکر و اذکار کے ساتھ کھانا پکا کر غرباء کو کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں

غرض بابا ریحا نف، سجاولؒ مزمل علی کلگان کی اولاد سے ہمارے ضلع ہزارہ کے اعوان قدیم سے اونچے درجے کے اولیاء اللہ شمار ہوتے ہیں۔

یہ تحقیق نہیں کرسکا کہ مائی صاحبہ کچلی سے واپسی کے بعد موضع چندور کیوں اور کس طرح جدا ہوگئیں۔ شاید وہیں پہنچکر داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہو۔ چندور کھرکوٹ سے کوئی آٹھ یا نو میل دور جانب شمال مشرق تناول میں ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ واضح ہوتا ہے کہ مائی صاحبہ نے طویل عمر پائی۔ اور یا پھر ابتداء ہی سے یہاں فوت ہوگئی ہوں۔

بابا سجاولؒ کے مزار کا اندرونی احاطہ

بابا سجاولؒ کھرکوٹ کے مزار کے اردگرد دس بارہ فٹ کی اونچی پختہ دیوار لگا کر ٹھیک جانب جنوب سے ایک بڑا دروازہ داخل ہونے کو لگایا گیا ہے۔ اس دیوار اور احاطہ کو پختہ کئے جانیکی پندرہ سولہ سال کی مدت مجاور زبانی بیان کرتے ہیں۔ اعوان بستیوں سے چندہ جمع کیا گیا تھا۔ پہلے سکھوں کے وقت سے کچی چار دیواری سے احاطہ گھرا ہوا تھا۔ احاطہ کے اندر اس وقت تک صرف پانچ قبریں ہیں بابا صاحبؒ کی پشت مشرق کی جانب ان کے کسی لڑکے کی قبر ہے۔ اور بابا صاحب کی قبر کے منہ کے آگے جو کچھ علیحدہ جانب مغرب واقع ہے۔ بابا درب کی قبر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ چونکہ بابا سجاولؒ کے خدمتگار خصوصی اور نقارہ بجانے والے میراثی تھے۔ مجاور روایت کرتے ہیں کہ پہلی سلامی بابا درب کی کرنیکو بابا سجاولؒ نے فرمایا ہے۔ تاکہ بابا صاحب کی طرف سے حق الخدمت پہلے ادا ہو۔ بابا صاحب کی قبر کے پاؤں کی طرف جنوب میں دو بڑی قبریں اور ہیں جو یکجا ساتھ واقع ہیں۔ مجاور بیان کرتے ہیں کہ ایک قبر بابا سجاولؒ کی زوجہ محترمہ کی ہے۔ اور ایک انمیں بابا درب کی بیوی کی قبر ہے۔ مگر انکی شناخت کہ کونسی قبر خود بابا صاحب کی بیوی کی اور کونسی بابا درب کی بیوی کی ہے۔ اس وقت مجاور جو حاضر تھے شناخت کرنے اور کرانے سے قاصر رہے۔ احاطہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ پانی کا انتظام بھی ہے۔ وہاں مسافر نماز ادا کرسکتے ہیں۔ ہوٹل اب تک کوئی نہیں۔ مجاور روٹی بسترہ حتی المقدور مسافروں کو مہیا کردیتے ہیں۔

مجاوروں کا حال

مزار کے نزدیک جانب جنوب سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی مجاوروں کی ہے۔ مجاور اپنے کو اعوان ہی بتاتے ہیں۔ مگر کوئی بھی آ

ہیں بابا سجاول کی اولاد سے نہیں مجاوروں کا ذریعہ معاش ہزارہ کی اعوان بستیوں سے فصل بہ فصل دانہ غلہ بشرنی شکرانے اکٹھے کر لاتے ہیں۔ اور کچھ محنت مزدوری بھی کر کے گذر اوقات کر لیتے ہیں۔ کوئی مستقل سیری یا جائداد مزار کے ساتھ نہیں۔ حالانکہ اردگرد بیشتر زراعتی اراضی موجود ہے۔ اور کافی گندم کی پیداوار ہوتی ہے۔

ان مجاوروں نے ہزارہ کی اعوان بستیوں کو آپس میں گن گنا کر بانٹ رکھا ہے۔ گویا یہ انکی جدی وراثت ہے۔ جس کو وہ ایک دوسرے پر فروخت، بیع رہن بھی کر سکتے ہیں۔ ان بستیوں میں سے کسی ایک کا بھی کوئی آدمی وہاں مزار پر زیارت کیلئے جائے۔ اور اگر وہاں رات گذارنی پڑ جائے تو وہ شناخت نکالکر جس کے حصہ کی بستی کا آدمی ہو وہ اسے مہمان بنا لیتے ہیں۔ بستر، چارپائی اور روٹی حسب توفیق مہیا کرتے ہیں۔ اور جملہ نذر و نیاز کا ان سے وہی حقدار سمجھا جاتا ہے۔ جس کا وہ مہمان ہو۔ ہوٹل کوئی نہیں۔ کریانہ سودا سلف کی ایک دکان ہے۔ بستی کے ترقی کے امکانات قریب نظر آتے ہیں۔

موجودہ مجاوروں کے گھروں کی تعداد بارہ بیان کی جاتی ہے۔ اور موجودہ مجاوروں کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) بابا صفی اللہ جو ان سب مجاوروں میں معتبر ستر پچھتر سال عمر کے لگ بھگ ہوگی۔ نماز گذار ہے۔ ایک قلمی شجرہ بھی لکھا ہوا اس کے پاس محفوظ ہے۔ کہتا تھا کہ گولڑہ شریف سے لکھا کروا گیا ہے۔ اور بابا سجاول کی قبر پر بھی وقتاً فوقتاً جاکر پڑھتا پڑھاتا معلوم ہوا۔ اور سب سے معمر ممتاز اور سرپنچ مانا جاتا ہے۔

(۲) عزیز الرحمان (۳) غلام حسین (۴) بہادر علی (۵) عبدالرحمان (۶) علی زمان سائیں (۷) غلام حسین ثانی (۸) نذر حسین (۹) حاجی احمد (۱۰) شیر بہادر (۱۱) فضل حسین (۱۲) عبدالغنی۔

بابا سجاول کی اولاد کا احوال :- ان کے بیٹوں کی تعداد و قبروں کے مقام میں اختلاف ہے۔ اور کچھ بھائیوں کا آپس میں اختلاف اور بہادری کی روایتیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔ ہزارہ سے گھر کوٹ کو جب سفر کرتے ہیں تو گھر کوٹ کے قریب جانب ہرمپور راستے کے کنارے ایک تربت دکھائی دیتی ہے۔ جسے بابا تاج گوہر کی زیارت کہتے ہیں۔ مجاوروں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بھی بابا سجاول کے فرزندوں میں سے کسی ایک فرزند کی قبر ہے۔ یا ان کے فرزندوں کی اولاد میں سے کسی ایک کی قبر ہے۔

بابا سجاول کے بیٹے شاد جن کے متعلق زبانی روایت آئی ہے کہ وہ کشمیر چلے گئے تھے، ان کے متعلق تاریخ اقوام پونچھ میں نشان ملتا ہے قطب شاہ کی بحث کرتے ہوئے مصنف مذکور نے لکھا ہے کہ اسی قطب شاہ کی پندرھویں پشت میں سادم خان بن سجاول خان علاقہ پکھلی ہزارہ سے پونچھ کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ جسکو سنگولہ حنفیوں کے قول کے مطابق چار سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اور لکھا ہے کہ انکی اولاد پکھلی ہزارہ میں موجود ہے اور یہ درست ہے۔ شجرہ نسب جو آج تک میری نظر سے گذرے ہیں ان میں بابا سجاول کے تین لڑکے ہی ظاہر کئے گئے ہیں۔ بابا شاد۔ بابا انب۔ بابا پڑل۔

بابا شاد ہزارہ میں نام لیا جاتا ہے۔ اور پونچھ میں سادم خان بن سجاول خان جسکی اولاد کو وہاں بوجہ تلفظ سادم خان کے سادوال اور ہزارہ میں شادو کے لفظ سے شدوال مشہور ہوئی۔ سادوال اور شدوال میرے نزدیک ایک گوت ہے۔ مقاموں اور تلفظ کے لحاظ سے جدا جدا گوتیں نظر آتی ہیں۔

بابا انب کی اولاد سے کھیوہ ہوئے۔ جنکی اولاد کھیال گوت سے مشہور ہوئی۔ ایک آدھ نسب نامے میں بابا سجاول کے ایک بھائی نیل سینھ ظاہر کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بعد میں اعوان کاری سے یہاں آئے ہوں۔ مگر پچھلے اوراق میں بابا سجاول کی جو سر گذشت وغیرہ بیان ہوئی ہے۔ جس کا دارو مدار صرف زبانی روایات سینہ بسینہ پر رہا ہے۔ وہ اس روایت کو درست تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور بعد میں آنے کی روایت بھی اب تک نہیں سنی گئی۔ نیل سینھ کی اولاد سینیال کہلائی۔ مگر یہاں ہزارہ میں کم مشہور ہوئی شاید آگے جاکر نسل منقطع ہوگئی ہو۔ یا انکی زندگی ہی فوت ہوگئی۔ اسی وجہ سے بعض ان کا لاولد ہونا کہہ گئے ہیں۔

نسب ناموں کا ملانا ذاتی خیال سے تو نہیں ہو سکتا۔ مگر تاریخ میں قیاس کو دخل ضرور ہے۔ اور دخل کیلئے کچھ شواہد بھی کم از کم ہوں۔ تب قیاس کچھ معنی رکھتا ہے۔ اس بنا پر میں صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ نیل سینھ جن کا اصلی نام نلسی خان تھا۔ سادم خان وغیرہ کے چوتھے بھائی بابا سجاول کی اولاد سے تھے۔ یہ نلسی خان اپنے بھائی سادم خان کے ہمراہ پونچھ گئے یا کچھ آگے پیچھے اور انکی اولاد ضلع مظفر آباد میں ہے۔ جس کا مفصل ذکر تاریخ اقوام پونچھ میں مذکور ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے اولاد یہاں کم مشہور ہوئی۔ کہ وہ یہاں سے

چلے گئے تھے۔ اور اسی قول کی تائید تاریخ مذکور کرتی ہے۔ فافہم وتدبر۔

خواجہ احمد یسوی ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ نسب ان بزرگ کا بھی حضرت محمد بن الحنفیہ بن علیؓ سے ملتا ہے۔ اور بیان نسب نامہ گزشتہ نمبر ۲۶ پر درج ہو گیا ہے۔ یہ خاندان بزا عرصہ ترکستان رہا۔ ان کے فرزند ہری پور پرگنہ دیوی آباد آئے اور وہاں موجود ہیں۔

حضرت اسماعیل "آتا" (عطا) بن ابراہیم عطا برادر زادہ خواجہ احمد یسوی جو خواجہ اسحق بن اسماعیل اپنے باپ کے خلیفہ ہیں۔ یسی بلاد ترکستان میں ہے۔ یہ وہاں بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ انکی وفات ... میں ہوئی۔ انکی اولاد اور نسل سے صاحبزادہ میجر نور محمد شاہ جن کے والد حکومت کابل سے اختلاف کے باعث اپنی مشرقی افغانستان کی سکونت ترک کر کے کشمیر چلے گئے تھے۔ اور مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ کے دربار سے منسلک رہے۔ کتاب نور کہستانی ہم تصنیف کی ہے۔ جس میں شجرہ مذکورہ عنوان شجرہ جات سلسلہ ۲۶ پر درج کیا گیا۔ ان کے چار بیٹے بڑے نامور گزرے ہیں۔ منصور آتا سعید آتا سلیمان آتا حکیم آتا۔ آتا ترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔ اور اولیاء کو بھی اسی نام سے پکارتے ہیں۔ اور ترک انکو آتا یسوی کہتے ہیں۔

ذکر شمس العالم الاشان در منازل حضرت جال معدن علوم لدنی پرورش لطف رسول مدنی شمس الدین ترک قدس سرہٗ علوی

آپ خلیفہ حضرت شیخ علی احمد صابر کے تھے اور گنج شکرؒ سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شان

تذکرہ اکبری جلد سوم ص ۱۶۷

بزرگ کرامات وافر رکھتے تھے۔ ہمیشہ ریاضات اور مجاہدات اور تصفیہ باطن میں مستغرق رہتے تھے دنیا اور رسم دنیا سے مستغنی رہتے تھے۔ اور جو کچھ زبان سے نکلتا تھا۔ فوراً اس کا ظہور ہوتا تھا۔ سلسلہ نسب آپکا اس طرح ہے۔ یعنی شیخ شمس الدین ترک بن سید احمد بن سید عبدالمومن کہ فرزندان حضرت خواجہ احمد یسوی کے تھے۔ نسب آپکا حضرت محمد حنیفؒ بن حضرت علیؓ سے ملتا تھا۔ صاحب سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ شاہ ولایت پانی پتی کے تھے۔ اور جائے مولد آپ کا ترکستان ہے (اسی سے ترک کہنے کی وجہ سے کہا گیا)

صاحب اقتباس الانوار ناقل ہیں۔ کہ قبل از تشریف آوری ہندوستان کے ایک دفعہ ایک مجلس میں کہ اکثر مردم سادات جمع تھے۔ اور اکابر شہر بھی موجود تھے۔ ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ تمہارے سید ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ابا سے سنا ہے اور کہ نسب نامہ میرے پاس ہے اس نے کہا کہ اس کا ثبوت دشوار ہے۔ ہم کیونکر قبول کریں کہ وہ سند آپ ہی کی ہے۔ بات سنتے ہی آپکو جوش آیا فرمایا کہ یہ موقوف رکھو۔ سید کی داڑھی کا بال بھی آگ میں نہیں جلتا۔ ہم تم دونوں آگ میں گھسیں جو جل گیا وہ سید نہیں۔ اس سے بہتر کوئی اور دلیل نہیں۔ آخر تنور گرم میں آنحضرت گھس گئے۔ شعلہ آتش فرو ہو گئی اور کرامت کا واقعہ طویل مذکور ہے۔ تنور سے پانی کا نکلنا آنحضرت کا وضو کرنا۔ اور پھر اس شخص کا داخل آگ ہونا جلنا اور فریاد کرنا، بچا لینا وغیرہ مذکور ہے۔ فلیرجع الیہ

صاحب مرۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ حضرت بمقام ترکستان۔ علوم معقول ومنقول منطق ریاضی، ہیئت، ہندسہ وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ بہ طلب مرشد کامل۔ گھر چھوڑ آخر کار ہندوستان پہنچے۔ بابا گنج شکر سے بیعت کی۔ اکثر احوالات عجیب خوارق عادات مثل اولیاء ظاہر ہوئے دوسری سند حضرت شیخ علی احمد صابر سے حاصل کی۔ اور پانی پت کی طرف جانے کا قصہ و احوال مذکور رہا۔

صاحب سیر الاقطاب نے لکھا ہے کہ شیخ شمس الدین واسطے پردہ کے سلطان غیاث الدین بلبن کے مصاحبوں میں نوکر رہے۔ اپنے کمال کو لباس اغنیاء میں پوشیدہ رکھا اور جب وہاں بھی شہرت ہو گئی۔ تو وہاں سے نکل پڑے اور پھر اپنے پیر سے ملاقات کر کے پانی پت جا رہے۔ بو علی قلندر شاہ سے ملاقات وغیرہ کے احوال عجیب بیان ہوئے ہیں۔

کتاب مذکورہ بالا میں یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں کوئی شادی نہیں کی تھی۔ مگر

شہزادہ جاوید شاہجہانی میں سید صفدر خان حاکم اکبرآباد معزول ہو کر وطن کو جاتے تھے۔ پانی پت پنجاب وارد ہوئے۔ روضہ پر زیارت کیلئے آئے۔ آپکا نام و نشان دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ سنتے ہی صفدر خان روئے اور کہا کہ میں ہندوستان، بہ صرف انہی کی زیارت کو آیا تھا۔ مگر مزار کا پتہ نہ ملتا تھا۔ میں حضرت کی اولاد سے ہوں۔ اور پاس نسب نامہ دستخطی حضرت کا انکا مگر مجاوروں کو دکھایا۔ انہوں نے آپکی تحریرات سے اس کا مقابلہ کیا مطابق پایا۔ سید صاحب نے کہا آپ نے ترکستان میں شادی کی تھی۔ سید احمد پسر تولد ہوئے جو شریف اوری کے سید احمد سے بہت اولاد ہوئی۔

پھر جب سید صفدر خان کی عالی نسبی کا شہرہ ہوا۔ تو شاہ جہان نے انکو صاحبزادہ سمجھ کر دیگر کابل اور قندھار کا صوبہ دار بنا دیا۔ وفات خواجہ شمس الدین ترک باتفاق مؤرخان ملا شتہ میں ہوئی۔ جعض نے شتہ ھ میں وفات لکھی۔ اور صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ وفات معلوم نہیں۔ مگر ہمعصر شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ روضہ متبرکہ زیارتگاہ عام و خاص پانی پت میں ہے۔ خلیفہ آپکے شیخ جلال الدین پانی پتی ہیں۔ مفصل احوال کیلئے کتاب مذکورہ کی طرف رجوع کریں۔ (تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان مکمل سہ حصہ۔ مصنفہ مرزا محمد اختر دہلوی۔ سید محمد عبداللہ بیتی والے۔ نولکھا بازار لاہور اتحاد پریس) ص ۱۸۱ تا ۱۸۲، ۲۷۔)

حاجی فقیر اللہ صاحب شکارپور سندھ

حاجی فقیر اللہ صاحب بن عبدالرحمٰن علوی جلال آباد کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں رتفاس میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب محمد بن الحنفیہؓ کی وساطت سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ حاجی صاحب علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ انہیں شاہ محمد مسعود پشاوری اور حاجی محمد سعید لاہوریؒ کی جانب سے چاروں طریقوں کی اجازت حاصل تھی۔ وہ باوجود یکہ وحدت الوجود کے عقیدے کے شیخ محی الدین ابن العربی کے حامی اور مخدوم محمد معین جیسے "ہمہ اوست" کا نعرہ بلند کرنے والے مسلک کے پابند تھے۔ لیکن پھر بھی آپ وحدۃ الشہود "ہمہ از اوست" کے قائل تھے۔ سندھ

کے فرمانرواؤں میں میاں نور احمد کلہوڑہ کا فرزند میاں سرفراز انہیں کا مرید اور عقیدتمند تھا۔ اسی طرح بلوچستان کی ریاست قلات کا والی میر نصیر خان بروہی بھی ان کے مریدوں کے زمرے میں داخل تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے جب سندھ پر فوج کشی کی تو وہ بھی حاجی صاحب کے فیض اور فیاضی کی خبریں سنکر آنکی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ضلع سکھر کے کتنے ہی دیہات انہیں لنگر کے اخراجات کیلئے عطا کئے۔ جو آج تک پٹہ کی صورت میں آنکی اولاد کے نام پر چلتے آتے ہیں۔ اور انکی مالگذاری میں سے انکو حصہ ملتا ہے۔ حاجی صاحب ایک جید عالم اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ انکی تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل کتب مشہور ہیں۔ (۱) قطب الارشاد (۲) طریق الارشاد (۳) جواہر الاوراد (۴) تکمیل المؤمنین والاولاد (۵) فتوحات غیبیہ۔ شرح عقائد صوفیہ (۶) فتح الجمیل فی مدائح الجمیل (۷) فتوحات الہی (۸) براہین النجات من مصائب الدنیا والعرصات (۹) منتخب الاصول (۱۰) وثیقۃ الاکابر (۱۱) قصیدہ مبرورہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ حاجی صاحب کے زندہ جاوید شاہکار ان کے مکتوبات ہیں جنہیں انکی اولاد میں سے ایک فرد فرید میر علی نواز علوی نے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔ جہاں یہ حاشیہ نقل کیا ہے۔ اسی کے متن کتاب میں لکھا ہے کہ حاجی فقیر اللہ بلہڑے ہیں (یعنی غیر سندھی، کاظمی) لیکن طویل عرصے یہاں کے لوگ انہیں سے رجوع کرتے ہیں۔ پیری مریدی اور تعلیم کے سلسلے کو انہوں نے حد تک پہنچایا ہے۔ بیشک یہ صاحب حال اور اعلیٰ صفات سے ممتاز (بزرگ کاظمی) ہیں۔ وہاں کے حاکم انکی خدمت میں مریدانہ ارادت رکھتے ہیں۔ وہ بادشاہ کو پہچانتے ہیں (یعنی قدر شناس ہیں) اور اوامر و نواہی کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ لوگ ان کے بڑے معتقد ہیں۔

یہ مقتدر بزرگ ۳ صفر ۱۱۳۵ھ کو شہر شکارپور میں انتقال فرما گئے۔ ان کے شاگرد میر محمد وفا ٹھٹھوی نے ایک قطعہ تاریخ کہا جو ان کے گنبد پر نقش ہے قطعہ

ولی غوث خدا حاجی فقیر اللہ! شد مخلد بے نشیں الی الابد
وفا مہ و شب تاریخ وقت وصال بگو سوئم صفر نصف لیلۃ الاحد

انکا روضہ شکارپور میں "ہاتھی در" کے اندر خواص و عوام کی زیارتگاہ ہے (منقول از تحفۃ الکرام اردو ترجمہ حاشیہ و متن ص ۴۲۲-۴۲۴ تصنیف میر شیر علی قانع ٹھٹھوی۔ مترجم اختر رضوی سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ طبع ۱۹۵۹ء از مکتوبات سید غلام حسن شاہ کاظمی حال میرپور آزاد کشمیر)

قاضی شمس الدین صاحب سیدپوری آزاد کشمیر

اعوان نعرآ کے عنوان کے تحت راقم سطور ہٰذا کی یہ خواہش رہی، کہ جو بھی حضرات مجھے اس فن میں ملیں گے مستند حالات اختصاراً درج کرنیکی کوشش کرونگا۔ حلقہ احباب کا شکر گذار ہوں کہ میری استدعا پر خود قاضی صاحب موصوف کے فرزند عبدالحئی صاحب گیرداں ہیڈ حال مدرس ہائی سکول بنبل کی وساطت اور قلم سے نکلے ہوئے مختصر ذکر کرنیکی توفیق ملی۔ قاضی عبدالحئی صاحب بھی بہمہ وجوہ صفات سے موصوف ہیں۔ تقویٰ و دینداری کے سختی سے پابند ہیں۔ چونکہ یہ ان کا مستند مقالہ ہے جوں کا توں نقل کر دیا گیا۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے!

آپکی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ آپکی عمر مبارک سے اندازہ لگاتے ہوئے ۱۸۹۰ء آپکی تاریخ پیدائش ہو سکتی ہے۔ (یہ گمان کی جا سکتی ہے) اعوان قطب شاہی اور شجرہ نسب امام حنیفؒ (محمد بن الحنفیہؒ) پسر حضرت علی رضی اللہ سے جا ملتا ہے۔ کئی پشتوں سے عالم چلے آتے ہیں اور اب تک انکی اولاد میں علم دین کی روشنی باقی ہے۔ آپکا گاؤں آزاد کشمیر ضلع و تحصیل مظفرآباد و علاقہ کھوڑی مقام خاص سیدپور ہے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و نظم پر مطلق دسترس عبور رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت فقیر محمد صاحب سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ جو کہ سیدپور ہی میں مدفون ہیں۔ بیعت سے لیکر مرشد کی وفات تک مرشد کے حجروں میں رہے۔ کیونکہ مرشد کی خانقاہ بالکل قریب تھی۔ آپ اپنے مرشد کے خلیفوں میں سب سے بڑے خلیفہ تھے۔ جن کے فیض سے بہت دور دور تک خداوند تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو فیضیاب کیا۔ چنانچہ علاقہ الاقی (جدید پاکستان) سے آپکے ایک مرید حج کیلئے تشریف لے گئے۔ اور مکہ شریف میں کوئی صاحب ان سے بیعت ہو گئے۔ حج سے واپس آکر یہ واقعہ انہوں نے آپکے سامنے ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ یہ چیز (یعنی طریقت) مکہ ہی سے چل کر ہم تک پہنچی تھی؛

بہت اچھا ہوا کہ پھر لوٹ کر وہاں پہنچ گئی۔ آپکے فرمودات:۔ فرمایا کرتے کہ ولایت کوئی کسبی چیز نہیں کہ سیکھنے سیکھتے ولی بن جائے۔ بلکہ یہ ایک وہبی چیز ہے۔ خداوند تعالیٰ جسے چاہیں ولی بنا دیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللّٰہ۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ یہ موروثی بھی نہیں کہ باپ مرے تو بیٹا ولی اور بیٹا مرے تو پوتا ولی۔ ولی کی اولاد میں سے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو چاہیں گے تو ولی بنائیں گے نہ چاہیں گے تو نہیں بنائیں گے۔ نیز فرماتے کہ ماسوا اللہ اللہ کو ختم کر کے انسان اللہ کو پاتا ہے۔ جب تک اسکے دل میں غیر کی محبت ہو گی، خداتعالیٰ کی محبت ہرگز نہیں آئیگی۔ اور یہ بھی فرماتے کہ فرائض الٰہیہ کی ادائیگی کے بعد طریقہ نقشبندیہ میں خداتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے تمام اوراد سے بڑھ کر تصور اسم ذات (اللہ) ہے۔ اور یہی مقصود عبادت ہے۔ نقشبند کی تعریف ہی یہی ہے کہ تمام باطل نقوش کو لوح دل سے مٹا کر بس ایک ذات باری تعالےٰ کا نقش قائم کرے۔ اسی لئے خاندان نقشبندیہ میں تصور اسم ذات کیلئے یہ قاعدہ وضع کیا گیا ہے۔ کہ ؎

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند — گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

معمولات:۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد مثنوی مولٰنا رومؒ۔ دیوان حافظ پند نامہ، شیخ فرالدین عطار زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ کیونکہ آپکو فارسی زبان سے بہت لگاؤ تھا۔ کبھی خلوت اور کبھی جلوت میں مثنوی مولٰنا روم نہایت سوز سے پڑھا کرتے۔ اور رویا کرتے، اور حاضرین بھی روتے۔ ایک دفعہ پند نامہ میں جہاں کہ حضرت شیخ عطار نے نفس کشی کا علاج بتایا ہے پڑھ رہے تھے کہ شعادل میں یہ خیال آیا۔ اور زبان فارسی میں اپنا منظریہ یوں منظوم فرمایا۔

نفس نتواں کشت جز فضل خدا — با تو گویم یاد گیر اے مرد راہ
نفس سرکش ہست چوں پیل دماں — کے کند زیر کش یکے از مرداں
عرض کن در بارگاہ ذوالجلال — تا شود ایں نفس سرکش پائمال
وما ابری نفسی گفت آں ماہ جہاں — من زنفس بدنفس یا بم اماں
گر شود فضل خدا بر من مدام! — تا کنم ایں نفس سرکش من بدام

کبھی کبھار تسبیح پر تسبیح بھی پڑھا کرتے نوافل میں تہجد ادا کرنے کے بعد وہیں مصلّٰی پر مراقبہ کی حالت میں صبح طلوع ہو جاتی تھی۔ دوپہر کو قیلولہ کسی قدر ضرور فرماتے۔ اور رات کو نماز عشاء کے بعد بہت جلد سو جاتے۔ تاکہ نماز تہجد ناغہ نہ ہو جائے۔

پاس سر سے پاؤں تک سنت کے مطابق گفتار، کردار، رفتار، غرضیکہ پوری زندگی کی ہر نقل وحرکت میں سنت نبوی کی بدرجہ اتم پیروی تھی۔ اپنے عقیدتمندوں، لواحقین اور اولاد کو بھی ہمیشہ پیروی سنت کی تائید فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے ''کہ جو طرز زندگی انسان کے لئے قدرت کو پسند تھا۔ وہ حضور کو سکھا دیا۔ اور حضور نے وہی طرز عمل اختیار کرکے امت کو بتا دیا۔ اسلئے ہمیں حضور کی ہی طرز زندگی اختیار کرکے اللہ تعالےٰ کو راضی رکھنا چاہیئے''۔ اللہ تعالیٰ نے آپکے فیض سے بہت دور دور تک مخلوق کو مستفیض کیا۔ آزاد کشمیر، ضلع ہزارہ کا بالائی حصہ، جدید پاکستان یعنی سندھ، ہزارہ اور آلائی میں بہت سے لوگوں کا تعلق غیر اللہ سے توڑ کر اللہ تعالےٰ سے جوڑا۔ اور اب تک رو بہ ترقی ہے۔

تقریباً چہتر سال کی عمر میں بتاریخ ۱۲ مئی ۱۹۴۳ء بدھ کی شب مطابق ۔ جمادی اول ۱۳۶۳ھ کو اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ اور اپنے مرشد کے مزار کے قریب ہی آپکو دفن کیا گیا۔ اللہ تعالےٰ درجات بلند فرمائے۔ اور ہمیں راہ شریعت کے چلنے پر استطاعت و توفیق فرمائے آمین۔

آپکے ایک مرید حاجی محمد اعظم گیروال نے جو ۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء کو فوت ہو چکے ہیں۔ اپنی شائع شدہ کتاب یادگار اعظم کے گوہر سوئم، چہارم میں حضرت شمس الدین صاحب کے ذکر عقیدت مرثیہ میں اشعار کہے ہیں۔ بخوف طوالت درج کرنے سے قاصر رہا۔ ان کے سلسلہ نسب کا شجرہ بابا قطب شاہ تک یوں ملتا ہے۔

عبدالرشید بن صاحبزادہ عبدالحی خان ڈھوڈیاں (گیروال) بن قاضی شمس الدینؒ سید پوری (آزاد کشمیر) بن قاضی محمد گل خان ۔ بن حافظ محمد خان ۔ بن خان محمد خان بن حافظ نور محمد خان ۔ بن حافظ غلام محمد خان ۔ بن دین محمد خان ۔ بن عباس خان ۔ شاہنواز خان ۔ بن محمد یار خان ۔ بن اللہ داد خان ۔ بن شاہنواز خان ۔ بن محمد نواز خان ۔ بن محمد اقبال خان ۔ بن محمد سکندر خان بن محمد اکبر خان ۔ بن محمد اللہ خان ۔ بن بہلول شاہ ۔ بن پیر بڈھا صیار شاہ ۔ بن پیر سجاول شاہ ۔ بن پیر زمان علی شاہ ۔ بن پیر قطب شاہ

صاحبزادہ شیخ محمد صدیق قریشی الہاشمی السندھی داتہ

باب الاعوان کے صفحہ ۲۲ حالات مرسلہ از محبوب شاہ داتوی تحصیل مانسہرہ میں ہے کہ صاحبزادہ شیخ محمد صدیق صاحبؒ۔ صاحب کرامت وخیر و برکت تھے۔ ملک سندھ سے تشریف لائے کسی سکھ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور یہیں داتہ میں مدفون ہوئے۔ اولاد سے قاری المشرب اور عالم باعمل ہیں۔ انکی جد سے چھٹی پشت پر صاحبزادہ شاہ احمد اور پانچویں پر شاہ محمد گذرے ہیں۔ شاہ احمد صاحب نے شیخ کدل کشمیر اور شاہ محمد میر عالم صاحب بڑیاروی صاحبزادہ محمد یونس و محمد حنیف کنچھر علاقہ کشمیر میں بابرکت حضرات گذرے ہیں۔

اس خاندان کے حالات بذیل تذکرہ مشائخ مولینا حاجی محی الدین مسکین بروی کشمیری مرحوم نے اپنی بلند پایہ تصنیف تحائف الابرار (مطبوعہ) میں لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت مولینا شیخ محمد رفیق علیؒ اور مولینا شاہ شفیع کنگالؒ اور شاہ عبدالمجید کرناہی کے تعارف کرائے ہیں اس خاندان کے چیدہ حالات غلام حسن شاہ کاظمی نے اپنے مقالہ وادی کشن گنگا میں اشاعت اسلام اور حضرت گل محمد کنگال قادریؒ والے مقالے میں قلمبند کئے ہیں۔ تعارف کی حد تک تفصیلات رو بہ کار لائی گئی ہیں۔

شجرہ نسب یوں مذکور ہوا ہے۔ شیخ محمد صدیق، قریشی الہاشمی العلوی السندھی ابن شاہ جلال، بن شاہ عبدالاول، بن شاہ حمزہ، بن شاہ محمد، بن شاہ احمد بن شاہ عبداللہ، بن محب الحق، بن شاہ سراج الدین، بن شاہ سعید احمد بن شاہ غلام علی، بن حافظ شاہ ابراہیم بن عبدالستار بن شاہ، سیف الرحمان بن شاہ خلیل الرحمان، بن شاہ ظہیر الدین، بن مسعودؒ بن شاہ عبدالقادر، معروف بہ شاہ مودود قادری بن حافظ داؤد بن شاہ زمان بن مزمل علی، کنگان ۔ بن قطب شاہؒ۔

موجودہ اعوان

اعوانوں نے مختلف اوقات میں اسکے بعد بھی شمال مغربی حملہ آوروں کے ساتھ شمل ہو کے جنہوں نے براہ کابل پشاور و دہلی پر قبضہ کیا اعوانوں کی بھاری اکثریت ان اضلاع سے ان لشکروں کیساتھ مل گئی۔ چنانچہ خود ضلع جالندھر اور کپورتھلہ کے اعوانوں کا بیان ہے کہ وہ اس ضلع میں دہلی کے کسی سابقہ بادشاہ کے ساتھ آئے۔ جنکو اس بادشاہ نے کوہستان نمک سے ساتھ لایا۔ اور پھر وہ وہاں مقیم ہوگئے۔ اور مورخوں نے گمان کیا ہے کہ وہ بادشاہ جسکے ساتھ یہ اعوان آئے بابر تھا۔ گو ہم نے بھی اس ضمن میں بعینی اعوانوں کی نسل پہچاننے یا بیان کرنے میں راہ ثواب نہ پایا۔ اعوانوں کی شخصیات کے ذکر میں آئے گا۔ جبکہ ما بعد ہر دور سلطنت میں تا عہد آخر شاہان مغلیہ تک ان علویوں کو بہت اثر و رسوخ حاصل رہا ہے۔ مرزا محمد امان جنکو اکبر بادشاہ کی بیٹی نکاح میں دیگئی تھی۔ جنکی نسل سے مرزا مظہر جان جاناںؒ ہوئے۔ اور معتمد علوی خان کو اطبار کے زمرے میں خاندان مغلیہ کا اعتماد حاصل رہا۔

پنجاب اور سرحد کے اضلاع ہوشیارپور، جالندھر، ملتان، لاہور، گجرات (جغرافیہ ضلع گجرات میں ہے کہ اس ضلع میں انکے پچاس گاؤں ہیں) گجرانوالہ، شاہ پور، جہلم، سیالکوٹ راولپنڈی، میانوالی، ڈیرہ اسمٰعیل خان، مظفر گڑھ، کیمبلپور، پشاور اور ہزارہ میں اعوانوں کی کثرت ہے۔

سب سے زیادہ اعوان ضلع کیمبلپور میں ہیں۔ دوسرے نمبر پر ضلع ہزارہ ہے۔ تیسرے پر ضلع پشاور اور چوتھے پر ضلع شاہ پور، پانچویں پر ضلع جہلم، چھٹے پر ضلع راولپنڈی، اور ساتویں پر ضلع میانوالی ہے۔ ان اضلاع کے بعد دوسرے اضلاع ہیں۔

کوہستان نمک میں کثیر حصہ مشرقی طرف علاقہ اعوان قاری اور شمال مغربی علاقہ کے دیہات میں آباد ہیں۔ اور یہ مزمل علی کلگان وغیرہ پسران قطب شاہ کی اولاد سے ہیں۔ پونچھ

اور اسکی تحصیلات حویلی مہنڈر، سدھنتی، باغ اور پونچھ کے گوشہ جنوب مغرب میں جو اعوان ہیں وہ عبداللہ گولڑہ ۔ اور مزمل علی کلگان پسران قطب شاہ کی اولاد سے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں دیہات پونچھ میں انکی آبادی تیس ہزار کے لگ بھگ شمار کی جاتی تھی۔ پونچھ کی ہر چہار تحصیل میں اعوان آباد ہیں۔ سنگوڑ آبادی کے لحاظ پر اول ہے اور موضع تائے درجہ دوم پر۔ خاندانی قوم کے لحاظ سے موضع ساڑی اور چوکیاں مشہور ہیں۔ پونچھ کے اعوان عرصہ سے بیدار ہیں۔ اپنی تصنیفات اور انجمنیں اعوانوں کی رکھتے ہیں۔ سنگوڑ پونچھ کے اعوان اپنا سلسلہ نسب محمد بن الحنفیہؒ تک پہنچاتے ہیں۔ اور تحصیل اوڑی کشمیر میں قطب شاہی اعوان موضع بلکوٹ برلب سڑک جو اوڑی سے پونچھ جاتی ہے عرصہ دراز سے رہتے ہیں[علہ]۔ زمانہ سلف سے حکومت کی طرف سے اس خاندان کو سردار کا خطاب ملا تھا۔ اور مغل خاندان سے رشتہ داری کے سبب بیگ بھی مشہور ہوئے۔ تاریخ کشمیر محمد دین فوق ۱۹۳۵ء

اعوان قوم نے پنجاب اور پونچھ میں کافی ترقی کی ہے۔ جگہ جگہ انجمنیں قائم کی گئی ہیں، رسالے اور اخبارات قومی ترقی کی اشاعت کیلئے مختلف مرکزوں سے جاری ہیں۔ اور قومی کاموں میں کافی دلچسپی لیکر قوم کو شاہراہ ترقی پر ڈال چکے ہیں۔ سب سے بڑی انجمن اعوانان آل پاکستان کا مرکز لاہور میں ہے۔ اور رسالہ ماہنامہ "الاعوان" بھی عرصہ سے جاری ہے۔ قوم کے بڑے بڑے نامور افراد اچھے اچھے عہدوں اور ملازمتوں میں مشغول ہیں۔ موجودہ گورنر مغربی پاکستان ملک میر محمد خان صاحب اعوان سردار گھرانے کالا باغ سے ہی تعلق رکھتے ہیں؛

ہمارا ضلع ہزارہ باوجود کثرت قوم اعوان کے دیہات کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں ان کی ساری طاقت ذاتی تنازعات اور گھریلو جھگڑوں میں صرف ہو رہی ہے۔ اور تباہی اور بربادی اس ترقی و تمدن کے دور میں انکی راہ دیکھ رہی ہے۔ اتفاق نہیں رکھتے۔ اور غیر ضروری حد تک خاموش اور تنظیم سے بے پرواہ ہیں۔ اتباع قرآن و سنت اُن کا آبائی پیشہ ہے۔ جسے پس پشت ڈالتے ہوئے غافل نظر آتے ہیں۔ ذرا اسلاف کی گذشتہ تاریخ کو ٹٹولیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے جو خالص مذہبی نوعیت ——— کے زیادہ ہوتے تھے۔ مذہب کے بول بالا کے لئے جہاد کئے۔ اور جانیں اللہ کی راہ میں بچوں اور بوڑھوں نے لٹا دیں۔ اور کہاں سے کہاں تک کیا مقصد لیکر پہنچے۔ کیا آج کسی بھی زندہ قوم میں شمار ہوتے ہیں۔ یا ہو سکتے ہیں؟۔

علہ اور یہ حال قبل از تقسیم پاک و ہند کے تھا۔

یاد رکھیں اتحاد، یقین محکم اور عمل پیہم ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے

اپنے مستقبل کو تو ماضی کے آئینے میں دیکھ — نام کر پیدا کہ اب تک کچھ نشاں باقی تو ہے

علویوں کیلئے لمحہ فکریہ

یوں تو سب مسلمانوں ہی کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ مگر خصوصاً اولادِ حضرت علی رضی اللہ عنہ سادات فاطمی ہوں یا علوی کیلئے مقام غور و فکر ہے۔ اسلئے کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا "کہ میری اور تیری مثال اس طرح ہے۔ جیسے موسیٰؑ و ہارونؑ کی تھی۔ فقط فرق صرف اتنا ہے کہ ہارونؑ کو بھی نبوت دی گئی تھی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہ ایک دوسری حدیث سے استنباط ہے۔ لہذا اخوت میں تو ہم مثل موسیٰ و ہارون کے برابر ہیں۔ مگر نبوت میں کہ موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں نبی تھے۔ اور میں چونکہ خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے تم نبی نہیں (اور یہ غزوہ تبوک کا قصہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے علیؓ کو مدینہ میں پیچھے رہنے کا فرمایا۔ تو ان پر بہت شاق ہوا۔ پس یہ حدیث بیان فرمائی) ظاہر ہے کہ علیؓ نے آمنا و صدقنا سے اظہار عقیدت فرمایا تو انکے بعد علیؓ نے اور نہ انکی اولاد نے نہ ہی اس وقت کے لکھوکھا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے کسی کو نبی نہ مانا۔ یا جانا۔ بلکہ ہر مدعی نبوت کو کئی دیگر آیات و احادیث کی روشنی میں مفتری و کاذب ہی ٹھہرایا۔ خود کذاب مدعیان نبوت پر ابوبکر الصدیقؓ کے عہد میں جہاد ہوا۔ اور ملعون قتل کئے گئے۔ جیسں حضرت علیؓ بھی دیگر صحابہ کرامؓ کیساتھ شریک اور موجود تھے عجب ہے کہ آج خود حضرت علیؓ کی اولاد (علویوں) سے ہی تیرہ سو سال بعد ادعائے نبوت کرنیوالے (مرزا غلام احمد قادیانی) کے پیرو ہو جائیں۔ اور نبی مان کر اپنے جد امجد کے مسلک سے منحرف ہو کر نوحؑ کے بیٹے کی طرح انہ لیس من اھلک آلایۃ کا تمغہ حاصل کر کے رشتہ نسب منقطع کریں۔ جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہو گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

[illegible] قاری احمد ص ۱۹۵ تا ۱۹۹۔

تاریخ کالا باغ

حقیقت یہ ہے کہ اعوانوں کی تاریخ میں سرزمین کالا باغ ایک نمایاں خصوصیت و امتیاز رکھتی ہے۔ اور پرانی و نئی کتب میں جو اہمیت اس مقام و خاندان کی رہی ہے (انگریزی کی ہوں یا اردو کی) وہ کسی دوسرے خاندان و مقام کو بہت کم نصیب ہوئی ہے۔ آج سے تقریباً دس صدیاں پیشتر پاک و ہند میں داخل ہونیوالی اعوان قوم جس شان و شوکت سے زندہ رہی۔ جو آج تک بھی زندہ و مشہور ہے۔ انکی شاندار ماضی کی حکمرانی کی روایات و کارناموں کی ایک زندہ مثال و یادگار موجود ہے تاریخ اعوان کا جہاں ذکر ہے۔ وہاں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اعوان قوم کا سردار گھر قدیم سے کالا باغ ہے۔ سرزمین کالا باغ کے مفصل حالات دیکھنے کیلئے تاریخ الاعوان مصنفہ شیر محمد خان اعوان پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی کالا باغ کی طرف رجوع کیا جائے۔ میں مختصر اقتباس اس سے اپنی تاریخ کی تکمیل کیلئے ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔

سرزمین کالا باغ اعوان قوم کا مرکز ہے۔ جو باغات کی کثرت کی وجہ سے کالا نظر آتا ہے۔ اسلئے کالا باغ نام پڑ گیا۔ یہاں ؎ سے ہی اعوان مابعد چل کر دوسرے اضلاع و علاقوں میں پہنچ کر آباد ہوئے۔ اسکی بنیاد اعوان خاندان نے رکھی۔ جب قطب شاہ باباؒ نے اپنا مفتوحہ مقبوضہ ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کیا تو ان کے ہندوستانی حرموں سے بڑے بیٹے مزمل علی کلگان کے حصے میں قلعہ ڈھنکوٹ آیا۔ یہ قلعہ موجودہ قصبہ کالا باغ سے جانب مشرق چار میل کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔ اب بھی کھنڈرات سے قلعہ کی عظمت کا پتہ لگتا ہے۔ یہ قلعہ راجہ کے برز (برج) کے نام سے مشہور ہے۔ کتب تاریخ سے صرف چھ بیٹوں کے تسلط کا پتہ مختلف علاقوں پر چلتا ہے۔ یعنی علاقہ داری اور ذمہ داری شاید چھ بیٹوں پر زیادہ ڈال دی ہو۔ اس علاقہ میں اعوانوں کی کئی پشتیں گذر گئیں۔

؎ یہی قرین قیاس ہے۔ بعض کتب تاریخ میں ہے کہ سالار قطب شاہ نے آخر پہلے فتح کیا۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر اسے فتح کیا ہو۔ اور وہاں ہی مستقل سکونت اختیار رکھی ہو۔ اور وہاں سے اعوان نکل کر دوسری جگہوں پر پہنچے۔

خاندان غزنی کے زوال کے ساتھ یہ بھی درجہ میں گھٹ گئے۔ مگر ان کی اب تک موجودہ پوزیشن یہ بتلا رہی ہے کہ وہ آئندہ بھی جو حکومت پاک و ہند پر آتا رہا غالب آئی۔ اعوانوں کو اپنے مقبوضہ و مملوکہ علاقوں سے نہ نکالنا چاہا بلکہ ان کو اپنے عہدوں و علاقہ جات پر بحال رکھتے ہوئے اپنے لشکروں میں شامل کر لیا۔ انکے قطب شاہ بیگ کیساتھ عبداللہ گولڑہ و محمد کندلان وغیرہ برادران وغیرہ کا عہد غوری تک جہاد کرنا روایت کیا جاتا ہے۔[1]

بعد ملک اعوان نے قبضہ کالاباغ کی بنیاد رکھی۔ یہ بھی دیگر ہمسایوں کی طرح اضطرابی حالات کا شکار رہے۔ اور اپنی ہستی قائم رکھنے کیلئے ہر چہار اطراف کے دشمنوں سے لڑنا بھڑنا پڑا۔ کبھی فتح اور کبھی شکست۔

کالاباغ کا سردار اکبر اعظم کے زمانے سے لیکر اورنگزیب کے زمانہ تک مغلیہ کے باجگذار رہے۔ بلکہ ایک خود مختار والئے ریاست تھے۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے ایران سے چل کر دہلی پر قبضہ کیا۔ تو یہ علاقہ اس کے بعد شاہان خراسان کے زیر نگین رہا۔ نادر شاہ کے قتل پر ۱۷۴۷ء سے احمد شاہ ابدالی افغانستان کے زیر نگین رہا۔ انکی وفات پر تیمور شاہ، محمود شاہ، زمان اور شجاع الملک ایک دوسرے سے جنگ و جدل میں مصروف رہے تو سلطنت کابل کمزور ہو گئی۔ سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ کالاباغ کے چیف آف اعوان کو والئے ریاست کی مراعات حاصل رہیں۔ سنہ ۱۸۴۹ء میں کالاباغ انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ نمک کی کانیں اعوانوں سے لے لی گئیں۔ سنہ ۱۸۳۷ء میں لارڈ آک لینڈ نے ایک تجارتی وفد کابل بھیجا۔ جو اسی راستہ سے گذرا۔ اس علاقہ کے رئیس اس وقت ملک اللہ یار خان اعوان تھے۔ رئیسان پنجاب از سر لیپل گریفن میں اس کا ذکر ہے۔

سنہ [illegible] ملک اللہ یار خان کی وفات کے بعد انکے بیٹے ملک مظفر خان جانشین ہوئے۔ سنہ [illegible] میں انکی وفات کے بعد نواب عطا محمد خان جانشین ہو گئے۔ سنہ [illegible] میں انکی وفات کے بعد انکے اکلوتے بیٹے ملک امیر محمد خان (نواب آف کالاباغ جانشین ہوئے) آپ موجودہ اعوانان پاکستان کے چیف ہیں۔ آپکی پیدائش سال ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم

[1] خط کشیدہ عبارت تاریخ الاعوان کی نہیں۔ یہ دیگر کتابوں کے بیان کی روشنی میں میرا اپنا نظریہ ہے (مصنف خواہی)
[2] آزاد الاعوان ص ۱۳۰ بار سوم ۱۹۲۳ء تک تاریخ [illegible] ۱۴۰ پنجم [illegible] مظفر خان کے بعد [illegible] (مصنف خواہی)

انگلینڈ میں پائی۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں جائداد کورٹ آف وارڈز سے واپس سنبھال لی۔ زمینداروں میں بہت سی اصلاحات جاری کیں۔ صاف گو، صاف دل، سیاستدان، بلند خیال انسان ہیں۔ آپکی طبیعت عادات و خصائل بیحد سادہ و پسندیدہ ہیں۔ آپ نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں جب دوسرے رؤسا ضلع میانوالی یونینسٹ پارٹی کے ہمنوا ہو کر مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کرتے رہے تھے۔ آپ نے ضلع میانوالی میں پاکستان کا پرچم بلند کیا۔ اور مسلم لیگ کی امداد کی۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب لیجسلیٹو کے رکن منتخب ہوئے۔ اور ۱۹۵۵ء میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور سنہ ۱۹۶۰ء میں مغربی پاکستان کے گورنر بنا دیئے گئے۔

ضلع میانوالی کے اعوان بھی معزز ترین سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ سب قطب شاہی اعوان کہلاتے ہیں (ماخوذ)

اعوان قوم کی گوتوں کا ذکر

اعوان مختلف قبیلوں اور شاخوں میں بٹ گئے ہیں۔ صرف ضلع سیالکوٹ میں ۴۴ گوتیں۔ ضلع گجرات میں ۴۱ گوتیں پائی جاتی ہیں۔ اکثر قبیلے سردار قبیلے کے نام سے یاد ہوتے ہیں۔ بعض قبیلوں کے نام بعض روایات سے بھی وابستہ ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک مستقل صورت اختیار کرکے ایک قوم بن جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ خاندان، شخص، قوم کے نام سے علاقوں، شہروں اور قوموں کے نام پڑ جاتے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے، کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ علاقہ سے کسی قوم کا نام پڑتا ہے۔ اس قسم کے حوالہ جات ملتے ہیں۔ کہ قدیم زمانہ میں خاندان یا قوم یا شخص کے نام سے علاقوں یا شہروں کے نام وجود میں آئے۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسری وجوہ بھی ہوں۔ کہ مقام اور شہر ذاتی صفاتی لحاظ سے اس وصف سے مشہور ہو گئے ہوں۔ مگر جہاں تک گوتوں اور فرقوں کا تعلق ہے اکثر و بیشتر سردار خیل کے نام و لقب سے منسوب اور مشہور ہو گئی ہیں۔ اور واضح ہوئی ہیں۔ یہ بھی شناخت کرنے کرانے

ہیں ایک دوسرے سے مدد کا باعث بنتی ہیں۔ میرے مطالعہ میں جو گوتیں آج تک تحریری یا
زبانی آئی ہیں انکی بحیثیت مجموعی تعداد ۳۰۸ کے لگ بھگ ہے۔ ان میں بعض کے اعوان ہونے
میں اختلاف بھی ہے اور ان کے اعوان ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ بعض نے اس
اعوان قوم سے گوت ملانے کا دعویٰ کیا ہے۔ یا سمجھا گیا ہے۔ پس میں نے بھی ذکر برائے
آگاہی کر دیا اور شمار کر لیا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جو یہاں شمار ہوئے سب اعوان سے
نسب ملاتے ہیں۔ میرا مطلب یہاں یہ ہے کہ وہ ایسا کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔
گوتیں یا گورڑے۔ کھوکھر، چوہان، کندلانی، کھگانی، عثمانی، ظفی، رودنی، گھنڈاہی
موگی، شاہی، بسیاں، بدھن، کھیاں، جمرک، شرفاں، صدقاں، کنجوآں، دھضیاں، پنیاں، بڈھیاں
سردی، عظماں، لدھیاں، شتیاں، حیدراں، سگھال، یا گھراں، بگھووال، ڈیراں، وریال،
بھیراں، بیکال، بجوآں، سیال، پانیاں، نکال، سادووال، جھنڈ، کانگ، کھرانہ، پچھواری
بینبی، رومیر، پھی، جٹ (بدھوال) مکلازئی، شیرخانی، ترخانی، ریحانی، چانجے، قمربیاتی، کلانی
ہمایوں، سیجے، دھناں، اتوال) (جبرقھ یا برقعاں، کندوال) وتیال، کھیال، تحوال، مبرزال،
داوں، غفران، حبوال، تیر، جھمراں، بدھاں، کھرڑوتا، میانہ، آوانہ یا اعوانہ، کھتر، بنیس،
درمہ، تی، منگو، چہان، مہوال، امیتاں، فتوال، عنایت خانی، متیاں، مکاں۔

گورڑے

گورڑے یا گورڑے دونوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ عام طور پر پہلے اور
پچھلی اٹھارویں صدی عیسوی تک کا تغیرات حال۔ تاریخوں اور شجرے سرخانے
میں کتبوں کے چھتر (یعنی شجرے) پہ لفظ گورڑہ ہی لکھا اور کندہ ملتا ہے۔ اور اب اکثر گورڑہ
لہجے بولنے میں کے لکھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ اور دونوں سے ایک ہی گوت مراد ہے۔
اکثر تاریخی کتابوں میں گورڑوں کے مورث اعلیٰ عبداللہ گورڑہ پسر قطب شاہ سے ہی منسوب
کیا ہے اور وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبداللہ گوہر علی گوہر شاہ۔ گورڑہ بھی کہا
گیا ہے۔ اور اولاد کو گوہری بھی کہا گیا۔ کئی گوتیں اپنے خاندان کے لحاظ سے تو عبداللہ گورڑہ
ہی کی اولاد سے ہیں جیسے اتوال، بدھوال، حسنال، مہوال، امیتال، فتوال، عنایت خانی، مگر
جو گوتوں کا نام باہم سلسلہ ملانے اور چلانے سے قاصر ہوں اور نہ ہی ایسی تحقیق کے لئے وقت ہے،
ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ بہت گورے یعنی سفید سرخ رنگ کے تھے۔ دوسرے یہ کہ
کچھ سیاہ تھا اور لغت والے ہر رنگدار کو گورا کہتے ہیں۔ باب الاعوان کے ص ۱۶۰ پر ہے۔ گورا

ملہ جبر، کھتر، درہ، اعوانہ، بنیس۔ میں اختلاف ہے کہ وہ اعوانوں سے ہیں یا ہندی الاصل۔

بضم کاف فارسی واؤ ساکن ورائے مہملہ والف ممدودہ بمعنی سیاہ۔ اور گورڑہ بہ نیابت رائے فارسی
تصغیر گورا کی ہے اور اسی کو صحیح کہا۔ اور بعض نے کہا۔ گوہر تحریف ہو کر گورڑہ بن گیا۔ راولپنڈی
کے قریب ایک سٹیشن کا نام بھی گورڑہ ہے۔ اور اس کے متصل ہی قصبہ گورڑہ ہے جو انہیں کے
نام پر آباد ہوا۔ اور وہاں گورڑہ اعوانوں کی کثرت ہے۔ جہاں کہیں بھی پائے جاتے ہیں۔ اپنی
تندخوئی اور شراکا پن کی وجہ سے اپنی دوسری گوتوں سے متمیز ہو جاتے ہیں۔ خود اپنے
کنبہ و قبیلہ میں بھی لڑتے جھگڑتے تھے اور اتفاق بہت کم ہے۔ علاقہ چھچھ، میانوالی اور کیمبلپور
کے اعوان بابا گورڑہ کی اولاد سے گورڑے ہیں۔ پونچھ اور اسکی تحصیلات، مہنڈر، حویلی، سدھنوتی
باغ اور پونچھ کے جنوب مغربی گوشہ میں بھی بابا عبداللہ گورڑہ کی اولاد سے گورڑے
آباد ہیں۔ ضلع ہزارہ میں گورڑے اعوان بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ حالانکہ یہ اعوانوں کی آبادی
کے لحاظ سے دوم درجہ کا ضلع شمار کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی اکثر شہر گورڑہ ضلع راولپنڈی
یا اس کے قرب و جوار سے بسنے والے گورڑوں کے خاندان سے متفرق اوقات میں اٹھ اٹھ کر
ہزارہ میں نقل مکانی کرتے رہے۔ ضلع ہزارہ میں عموماً اعوانوں کا سردار گھرانا قاضیاں سکندر
پور کا ہے۔ جو گورڑہ گوت سے ہیں۔ اور تحصیل مانسہرہ میں گورڑہ گوت کا خاندان امیر خان
گورڑہ تھا۔ جن کا ذکر تاریخ ہزارہ اور تاریخ اگرور میں ملتا ہے۔ جو بعد کو وہاں سے انگریزوں
کے عہد میں بیدخل کر کے منتشر کئے گئے۔
اس کے علاوہ گورڑہ گوت اعوان پنجاب کے متفرق اضلاع میں بھی پائے جاتے ہیں اور یہ گورڑہ
لقب بندہ میں مشہور ہو گیا۔
تحصیل ہری پور میں دھیال، کمال، توفکیاں علاقہ خانپور میں بھی گورڑوں کے گھروں کا ذکر
ہے یعنی وہاں بھی کچھ رہتے ہیں۔ اور یہ قاضیاں سکندر پور کو چھوڑ کر گاؤں کے نام ہیں۔
تحصیل ایبٹ آباد کے دیہات حال میرا نلا، قتاقی کلاں، پسوال، سوبڑہ، بانڈہ، کشتا
کناٹی، جھوٹراں، ذخیرہ متصل گکوٹری۔
تحصیل مانسہرہ کے دیہات میں ہزارہ علاقہ کونش، اربوڑہ، دھڑہ، شنہ وڑ (اگرور کے)
سرتل، بکنت، نوکوٹ، تحصیل میں اچھڑ، پیشگاہ، ننگا، چکیا، علاقہ گڑھیاں، شناول میں پائے جاتے
ہیں۔ باقی حال عبداللہ گورڑہ میں ملاحظہ ہو۔

ملہ گورڑہ شہر کے بانی شہاب الدین گورڑہ ہیں۔ جن کا ذکر آئندہ مستقل عنوان میں عرض ہو گا۔ خواص

کھوکھر

کھوکھر کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ کھوکھر، کھوکھر وغیرہ۔ لیکن صحیح وجہ کھوکھر کہلانے کی یہی نظر آتی ہے کہ قطب شاہؒ نے ایک ہندو راجپوت کی لڑکی سے شادی کی تھی جس کی ذات کھوکھر تھی۔ اس بیوی سے جتنے لڑکے ہوئے انکی اولاد کھوکھر کہلائی۔ اور یہی صحیح قول ہے۔ کھوکھر دو قسم میں ایک کھوکھر قطب شاہی جن کی اصل عرب سے ہے۔ دوسرے راجپوت کھوکھر ہندوستانی۔ قطب شاہی کھوکھر، جہاں شاہی کھوکھر، زمانی کھوکھر وغیرہ سب قطب شاہؒ کی اولاد راجپوت بیوی کھوکھر کی اولاد سے ہیں۔ والدہ کی نسبت سے کھوکھر کہلانے لگے۔

راجا ما نے سب کھوکھروں کو ہندو بتایا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اکثر کھوکھر ہندو نسل سے ہیں اور اصل اعوان کھوکھر کم ہیں۔ کھوکھر ضلع جہلم، ضلع ملتان، ضلع شاہ پور میں زیادہ ہیں۔ باقی ہیں کم۔ بعض کھوکھر جنجوعہ بھی کہلاتے ہیں۔ وہ جنجوعہ ولد کھیرا کی اولاد سے ہیں قطب شاہی کھوکھر اور راجپوت کھوکھر کچھ خلط ملط ہو گئے ہیں۔ اور پہچان مشکل ہو گئی ہے۔

(کندانی باب الاعوان ص ۹۲-۱۵۲، ۱۷۳) کھوکھر کا لفظ موجب اشتباہ بن گیا۔

روایت ہے کہ جب امیر تیمور شاہ کے زمانے میں دادن خان کھوکھر جس نے کوہ نمک کے پاس پنڈ دادن خان اور دیگر شہر کھوکھروں کے آباد کئے۔ کھوکھر دادن خان اور اُنکے آباد وغیرہ میں صاحب عزت تھے۔ جو لوگ اعوان قطب شاہی اعوان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے شجرہ و نسب گوئی کے مطابق میں دادن خان راجپوت کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یقیناً قطب شاہی کھوکھر نہیں ہیں۔ راجپوت کھوکھر بیوی کے نسب سے جو اولاد قطب شاہؒ سے ہوئی ان کے نام یہ ہیں۔ منجملہ علی گھگان، میر جہان شاہ، زمان علی عرف کھوکھر ان سب بھائیوں کی اولاد قطب شاہی کھوکھر کہلاتی ہے۔ مرزے کلکان، جہان شاہی کھوکھر وغیرہ مختلف سرداروں نسب سے جدا اور دور دراز ہوتے رہے۔ اور یہ اعوان اور گکھڑ جنجوعوں کے خلاف تھے۔ اور جنجوعہ کی تباہی میں یہ ہر دو سب سے پیش پیش تھے۔ اعوان اور گکھڑ ہمپایہ و مساوی معاصر قوم تھے۔

چوہان

قطب شاہؒ کی دوسری ہندوستانی بیوی کا اسلامی نام خدیجہؒ تھا۔ جو چوہان خاندان کے راجہ کی بیٹی تھی۔ ان کے بطن سے تین لڑکوں، محمد علی مشہور چوہان، نعمت علی، فتح علی کی اولاد چوہان اعوان کہلاتی ہے۔ چونکہ نعمت علی کا محمد یحییٰ لقب تھا۔ اور نعمت علی کا کلدان اسلئے محمد یحیائی و کلدانی بھی انھیں کی اولاد سے ہیں۔ اور خلط ملط ہو گئے ہیں۔

کندلانی یا کندوال

قطب شاہ کی تیسری ہندوستانی بیوی کا نام عائشہ ہے جس سے عبداللہ و محمد دو بھائی تھے۔ محمد کا لقب کندلان مشہور ہو گیا۔ اسی لقب کی وجہ سے کندلانی یا کندوال کہلانے لگے۔ لقب گل شاہ بھی لکھا گیا۔ اسلئے گل شاہی گوت کہلانے والی بھی انھیں کی اولاد سے ہے۔ برقہ یا برقال بھی انہیں محمد کندلان کے پوتے بلیع کی اولاد سے ہیں۔ اور محمد شاہ کے بیٹے سکھو سے سکھوال مشہور ہوتے۔ جو سکھی سے بگڑا۔

عثمانی. طلحی. رؤفی

قطب شاہ کی بیوی ہندوستانی ام کلثوم کے بطن سے تین بیٹے تھے۔ بہادر علی (طلحی) تمدر علی (محمد عثمان) کرم علی (محمد رؤف) ان کے یہ تین لقب تھے۔ طلحی، عثمانی، رؤفی گوت انہیں کے نام سے ابتداً مشہور ہوئی۔

حسنال

احمد علی گورڑا کا بیٹا حسن دوست مشہور کہ سندسوج تھا اور شیخ خان بھی مشہور ہیں جن سے حسنال اعوان اسی سے منسوب ہیں۔ اور بدھوال، افوال ساندھوال اسی سے اپنے آپکو بتاتے ہیں۔ مشہور گوت میں حسنال حسن خان کی اولاد متھال مہم خان کی، امینال امین خان کی اولاد فتوال فتح خان کی اولاد اور عنایت خانی عنایت خان کی اولاد سے موسوم و مشہور ہیں۔

اعوان بدھن

بدھن اعوان کے مورث اعلیٰ کا نام بدھن تھا۔ راولپنڈی کے بدھنوں کا امتزاج کا تذکرہ مال میں بندوبست کے دوران تیلی بدھن کے نام سے ہو گیا۔ تیلی کوئی ذات نہیں بلکہ پیشہ ہے۔ تو ان لوگوں نے محنت کرا کر تیلی بدھن سے اعوان بدھن کہلانے لگے۔ اور ان کا یہ فیصلہ سال ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ بدھن قوم ضلع ہزارہ میں بھی آباد ہے۔ چنانچہ اور قیام بندوبست حال ۱۹۰۵-۰۶ء میں مصدقہ نقل بندوبست ضلع ہزارہ میں اعوان قوم نے حسب ذیل پانچ بڑی شاخیں بتائی ہیں۔ گوڑہ. قطب شاہی. کھوکھر. چوہان. کلکان قطب شاہی شامل دیگر اعوانوں سے جدا ایک گوت تو ہو سکتی ہے جو قطب شاہی اعوان نہ ہو۔ مگر یہ سب پانچ شاخیں بڑی قطب شاہی اعوانوں ہی کی ہیں۔ اور پھر ان کی شاخ در شاخ برستی کھٹوال، مرجان، مرجانی، پھنواری قوم کے ساتھ بدھن قوم کو بھی اعوان کی ایک شاخ بتایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اضلاع راولپنڈی و ہزارہ میں جو بدھن قوم آباد ہے۔ وہ اعوانوں کی ایک شاخ ہے۔ یہاں سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ قطب شاہی گوت بھی کوئی الگ ان چار گوتوں کے سوا ہے۔ حالانکہ یہ سب گوتیں قطب شاہی گوت میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ ہے ۔ یہ قوم نواب صاحب لسب درنبہ کی ریاست میں بھی پائی گئی ہے ۔ اور وہاں بھی یہ اعوانوں کی ایک شاخ تصور کی گئی ہے ۔ اور راولپنڈی میں بھی ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء کو بعد کسی مقدمہ کے تحت مولوی صاحب کنتر بہادر یہ قوم اعوان بدھن کہلاتی ۔ اور اصل قوم اعوان زراعت پیشہ ہے ۔ ایک ور قوم تو یہ ہے بدھنوں سے رشتہ داری کے باعث بدھن کہلاتے ہیں ۔ تو یہ بدھن اعوان ہی ہیں اور یہ غلط ہے ۔ نیز جو بدھن نہیں لکھواتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں ۔

پنج خان کو جہر مصنف تذکرہ عبدالملک بہاولپوری مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۱۹۲ پر بھی وہ راجپوت سے شمار کیا ہے ۔ اور یہ درست نہیں ہے ۔ بعض جگہ تذکرہ میں بڑی گوت شمار کرکے ترکھان ، تیلی ، مستری وغیرہ درج کر دیا ۔ ... میں رہنے والے جو چاہتے کسی کو کچھ رہتے اور خود کو بھی صحیح ذات اور گوت بتانے کو کچھ بیان دیا (تاریخ اقوام پونچھ ص ۲۳)

بدھن اعوان جو ریاست پونچھ میں تحصیل باغ ، پنجاب ، اضلاع راولپنڈی سیالکوٹ وغیرہ میں آباد ہیں ۔ ماسوائے سیالکوٹ کے سب بدھن اعوان کہلاتے ہیں ۔ اور سیالکوٹ کے بعض راجپوت ، بدھن راجپوت کہلاتے ہیں غلط نہیں ہوگی ۔ یا کوئی اور وجہ ہو ورنہ مسلم بات تو یہ ہے کہ بدھن اعوان ہیں ۔

سیال

پنجاب میں دو قومیں سیال کہلاتی ہیں ۔ ایک وہ جو جھنگ کے اطراف میں ہے راجپوت کہلاتی ہے ۔ یہ سورث علی حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ۔ دوسری سیال وہ قوم ہے جو کھوکھر قطب شاہی کہلاتی ہے ۔ سیال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس قوم میں ایک بزرگ کا نام سیال تھا ۔ جس کی اولاد اس کے نام پر سیال سے سیال مشہور ہوئی ۔ جو زمان علی کھوکھر کی چھٹی پشت میں تھا ۔ سیال شریف میں حضرت خواجہ شمس الدین چشتی بڑے نامی بزرگ گزرے ہیں ۔ زمان علی کھوکھر کی اکیسویں پشت میں تھے ۔ اس سیال قوم کے ایک بزرگ حافظ غلام محمد مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں پونچھ آئے ۔ یہ عالم ، اور صوفی مشرب تھے ۔

کیٹھوال اعوان

یہ قوم اپنا شجرہ نسب میر حسن علی اصفہان سے ملاتی ہے ۔ میر حسن علی کی گیارھویں پشت میں کیٹھو خان گزرا ہے ۔ اسی نام پر یہ قوم مشہور ہوئی ۔ تحصیل کوٹلی کے موضع ... میں اب تک آباد موجود ہے ۔

دھنیال علوی قریشی بگھیال سیدال دنیال

محمد بن الحنفیہؒ کی آٹھویں پشت میں ایک بزرگ دھن پیر کا نام لیا جاتا ہے ۔ اس نام پر اولاد مشہور ہوئی ۔ جو ضلع راولپنڈی کے علاوہ ضلع ہزارہ میں بھی آباد ہے اور قریشی علوی کہلاتی ہے ۔ تحصیل راولپنڈی میں اس قوم کے بتیس گاؤں ہیں ۔ اور تحصیل کوہ مری میں چودہ گاؤں میں ۔ فتح خان جو دھنی پیر سے پانچویں پشت میں تھا ۔ اس کے بیٹے بھن خان اور جوبد خان تھے سیدال دھنیال جو سید خان کے نام سے مشہور رہی ۔ وہ جوبد خان کا پوتا تھا ۔ اور بھن خان کی پانچویں پشت میں سے بگو خان تھا ۔ ضلع راولپنڈی میں ایک جگہ بگوال اس کا آباد کردہ بتایا جاتا ہے ۔ اس کی اولاد بگوال دھنیال کہلاتی ہے ۔ برلاس خان بگوال کی آٹھویں پشت سے سید خان دھن پیر کی آٹھویں پشت سے تحصیل [illegible] میں داخل ہوئے اور کچھ تحصیل ایبٹ آباد میں بھی دھنیال ہیں ۔ تاریخ شاہان گوجر از عبدالمالک بہاولپوری ص ۱۹۲ میں دھنیال کو راجپوت قوم میں درج کیا ہے جو خلاف بیان تاریخ اقوام پونچھ کے ہے ۔ شاید دھنیال کوئی اور راجپوت بھی ہو ۔

اعوان قطب شاہی دھمنی

تحصیل باغ اور سدھنوتی کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں ۔ انکے بڑے جد اسید بن شاہ ضلع جہلم سے ہزارہ آئے وہاں انکی اولاد سے شریف خان مظفر آباد آیا ۔ اور وہاں سے پونچھ میں گئے ۔ اور یہ زمانہ پٹھانوں کی حکومت کا آخری دور تھا ۔ جھیڑ واقع دھمنی ڈاکخانہ راولاکوٹ تحصیل سدھنوتی پونچھ میں شہاب الدین وغیرہ رفیق الدین جو پسران علی ہیں بیانی ہیں کہ حاجی اللہ یار ولد بلند خان کے بیٹے محمد شفیع کا بیٹا سلطان محمد بھی مظفر آباد سے تھانہ ہجیرہ میں آکر آباد ہو گیا ۔ اور یہ جو میر [illegible] علی کلگان کی نسل سے ہیں ۔

سادوال

سادو خان کے نام کے کثرت استعمال سے لفظ سادوال ہو گیا ۔ سلام خان کے پوتے بہرام خان کے تین بیٹے تھے ۔ اسماعیل خان ۔ جمال خان سبٹ خان ان تینوں کی اولاد اوڑی سواصحات سنگولہ ۔ بچھر ، کھوکوٹ ۔ سنگیا پانی ، دردکوٹ میں آباد ہے ۔ بہرام خان کی اولاد سنگولہ میں ہے ۔

نارمہ

ایک چھوٹے سے رسالہ میں جس کا مصنف مولوی عبداللہ ابن جنگ باز ہے ۔ مولوی مرحوم نے نارمہ قوم کو تبصرۃ الاعوانیہ میں اعوانوں کی ایک شاخ ثابت

کرنے کیلئے لکھا ہے۔ یہ باطل اور غلط ہے۔ نا رمہ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔

کھٹڑ کتاب انساب الہند میں مرقوم ہے کہ پنجاب میں کھٹڑ اکثر ضلع راولپنڈی میں رہتے ہیں۔ اور اپنے آپکو حضرت علیؓ کی اولاد سے بتاتے ہیں اور شاہجہانی قطب شاہی لوگوں سے اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ اپنی ذات کے مقابل اوروں کو نیچ سمجھتے ہیں ان کے رسوم سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ اعوان سے رشتہ رکھتے ہیں اور بعض نے انکار کیا۔ (کذا فی باب الاعوان ص ۱۸۶) سب کھٹڑ اپنا نسب نامہ محمد محسن ابن دریتیم شاہ جہان بن قطب شاہ بتاتے ہیں۔ محمد محسن کے صاحب اولاد ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ لاولد رہا اور دوسروں نے کہا کہ لاولد نہیں رہا۔ غرضیکہ ان کا اعوان ہونا مختلف فیہ ہے[1]۔

ملوک شاہی اعوان کا ڑی ضلع شاہپور سے ان کے ایک بزرگ حافظ ملوک چکار علاقہ مظفرآباد میں آگئے ان کے پاس جو شجرہ نسب ہے انکی رو سے حافظ ملوک قطب شاہ کے فرزند زمان علی کھوکھر کی اٹھائیسویں پشت میں تھے۔ چکار کے موضع بجٹی بنڈی میں ہیں۔ اور بعض بکوٹ ضلع ہزارہ اور سروات تحصیل کوہ مری میں آباد ہیں زیادہ تعداد پونچھ میں ہے۔ انکی پشتوں میں حافظ القرآن چلے آتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کا علم اس برادری میں رواج و شیوہ رہا ہے۔ لیکن مولوی و قاضی والے نام بہت کم رہ گئے ہیں۔

اعوان خاندان اعظم آباد:۔ چونکہ اعوان کا قومی لقب ملک بھی ہے۔ اس لئے اعظم آباد کے اعوان کاغذات بندوبست میں اعوان کی بجائے ملک درج ہے۔

اعوان قطب شاہی ارجہ تحصیل باغ اس خاندان کے مورث اعلیٰ حافظ جان محمد خان نے جو انکی روایات کے موجب قطب شاہ کی انتیسویں پشت میں تھے۔ سون سکیسر شاہپور پنجاب سے مظفرآباد آئے۔ مواضعات کرک اور تین ڈراٹ۔ گورہ۔ دمنگ تحصیل سدھنوتی۔ سیور۔ بورنہ۔ تحصیل باغ میں ہیں۔

[1] بعض نے ان کو ہندوستانی الاصل راجپوت سے ایک گوت قرار دیا۔ گجر اور راجپوت نوٹ قمر راجوروی ص ۱۴۔

حافظ جان محمد چیمہ صاحب تحقیق الاعوان بحوالہ تاریخ اقوام پونچھ
ص 649 سنگوم درجہ عنوان

شدوال باباسجاولؒ مدفون کھرکوٹ تحصیل ہری پور ہزارہ کے ایک بیٹے کا نام شادو تھا۔ جسکے نام پر اولاد شدوال کہلاتی۔ ضلع ہزارہ کے اکثر گاؤں موڑ بفہ کلاں وخورد، تھاتی وغیرہ میں یہ آباد ہیں اور کثرت سے ہیں۔ شدوال اور سادوال میرے نزدیک ایک ہیں۔ مقامات مختلف کی وجہ سے کشمیر میں سادوال اور ہزارہ میں عموماً شدوال کہلاتے ہیں

کھیال باباسجاولؒ کے بیٹے اب کی اولاد سے ایک باباکھیہ گذرے ہیں۔ انہیں کی اولاد کو کھیال کہتے ہیں۔ جلو، شہیلیا، بلہنگ ہردو کے خوانین کھیال خاندان سے ہی تعلق رکھتے ہیں، موڑ بفہ کلاں میں بھی کھیال خاندان آباد ہے۔ اسی طرح اعوان خاندان تمر بھونڈ بھی کھیال سے ملتے ہیں۔ اسلاف خوانین جلو، شہیلیا بڑے نامور جاگیردار انعام خوار وغیرہ گذرے ہیں۔ جن کا ذکر اپنے مقام پر گذر رہا ہے۔

جرل مزمل علی کلگان پسر قطب شاہ کی اولاد سے ہیں۔ مزمل علی کلگان کے ایک بیٹے سلامت کی اولاد سے شجرہ نسب میں بادل جرل کا نام آتا ہے۔ انھیں بزرگ کے نام پر اولاد جرل مشہور ہوئی۔ مزمل علی کلگان کے دوسرے بیٹے کی دقیل شاہ تھے۔ بابا سجاول بابا قیل شاہ کی اولاد سے تھے۔ اور جرل سلامت کی اولاد سے ہوئے۔ تحصیل مانسہرہ کے منگلور نامی گاؤں میں سب جرل اعوان ہیں۔ ہیڈ ماسٹر غلام حسین خان گورنمنٹ ہائی سکول منگلور کے ممتاز جرل اعوان خاندان ہی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور بیدڑہ تحصیل مانسہرہ میں بھی جرل اعوان ہیں۔ تحصیل ایبٹ آباد میں جرلاں نامی گاؤں بھی اسی خاندان کے نام سے ہے۔

شجرہ نسب جرل اعوان شاخ کا تا باقطب شاہ تک درج ذیل ہے۔ (۱) حیات خان بن فضل احمد، بن امیر خان، بن میاں محمد ولی، بن میاں نجیب اللہ، بن لام، بن عقل، بن پیر احمد بن داوود، بن حنیفہ، بن مہرزہ، بن سلامت بن آمین، بن نعمان، بن بادل جرل، بن سلامت بن کلگان شہزادہ (مزمل علی کلگان) بن قطب شاہ الخ۔ محمد بن الحنفیہؒ سے ملاتے ہیں۔

کلیال یا کالیال کالاخان کی اولاد کالیال کہلاتی ہے۔ جو سادوال گوت کے سادم خان کے پڑپوتے اسماعیل خان کی اولاد سے پانچویں پشت میں گذرا ہے۔ سگوم

ہیر تاریخ شاہان گوجر از عبدالمالک بہاولپوری کے صفحہ ۱۸۸ میں ہیر کو جاٹوں کی گوت میں لاکر لکھا ہے۔ کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قطب الدین شاہ کی اولاد سے آوان

اعوان، ان کا مورث ہیر تھا۔[1]

بھکرال بعض ضلعوں میں پنوار کی شاخ (یعنی گوجر) بتلاتے ہیں بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کہلاتے ہیں۔ راولپنڈی، جہلم، گجرات وغیرہ اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔

اعوانہ یا آوانہ تاریخ شاہان گوجر راؤ حسن علی چوہان ص ۳۰۲ حصہ پنجم میں لکھتے ہیں۔ آوانہ راجہ اوّن کی اولاد ہیں۔ جو پنوار (پرمار) خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسکی اولاد آوان کہلائی پھر لفظ آوان سے صفت نسبتی ظاہر کرنے کیلئے اسی کو آوانہ بھی کہنے لگے۔ جیسے کُش سے کشان۔ مابعد اس خاندان کی حکومت کے زمانہ میں مالوہ کا شمالی حصہ اونتی یا آونتیکا کہلاتا تھا۔ صحیح تلفظ آوان یا آوانہ ہے۔ مگر بعض علاقوں میں اس کا لفظ "اہوانہ" یا "ایوانہ" بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ شاہان گوجر مصنف عبدالمالک بہاولپوری صفحہ ۳۰۲ پر فرماتے ہیں۔ اسکے تین لفظ ہیں۔ یعنی آوانہ کَعَدوانہ بفتح اوّل آوانہ الف ممدودہ۔ و اعوانہ بفتح الف و سکون عین۔ اعوان کی طرف منسوب ہے۔ اس خاندان کے بزرگوں نے ضلع گجرات کے بند و بست میں لکھایا ہے۔ کہ ہم گکھڑ قوم کی شاخ ہیں۔ مگر یہ قابل غور ہے۔ کیونکہ گکھڑ کیساتھ ان کا شجرہ نسب نہیں ملتا۔ یہ روایت زیادہ معقول ہے۔ یہ اعوان ہیں، عام بول چال میں عین حذف ہو گیا۔ اسکی جگہ الف ممدودہ نے لے لی۔ اعوانہ سے آوانہ مشہور ہو گیا۔ ان کا ایک بزرگ عبدالرحمان سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں شہر ریپ واقع ہندوستان سے ضلع گجرات میں آیا۔ اور موضع فتح پور آباد کیا۔ گجرات کے کئی دیہات میں آوانہ ہیں۔ اور آوانہ کے نام پر ضلع گجرات میں دو شہر آباد اور مشہور ہیں۔ یہ بہت ذہین و عقلمند قوم ہے۔ ان کے علماء و فضلاء کا یہ خیال ہے کہ ہم گوجر نہیں بلکہ اعوان کی اولاد ہیں۔ اعوان اور آوان ایک ہی بات ہے۔ اعوان و انصار کے فضائل مشہور ہیں۔

مؤلف شاہان گوجر کی یہ روایت و بیان زیادہ وزن دار ہے۔ کیونکہ ابتداً اعوان سلطان محمود غزنوی ہی کے زمانہ میں پاک و ہند میں جہادوں کیلئے آئے اور یہیں رہ پڑے اور بس گئے۔

---

[1] رانا علی حسن چوہان کراچی کے جواب مندرجہ "گوجر اور راجپوت" مولفہ قمر زیدی روی آبیر گو کمشنریوں کے قابل گروہ آبیر، جاٹ اور راجپوت ایک شمار کئے ہیں۔ مگر ہیں کے بیان کو درست رہی جانے۔

مؤلف شاہان گوجر کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی لفظی مناسبت کے قائل ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ لوگ دراصل اعوان ہیں۔ اور رفتہ رفتہ تبدیلی حروف سے آوان ہو گیا۔ مگر عام طور پر آوانہ اپنے آپکو گوجر کہتے ہیں۔ اور ان کے بزرگوں نے سرکاری دفتروں میں اپنے آپ کو گوجر لکھوایا ہے۔ اسلئے ہم نے اس گوت کو گوجروں میں درج کیا ہے۔ اس خاندان میں مولینا صدر الدین و مولینا شیخ عبداللہ و مولینا امان اللہ علامہ عصر جامع العلوم عام و خاص تھے۔

ملیال روایت کیا گیا ہے کہ جو سردار ملک ساہو اعوان کارکے سے علاقہ کشمیر آئے، اسکی اولاد سے دھن و بدھ دو بیٹے ہیں۔ دھن کا بیٹا جیل (جیس) ہوا۔ اور جیس کے تین فرزند ہوئے ملاں، پاچی، نیک محمد۔ اس ملاں کی اولاد کو ملیال کہتے ہیں۔ اور اسی لقب ملیال سے مشہور ہوئے۔ ملیال آزاد کشمیر کے علاقہ چھتر کلاس، کمی کوٹ گورسیاں، بلا پانی۔ کومی اچھاڑ۔ باجلا۔ علاقہ میرا جاگی۔ کنڈیال، کھوے داخلی نور پور بکراں گہل داخلی جاوا۔ ندگورسیاں پانی، سنگور، ند داخلی کومی، چوتھلا، داخلی کمی کوٹ، کیرا بڑھیارہ متصل گڑھی دوپٹہ (سرو چھپے)۔ کنیاں، چھاؤ تحصیل اوڑی میں ہیں۔

پائیال جیس کے فرزند پاچی کی اولاد کو پائیال کہتے ہیں۔ علاقہ آزاد کشمیر میں ہٹریولہ ٹھنڈ دیئی۔ گہل چھاؤ، چپیاتی علاقہ پونچھ۔ گنڈا داخلی میرا جاگی۔ گوجرہ تحصیل مظفر آباد۔ دھر نگوہ، خیریاں قدیم، ڈرونگ میں پائے جاتے ہیں۔

نکال جیس کے بیٹے نیک محمد کی اولاد نکال نے مشہور ہوئی۔ آزاد کشمیر کے علاقہ ہاڑ مکیھتر ڈھیری۔ کھوت۔ داخلی نور پور بکراں، تحصیل مظفر آباد، چوتھلا کنڈیاں، ڈھاوے کومی لسان نڑاٹ، چکار و کنڈیاں، کڑی، چنار تحصیل اوڑی میں رہتے ہیں۔

بدھال ملک بدھ کے دو دیگر بیٹے بدھ سے بدھال مشہور ہوئے۔ چھتر علاقہ قدیم انگریزی پونچھ، سہوتر، ڈرونگ اپاسہ، چڑیالہ، ہٹریولہ، بکہ نڑاٹ، بھلوانی، تمر ڈھگہ داخلی نڑاٹ، جھم کوٹلی جاوا متصل کومی کوٹ، سیری، بکہ فتوٹ سیری، پونہ، کیری بنیاں ٹھہرے وغیرہ علاقہ آزاد کشمیر میں رہتے ہیں۔

بھکرال بدھال کو بعض نسخوں میں پنوار کی شاخ (یعنی گوجر) بتلاتے ہیں۔ بعض میں حضرت علیؓ کی اولاد کہلاتے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ راولپنڈی، جہلم، گجرات وغیرہ اضلاع میں ہیں۔

شاید یہ بدحال قوم سوائے متذکرہ بالا کے کوئی اور ہو۔ یا یہی ہوں۔ (ماخوذ تاریخ اقوام پونچھ و شاہان گوجر)

شاہ منگی شاہ منگی یا شاہ بنگی) ایک قوم کاگان کے درہ میں سوائے سیدان و سواتیان کے علاقہ گھنول۔ پنجہ وغیرہ میں رہتی ہے۔ وہ اپنے آپکو اعوان کہلاتے ہیں۔ اور یہ گوجروں کے علاوہ ہیں۔ بول چال، لباس، دوسرے لوگوں جیسا ہے۔ اپنے ملک علاقہ میں گوجری زبان برتتے ہیں۔ رسم و رواج مذہبی بڑی کوشش سے پورا کرتے ہیں۔ اکثر بھیڑ بکریاں پالتے ہیں۔ عجب ہے کہ گوجروں میں طویل عرصہ زندگی گذارنے پر بھی آن ہی ختم نہیں ہو گئے۔ اور اپنے آبائی و اجدادی روایات کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں کچھ اچنبھا نہیں کہ وہ اعوان ہوں۔ انقلابات زمانہ سے نزدیک کے علاقوں سے وہاں جا گھسے ہوں۔ اور گم کردہ راہ ہو کر زندگی کاگان کے پہاڑوں میں گذارنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ ہم تو وہ روایات لکھتے ہیں جو کسی قوم نے خود یا کسی دوسرے مؤرخ نے انکی قوم اعوان سے ہونے منسوب کی ہوں۔ یا مشہور ہوں۔ داخل یا خارج کرنا ایک قوم کو دوسری قوم سے ہمارا کام نہیں۔ ہم بناتے نہیں بلکہ بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مستیال ملکال ہیتی بن سکن بن محمد شاہ کنڈان کی اولاد فیروز سے مستیال اور مالک خان کی اولاد سے ملکال کہلاتے ہیں۔ موضع پدہراڑ تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور میں آباد ہیں۔ نقیب احمد خان ولد جہان خان ان کا سرکردہ ہو گذرا ہے۔

باب پنجم

تاریخ الاعوان ہزارہ

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حسب توفیق و استطاعت اعوان قوم کی جزوی تحقیق تاریخ بیان کرنے کے بعد اب توجہ ہزارہ کی اعوان بستیوں و قوم کی طرف پھر رہی ہے اور یہی نظریہ ابتداً میرا تھا۔ اور یہ جو کچھ جمع و بیان کیا گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ سب وسعتوں سے محروم تھا۔ مگر ہوا یہ کہ جب فطرتی طور پر مجھے اعوان قوم کی اصل اور آمد ہند و پاک پر نظر دوڑانی پڑی۔ کتابوں، بیانوں کو ٹٹولنا پڑا۔ تو مجھے ایک گونہ مایوسی ہوئی۔ کتابوں، شہری زندگی، قومی مرکز سے بہت دور دراز سنسان اور بیابان پہاڑوں میں بسنے والے رجال الجبال و مغلوک الحال انسان کے لئے قومی تاریخ مرتب کرنا ایک آسان کام یا کوئی تر لقمہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ میں نے اپنی وسعت بھر ہی کچھ کام کیا ہوگا۔ اور قارئین کرام ہی اس کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اس ضمن میں مجھ سے کیا کیا کوتاہیاں و لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔

میں نے اس باب میں بالکل ایک نیا قدم اٹھا کر اعوان قوم کو انہی سمجھ میں صحیح واقعات سے روشناس کرانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور کسی دوسری قوم کی دلآزاری و غرض مقصود نہیں ہے۔ قوم کے مفکرین و مدبرین اہل علم کیلئے گہری سوچ بچار کے دروازے کھل جائیں گے۔ میری تحقیق حرف آخر نہیں۔ مگر ان اقوال، رجحانات، نظریات سے رجوع بھی بلا دلیل و برہان ممکن نہ ہوگا۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ تحقیق و تجسس مزید کی ضرورت نہیں۔

اعوانان ہزارہ کی قومی تاریخ اس سے کوئی جدا تاریخ نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ قوم اعوان کی تاریخ ہے۔ خواہ وہ ہزارہ میں ہوں یا ہزارہ سے باہر کے اضلاع پاک و ہند میں ہوں بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آل علویون الاعوان کی تاریخ ہے۔ جو جہاں کہیں بھی ہوں۔ اور از نسل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ تحقیق الاعوان

اعوان قوم جو اپنے آپکو قطب شاہی کہلاتے ہوں یا فرزندان حضرت علیؓ سے حضرت محمد ابن الحنفیہؒ، حضرت عباسؓ، حضرت عمر الاطرفؒ سے ہوں۔ سوائے اولاد حسنؓ و حسینؓ عنہ کے کہ جو سیدے منسوب ہوگئے ہیں۔ ہمارے ملک کی اصطلاح میں۔ ہماری زبان اعوان ہی کے نام سے ہو پکارتی و سمجھنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ وہ پہلے علوی ہیں، پھر ہاشمی ہیں اور قریشی بھی ہیں، یہی دونوں اور سلسلہ انساب سے واضح ہوتا ہے۔ اعوانانِ ہند و پاک میں اکثر علوی النسل محمد بن الحنفیہ مشہور در ہند امام حنیفؒ کی اولاد سے ہیں۔ خصوصاً ہزارہ، کشمیر، پونچھ اور بقول صاحب تاریخ اعوان شیر محمد خان کالا باغ قطب شاہی اعوان جہاں بھی اضلاع پنجاب و دیگر سابقہ میں ہوں وہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ یہی سمجھتے و اپنے آپکو شمار کرتے ہیں۔ وہ یہی پرانے شجرے نسب نسلاً بعد نسل۔ سینہ بسینہ روایات۔ تواترات نقل جتنی، کی بھری تواتر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہی میری اب تک کی معلومات ہزارہ کی اعوان اکثریت کے بیان سے بھی عیاں ہے۔ اور دیگر فرزندان علیؓ حضرت عباسؓ و عمر الاطرفؒ کی اولاد بھی پاک و ہند میں کثیر یا قلیل موجود ہے۔

۱۳۹۸ء میں جب امیر تیمور قدیم ہندوستان سے واپس ہوا تو ہزارہ کا ملک ترکوں کے حوالے کر گیا۔ جو کچھ عرصہ حکومت کرتے رہے۔ ترکوں کی ایک رجمنٹ جسمیں ہزار جوان ہوا کرتے تھے علاقہ کی حفاظت کیلئے مقرر تھی۔ ترک منگ کے نام سے اس رجمنٹ کو پکارتے تھے۔ یعنی ہزار آدمیوں کی رجمنٹ۔ یہی وجہ ہے ان ہزار آدمیوں کے رہنے کی وجہ سے اس علاقہ کو ہزارہ کہنے لگے اور ہزارہ مشہور ہوگیا۔ یعنی وہ علاقہ جہاں حکومت کی طرف سے ہزار آدمی علاقہ کی نگرانی کیلئے متعین تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کئی مثالیں ایسی موجود ہیں۔

ابتدائی حدود ہزارہ کی معین تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت یہ ہزارہ صوبے کے ضلع راولپنڈی سے شمار ہوتا تھا۔ اور کبھی کشمیر کے ماتحت الحاق کیا جاتا۔ موجودہ زمانہ میں تحصیل ہری پور، ایبٹ آباد اور مانسہرہ تین تحصیلوں کی حدود کو ہزارہ کہتے ہیں۔ اور یہ حدود تعین بھی انگریزی کے وقت انتظام ملکی کے پیش نظر کرکے حصہ سابقہ سے وابستہ کردیا گیا۔ اور اکبر بادشاہ کے وقت سرکار پکھلی سے شمار ہوتا تھا۔

سترہویں صدی کے آخر اٹھارہویں صدی کے شروع میں آج سے تقریباً کوئی سوا دو سو سال قبل سید جلال بابا کی سرپرستی میں پکھلی پر سواتیوں کا حملہ ہوا۔ احمد شاہ درانی کے بعد پھر

پکھلی میں ترک برسر اقتدار تھے۔ ترک مغلوب ہوگئے۔ یوسف زئیوں نے جب اٹک سے پار تنولیوں کو نکال دیا تو وہ موجودہ تناول میں آ آباد ہوئے۔ تو ہزارہ کے اس علاقہ کو تناول کہنے لگ گئے۔ انہیں ایام میں دیگر اقوام جدون، کرڑال، ڈھونڈ اور ترین اتمانزئی وغیرہ باہر سے آکر ہزارہ میں آباد ہوتی رہیں۔ ان قوموں کی آمد کی ابتداء اٹھارہویں صدی کی اوائل میں ہوئی اور چونکہ اٹھارہویں صدی سے پہلے کی کوئی تاریخ موجود نہیں اسلئے ان واقعات کو ترتیب دینا اور ان کا کھوج لگانا ذرا مشکل ہے۔ مبالغہ آمیز واقعات کو درج تاریخ کرنا کچھ بھی ضروری نہیں ایک بااثر حکومت نہ ہونے کے نتیجہ میں ہی تغیرات نقل مکانی وغیرہ ہوتی رہی۔

اول یہ کہ ہزارہ موجودہ علاقہ پشاور، راولپنڈی، پنجاب کا ایک حصہ ہی شمار ہوتا تھا۔ جہاں اعوان قوم کی کثرت ہی کثرت تھی۔ کیونکہ اعوان قوم کا وجود چوتھی صدی ہی سے سلطان سبکتگین و محمود غزنویؒ کے جہادوں کے عہد سے ہی پاک و ہند میں آنا وغیرہ پچھلے اوراق میں ثابت کیا گیا ہے۔ اسلئے بھی اور دوسرا اعوان قوم کی اکثریت بھی اس امر پر دلیل پیش کرتی ہے۔ کہ موجودہ ضلع ہزارہ میں اعوان قوم مثل دیگر اضلاع پنجاب کے قدیم سے متوطن ہے۔ اور ۱۷۸۳ء کے قحط کلاں جو مسلسل پانچ سال رہا۔ اعوان کاری پوٹھوہار وغیرہ سے لوگ اٹھ اٹھ کر آئے۔ اور زمانہ ظلم و ستم سکھاں سے بھی اور پنجاب پر انکی یلغار کی وجہ سے بھی جانب جنوب سے جانب شمال دھکیلنے کے واقعات بھی مزید قرین قیاس ہیں۔

احمد شاہ درانی ۱۷۵۲ء میں پنجاب و کشمیر کا بادشاہ تسلیم ہوا تھا۔ اسکی حکومت کے آخری زمانہ میں ہزارہ کی حکومت قدر مضبوط ہوچکی تھی۔ کابل کے بادشاہ ملک کا مالیہ وصول کرنا چنداں مفید نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ ملک و حکومت کی بہبودی کیلئے اچھے سپاہیوں کا بہم پہنچانا۔ اور شاہی راستوں کی حفاظت و ضرورت زیادہ تھی۔ اور اس بڑی سڑک کی ضرورت کو جو کہ ضلع ہزارہ سے گذرتی ہوئی کشمیر تک پہنچتی تھی۔ نہایت اہم خیال کرتے تھے۔ اور یہاں سے ہی معافیاں اور جاگیریں قائم کرنی شروع ہوئیں۔ تنولی، کرڑال، گکھڑ جہاں جہاں آباد تھے انہیں کے سرداروں کو علاقے سونپ دیئے۔ اور ضلع ہزارہ کا دامنی علاقہ اٹک کے کارداروں اور ترین سرداروں کے حوالے کردیا۔

انیسویں صدی کی ابتداء میں درانی سلطنت کو ضعف آگیا تو ہزارہ میں بدانتظامی پھیل گئی۔ اسی بدانتظامی کے دوران جن خوانین و سرداران نے اپنے قبائل کو بدامنی سے بچائے رکھا

ان کے نام یہ ہیں (۱) سعادت خان سواتیوں کا سردار گڑھی حبیب اللہ میں (۲) جعفر خان زیرین ہزارہ میں جو خانپوری گکھڑوں کا سردار تھا۔ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۱ء تک غیروں کی دست برد سے قوم کو بچاتا رہا۔ (۳) نجیب اللہ خان ترین اٹھارھویں صدی کے آخر میں دامانی علاقہ ہزارہ کا حکمران تھا۔ اسکے بعد اسکی بڑی بیوہ سکھوں کی حکومت آنے تک حاکم بنی رہی۔ غرض اٹھارھویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز تک ہزارہ کا تاریخی زمانہ جنبہ داری، دغابازی، قتل، بین الاقوامی ڈاکہ زنی اور بد امنی سے معمور تھا۔ شاہ شجاع نے ۱۸۰۲ء میں اپنے کاردار زیچے کے قاضی صاحب کو مالیہ کی وصولی کیلئے ہزارہ کے دامانی علاقہ پر بھیجا۔ جو بمقام سکندرپور پر آیا تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ کچھ انسداد نہ ہو سکا۔ اور دس پندرہ سال تک مالیہ وصول نہ ہو سکا۔

۱۸۱۸ء میں ہاشم خان ترک کے ہاتھ سے کمال خان چھوٹی کا آدمی اس کا ہمعصر خانگی نزاع پر قتل ہو گیا۔ اور اس کشمکش میں سکھوں نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر سکھوں و ملکیوں و پڑوسیوں میں لڑائیاں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ تقریباً ۱۸۲۵ء سے ۱۸۴۶ء تک کا دور امن کا رہا۔ اور ۱۸۲۶ء میں ہری سنگھ حاکم ہزارہ نے ہندوستانی مجاہدین سید احمد شہید و اسماعیل شہید سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ جو وہ بھی سکھوں کے ظلم و ستم سے آگاہ ہو کر مظلوم مسلمانوں کی مدد میں وطن سے گھر بار سے ہجرت کر آئے تھے۔ اور کوہ پشاور سے سوات ہزارہ کی سرحدوں کیساتھ ساتھ ان کا جنگی محاذ سکھوں سے قائم رہا۔ مگر ان نادان مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیا کیا برتاؤ و سلوک روا رکھا۔ تمہارے کئی گزشتہ کے منصوبے اور عمل رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

۱۸۲۹ء میں مانسہرہ کی مغربی جانب ندی سرن کے پار پھلڑہ میں سکھوں سے مجاہدین کا معرکہ ہوا۔ احمد علی شاہ سید احمد شہید کے بھانجے شہید ہو گئے۔ اور پھر براستہ ننداڑ۔ کونش بھوگڑمنگ اور بالاکوٹ میں سکھوں کی معمولی چوکیوں کو مغلوب کرکے قبضہ کر لیا۔ اور آخر کار بمقام بالاکوٹ ۱۸۳۱ء کو سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید نے درجہ شہادت پاکر دار فانی سے دارالبقا کو کوچ کیا۔ اور پھر سکھوں سے انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں مکمل

لہ (۱) کشمیر خان ترک (۲) ہاشم خان ترک۔ کمال خان ترک۔ ایضاً سردار تھے۔ (۳) سیرت سید احمد شہید
ص ۲ ج ۲ پہلا باب سرگزشت ہزارہ و سرداروں کی داغ بیل ڈالنے والے)

طور پر ضلع ہزارہ وغیرہ پر تسلط و قبضہ کر لیا۔ اور ۱۸۶۳ء میں بندوبست شروع کیا گزیٹیر اور قوموں کے متعلق سرسری واقعات و بیان لکھے۔ یہ تھی مختصراً تاریخ ہزارہ جو واقعات کے تسلسل کیلئے تاکہ کچھ نہ کچھ پہلو سامنے نظر آجائے۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ ضلع ہزارہ کی اکثریت والی قوم اس عصر میں بھی لا مرکزیت و نفاق کا شکار ہو رہی تھی (ماخوذ)

ایک اور روایت بھی اعوانوں کی اس ضلع میں اتنی ملتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ سال ۱۷۸۳ء مطابق ۱۱۹۸ھ ہجری سمت سے مسلسل پانچ سال قحط رہا۔ اور یہ وہ قحط کلاں ہے کہ جسکی بھوک کی روایتوں کے متعلق آج بھی اپنے کانوں سنا بلکہ کتابوں میں لکھا دیکھنے سے مزید تسلی ہوئی کہ عورتیں اپنے خورد سال بچے بھنا نوچ کر کھا گئیں۔

موضع کلانواں تحصیل ہری پور میں ایک کشمیری عورت کے اپنے بچے کو پھاڑ کر کھانے کا چشم دید واقعہ دیکھا اور لکھا گیا ہوا ملتا ہے۔ جو بعد میں خود بھی مر گئی۔ لوگوں نے چیونٹیوں کے بل تک کھود ڈالے۔ بعض بلوں (یعنی سوراخوں و چیونٹیوں کے گھروں سے) ۳۰-۳۱۔ اور کی نصف ٹوپہ تک کی مقدار غلہ بھی برآمد کیا۔ اور ہر قسم کا غلہ ۱۸۴۰ سمت ہجری میں ۲-۴ سیر ہو گیا۔ گندم، جو، باجرا، نخود، روغن وغیرہ سب ایک ہی نرخ پر فروخت ہوتا۔ اور یہ نرخ فرضی تھا۔ غلہ نہیں ملتا تھا۔ اکثر لوگ مر گئے اور انکے گھروں کے ساتھ دبی ہوئی سو سو، ہزار ہزار روپے تک کی رقم پائی گئی پانچ سال کی طویل بھوک اور قحط کے بعد جب اللہ نے فضل کیا تو سطح زمین، سڑکوں راستوں، مکانوں اور گلیوں تک باجرا اور دیگر جنسیں حسب مراتب و ضرورت اگ آئیں اور یہ تکلیف ختم ہوئی اور بنی نوع انسان کو پیٹ کی آگ بجھانے کیلئے رزق نصیب ہوا تو اس قحط کے دوران پٹھوار کے لوگ اکثر اس ضلع میں آگئے۔ اور کشمیر سے بھی بہتیرے لوگ آئے تھے۔ پٹھوار اعوان کاری ہے۔ جس میں اعوان کثرت سے ہیں۔ اسمیں دلیل ہے کہ وہ لوگ جو پٹھوار سے آئے وہ اعوان ہی تھے۔ اور اب بھی جو ضلع ہزارہ میں پٹھواری کہوٹ اعوانوں کی ہے شاید اسی دور کی یادگار ہے۔

اور یہ اکا دکا جو منتشر پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں ابتداً اپنے کنبہ و قبیلہ سے کسی تنازعہ

لہ ماخوذ از تاریخ ہزارہ ۱۸۷۲ء میجر ویس صاحب۔

قلہ وغیرہ یا کنبہ وقبیلہ پر زرعی معاشی انقلاب کے باعث اپنی جگہ و مقاموں سے رخت سفر باندھ کر دور دراز پہاڑوں میں پناہ لینے اور گذر اوقات کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ اور بعض مقامات پر بنجر و ویران زمینیں آباد کر کے قابض ہو گئے ۔

زوال غزنوی سلطنت کے ساتھ ساتھ انکی سرداریاں بھی ختم ہو گئیں ۔ اور ہر آنے والے ہندوستانی حملہ آور کا ساتھ دیا ۔ اور لامرکزیت کی وجہ سے خصوصاً آخری کھوں کے دور میں لاتناہی مصائب کا شکار رہے ۔ افرا تفری کے باعث ڈلہ جنبہ منزوی ہوا کرتا تھا ۔ قومیں اپنے اپنے شہروں علاقوں کا دفاع خود کیا کرتی تھیں ، نواب اور خان بہادر اور جنگجو کنبہ و افراد کے متلاشی اور دست نگر ہوا کرتے تھے ۔ اور بعض مواقع پر اس وقت دوران میں تنہا شخصیتوں نے بھی وہ بہادرانہ کارنامے انجام دیئے ہیں کہ اس وقت بیسوں آدمی بھی اکٹھے مل کر نہیں کر سکتے ہیں ۔ جن روایتوں کو سنکر کانوں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں ۔ اور چند دل اور دماغ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے ۔ اب اسکے بعد اعوان شخصیات ہزارہ اور چند اعوان خاندان تحصیل مانسہرہ کے بیان کر کے کتاب ختم ہو گی ۔

ذکر خاندان قاضیان سکندر پور گولڑے اعوان

چونکہ انگریزوں کے عہد کی لکھی ہوئی تاریخ سے پہلے کا کوئی ایسا قلمی نسخہ دستاویز تاریخ نہیں ہے جس میں موجودہ ہزارہ میں بسنے والی اعوان قوم کی نسبت کوئی ذکر اذکار کیا گیا ہو اسلئے میرا ماخذ اس بارے میں صرف تاریخ ہزارہ ۔ کپتان ایڈورڈ جارج ویس صاحب مہتمم بندوبست سنہ ۱۸۷۲ء میں جو تصنیف ہوئی ہے وہی ہے ۔ اور ہزارہ گزیٹیئر کے کچھ پیراگراف ہیں لیکن مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جس طرح فرداً فرداً ہزارہ میں بسنے والی دیگر اقوام کا ذکر ہے یا مقام دیا گیا ہے اعوان قوم کے متعلق کچھ بھی بحیثیت مجموعی ذکر نہیں کیا گیا ہے حالانکہ ہزارہ میں اکثریت اس قوم کی بندوبست میں باقی تھی ۔ صرف تاریخ ہزارہ کی فصل شانزدہم

میں قوم قاضی کا پرانا حال کے عنوان سے ذکر درج کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ :-

تاریخ ہزارہ کے اندراج کے مطابق یہ خاندان جس کے اس وقت دو گھر مشہور ہیں ۔ قاضی عبد الغفار اور قاضی غلام احمد ۔ اصل میں اعوان گوت گولڑہ سے اپنی نسبت بیان کرتے ہیں ۔ بہ سبب علم کے قاضی کے نام سے انکی شہرت ہے ۔ اور اصلی جگہ اپنی گولڑہ ضلع راولپنڈی ظاہر کرتے ہیں ۔ اور سعد یہ کھواتے ہیں ۔
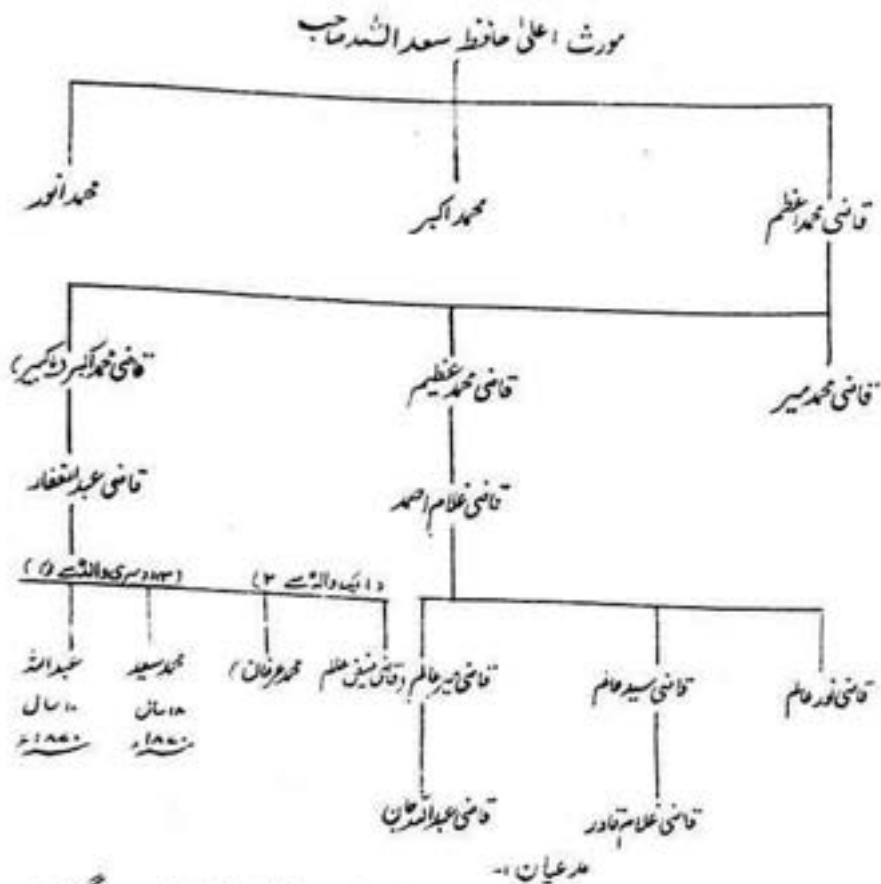
مدعیان :-

یہ شجرہ بندوبست تک کا ہے ۔ تکھا ہے کہ ایک مقدمہ حقیت کا مابین ہر دو گھر اس بندوبست ۱۸۷۰ء میں تحقیقات ہو کر فیصل ہوا ۔ انکی تحقیقات سے جو حال ان کے دخل کا ظاہر ہوا وہ مندرجہ ذیل ہے ۔

چار مواضعات انکی ملکیت قرار پائے۔

(۱) سکندرپور۔ قوم ترین کی ملکیت ہے۔ ان کے دخل میں آیا۔

(۲) پچیرہ (ایضاً) قوم ترین کی ملکیت ہے انکے دخل میں آیا۔

(۳) ہری پور۔ قوم ترین کی ملکیت ہے پہلے سردار ہری سنگھ نے انکو دیا۔ بعد میں میجر ایبٹ نے انکے نام منتقل کر دیا۔

(۴) ڈھیری۔ قوم ترک کی۔ انکی طرف سے بطور سیری دیا گیا۔

(۵) قاضیاں (ایضاً)

موضع ڈھیری کی حد سے چک سکندرپور عہد سکھاں میں (یعنی سکھوں سے پہلے) اعوان گوزہ بطور سیری و جاگیر ملا تھا۔

(۶) موہڑہ میں اصل مالک قطب شاہی اعوان ہیں۔ بعد میں دوسری اقوام آکر آباد ہو گئیں۔

ذاتی حالات:- عہد سکھاں میں یہ خاندان خیر خواہ سرکار وقت رہا۔ قاضی غلام احمد معزز ملازم سرکار سکھاں تھا۔ اور قاضی عبدالغفار نے ۱۸۴۸ء کی شورش میں چتر سنگھ کی بغاوت میں میجر ایبٹ کی بڑی عمدہ خدمت ادا کیں۔ اور اس کے عوض میں جاگیر انعام و تحصیلداری پائی۔ اور پھر عہد سرکار انگریزی میں قاضی میر عالم صاحب نے اپنی محنت و دیانت سے بہت عزت حاصل کی۔ اور ضلع کے اکسٹرا اسسٹنٹ ہوئے۔ ایک خط ڈپٹی کمشنر ہزارہ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۶ء ایبٹ آباد سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی عبدالغفار کو میجر جیمس ایبٹ نے فروری ۱۸۴۹ء میں ہری پور کا تحصیلدار مقرر کیا تھا۔ یہ ان خدمات کا صلہ تھا جو انہوں نے سکھوں چتر سنگھ کی بغاوت کے دوران حکومت انگریزی کے لئے کی تھیں۔ بعد کو اس صلہ میں ۱۴۰۰ روپے کی سالانہ پنشن ملی۔ جو بعد میں نقد پنشن جاگیر میں تبدیل ہو گئی۔ جاگیر میں موضع ڈھیری ۵۵۲/۰ روپیہ اور سکندرپور ۳۴۴/۰ کل ۸۹۶/۰ روپیہ کی تھی۔ قاضی عبدالغفار ۱۸۸۱ء میں فوت ہوئے۔

عہ سند میں قاضی عبدالغفار ولد قاضی محمد کبیر درج ہے۔ حالانکہ شجرہ میں قاضی محمد اکبر ہے۔
ماخوذ از قلمی مسودہ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی ایبٹ آباد۔

شجرہ ماجد کا اولاد قاضی عبدالغفار۔ شق (۱) عہ

- (قاضی فیض عالم — سگے برادران — محمد عثمان)
- (محمد سعید — سگے برادران — عبداللہ)

- محمد عثمان
  - عبدالرحمن (لاولد)
  - عزیز الرحمن
    - محمود خان
    - مسعود خان
    - تیمور خان
    - ابراہیم
- محمد سعید
  - قاضی محمد اسلم
    - محمد اسد
    - محمد آصف
    - پرویز
  - محمد اکرم
    - محمد اقبال
    - محمد افضل
    - جمیل
    - افتخار
  - قاضی محمد صادق
    - نسیم
    - نعیم
- عبداللہ
  - میاں افضل
    - عبدالقیوم
    - غلام سرور
- قاضی فیض عالم
  - قاضی فضل الٰہی
    - قاضی محمد یوسف
      - عبداللطیف
        - محمد عارف
        - محمد ناصر
      - محمد شریف
        - محمد شفیق
        - قیصر
      - محمد اعظم
      - محمد نوروز
      - محمد حنیف
    - عبدالحمید
    - محمد یعقوب
      - محمد فاروق
    - محمد داؤد
      - محمد شوکت
    - محمد یونس
      - عبدالرشید
  - عبدالجبار
    - مظفر حسین
    - محمد الیاس
    - محمد ارشاد
  - محمد اکبر
    - محمد انور
    - مشتاق حسین
    - عبدالعظیم
  - محمد اصغر
  - دختر

عہ بہ امداد مکرمی قاضی محمد یوسف صاحب سکندرپور۔ ہزارہ

شجرہ شق (ب)

- قاضی غلام احمدؒ
  - قاضی میر عالم
    - قاضی عبداللہ جان
      - عبدالودود
      - عبدالواحد
      - عبدالمالک
      - قاضی محمد یوسف
      - عبدالحئی
        - جہانگیر عالم
        - [illegible]
  - قاضی سید عالم
    - غلام قادر
  - قاضی نور عالم
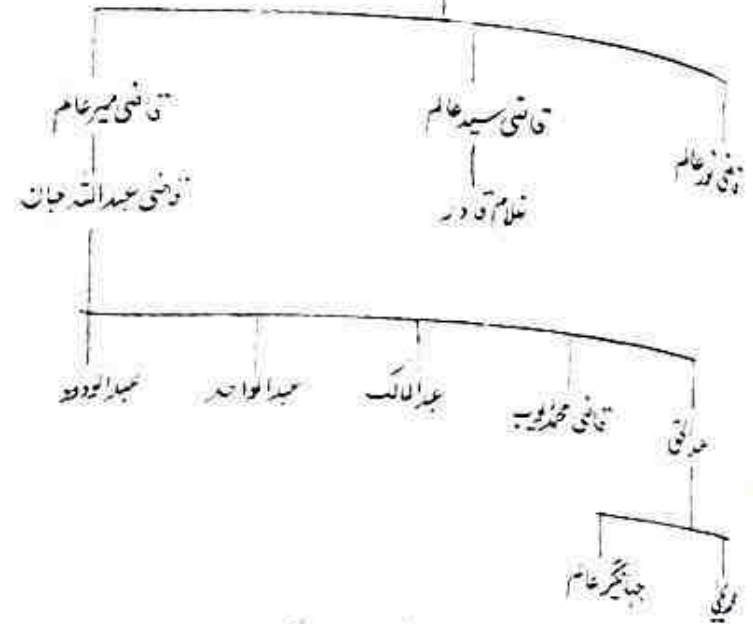
اس کے بعد بندوبست ۱۹۰۴-۰۵ء کے ہزارہ گزیٹیر میں لکھا ہے کہ سب سے نمایاں خاندان اس قوم میں سکندر پور کے قاضیوں کا ہے۔ جو گوڑہ قطب شاہ میں۔ ان کے سربراہ قاضی فضل الٰہی ہیں۔ جو قاضی عبدالغفار کا پوتا ہے۔ قاضی عبدالغفار ہزارہ کا دایاں بازو تھا۔ انکی جاگیر دو ہزار روپیہ سے متجاوز ہے۔ اور وہ ہری پور کا میونسپل کمشنر ہے۔ اس خاندان کا دوسرا نامور رکن قاضی عبداللہ جان ہے۔ جو ہری پور میں سب رجسٹرار ہے۔ اور اس کا والد خان صاحب قاضی میر عالم ایک مشہور ای اے سی تھا۔ جسے ریٹائر ہونے پر فرسٹ کلاس آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔

فہرست جاگیرداران ہری پور تحصیل میں قاضی فیض عالم ولد قاضی عبدالغفار قوم گورڑہ (گوڑہ)

عا۔ بعد از کرم قاضی محمد یوسف صاحب سکندر پور [illegible] ہری پور ہزارہ [illegible]

ساکن سکندر پور عمر ۴۲ سال اور قاضی میر عالم ولد قاضی غلام احمد صفحہ تاریخ ہزارہ ۱۱۵۴ نمبر (۲۸-۲۹) نمبر پر درج ہیں۔

تاریخ ہزارہ میں جن چوبیس بزرگان قوم ہزارہ کی تصاویر ۱۸۷۲ء میں صفحہ نمبر (۵-۱۰) علی الترتیب پرانے زمانے کی فوٹو گرافی (یا قلمی) طرز پر کھینچی ہوئی قاضی عبدالغفار جب اس درباری قوم اعوان گوڑہ رئیس سکندر پور اور قاضی میر عالم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہزارہ وزیر دکھائی دے رہے ہیں۔

تصویروں کے فٹ نوٹ میں مختصر تعارفی عبارات بھی درج ہیں کہ خیر خواہ سرکار وقت رہے ۱۸۵۷ء میں سرکار وقت کی مدد کی۔ اور جاگیریں بھی پائیں۔ مگر ان کا معزز علم ہی مشہور رہا۔ اور لکھا ہے کہ قاضی عبدالغفار بندوبست ہی میں مر گئے۔ اور فرزند کلان قاضی فیض عالم نے علم اور رہبانہ اری میں اور ملکی عزت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اور بعد مرنے باپ کے نہایت درجہ کی نیک نامی و شہرت پائی۔ خیر خواہ ملک و خیر خواہ سرکار رہے۔ قاضی میر عالم ہمشیرہ زاد قاضی عبدالغفار تھے اپنی ذاتی لیاقت سے محرری سے یکدم اعلیٰ درجہ معزز سرکار حاصل کیا۔ اور نصف ملکیت بھی دیہات مقبوضہ قاضی عبدالغفار سے بروئے مقدمہ بذریعہ عدالتی امورات کے جوڑ توڑ، ہوشیاری اور کچھ لوگوں کا ان سے حسد کرنا بھی ذکر کیا ہے اور قاضی میر عالم نے رواجنامہ اعوان قوم سے مل کر اور شامل کر کے تحریر کرایا ہے۔ رواجنامہ سال ۱۹۰۴-۰۵ء میں بھی لکھا ہے۔ کہ قوم اعوان کی آمد کا حال بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں۔ اس کا سردار گھر سکندر پور میں ہے۔

مسٹر واٹسن مہتمم بندوبست نے ہزارہ میں اعوان قوم کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اعوان قوم تمام ضلع میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور دوسری قوموں کیساتھ کچھ اس طرح گڈمڈ ہو گئی ہے۔ کہ اسے صحیح طور پر پہنچانا مشکل ہو گیا ہے۔ بندوبست سال ۷۲-۱۸۷۰ء میں ہزارہ کی اعوان نفری کا شمار اور تعداد پچاس ہزار پانچ سو چونسٹھ اور بندوبست ۰۵-۱۹۰۴ء میں انکی مجموعی تعداد نوے ہزار چار سو سنتالیس ہے۔ گویا سابقہ ہندوستان سے تیس پینتیس سال میں پورے اکتالیس ہزار بڑھ گئی۔ اور بندوبست ۴۷-۱۹۴۶ء میں اگر رفتار یہی شمار کی جائے تو ایک لاکھ ۳۱

عـ بزرگوں سے سنا ہے کہ ۰۵-۱۹۰۴ء کے بندوبست میں قاضی میر عالم کی قومی ہمدردی و احساس رکھتے ہوئے ہمارے گھرانے گوڑہ کیساتھ کافی ہمدردیاں رہیں۔ عـ حال معلوم کرنیکی زحمت کس نے گوارا کی ہے؟

بڑے بانفوذ ہوگئے۔
اور کھا ہے کہ یہ لوگ عام طور پر بڑے مضبوط اور توانا ہیں۔ خوش اخلاق اور عمدہ کسان
پیدا یعنی زراعت پیشہ ہیں۔ انکی اکثریت قطب شاہی ہے۔ اور باقی کھوکھر اعوان ہیں۔

بیان حال اولاد قاضی عبد الغفار صاحب رضا اعوان گوگڑھ سکنہ لپور تحصیل ہری پور ہزارہ

خدا کا شکر ہے کہ بیان سے قبل جو کچھ مستند کتب تاریخ وغیرہ سے مطالعہ میں گذرا۔ اعوانوں
کا جزل جزوی تاریخ بیان کردیگئی۔ اب ہزارہ کی چند اعوان شخصیتوں کا ذکر برائے تعارف
مزید بہ قارئین کرام کرتا ہوں۔
چونکہ ہمارے ضلع ہزارہ میں انگریزوں کی ایک آدھ کتاب کے سوا اور کوئی تصنیف نہیں
تھی۔ ان میں قوم اعوان کے خاندان قاضیاں ہری پور سے ہی شروع اور تعارف کرایا گیا
ہے۔ بلکہ انہی تک محدود ہے۔ اسلئے برائے تسلسل و پرانا سروار گھر ہونے کے اسی
خاندان کے ذکر سے شروع کیا جاتا ہے۔ جو اعوان گولڑہ کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا ہے
شجرہ نسب سے عیاں ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ حافظ سعد اللہ خان صاحب تھے۔ جو
موضع گولڑہ ضلع راولپنڈی سے یہاں آبسے تھے۔ انکی نسل سے قاضی محمد اعظم اور ان کے
بیٹوں قاضی محمد عظیم کی اولاد سے قاضی غلام احمد اور قاضی محمد اکبر کی اولاد سے قاضی عبد الغفار
آپ ایک قدر ومرتبت پیدا ہوئے۔ جن کا مفصل ذکر تاریخ ہزارہ وگزیٹیر ہزارہ سے گذشتہ اوراق
میں گذر چکا۔ قاضی عبد الغفار کے چار بیٹے تھے۔ قاضی فیض عالم۔ قاضی محمد عرفان جو ایک
والدہ سے۔ اور قاضی محمد شفیع و قاضی عبد اللہ) دوسری والدہ سے۔ قاضی فیض عالم صاحب
کے چھ لڑکے۔ قاضی فضل الٰہی، قاضی عبد الجبار، قاضی محمد اکبر اور قاضی محمد اصغر۔ قاضی فضل الٰہی
کے پانچ لڑکے۔ کرنل قاضی محمد یوسف۔ قاضی عبد الحمید، قاضی محمد یعقوب، قاضی محمد داؤد
اور قاضی محمد یونس۔

ملک گوگڑھ جو ان سب قطب شاہی اعوان ہیں۔ یہ تفرقہ گوگڑھ سے پیدا ہوگئی۔

کرنل قاضی محمد یوسف کا احوال

قاضی فضل الٰہی کا حال پیچھے تاریخی حوالوں سے گذر چکا۔ کرنل قاضی محمد یوسف صاحب
قاضی فضل الٰہی صاحب کے بڑے فرزند سعادت مند ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان قاضیاں
کے حالات و واقعات کی روئداد بیان کرنی ایک مستقل کتاب مانگتی ہے۔ اس مختصر میں تو فقط
گنجائش کہاں !
سب سے اول جب انگریزوں نے سکھوں سے مکمل قبضہ حاصل کر لیا۔ مختصر تواریخی اور
حالات اقوام کی لکھنی چاہیں تو ہزارہ میں اعوان خاندانوں کا صرف یہی ایک خاندان قاضیاں
کے نام سے مشہور تھا۔ جس کا مختصر ذکر پیچھے گذر چکا۔ یہ بھی اپنے پڑوس کیا بلکہ ہزارہ کے
رؤسا میں جائداد، سیاست، جاگیرداری، کرسی نشینی، نمبرداری جملہ حالات اور واقعات میں
ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ میجر ایبٹ کے زمانہ میں ان کے دائیں بازو سے شمار کیا گیا۔ بہتیری
سندات وخطابات پائے۔ اور اب تک حاصل کرتے رہے ہیں۔ اب جبکہ ان کے
حالات پر پوری ایک صدی گذر چکی ہے۔ جو بڑی بڑی قوموں کنبوں کے زوال اور تنزل
کے لئے طول اور کافی زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اب بھی خدا کے فضل سے اپنی بے پناہ جائداد و
خدمات کی وجہ سے ہر عام و خاص میں مقبول ہیں۔ اور اپنے گاؤں میں دینی خدمات کیلئے مدرسہ
جاری رکھ کر یہ پیڑھی ابھی تک خالی نہیں چھوڑا ہے۔
کرنل قاضی محمد یوسف صاحب سلسلہ بسلسلہ اب ہمارے وقت اور زمانہ میں کہ بیشتر
پرانی شخصیتوں کے انہدام کا زمانہ ہے۔ ہر پوچھنے اور تعارف کرانے کیلئے کرنل قاضی محمد
یوسف صاحب کا نام لیا جاتا ہے۔ افسران ضلع وصوبہ نے ہمیشہ اس مقام کو اپنی آمد
قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا ہے۔ اپنے کنبہ وقبیلہ کی طرف سے گویا ہر قسم کی
ذمہ داری کا بوجھ و سہرا اب ان کے سر پر ہے۔ نہایت خلیق، مہمان نواز، خندہ پیشانی حیادار
انسان ہیں۔ ابتداً فوج میں ملازمت کی۔ فوجی خدمات اور بہادری کے تمغہ جات و اعزازات سے
اور ستارہ خدمت کے معزز خطاب سے نوازے گئے۔ بہتیری سندات حاصل کیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد ضلع ہزارہ میں ہندوؤں کی جائداد کے کسٹوڈین رہے۔ ریکروٹنگ آفیسر بھی رہے۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر، جرگہ ممبر۔ اور یونین کونسل کے چیئرمین بنائے گئے۔ غرض انکی زندگی کا بیشتر حصہ قومی خدمات میں صرف ہوا۔ اور خدمت کا جذبہ ان کے حصہ میں کہیں زیادہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اور اب بھی وہ ہمہ تن قومی خدمات میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ اپنے گردو پیش میں بارسوخ اور ہر دلعزیز ہیں۔ ان کے خاندان کے بیشتر افراد نے ممتاز عہدے حاصل کئے۔ ان کے پانچ صاحبزادے ہیں۔

عبداللطیف۔ محمد شریف۔ محمد اعظم، محمد نوروز اور محمد حنیف نام ہیں۔

عبداللطیف کے محمد عارف اور محمد ناصر دو لڑکے ہیں۔ اور دوسرے محمد شریف کے ایک لڑکا محمد شفیق، اور دوسرا قیصر ہے۔

ان کے دوسرے بھائی قاضی عبدالحمید ڈسٹرکٹ جمعدار بھرتی ہوئے۔ آنرری لفٹیننٹ اور ضلع ہزارہ کے ریکروٹنگ آفیسر ہیں اور ایک اور بھائی قاضی محمد داؤد صاحب کیپٹن فوج ہیں۔ ان کے چچا قاضی محمد اکبر جنگ عظیم اول میں رسالدار ہوئے اور بہادری کا خطاب ملا۔ اور دوسرے چچا قاضی محمد اصغر، صوبیدار ہوئے۔ جنکی موت گھڑ سواری میں واقع ہوئی۔

قاضی محمد اسلم صاحب

پشاور ڈویژن کے ممتاز وکلاء میں سے شمار ہوتے ہیں۔ صاحب ثروت، ذی وقار شخصیت کے مالک ہیں۔ میری جستجو شخصیات کے بارہ میں بہت محدود رہی۔ خاندان قاضیاں خود ایک مکمل تاریخ و کتاب کا حامل ہے۔ اور ان میں سے بعض افراد کی خود شخصی حالات و کارنامے ایک مستقل کتاب کا عنوان ہیں۔ انہیں میں سے قاضی محمد اسلم صاحب ہیں۔ اور گو کہ خاندان سکندر پور، ہری پور ہزارہ کے ایک روشن چراغ ہیں۔ جو پشاور ہی مسکن گزیں ہو گئے ہیں۔ ان کے تین لڑکے محمد اسعد محمد آصف اور پرویز ہیں۔

قاضی محمد اسلم کے دوسرے بھائی قاضی محمد اکرم ہری پور میں اور قاضی محمد صادق ایبٹ آباد میں مشہور وکلاء میں شمار ہوتے ہیں۔

قاضی میر افضل

قاضی عبدالغفار کے لڑکے قاضی عبداللہ صاحب کے بیٹے ہیں۔ اور فوج میں میجر کے عہدے پر فائز ہیں۔

قاضی محمد ایوب

قاضی میر عالم صاحب کی اولاد سے قاضی عبداللہ جان کے فرزند ہیں۔ اور فوج میں کیپٹن کے عہدہ پر فائز ہیں۔ ان کے دوسرے بھائی قاضی عبدالمالک صاحب نے قاضیوں کے خاندان میں کافی شہرت حاصل کی۔ گھوڑے رکھنے، نیزہ بازی کرنے کے بڑے شوقین، خراج و ایسے نوجوان گذرے ہیں۔ نیزہ بازی کی ٹیم لیکر ہزارہ اور بیرون ہزارہ دور دراز تک لے جایا کرتے تھے۔ نسب نامہ شامل کیا گیا ہے۔ خاندانی تعارف کیلئے کافی ہے۔ حتی القدر معلومات کی حد تک خاندان قاضیاں گورگرے اعوان سکندر پور ہری پور ہزارہ کا حال ختم ہوا۔

حکیم عبدالسلام صاحب (اعوان) حکیم حاذق ہری پور ہزارہ

افسوس کہ مجھے ہزارہ کی شخصیات کے ذکر کرنے میں وہ موقع و مقام حاصل نہ ہو سکا جسکی میں دلی خواہش رکھتا تھا۔ جو لوگ خود اپنی تاریخی شخصیت کی طرف ڈالتے ہیں۔ میری یہ چند سطور ان کے تعارف کیلئے ناکافی ہیں ایک گونہ خود میری شرمندگی کا باعث ہیں۔ جن لوگوں نے قوم و ملک کیلئے انتہائی جدوجہد میں حصہ لیکر قید و بند کی صعوبتیں اٹھائی ہیں۔ خصوصاً انگریز کے دور غلامی میں انکی تاریخ سنہری ورقوں پر لکھے جانے کے قابل ہے۔ حکیم صاحب کی طول و طویل زندگی قومی خدمت کا کھلا ہوا ایک ورق ہے۔ کسی کام اور مقام کی اہمیت رکھنا اور بات ہے۔ اور کسی عہدہ یا مقام تک نہ پہنچ سکنا خصوصاً اس دور میں امر دیگر ہے۔ حکیم صاحب بڑے سنجیدہ، مدبر، نڈر، حق گو، منصف مزاج اور ذی وجاہت شخصیت کے مالک ہیں۔ عوامی اور قومی کاموں میں بے لوث خدمتگزاری کی ہے۔ سیاست حاضرہ میں دلچسپی لینے سے دل برداشتہ ہیں۔ اور خاموش زندگی گذارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ انکی دیانت خلوص و کردار کا شہرہ دور دراز تک ہے۔ ہری پور خاص میں شفاخانہ کھولکر ہر خاص و عام کو فیض یاب ہونے کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں۔ ان کے بزرگ مورث اعلیٰ میاں مالم سون سکیسر سے ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور میں آئے ہیں۔

ان کے چھ صاحبزادے ہیں۔ محمد طارق جو سب سے بڑے ہیں اور فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہیں۔ محمد قاسم، محمد طیب، کفایت اللہ اور محمد جنید ہیں۔

حکیم صاحب کے پانچ بھائی معین الدین، زین العابدین، عزیز الرحمن، عبدالرحمان اور عبداللطیف ہیں۔ عزیز الرحمن کی اولاد سے محمد عثمان کیپٹن فوج کے عہدہ پر فائز ہیں۔ باقی اسمائے خاندان شجرہ نسب منسلکہ پر درج ہیں۔

(۱) شجرہ نسب حکیم عبدالسلام۔ ہری پور۔ ہزارہ —— ۲۱ ۵/۶۴

میاں محرم مورث اعلیٰ

- عبدالشکور (سامنے دوسرے صفحہ پر)
- عبداللہ
  - میر احمد
    - عبدالوہاب
      - محمد
        - چمن
        - اکبر
        - اللہ داد
        - گوہر امان
        - محمد ایوب
      - عبدالغنی
        - محمد سلیمان
        - محمد نواز ختم
      - احمد دین — ختم
      - عبدالباری
        - بوستان ختم
    - نادر دین
  - نور احمد
    - غلام احمد ختم
  - محمد حیات
    - احمد دین
    - محمد دین
      - عبدالسلام
        - محمد طارق
        - محمد قاسم
        - انور رشید
        - محمد طیب
        - کفایت اللہ
        - محمد جنید
      - معین الدین
        - خالد ختم
      - زین العابدین
        - محمد سلمان
        - محمد لقمان
        - عبدالحی
      - عزیز الرحمن
        - حبیب الرحمن
        - محمد عثمان
        - حامد
        - خلیل الرحمن
      - عبدالرحمن
        - محمد یحییٰ
        - محمد مصباح
        - عبدالمجید ختم
      - عبداللطیف
  - محمد جی
    - نور دین
    - امام دین
      - کلب
      - لعل
    - فضل
      - عبدالعزیز
      - چمن دین
      - روشن دین
      - ولی داد
    - عبدالرحمن
- عبدالغفور

(۲) شجرہ میاں محرم مورث اعلیٰ حکیم عبدالسلام ہری پور۔ ہزارہ۔ عبدالشکور ولد میاں محرم

- عبدالشکور
  - محمد نور
    - فضل الٰہی
      - چمن
    - کرم الٰہی
      - عبداللہ
  - شیر
    - نواب علی
      - غلام علی
        - عبدالجبار
        - یعقوب
        - نبی
      - گلاب
  - احمد
    - نواب
      - مدت
- عبداللہ
- عبدالغفور

غفر اللہ لھم وسائر المؤمنین والمؤمنات، والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات برحمتک یا ارحم الراحمین ۰

یہ خاندان موضع آنگہ شاہ بلاول، تھانہ نوشہرہ۔ تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور علاقہ سون سکیسر سے میرپور تحصیل ہری پور ہزارہ میں آئے۔

ملک فضل داد خان ڈائرکٹر محکمہ زراعت پشاور ڈویژن

ملک فضل داد خان ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور کے ایک گاؤں الولی نام کے اعوان قوم کے ایک فرد وحید و رشید ہیں۔ جو اپنی خداداد قابلیت و فہم سے ترقی کرتے ہوئے ڈائرکٹر محکمہ زراعت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنے عہد ملازمت میں جہاں بھی رہے، اور جس عہدے پر رہے۔ بڑی محنت اور دیانتداری سے کام سرانجام دیا۔ پشاور ڈویژن میں نہایت نیک نامی، خوش اخلاقی، فرض شناسی کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کی۔ اور عوام و خواص میں ہر دلعزیز ثابت ہوئے۔ اپنے فرائض میں شامل زراعتی ترقیاتی سکیموں کو بڑی تن دہی اور محنت شاقہ سے کام لیتے ہوئے بام عروج پر پہنچا رہے ہیں۔

سالانہ پھلوں و سبزیوں کی نمائش پشاور ڈویژن پشاور میں بڑے اہتمام و شان سے سرانجام پاتی ہے۔ ڈویژن کے کونہ کونہ سے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت دور دراز کے دیہات میں اپنی حدود کے اندر دورے کر کے ملک و علاقہ کے کاشتکاروں و زمینداروں میں شعور پیدا کر کے بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ ضلع ہزارہ کے بالائی و پسماندہ برف پوش پہاڑیوں کے دامن میں چھوٹے چھوٹے قطعات ارضی کی سرسبزی و باغات و سبزیاں وغیرہ بہت کچھ ان کے دور کی یادگار و مرہون منت ہونگی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۱۷ر فروری ۱۹۶۳ء کو بجلی میں بفہ کے قریب ایک سنسان میرا۔ بالائی ہزارہ میں باغات کا ترقیاتی منصوبہ کے تحت سیبوں کے باغ کے افتتاح کے موقع پر جب ایم خورشید خان صاحب سیکرٹری وزارت خوراک و زراعت سنٹرل گورنمنٹ اور ملک خدا بخش خان سیکرٹری زراعت و خوراک مغربی پاکستان لاہور سے بنفس نفیس یہاں تشریف فرما تھے۔ جہیں ضلع ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب کے علاوہ دیگر معززین و رؤسا بفہ، اگرور، کونش وغیرہ شریک تھے۔ تو ملک صاحب موصوف جو اس وقت ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ زراعت تھے نے اپنے بصیرت افروز مقالہ میں پشاور ڈویژن کے محکمہ زراعت کے ترتیب و قیام اور آج تک کی کارکردگیوں کے مختصر مگر جامع مسلسل تفصیل وار جائزہ لیتے ہوئے

معزز افسران بالا و حاضرین کو روشناس کرایا۔ اور پشاور ڈویژن کے محکمہ زراعت کی جانب سے جن جن ضروریات و امور کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ ہر دو موصوف صاحبان سے ان ضروریات کو پورا کرنے اور اس پسماندہ علاقہ کے ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لانے و توجہ مبذول کرنے کی استدعا و اپیل کی۔ جس کے جواب میں ہر دو مذکور ذمہ داران محکمہ زراعت نے جوابی تقاریر میں حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور زیادہ سے زیادہ ہر ممکن امداد دینے کا یقین دلایا۔

بلاشبہ زراعتی پیداوار کی ترقی میں قوم اور ملک کی زندگی کا انحصار ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی سے قوم اور ملک کی تباہی لازمی اور یقینی ہو جاتی ہے۔ آج قوم اور ملک کے زعماء اس پہلو سے غافل اور بے فکر ہو کر کبھی نہیں بیٹھ سکتے۔ بڑھتی ہوئی انسانی آبادی کے پیش نظر رزق اور پیٹ کا مسئلہ جو اہمیت پکڑ گیا ہے۔ ارباب حل و عقد اس سے بے فکر نہیں ہیں۔ حکومت کاشتکار زمیندار کی حوصلہ افزائی کیلئے لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہے۔ معیشت اور اسباب معیشت توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ حکومت کی انتظامی مشینری کے ساتھ ساتھ محکمہ زراعت کے وجود اور کام کا سرانجام دینا بھی اتنا ہی لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے۔ جتنا کہ حکومت کے اور محکموں و کام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ محکمہ کے زندہ کام کرنے سے ملک اور قوم کی زندگی وابستہ ہے۔

دیہات، کسان، کاشتکار، زمیندار کروڑوں دیگر افراد کے لئے اناج اور غلہ پیدا کرنے کا باعث ہیں۔ اگر انکی طرف اس وقت توجہ نہ کی گئی تو ملک اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ دیہات میں مال مویشی پالنا نہایت مشکل ہو جانے کی وجہ سے مال مویشی میں بڑی حد تک کمی واقع ہو چکی ہے۔ زمینوں کی آبادی کا مسئلہ ہے اور پھر کاشتکار کا اگر ایک بیل مرجائے تو خریدنا دیہاتی کاشتکاروں کے لئے وہ مسائل ہیں کہ لایموت فیہا ولا یحییٰ الآیۃ کی مثل صادق آتی ہے۔ ملک کی آبادی پیٹ پالنے کیلئے ملازمتوں، کارخانوں اور جہاں کہیں جنگل ہیں دیہاتوں میں لکڑیاں کاٹ کر بیچنے میں مشغول ہو گئے ہیں۔ زمینوں کی طرف توجہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور زراعت میں مشغولیت کیلئے بہت کم لوگ، مواقع و اسباب باقی رہ جاتے ہیں۔ اصل مقصود زراعت سے ملازمت مقدم ہو رہی ہے۔ اور

ضروریات زندگی کی اشیاء کی گرانی غریب کاشتکار زمیندار کیلئے باعث صد تشویش بنی ہوئی ہے۔

محکمہ زراعت کے ایک اعلیٰ افسر کا ذکر کرتے ہوئے خیالات کا دھارا زراعتی مسائل کے الجھاوے میں الجھ کر رہ گیا۔ چونکہ محکمہ زراعت قائم کرنے کا بنیادی مقصد بھی دراصل زراعت کے پیشہ کو سائنسی تکنیک پر چلانا اور اس میں بیش از بیش جدتیں پیدا کر کے اسے جاذب نظر بنانا مقصود ہے۔ اس لئے بھی یہاں ضروری ہے کہ پاکستان کی دیہی آبادی نہایت غریب اور پسماندہ ہے۔ خصوصاً ضلع ہزارہ تو ایک بہت ہی پسماندہ اور مفلوک الحال دیہی زرعی آبادی کا علاقہ ہے۔ یہاں پر کچھ ایسے ہی فرض شناس، محنتی اور دیانتدار حکام اعلیٰ کی ضرورت ہے جو کہ یہاں کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہوں۔ اور ایسے ہی مسائل اور عوامی مشکلات کو حل کرنے کیلئے ہر ممکن ذرائع عمل میں لانے سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

تحصیل ہری پور کی دیگر متفرق اعوان شخصیات

عبدالعزیز فاروقی فاروقی اخباری تخلص ہے۔ اعوانوں کی گوڑہ گوت سے تعلق رکھتے ہیں رائے عامہ اخبار ہفتہ وار ہری پور کے مدیر و ایڈیٹر ہیں۔ نہایت مخلص محنتی اور دیانتدار ہیں۔ قومی کاموں میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کے باقی حالات ہم تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ جس کیلئے ہمیں افسوس ہے۔

عبدالرحمٰن چھوہروی پیر صاحب چھوہروی کے نام سے یاد ہوتے۔ ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ پہلے پہل علمائے دیوبند کے مسلک کے پابند اور عقیدت رکھتے تھے۔ اب وفات پا گئے ہیں۔ سنا ہے کہ ایک جامع درود بھی ترتیب دیا تھا۔ مرحوم اعوان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

مولوی نثار احمد ملکیاروی جمعیت اسلامی ہزارہ کے ناظم اعلیٰ و امیر ہیں۔ عالم باپ کے بیٹے اور خود بھی عالم ہیں۔ جماعتی تنظیم کے سرگرم کارکن اور بیباک مقرر ہیں۔ جنگ پاک و ہند میں ضلع ہزارہ کے دیہات کا دورہ کر کے پاکستانی مجاہدین اور

بھارتی جارحیت کا شکار ہونے والے مظلوم بھائیوں کیلئے اشیائے ضرورت بستر، کپڑے برتن، کمبل، کوٹ اور دیگر سامان وغیرہ کی کثیر مقدار فراہم کی اور کام جاری رکھا۔

ارشاد اعوان بی اے پاس اور ایک نوجوان شاعر ہے۔ ان کے علاوہ چند نام اور درج ہیں۔ قاضی عبدالرحمٰن، ملک عبدالرحمٰن نمبردار پنڈ خانخیل، مولینا غلام ربانی خطیب ہری پور بھی ممتاز افرادِ علاقہ ہیں۔

اعوان شخصیات تحصیل ایبٹ آباد[علہ]

سلطان احمد خان (اعوان) یہ اعوان گھرانے کے عارتی لکڑی کے ٹھیکہ دار اکبر دین خان کے خلف الرشید ہیں۔ چنگڑائیاں نام گاؤں نزد حویلیاں کے باشندے ہیں اور ضلع ہزارہ کی افق سیاست پر ابھرتے ہوئے نوجوان اعوان گھرانے کے درخشندہ ستارے ہیں۔

گذشتہ انتخابات پچھلے چنبارے میں اپنے علاقہ سے صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اسمبلی میں قومی فلاح و بہبود اور ملکی مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں گرما گرم بحثیں اور تقاریر کیں۔ سال ۱۹۷۶ء میں اسمبلی کی ممبرشپ کی میعاد ختم ہونے پر دوبارہ الیکشن میں کھڑے ہوئے چونکہ ٹکٹ اقبال خان جدون کو دیا گیا تھا اسلئے وہ حالیہ انتخابات میں رہ گئے۔

عبدالحی اعوان حویلیاں متمول اور بارسوخ شخصیت کے مالک ہیں۔ عمدہ اخلاق و اوصاف اور باحیا انسان ہیں۔

قاضی قلندر خان صاحب ریٹائرڈ ڈی سی ایبٹ آباد خاص کچی پڑائی میں قوم اعوان کی ممتاز شخصیت کے مالک ہیں اور قومی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ کرنل قاضی محمد یوسف ہری پور اور انہوں نے قومی اعوان انجمن کی داغ بیل ڈالنے کیلئے نمایاں کوششیں کیں۔ اور ایبٹ آباد میں قوم کے سرکردہ لوگ اس نیک مقصد کے لئے اکٹھے کئے۔ نیز لالہ فقیر علی خان اعوان منشی وکیل بھی اس انجمن کے قیام میں سرگرم

علہ تحصیل ایبٹ آباد کی باقی اعوان شخصیات صفحہ ۴۱۰ کتاب ہذا پر ملاحظہ ہوں۔ (م۔غ)

اپنے گروہی روایتی بے اتفاقی کی وجہ سے اس قوم کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔

محمد زمان گھڑی ساز جو قدیم سے اپنے فن کے ماہر دیانتدار طبقہ جدید و قدیم میں مانے جاتے ہیں۔ [illegible] اور کاروباری شخصیت کے مالک [illegible] زیارت حرمین الشریفین سے بھی فیضیاب ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد خان ڈی ایچ او آف کھوتری [illegible] پر فائز ہیں۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل اشخاص بھی قابل ذکر ہیں۔
خیر محمد ولد محمد اکبر خان برادران ٹھیکیدار [illegible] ایبٹ آباد و ہزارہ۔
[illegible] خان [illegible] ٹھیکیدار [illegible] ڈیپو [illegible] سے ہیں۔
[illegible] خان چکوٹ۔ [illegible] سیالکوٹ۔
صوبیدار [illegible] خان [illegible]۔

ملک محمد الطاف خان (گوڑہ اعوان) حال میرا آئلا ایبٹ آباد[1]

میرا آئلا کے گوڑے اعوانوں کے مورث اعلیٰ اسماعیل خان پسر مرزا خان ہیں جو گوڑہ شہزادہ راولپنڈی سے آئے ہیں۔ [illegible] موپی کوٹ میں گھرانے۔ اور نصراللہ [illegible] میرا آئلا [illegible] پہنچے۔ [illegible] بندوبست [illegible] میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ حال میرا آئلا [illegible]۔ اسماعیل خان کے تین لڑکے تھے۔ ملک نصراللہ خان۔ عنایت اللہ خان اور رحیم خان۔ ملک نصراللہ خان کے دو بیٹے محمد نور خان اور محمد اکبر خان تھے۔

محمد اکبر خان کے چار بیٹے ملک اللہ داد خان۔ ملک محمد الطاف خان اور ملک محمد فرید خان محمد اکبر خان کی پہلی بیوی سے یہ تینوں حقیقی بھائی ہیں۔ اور چوتھا بھائی مقرب خان۔ محمد اکبر خان کی دوسری بیوی سے ان کا سوتیلا بھائی تھا۔ جو فوت ہو گیا۔

[1] [illegible]

ملک محمد الطاف خان[1] ملک محمد الطاف خان کے آٹھ لڑکے۔ ملک شہزادہ، ملک محمد عارف ملک عمر فاروق خان، خاقان خان، ملک سرور اور ملک عجب خان سکول پڑھ رہے ہیں۔ محمد عارف خان پولیس میں اور شہزادہ پولیس میں اس وقت ہیڈ کانسٹیبل ہے۔ ملک عمر فاروق بی۔ ایس۔ سی کر کے رینج آفیسر کے عہدے پر فائز ہے۔ ملک محمد الطاف خان کو اپنے گرد و پیش میں کافی لڑائی جھگڑوں اور مقدمات سے واسطہ پڑا ہے۔ یوں بھی اعوان فطرتی طور پر تندخو اور منتقم المزاج واقع ہوئے ہیں۔ کہ اب تک اس روشنی و تمدن کے دور میں بھی جہاں کہیں آباد ہیں اپنے ماحول و پڑوس میں اُلجھے ہوئے ہیں بے جا ظلم و زیادتی کے برداشت کرنے کا حوصلہ کم رکھتے ہیں۔ نہایت ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔

ایک امر واقعہ ملک نصراللہ خان بڑے بہادر اور نڈر انسان ہو گذرے ہیں۔ حال میرا آئلا میں آنے سے پہلے وہ موپی کوٹ میں قیام پذیر تھے۔ زمانہ کچھ افراتفری کا تھا۔[2] سکھوں اور نواب پائندہ خان تناول کے دھاوے ایک دوسرے کی سرحدوں پر اکثر ہوتے رہتے تھے۔ بہادر خان نامی سلیمانی پٹھان ساکن پاوا بڑا بہادر اور نڈر جو کہ اکثر لوٹ مار میں مشغول رہتا تھا۔ ایک دفعہ نصراللہ خان کے جندروں واقعہ موپی کوٹ میں ڈاکہ ڈالا۔ اور جندروں پر سے غلہ وغیرہ جو پسائی کیلئے لایا گیا تھا لوٹ کر لے گیا۔ نصراللہ خان اپنے ہمراہیوں سمیت موقع پر گیا۔ بہادر خان پٹھان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ملک نصراللہ خان کے ہمراہی بھاگ گئے۔ مگر نصراللہ خان اور بہادر خان کا سخت مقابلہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں بہادر خان پٹھان مارا گیا۔ اس وقت ڈھال تلوار کی لڑائی ہوتی تھی۔ نصراللہ خان کی ڈھال پر بہادر خان کا وار پڑا اور ڈھال کی وجہ سے نصراللہ خان بال بال بچ گیا موقت وزمانہ کی وہ ڈھال بعینہٖ ابتک بطور یادگار ان کے پاس موجود ہے۔ آخر ایک دوسرے کو رشتہ ناتا دے دلا کر خون بخشوا لیا اور راضی نامہ ہو گیا۔

دوسری روایت ملک نصراللہ خان کی بہادری کا ایک دوسرا واقعہ جبکہ وہ حال میرا آئلا آ چکا تھا۔ روایت کی گئی ہے کہ نواب پائندہ

---

[1] محمد الطاف خان، وراقم سنہ ۱۹۳۰ء کے زمانہ میں ہم عصر عزیز ہم جماعت اور ہم عمر ہیں۔
[2] بلکہ بموجب بیان تاریخ ہزارہ کے بین الاقوامی ڈاکہ زنی کا زمانہ تھا۔

[...]ن تناول کے لوگوں نے حال میرا اتلا کے قریب کے گاؤں موضع سجیکوٹ میں شبخون
مار کر مال مویشی بھگا لے گئے۔ گاؤں والوں نے نصراللہ خان کو فوری واقعہ کی اطلاع
دی۔ نصراللہ خان براستہ رہاڑ تنہاں کا راستہ کاٹ کر یعنی پگڈنڈی سے جا کر موضع
[...] کڑاں میں جو کہ مال مویشی لے جانیوالوں کی گزرگاہ تھی۔ پہاڑی کے دامن میں چھپکر بیٹھ گیا۔
[...] پر سوکھی ہوئی گھاس (جو زمینداروں کے کاٹنے سے بچ جاتا ہے۔ جسکو ہماری زبان
میں [...] کہتے ہیں) کو آگ لگا دی۔ تاکہ مال مویشی بھگا لے جانے والے روشنی میں آتے ہوئے
دکھائی دیں۔ جب وہ لوگ مویشی لیکر وہاں پہنچے تو نصراللہ خان نے اپنی بندوق سے فائر کر
کے انکو بھگا دیا۔ اور مال مویشی واپس لے آیا۔

سکھوں کا دور تھا۔ اس وقت شیروان میں تھانہ تھا۔ رپورٹ وقوعہ کی گئی۔ سکھ پولیس موقعہ
پر آئی۔ نصراللہ خان کی بہادری اور دلیرانہ کارروائی کی رپورٹ سکھ سردار۔ ڈی سی کو
بھیجی۔ جس نے اس بہادری کے صلہ میں ڈیڑھ سو روپیہ انعام مقرر کی۔ جو نصراللہ خان کے
ورثا کو حکومت پاکستان کے وقت تک ملتی رہی۔

تیسری روایت

ایک تیسرا واقعہ بھی اس دور کی یادگار بیان کیا گیا ہے۔ جو روایت پشت بہ پشت چلی آتی ہے۔ نواب پائندہ خان نے ایک
مرتبہ [...] کے دور میں براستہ تجالی حال میرا ہر دو پر یورش کرنی چاہی۔ اور
اپنے لشکریوں اور اہلکاروں سے دریافت کیا کہ یہاں ان گاؤں میں کون لوگ رہتے ہیں۔
انہوں نے جواب دیا کہ حال میرا ترلا میں تو تمہارے قومی بھائی جمال رہتے ہیں۔ جن سے
دشمنی کرنا مناسب نہیں۔ اور اتلا حال میرا میں گوڑے آباد ہیں۔ جن کے قومی بھائی
امیر خان گوڑہ[1] ٹنہ اور بوڑہ اگرور میں رہتے ہیں۔ اور اُن کے زیادہ قریبی ہیں۔ یہاں
لشکر کشی کا سنکر امیر خان گوڑہ اپنے بھائیوں کا تم سے انتقام لے گا۔ اور پکھلی پر
ہماری لشکر کشی میں مزاحم ہوگا۔ تو نواب پائندہ خان نے ان ہر دو گاؤں کی لوٹ مار
کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا گیا۔ شجرہ نسب گوڑہ اعوان حال میرا اتلا۔

[1] امیر خان گوڑہ راقم الحروف کے پڑدادا ہیں۔ روایت جیسی سنی ویسی ہی بیان کی گئی۔ اور یہ لوگ
اپنے [...] ہیں۔ جنکی قوت طاقت [...] ان کے [...] پر بہت کچھ دارومدار تھا۔
[...] سمجھتے تھے۔ [...] تاریخ ہزارہ سے ملتا ہے۔

(۱) شجرہ نسب اولاد نصراللہ خان پسران اسماعیل خان حال میرا اتلا تحصیل ایبٹ آباد۔ مرتبہ [...]

شجرہ نسب آخر پر محمد بن الحنفیہؓ پسر حضرت علی رضی اللہ سے ملتے ہیں۔

(۲) شجرہ نسب نجیم خان و عنایت اللہ خان پسران اسماعیل خان حال ہیرا اتلا۔ تحصیل ایبٹ آباد۔

تحصیل مانسہرہ کی چند شخصیات و اعوان گھرانوں کا

مختصر تعارف

تحصیل مانسہرہ میں کوئی سترکے قریب دیہات (سوائے اگرور تناول کے) ایسے ہیں۔ جن میں کم و بیش اعوان قوم رہائش پذیر ہے۔ علاقہ وار و تحصیل وار اعوان دیہات کا آخر پہ نقشہ گوشوارہ منسلک کیا جائے گا۔

سب سے پہلے کہ میں تحصیل مانسہرہ کے چند اعوان گھرانوں یا شخصیات کا ذکر کروں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ کوئی صاحب بانظر کسی کا ذکر غیر مقدم یا مؤخر کرنے یا ہو جانے کے باعث یہ نہ سمجھے کہ یہ ترتیب ایسی نہیں بلکہ ایسی ہونی چاہیئے تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود ایسی ترتیب تالیف دینے کا کچھ اہل ہی نہیں۔ میں نے یہ دوران تیاری مسودہ کتاب یہی سمجھا اور سوچتا رہا۔ کہ جو کچھ میری دانست میں آ جائے اسے کم از کم مختصر اور پریشان صورت میں جمع کر دینے ہی کو غنیمت سمجھا جائے اور جہاں ان ہر سہ تحصیلات میں نہ جا سکا۔ اور کچھ مزید تلاش یا معلوم نہ ہو سکا۔ جن کا حال مجھ پر مستور رہا ۔ مجھے معذور سمجھا جائے۔ بلکہ ایک گونہ ہچکچاہٹ رہی۔ میں نے اخباروں میں تعاون کے لئے اپیلیں کیں۔ شجرہ انساب مانگے۔ حالات دریافت کئے۔ سینکڑوں خطوط رابطہ و تعارف کیلئے خصوصاً ضلع ہزارہ میں لکھے ہیں۔ مجھے اکثر ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ میں جانتا اور سمجھتا ہوں کہ تنقیدیں اور تنقیصیں تو زیادہ ہی ہونگی۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ چند در چند مشکلات کے باوجود میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے۔ ایسے علاقہ میں کم از کم میرے جیسے محدود وسائل رکھنے والے آدمی کیلئے مشکل تو کیا بالکل ناممکن سی بات تھی۔

طبعی اور فطرتی امر ہے کہ قریب تر انسانوں کی یاد ہمیشہ رہتی ہے۔ اور انہی کا ذکر زبان پر مقدم، بار بار آتا رہتا ہے۔

ہیڈ ماسٹر غلام حسین خان منگلوری

موضع منگلور مانسہرہ کے جنوب مغرب میں کوئی ۹ میل کے فاصلے پر ایک معمولی سی بلند پہاڑی اور پرفضا مقام پر واقع ہونے کے باعث بہت دلکش منظر پیش کر رہا ہے۔ موضع اور مقام کے لحاظ سے چوٹی کے ساتھ ساتھ غرباً شرقاً بڑھتا چلا گیا ہے۔ تحصیل مانسہرہ ایبٹ آباد اور تناول علاقہ نواب صاحب امب دربند کے سرحد پر واقع ہے۔ ٹھیک جانب جنوب حد مانسہرہ و ایبٹ آباد کو سمنڈھ ناگل جدا کر رہی ہے۔ اسی طرح جانب شمال مغرب نالہ سرن مانسہرہ و تناول کی قدرتی حد فاصل بن گیا ہے۔

منگلور کے بانئے دیہہ کا نام ملاں محمد ولی ہے۔ جو کھمیاں علاقہ لسان تناول (دربند) سے پہلے چیشی وہاں سے کھواڑی اور کھواڑی سے مع بھتیجہ مسمی نسیم منگلور آ گئے (اور انکے دیگر دو بھتیجے کھواڑی ہی میں رہ گئے۔) اور اس موضع منگلور کی بناد پہلی بار ڈالی۔ جنکی قبر دیہہ کے قریب ہی اونچی جگہ و مقام پر ایک چھوٹے جیسے مقبرے میں ایک درخت کے نیچے اسی پرفضا مقام پر بن گئی ہے۔ اور ساتھ ہی انکی قبر کے شمالی جانب سید نور احمد شاہ صاحب کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی لگی ہوئی ایک تختی پر جلی حروف میں لکھی ہوئی عبارت سے مکین قبر کے نام اور تاریخ وفات کی نشاندہی کرتی ہے۔ جو یہ بھی بانئے دیہہ کے دور میں شیر بائی سے یہاں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔

منگلور تحصیل مانسہرہ کی اعوان بستیوں میں ایک ایسا گاؤں ہے۔ جسمیں موجودہ دور کی تقریباً تقریباً تمام نعمتیں و سہولتیں قدرت نے مہیا کر دی ہیں۔ گورنمنٹ ہائی سکول، بجلی، چھوٹی ڈسپنسری، ڈاکخانہ، سودا سلف کی دکانیں سب موجود ہیں؛ تار گھر اور ٹیلیفون لگ جانے کے امکانات و آثار عنقریب نظر آتے ہیں۔ گو سڑک ابھی تک کچی ہے (جو اپنی مدد آپ کے منصوبے کے تحت عوام نے سخت پتھریلی زمین کاٹ کر نکالی ہے) مگر سٹیشن ویگنوں کی آمد و رفت کی خاص دیہہ تک سہولتیں مہیا ہیں۔ اس نو میل سفر کا کرایہ اس وقت صرف ایک روپیہ ہے

عل حاشیہ بر صفحہ ۳۲۷

سبحان اللہ جنگل میں منگل کا سماں نظر آ رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ صاحبان دیہہ کی باغ نظری آسودہ حالی، خوشحالی، تدبر و فکر و غور کا نتیجہ ہے۔

منگلور جہاں ہیڈ ماسٹر غلام حسین خان اور پیشگاہ جو منگلور سے چند فرلانگ نیچے جانب شمال ہی رہ جاتی ہے۔ مولٰنا دوست محمدؐ صاحب رہتے ہیں۔ انہیں دو مقتدر ہستیوں کی وجہ سے مجھے اول اول اپنا تاریخی اور معلوماتی سفر یہیں سے شروع کرنا پڑا۔ اور منگلور اور معززین منگلور کے متعلق میری معلومات میں اضافہ کا باعث بنے۔ شکریہ!

ہیڈ ماسٹر غلام حسین خان اعوان جرل ہیں۔ جو مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۶ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک مسلسل تعلیم حاصل کی۔ اور بی ٹی کا سال اس کے علاوہ ہے۔ پرائمری تعلیم اپنے گاؤں میں میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول مانسہرہ۔ اور پھر باقی تعلیم اسلامیہ کالج پشاور میں کی۔ اور اگست ۱۹۳۸ء سے ملازمت کا آغاز ہوا۔ یہاں ملازمت کے دوران ہمارے علاقہ کونش کے بٹل گورنمنٹ ہائی سکول میں بھی ہیڈ ماسٹری کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ نہایت خلیق۔ مدبر اور مہمان نواز انسان ہیں۔

جب وہ بٹل گورنمنٹ ہائی سکول میں اپنے عہدہ پر فائز تھے۔ سکول کی عمارت کے گرداگرد فارغ اوقات کو قسما قسم میوہ دار، سایہ دار درخت و پھول لگانے میں بیش از بیش قیمتی اوقات کی قربانی کرنی پڑی ہے۔ اور جب تک یہ درخت اور پھول باقی رہینگے۔ رہتی دنیا تک صاحبان بصیرت کیلئے ابتدائی معصور کی حیثیت سے یادگار رہینگے۔

اب آپ وہاں اپنے شہر منگلور میں جدید گورنمنٹ ہائی سکول کے منظور ہونے پر ہیڈ ماسٹری کے فرائض انجام دینے پر مامور ہیں۔ منگلور میں تعطیلات کے ایام میں (جو ان تھکے ماندہ اساتذہ کو آرام کا وقت اور موقع ملتا ہے) بھی سکول کی عمارت جو شہر کے مشرقی اونچے کنارے پہ زیر تعمیر ہے۔ نگرانی۔ ہدایات، اور اکثر دیکھ بھال میں صرف کر رہے ہیں۔ اپنے شہر و علاقہ کے روح رواں ہیں۔ اور بیشتر رفاہ عامہ منگلور

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) عل بندوبست کی مثل تاریخ ہزارہ میں جو ۱۸۷۲ء میں تصنیف ہوئی۔ خانہ نمبرداران میں ملا محمد ولی درج ہے۔

انہیں کی ساعی جمیلہ اب قابل صد آفرین وتشکر ہیں۔

انہوں نے ہی انہیں ... بی تو وہ ضرور گریجوایٹ بی اے، بی ٹی کالجوں اور ہاسٹلوں کی فضا میں ہی
رہ کر بھی موجودہ تمدن کے دور میں تعلیم پائی ہے۔ مگر آپکی مجلسوں اور صحبتوں میں بیٹھ
کری معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید اسی دور کے گریجوایٹوں، اعلیٰ تعلیم یافتوں کو دیکھ کر
جناب اکبر الہ آبادی نے نہایت ناصحانہ انداز میں فکر وتدبر کیلئے چند شعر کہے تھے۔ جو آج
بھی اس ٹیڈی ازم کے زمانے میں بھی نئی پود کی توجہ مبذول کرانے کے مستحق ہیں۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پھولو (یعنی پڑھو پڑھاؤ)
جائز ہے غباروں پہ اڑو، جھولو
پر سخن اتنا اس عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کا نہ بھولو

واقعی انہوں نے اس حقیقت کو نہیں بھولا ہے۔ غرض اخلاق، کردار، مذہب اور انسانیت
کا مجسمہ کامل ہیں۔ شاید ایسے ہی موقعوں کیلئے کہا گیا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

اس دور میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اکثر انگریزی تہذیب کے مقلد ہیں۔ رہن سہن، لباس
اور دیگر معاشرتی زندگی میں ان سے بھی بڑھ چڑھ کر تکلفات کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر اسکے
برعکس ہیڈ ماسٹر غلام حسین آج بھی اپنے آباؤ اجداد کی سادہ ومیانہ رو تہذیب کی جیتی جاگتی
تصویر ہیں۔

ان کے چار لڑکے علی الترتیب اس وقت ۱۵-۱۲-۱۰-۲½ سال کی عمر کے ہیں۔

مولانا دوست محمد منگلوری پیشگاہی

پیشگاہ منگلور کے قریب ہی چند فرلانگوں کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی بستی منگلور کی
ڈنی ہے۔ اسمیں سب رہنے والے گڑلڑے اعوان گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا دوست
محمد صاحب یہیں کے باشندے اور رہنے والے ہیں۔ اگرچہ زندگی کا ابتدائی بیشتر حصہ
گھر سے باہر طلب وحصول علم دین میں گذار دیا۔

مولانا مقتدر موصوف کی ہستی عالمان دین کے طبقہ میں اور آج کل کے
مادی دور میں محتاج تعارف نہیں۔ وسیع علمی، ادبی، تاریخی اور اس دور کے
تمام نشیب فراز سے واقفیت عامہ رکھتے ہیں۔ ہر قسم کی ہزارہا کتابوں کا
اب تک مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اور اب بھی روز وشب یہی انکی زندگی کا محبوب
مشغلہ ہے۔

بٹل گورنمنٹ ہائی سکول میں معلم دینیات کی آسامی پر کئی سال انہیں ہر جمعہ
پر بٹل کی جامع مسجد میں وعظ اور تبلیغ دین کا موقعہ ملا ہے۔ مسلسل کئی کئی گھنٹے بولتے
رہنا انکی علمی معلومات کا نشان دے رہا ہے۔ بٹل علاقہ کونش کے لوگ ان کے پر
مغز مذہبی اور اصلاحی وعظ کو شاید مدتوں نہ بھول سکیں۔ بلکہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا
ہوں۔ بٹل مانسہرہ تک کیا محدود، ہزارہ کی بیسیوں مساجد، مقام اور جلسہ گاہیں
توحید رشد وہدایت کا پیغام پہنچانیوالے کی گونج کو مدتوں ڈھونڈتی رہینگی۔

ایک باخدا عالم متشرع، پابند صوم وصلوٰۃ مستحبات، عابد اور متقی انسان ہیں۔ اوقات
بیشتر لمحات زندگی فکر وذکر ونظر میں گذارتے ہیں۔ موجودہ دور میں اکثر فرصتی ورخصتی
لمحات تبلیغی جماعت کیساتھ مہاجرانی اللہ کی شکل کٹھنوں میں بھی بسر کر ڈالتے ہیں۔ خلوت میں
جو لذت اور راحت یہاں نصیب ہوتی ہے۔ وہ دوسری جگہ اور مقام میں نہیں ملتی۔ اکثر
شعر مولانا موصوف مثنویؒ کا با ذوق پڑھا کرتے ہیں۔

صد کتاب وصد ورق در نار کن — روئے خود را جانب دلدار کن

دل فانی دنیا سے اچاٹ اور سرد ہو رہا ہے۔ طبیعت خلاف شرعی قوانین کے رواج
اور دیگر بدعات رائجہ کی وجہ سے اکثر مضمحل رہتی ہے۔ افسوس کرتے رہتے ہیں۔
ملازمت بھی اس نظریہ سے کہ کچھ مذہبی کام وخدمت ہو جائے کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے
بچے کچھ نہ کچھ مذہب کو جانتے ہوئے آگے بڑھیں۔ کلمۂ حق وپیغام توحید رسول اللہ صلعم
کی نیابت میں انکی زندگی کی طوالت امت مرحومہ کو زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور ہم
تہی دامنوں کو بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنے کی وسعت عطا ہونیکی آرزو ہے۔
کاش ان کے برسوں کے مطالعہ اور سینکڑوں کتب سے نوٹ جو انہوں نے
ساتھ ساتھ لئے ہیں۔ کشکول اعوانی کی شکل ونام میں چھپکر منظر عام پر آجاتے تو سینکڑوں

تشنگان علوم کیلئے مشعل راہ کا کام دیتے۔ اور فائدہ اٹھاتے۔ مفکر اسلام
حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور حق یہ ہے کہ ایسے گرانمایہ دوست اس دور ناسپاس میں کمیاب ہیں ؎

ہر کجا کدام وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکاں نمی باید

ملک محمد عالم صاحب (جامی) منگلوری

ملک محمد عالم صاحب خدا ترس، ہمدرد خلائق، درد دل رکھنے والی شخصیتوں سے ایک ہیں۔ بی اے (جامع ملی) حال سیکشن آفیسر محکمہ مواصلات مغربی پاکستان لاہور۔ خدمت خلق کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ بالخصوص منگلور اور اردگرد کے دیہات کے اندر زندگی کی سہولتیں مہیا کرنے میں آپ کی کوششوں کی مرہون منت ہیں۔ ان کے دو بیٹے ایم۔ ڈی ملک مسعود عالم اس وقت انگلینڈ میں ڈاکٹری کی مزید تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ بارہ سال کے بعد انگلینڈ سے آئے تھے۔ دو ماہ کے بعد پھر واپس چلے گئے۔ ملک صاحب کے دوسرے بیٹے ملک نظیر عالم انجنیئر محکمہ واپڈا۔ ڈبلیو۔ ڈی) ہیں اور اس وقت امریکہ میں ٹریننگ کر رہے ہیں۔

اورنگزیب ممتاز منگلوری ایم اے

نام تو ان کا اورنگزیب ہے۔ ممتاز منگلوری سے معروف ہو گئے ہیں۔ ابھرتے ہوئے ادیب اور شاعر ہیں۔ صاحب تصنیف و تالیف ہیں "طیف نثر" و "طیف اقبال" وغیرہ ان کی کتب چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ اس وقت اورینٹل کالج لاہور میں لیکچرار ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب منگلوری اور ممتاز صاحب اس وقت اردو زبان کی ترقی کیلئے ملک بہت سا کام کر رہے ہیں۔ اور ممتاز منگلوری سے امید ہو سکتی ہے کہ بہت جلد اپنے ملک کے تعلیمی شعبے میں اونچا نام و مقام پیدا کر لیں گے۔ میری یہ چند سطور انکی گرامی قدر شخصیت کیلئے ناکافی ہیں۔ ایسے لوگ خود اپنی ایک تاریخ کی طرح ڈالتے ہیں۔

ممتاز جیلانی (کھواڑی)

میٹرک امرتسر میں پاس کرنے کے بعد جہ میر جنگ کالج میں داخل ہو کر تعلیم مکمل کی۔ تقسیم ہند کے بعد سیاسیات میں زیادہ حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء سے ہزارہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ صوبہ سرحد کے ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں نمایاں کام کیا۔ تین سال سے تحصیل مسلم لیگ مانسہرہ کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہے۔ متحدہ حزب اختلاف تحصیل مانسہرہ کا جنرل سیکرٹری اور آل پارٹیز دار کونسل تحصیل مانسہرہ کے جنرل سیکرٹری مامور ہیں۔ سیاسی اور سماجی خدمات کا شوق ہے۔ ایسے ہی قومی احساسات و جذبات رکھنے والے نوجوانوں سے توقع ہے کہ میرے ناقص و ادھورے خیالات و مضامین کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعی بلیغ فرماویں گے۔ قوم کی تنظیم۔ پسماندگی دیہات دور کرنا اور یکجہتی و اتفاق کی مساعی کر کے اس ترقی یافتہ دور میں اپنا مقام پیدا کرنے کی صلاحیت کے مالک دیکھنا میرے دلی جذبات اور نیک خواہشات ہیں۔ انکا مختصر سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

مورث اعلیٰ میرن اور ان کو لڑکا حافظ رحمت اللہ اور ان کا مولوی غلام ربانی۔ اور مولوی غلام ربانی کے چھ لڑکے ہیں۔ (۱) مولوی غلام جیلانی حال ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول اوگی (۲) مولوی محمد یٰسین (۳) محمد اسحاق سیکرٹری یونین کونسل حال گڑھی حبیب اللہ (۴) ممتاز جیلانی (۵) محمد سعید جیلانی بی ایس سی بی ٹی ہیڈ ماسٹر ٹریننگ (۶) محمد رضا

اعوانانِ منگلور کی ممتاز شخصیات کے نام

اب میں ذیل میں منگلور کی چند ممتاز اعوان شخصیتوں کے نام لینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) ایم۔ محمد اورنگزیب (ایم۔ ایس سی کیمیا) لیکچرار گورنمنٹ کالج پاڑہ چنار۔
(۲) ایم تاج محمد صاحب " " " (نباتات) لیکچرار گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خان۔
(۳) محمد صادق صاحب " " " حال سول سرونٹ۔ واپڈا حیدر آباد سندھ
(۴) ملک محمد طہماسپ خان بی اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل مانسہرہ۔
(۵) ملک محمد یونس صاحب " " " " " " " "
(۶) ایم محمد فاروق بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ٹی حال (ایم۔ اے۔ ڈی) کلاس۔ لاہور
(۷) ملک میر افضل صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی حال گورنمنٹ ہائی سکول منگلور

بی اے - بی - ٹی -
ی محمد داؤد- ایف- ایس سی T. C حال گورنمنٹ مڈل سکول پشاور
یم محمد اسلم- ایف - ایس سی " " انجینئرنگ کالج پشاور یونیورسٹی-
یم محمد زبیر " بی اے حال میجر افواج پاکستان- بری- حیدرآباد
ک ظہور الحق صاحب بی اے فلائٹ آفیسر پی- آئی- اے پاکستان لاہور ہیڈ کوارٹر-
وحید صاحب- بی اے کمشنر صاحب پشاور ڈویژن- پشاور
ک محمد اقبال صاحب سٹینو- پی اے سیکرٹری محکمہ آبپاشی حکومت مغربی پاکستان- لاہور
ک محمد افضل سٹینو- پی- اے
ک محمد سرور خان ولد ملک فیض طلب خان تحصیلدار- پشاور-
مقبول الٰہی سیکرٹری یونین کونسل-
مولوی محمود ہی ماسٹر شیر زمان اعوان کے دو لڑکوں میں سے ایک نے ایم اے سائنس کرکے کسی کالج میں پروفیسر ہیں۔ اور دوسرے لڑکے نے بھی بی۔ ایس سی کر لیا ہے۔ افسوس ہے کہ ان ہر دو صاحبان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ ماسٹر ملک شیر زمان کے دیگر لڑکے بھی پڑھنے پڑھانے اور علمی مشاغل میں ہمہ تن کوشاں ہیں۔ ان کے علاوہ دیہہ منگور میں ایف۔ اے اور میٹرک پاس یا پڑھنے والے لڑکوں کا شمار مشکل ہے۔ اس گاؤں کی کافی لڑکیاں بی اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور میٹرک تو ان میں سے اکثر ہیں۔

اس اعوانوں کے گاؤں میں تعلیمی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی ترقی کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔ اور بے اختیار زبان سے یہ مصرعہ نکل پڑتا ہے ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

فیض الرحمان فیض

فیض الرحمان خوشنویس ولد مولوی امیر عالم موڑ لالہ کلاں خدوال اعوان گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ ادیب عالم اور ادیب فاضل کے امتحانات پشاور یونیورسٹی سے پاس کئے۔ ادب و شعر و شاعری سے شغف رکھتا ہے۔ "تحقیق الاعوان" کی کتابت اسی نے کی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب (ڈی لیٹ) منگوری

بانئے دیہہ کے ذکر میں پیچھے بیان کیا گیا کہ نور احمد شاہ اسی دور میں منگور آچکے تھے۔ اعلیٰ پایہ کے عالم اور حکیم بھی تھے۔ ان کے دو صاحبزادے اب بھی بقید حیات ہیں۔

(۱) ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب ایم اے (ڈی لٹ) پرنسپل اورینٹل کالج لاہور جو پاکستان کی علمی و ادبی دنیا میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ بہت سی زبانوں کے ماہر ہیں پاکستان میں اردو زبان کی ترقی کیلئے بہت سا کام کر رہے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی وفات کے بعد ان کے عارضی جانشین بھی یہی بزرگ ہیں۔

نور احمد شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے سید عبدالسلام سرور بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ایبٹ آباد ہیں۔ قابل، محنتی اور ذہین ہونیکی وجہ سے شہرت عامہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور سید عبدالسلام سرور قابل احترام شخصیتوں کے مالک ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ شاہ صاحب کے ایک صاحبزادے ایم۔ اے ایل ایل بی اور ایک صاحبزادی ایم ایس سی ہیں۔ ان کے صاحبزادے سید زبیر سخنور بھی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

رونق محفل بتاں تم ہو	ساقیٔ عمر جاوداں تم ہو
کچھ سمجھ میں نہ آسکا اپنی	دوست دشمن پہ مہرباں تم ہو

اعوان خاندان لنڈہ۔ تحصیل مانسہرہ

خان محمد بوستان خان صاحب مرحوم سکنہ لنڈہ تحصیل مانسہرہ کے ان اعوان قوم کے افراد میں سے ایک تھے جنکی اولاد رشید آج تحصیل مانسہرہ میں خصوصًا اعوان قوم کی

عہ روزنامہ کوہستان راولپنڈی ۲ جنوری ۱۹۶۲ء -

نگاہوں کے مرکز و محور ہیں۔ اور عوام میں بھی بتدریج اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے مقبول عام ہو رہے ہیں۔

خان مرحوم اپنے وقت میں گذارہ جات جنگلات ہزارہ کے تحصیلدار تھے۔ جن کا ذکر تاریخ باب الاعوان[1] مصنفہ مولوی نورالدین پٹھان سون سکیسر، ضلع خوشاب پنجاب کے صفحہ ۲۱۲ پر جو سال ۱۹۲۳ء میں معہ سری۔ بار تصنیف ہوئی لکھتے ہیں کہ خان محمد بوستان خان صاحب سکنہ لنڈہ گذارہ جات ہزارہ کے تحصیلدار اور بڑے لائق و فائق آدمی ہیں۔ واقعی وہ اپنے وقت میں نیک، سادے اور ہر دلعزیز انسان ہو گذرے ہیں۔

خان مرحوم بوستان خان صاحب کے سات صاحبزادے رہے۔ جن کے نام ترتیب ذیل پر دئیے جاتے ہیں (محمد اکبر خان۔ گوہر آمان خان۔ محمد ایوب خان) زوجہ اول سے اور (سرفراز خان۔ محمد یعقوب خان۔ داؤد خان۔ محمد ظہور خان) دوسری اہلیہ محترمہ سے تھے۔

محمد اکبر خان سب سے بڑے لڑکے تھے۔ فوج میں جمعدار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اُن کے ایک صاحبزادے محمد اشرف ہیں۔

گوہر آمان خان سول کے محکمہ میں تحصیلدار بھی رہے۔ ان کے تین صاحبزادے اورنگزیب خان۔ محمد مسعود خان اور محمد اقبال خان ہیں۔

اورنگزیب خان (اعوان) وکیل مانسہرہ

گوہر آمان خان کے بڑے لڑکے ہیں۔ خوش اخلاق، حلیم الطبع، ملنسار اور متواضع انسان ہیں۔ بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مانسہرہ شہر میں وکالت اختیار کر لی ہے۔ اور بحیثیت محنتی اور کامیاب وکیل کے گرد و نواح کے عوام میں مقبول ہو رہے ہیں۔ گذشتہ بنیادی جمہوریتوں کے الیکشن میں سال ۱۹۶۰ء میں ابتداً سیاست میں حصہ لینے کی بناء پر صوبائی اسمبلی کے امیدوار کھڑے ہوئے۔ مگر ناکامیاب رہے۔ اور سال ۱۹۶۵ء میں صوبائی نشست کے مقابلہ میں جیت گئے۔

محمد ایوب خان[2] جو لنگڑا کر چلتے تھے مانسہرہ سکول میں تعلیم پا رہے تھے۔ کہ ایک سال

---

[1] بحوالہ تاریخ باب الاعوان بار سوم ۱۹۲۳ء

[2] محمد ایوب خان۔ محمد یعقوب وغیرہ برادران ۱۹۳۰-۱۹۳۶ء کے زمانہ میں راقم کے سکول فیلو۔ بورڈر و بعض کلاس فیلو بھی رہے ہیں۔

امتحان میں فیل ہو جانے کی بنا پر جذبات میں آ کر خودکشی کر لی۔

خان سرفراز خان (اعوان) ڈپٹی کمشنر حال مردان

آپ نہایت مدبر، خوش اخلاق اور باحیا انسان ہیں۔ اپنے ملکی قومی اور غریب لوگوں سے خلوص، محبت اور بے تکلفی سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ان کے لئے ہر ممکن و جائز خدمات سرانجام دینے سے گریز نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ کراچی میں رہے۔ پھر پشاور تبدیل ہو کر پہلے پولیٹیکل ایجنٹ مہمند اور پھر پولیٹیکل ایجنٹ خیبر رہے۔ اب آپ ڈپٹی کمشنر مردان کے عہدہ پر فائز ہیں۔ مانسہرہ میں گڑھی روڈ پر جبڑی کے مقام پر شاندار کوٹھی تعمیر کر کے مستقل رہائش گاہ بنائی ہے۔ ان کے دو صاحبزادے محمد ریاض خان و محمد رضا خان نام کے ہیں۔

محمد یعقوب خان سرفراز خان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کے چار صاحبزادے ہیں۔ محبوب علی خان جو وکالت کا امتحان پاس کر کے مانسہرہ میں وکیل ہیں۔ شوکت علی خان، مشتاق علی خان اور لیاقت علی خان ہیں۔

میجر داؤد صاحب پاکستانی مسلح افواج میں میجر ہیں۔ ان کے تین صاحبزادے ہیں۔ دو کے نام عامر شہزاد اور شیر زاد ہیں۔

محمد ظہور خان (اعوان)

خان محمد بوستان خان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ سال پیدائش ۱۹۲۹ء ہے۔ نہایت خوش اخلاق، ملنسار، ہنس مکھ نیک سیرت نوجوان ہیں۔ سیاست ملکی میں حصہ لے رہے ہیں۔ ابتدائی تجربے کیلئے بنیادی جمہوریت سال ۱۹۶۴ء میں اپنے وارڈ میں امیدوار کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے۔

ان سب بھائیوں کی مضبوط ساعی سے کسی بھی وقت قوم اعوان ترقی کی منزل پر گامزن ہو کر تحصیل، ضلع ملک، قوم اور عوام کی خدمت کرنے میں بیش از بیش حصہ لیکر اہم کردار انجام دینے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

خاندان شہلیہ خان عبدالعزیز خان اعوان (کھیال)

شہلیا کے اعوان خاندان میں عبدالعزیز خان خلف خان صاحب محمد امیر خان اپنے گھرانہ و کنبہ میں بڑے اور سرکردہ شمار ہوتے ہیں۔ خوش خلق، حلیم الطبع، ملنسار سنجیدہ اور مہمان نواز ہیں۔ اور تحصیل مانسہرہ کے صاحب حیثیت اعوان خاندانوں میں سرِ فہرست ہیں۔ باغ لگانے کا خاصا ذوق و شوق رکھتے ہیں۔ شکار کے بڑے شائق اور اچھے نشانہ باز ہیں۔ ان کے والد محمد امیر خان کا ذکر باب الاعوان کے صفحہ ۲۱۳ پر آیا ہے۔ جو کہ ۱۹۳۳ء کی تصنیف ہوئی ہے۔ یہ کہ جناب محمد امیر خان نمبردار و انعام خوار شہلیہ و جناب غازی خان صاحب نمبردار بگ پائیں و جناب قلندر خان صاحب نقل نویس بھی ممتاز و قابل اصحاب سے ہیں۔ اور تاریخ ہزارہ مرتبہ کپتان ایڈورڈ جارج ویس صاحب مہتمم بندوبست ۱۸۷۲ء میں اعوان جاگیرداران تحصیل مانسہرہ میں سلسلہ شمار نمبر ۱۱۰-۱۱۱ میں شیر زمان خان ولد محمد خان و جمال خان برادر جاگیردار سکھوں کے عہد سے نصف نصف کے حصہ کے جاگیردار تھے۔ رقم جو اس وقت حق تھی لکھا ہے۔ -/۱۵۲ و -/۱۵۰ تھی۔

یہ خاندان کھیال اعوان سے تعلق رکھتا ہے۔ جو بابا سجاول کھرکوٹ واقع تحصیل ہری پور کی اولاد بابا اتب کے بیٹے کھیہ کے نام سے کھیال مشہور ہو گئے۔ شجرہ نسب بابا سجاول کے بیٹے بابا اتب سے نیچے کو درج کرتا ہوں۔ اوپر کا شجرہ نسب بابا سجاول کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ مزمل علی کلگان کی اولاد سے ہیں۔ اور مزمل علی کلگان بابا قطب شاہ کے بیٹے ہیں۔ جن کا شجرہ نسب قطب شاہ سے اوپر محمد بن الحنفیہؓ سے جا ملتا ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھے۔ اور کہ وہ شجرہ یہ ہے۔

بابا سجاول کا بیٹا بابا اتب۔ اتب کا بیٹا کھیا۔ کھیا کا بیٹا دھسر۔ دھسر کا بیٹا دین۔ دین کا بیٹا حسین۔ حسین کا بیٹا چن۔ چن کا بیٹا بھگا۔ بھگا کا بیٹا جس۔ جس کا بیٹا ہانس۔ ہانس کا بیٹا بخشی۔ بخشی کا بیٹا رائے یحییٰ خان۔ رائے یحییٰ خان کا بیٹا سردار خان اور

ملاحظات نمبر ۳۱

سردار خان کے دو بیٹے قمر علی خان اور حسین خان تھے۔ شجرہ منسلکہ آخر سے ہر ایک کی اولاد کا نام تا حال حسب مقدور و استطاعت درج ہو چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ ہوں۔

سرور خان

سرور خان اپنی یونین کونسل لساں کا چیئرمین ہے۔ شریف اور بارسوخ آدمی ہے۔ اپنے کنبہ و قبیلہ جنگ کی برادری کا سرپنچ ہے۔ اور بہت سے قومی کام بڑی دلچسپی سے سرانجام دیتے ہیں۔ مانسہرہ لساں روڈ کو اسٹیشن ویگنوں اور جیپوں کی آمد و رفت کے قابل بنوانے میں ان کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ لساں روڈ کو سرکاری طور پر پختہ کرا کر اس پر گورنمنٹ بس چلانے کیلئے نہایت بے قرار ہیں۔

جلو، شہلیا، ہر دو جنگ یہ ہر تینوں شہر گڑھیاں تناول مانسہرہ سے جانب مغرب تمام کا تمام علاقہ، بھرج، معدن، تچانجہ، باڑ ہانڈی، بیدڑہ، دیب گراں، گنڈا، پوٹھہ استیال، کھرالہ، جنگیاری، چیتگاہ، موڑلیفہ ہر دو خورد و کلاں، تنورا، منگلور، برث، مانسہرہ غازی کوٹ، بٹریالہ، پاؤ ڈھیری، عرب کھن، عطر شیشہ، چٹی ڈھیری، میرا جمد علی، سبز کوٹ، جبڑی، شہو خیل گڑھی، ساٹھ سر، ریڑ، کہوڑ، ٹنڈہ، چکیا، داتہ، کنیٹ اور نوکوٹ تقریباً ۳۵-۳۶ ملے جلے گاؤں جو تحصیل مانسہرہ میں نزدیکی گاؤں کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ جنگ و شہلیہ، جلو اس علاقہ کے مرکزی گاؤں ہیں۔ علاوہ ازیں لساں و موڑلیفہ کلاں کے اس طرف جانب جنوب مغرب اور منگلور سے جنوب مشرق کی سمت تحصیل ایبٹ آباد کی سرحد میں اعوان خاندان کے سینکڑوں گاؤں تحصیل کے طول و عرض میں بکھرے پڑے ہیں جو چھوٹی سی اعوان کاری ثابت ہے۔

پیر محمد خان و محمد افضل خان

راقم سطور کے ہمعصر سکول فیلو اور بورڈنگ فیلو تھے۔ جبکہ ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۸ء میں مانسہرہ میں ہم ایک ساتھ رہے۔ اب وہ وفات پا چکے ہیں۔

جلو میں قاضی غلام رسول گولڑہ اعوان عرائض نویس مانسہرہ ہیں۔ اور قاضی محمد عرفان پولیس پنشنر بھی اعوان ہیں۔

احمد خان برادران

تاریخ اقوام پونچھ میں لکھا ہے کہ سادم خان بن سجاول خان کی اولاد سے پکھلی ہزارہ میں موجود ہیں۔ جن میں احمد خان اور میر عالم خان ولد شیر احمد خان نمبردار بتائے جاتے ہیں اور اپنی کتاب صفحہ ۶۳۸ حاشیہ پر جو شجرہ قطب شاہ سے حمید شاہ تک درج کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ شجرہ نسب مانسہرہ
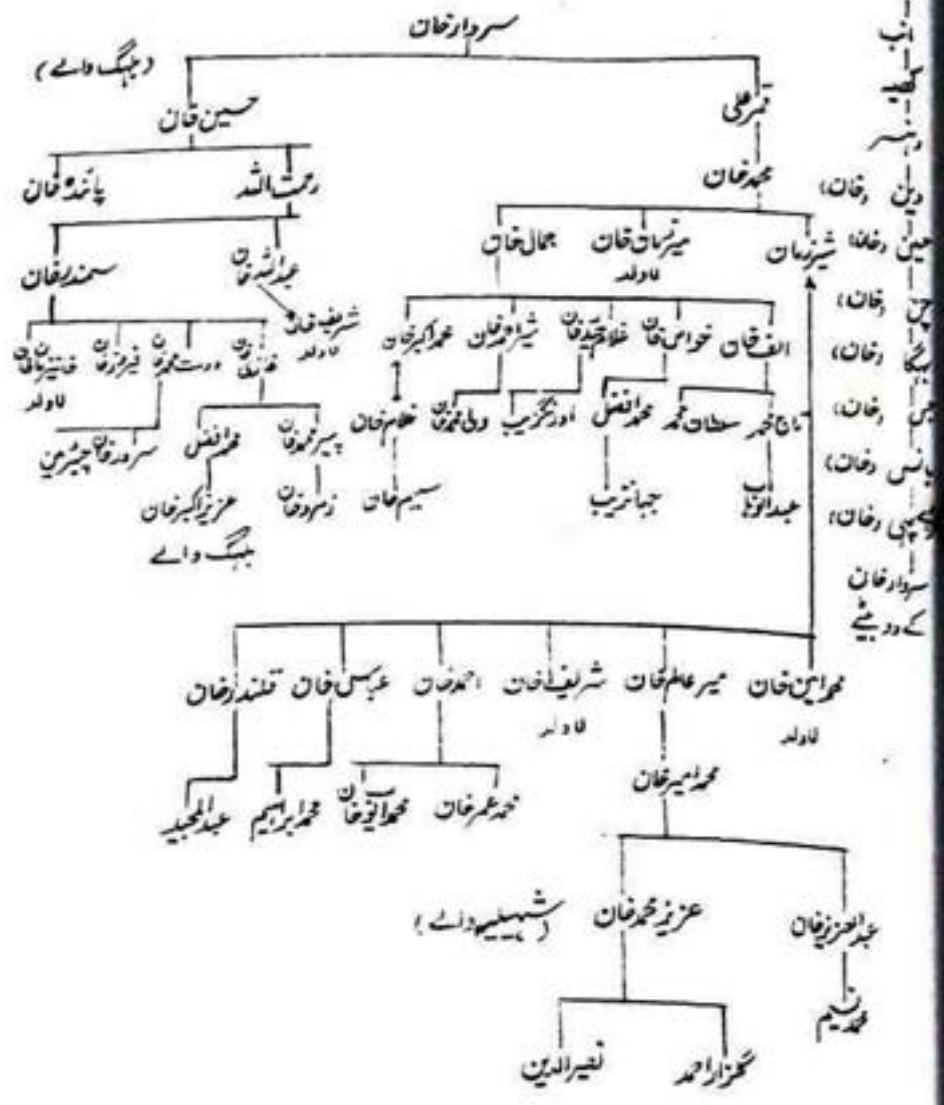
سے ملا ہے۔ جو کھیال خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر نام نہیں دیا۔ یقیناً یہ شجرہ نسب انہیں کا بوساطت یا بغیر وساطت مورخ مذکور تک بھیجا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے خاندان کے کوئی دوسرا خاندان مشہور اس وقت ان کے ہم پلہ تحصیل مانسہرہ میں کوئی نہیں تھا اور نہ اب تک ہے۔ ازمنہ قدیم سے ہی کھیال خاندان کا یہ گھرانہ معتبر و رئیس چلا آتا ہے۔ جس کا ثبوت تاریخوں سے ملتا ہے۔ باب الاعوان کے صفحات ۲۱۲، ۲۱۳ پر بھی امیر خان بن میر عالم خان اور غازی خان بلہنگ والے کا ذکر آیا ہے۔ اور اسی طرح تاریخ ہزارہ میں شیر زمان خان و جمال خان جاگیردار برادران کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس میری تحقیق کی بنا پر یہ احمد خان و میر عالم خان برادران پسران شیر زمان خان مراد ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ شجرہ نسب سے واضح ہے۔ اور شیر زمان کی جگہ شیر احمد خان کتابت کی غلطی یا سماعت میں فرق آنے کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ سب تردد صرف موضع کا نام تاریخ میں نہ آنے کی وجہ سے لاحق ہو گیا۔ ورنہ مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

نیز یہ جو مورخ اقوام پونچھ نے لکھا ہے کہ سادم خان بن سجاول خان کی اولاد سے پکھلی ہزارہ میں موجود ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ سادم خان کی اولاد سے جنکو میاں بابا شام کی نسل سے شدوال کہتے ہیں موجود ہیں۔ بخلاف کشمیر کے وہاں سادم خان کی اولاد کو سادوال کہتے ہیں۔ اور یہ دراصل سادوال اور شدوال ایک ہی گوت ہے۔ مقاموں کے اختلاف تلفظ کی وجہ سے مختلف نام گوتوں کے ہو گئے۔ مگر جہاں یہ لکھا ہے کہ جنکی ذریات (یعنی اولاد سادم خان میں) "احمد خان و میر عالم خان" ہیں درست نہیں۔ اسلئے کہ کھیال خاندان کے مورث اعلیٰ بابا سجاول کے دوسرے بیٹے بابا انب کے بیٹے کھیوہ سے کھیال ہیں نہ کہ بابا شادر (سادم خان) جو بابا انب کے بھائی تھے انکی اولاد سے ہیں جنکی اولاد سادوال یا شدوال کہلاتی ہے۔

ایک اہم تحقیقی نکتہ!

"سید احمد شہید" از غلام رسول مہر کے حصہ دوم ص ۱۱ پر زیر عنوان - مجاہدین اگرور میں لکھا ہے کہ جب مولانا اسماعیل صاحب شہید موضع کھکے علاقہ اگرور میں آئے جہاں اس

دت خان اگرور عبدالغفور خان رہائش پذیر تھا۔ تو وہاں ان کے ملاقات کرنے کیلئے ایک احمد خان پکھلی والا اور حیدر شاہ ابن عم سید محمد علی شاہ (جسے پکھلی کے تمام خوانین کا سرخیل سمجھا جاتا تھا) اور ارسلا خان برادر زادہ عبدالغفور خان بھی بسلسلہ زیارت آئے ہوئے تھے۔ ان سب نے مولینا کے ہاتھ پر سید صاحب (سید احمد شہیدؒ) کی امامت، کی بیعت کی۔

ادھر احمد خان پکھلی والے کی تصدیق محمد دین فوقؔ نے اپنی کتاب تاریخ پونچھ میں احمد خان پکھلی ہزارہ والا بھی اعوان خاندان سے لکھا ہے۔ اور اس سلسلہ میں میں نے اس دور کے احمد خان کو کتابوں اور شجرہ انساب دیگر خاندانانِ پکھلی، د علاقہ گڑھیاں میں ڈھونڈنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ مگر اس دور میں سوائے اعوان احمد خان کے کسی اور کا پتہ نہیں ملتا پس میں بدیں وجہ احمد خان پکھلی ہزارہ والے کو جس نے اسماعیل شہید سے ملاقات کی ہے۔ وہ یہی کمیال خاندان کے احمد خان کہتا ہوں۔

دوسرے اسلئے بھی کہ قوم سواتی کی طرف سے اس وقت خان گڑھی حبیب اللہ خان کے جد امجد سعادت خان جو سواتی خاندان کے نامور رؤسا سے تھا۔ قبائل سے ناصر خان سواتی بگرامی اور خود میدان پکھلی کے بڑوں سے محمد علی شاہ براہ راست شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے پہلے سے ہی میل جول رکھتے تھے۔ لہٰذا احمد خان پکھلی والے جو کہ خاندان شہیلیہ کے جد امجد ہیں اس دور میں اپنے علاقہ کی اعوان قومی برادری کے ڈلہ جنبہ کے زبردست لیڈر اور نمائندے تھے جنھوں نے سید صاحبؒ سے ملاقات کی۔ اور جنگِ حریت میں حتی الامکان مجاہدین کا ساتھ دیا۔

شاہ خیل گڑھی میراں دی

میر عبدالجبار خان و میر جہانداد خان

یہ مجلہ خاندان قوم اعوان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ کا نام میر مؤسا خان تھا۔ بندوبست ۱۸۷۲ء میں انھیں کا نام دیہہ ہذا کے خانہ نمبرداری میں درج ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بھی زندہ و موجود تھے۔ میر مؤسا خان کے سات فرزند تھے۔ جن سے چھ کے نام ذیل میں ہیں۔ میر اکبر علی خان، میر زمان خان، حاجی غلام حیدر خان، میر مجیب خان، میر رحمت اللہ خان، میر سمندر خان۔

میر عبدالجبار خان، میر زمان کے لڑکے ہیں اور میر جہانداد خان حاجی غلام حیدر خان کے بیٹے ہیں۔ اس وقت اپنے خاندان کے اکابرین سے شمار ہوتے ہیں۔ صاحب جائداد مہمان نواز، مدبر، خوش خلق اور خوش مزاج ہیں۔

میر، ملک، سردار، قاضی، خان، شاہ، بیگ، صاحبزادے، اخونزادے، وغیرہ کے القاب مختلف اوقات میں مختلف خاندانوں، قبیلوں میں بطور عرف اور لقب کے استعمال اور بولے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کے گاؤں کا "شاہ خیل گڑھی میراں دی" کے نام سے تعارف کرایا جاتا ہے۔

طبقہ دوئم سے ڈاکٹر محمد فرید، ہومیو پیتھک اور محمد شفیق ملازم اصفہانی چائے پسران میر عبدالجبار خان اور محمد ارشد و سہراب پسران میر جہانداد خان ـــــ تاج الدین خان، غلام مجتبیٰ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

روایت کی گئی ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ نوکوٹ سے دیہہ مذکور کو منتقل ہو گئے تھے۔ دیگر اسمائے خاندان شجرہ منسلکہ پر ملاحظہ فرماویں۔

تحقیق الاعوان
۳۴۴
شجرہ نسب اولاد۔ میر موسیٰ خان مورث اعلیٰ خاندان شاہ خیل گڑھی میراں دی
میر موسیٰ خان
میر اکبر علی خان
میر زمان خان
حاجی غلام حیدر خان
میر محمد خان
میر رحمت اللہ خان
میر سکندر خان
(۱) شجرہ نسب میر اکبر علی خان پسر اول میر موسیٰ خان۔ شاہ خیل گڑھی
اللہ داد خان
علی گوہر خان
کالا خان
ولی داد خان
محمد عمر خان
حاکم خان
محمد اقبال خان
محمد منظور خان
علی اصغر خان
محمد ایوب خان
محمد اسلم خان
محمد عباس خان
خوشحال خان
گوہر زمان خان
محمد عمر خان
علی فرمان خان
محمد شفیق الرحمٰن
محمد صادق
محمد آصف
محمد بشیر
تحقیق الاعوان
۳۴۵
(۲) شجرہ نسب میر زمان خان۔ و حاجی غلام حیدر خان پسران میر موسیٰ خان (شاہ خیل گڑھی)
میر عبدالجبار خان
میر جہانداد خان
دوست محمد خان
پیر محمد خان
سلطان محمد خان
تاج الدین خان
فدا محمد خان
محمد فرید خان
محمد شفیق
مظہر علی
عبدالستار
محمد سعید
عبدالوحید
محمد جاوید
عبدالمجید
محمد غیاث
ذوالفقار
اعظم
محمد نسیم
محمد نصیر
محمد سلیم
شاد محمد خان
وحید الدین
محمد الیاس
محمد فیاض
تاج محمد
محمد ارشاد خان
اقبال
سہراب
اعجاز احمد
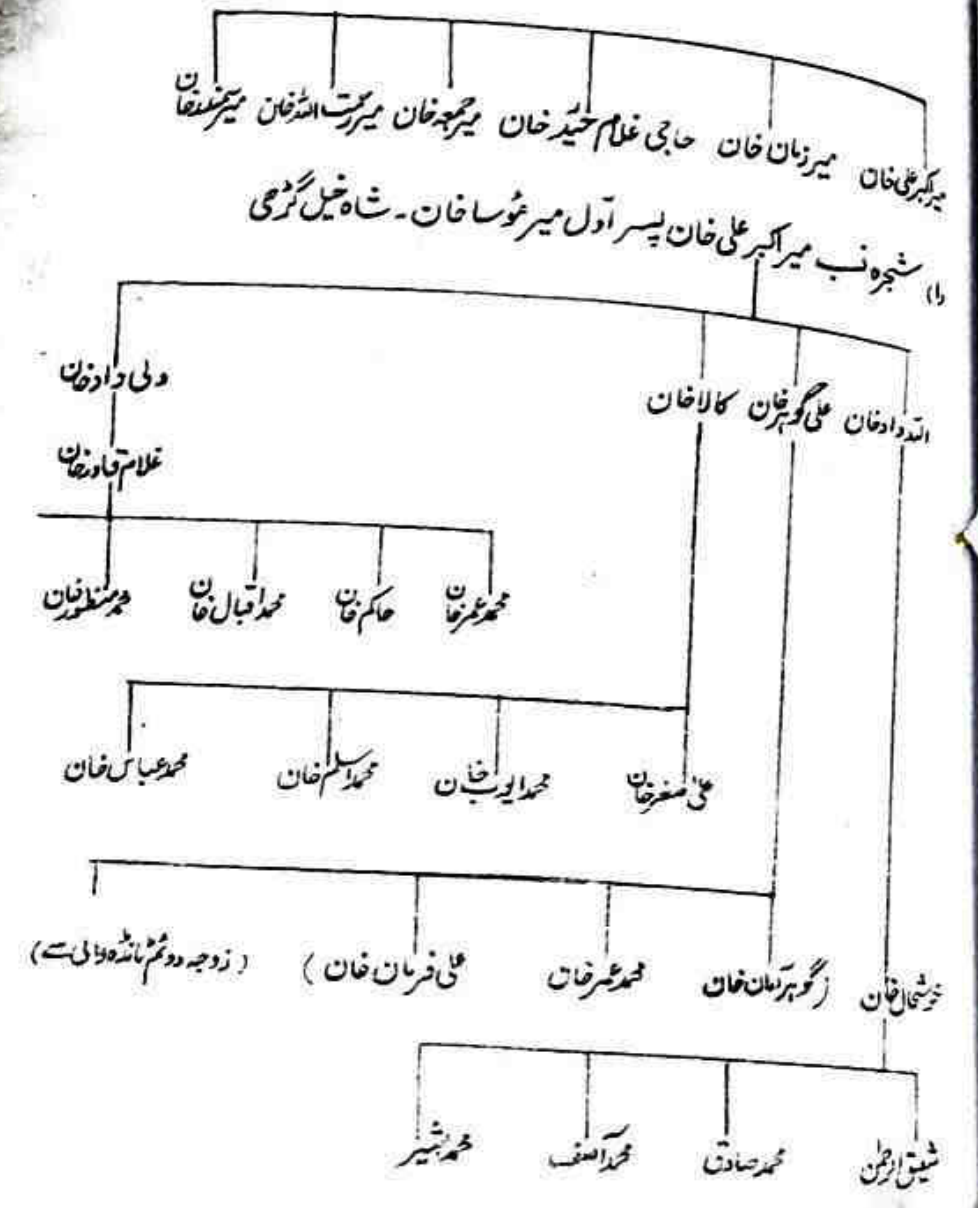
شجرہ نسب اولاد میر جعہ خان پسر میر مُوسا خان (شاہ خیل گڑھی)

(۳)

سرفراز خان — غلام محمد خان — غلام مجتبیٰ خان

سرفراز خان: محمد یوسف، صلاح الدین، محمد خالد، محمد مشتاق

غلام محمد خان: محمد ظہیر، محمد شفیق، اختر زیب، محمد نثار، سلیم

غلام مجتبیٰ خان: محمد توفیق، محمد طارق، لیاقت علی

خاندان گوگڑہ اعوان نوکوٹ پکھلی میدان

نوکوٹ مانسہرہ اوگی سڑک کے کنارے بھیڑکنڈ کے متصل تقریباً تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال پکھلی میدان کے وسط میں واقع ہے۔ اس وقت اسکی آبادی کوئی ڈھائی پونے تین صد مکانوں پر مشتمل ہے۔ روایت کیجئی ہے۔ موجودہ مقام پر نوکوٹ بعد میں بن گیا ہے پرانی بستی سب سے پہلے بابا سیّا ولیؒ کے مشہور قدیمی روایتی مقام "شاہ داکنڈ" جو موجودہ مقام سے دو اڑھائی فرلانگ پر جانب شمال واقع تھا۔ واقعی اب بھی وہاں آثار قدیمہ اور پرفضا مقام پر واقع ہونیکی وجہ سے یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ روایت درست ہے۔ بعد میں ترکوں اور سکھوں کے دور انہیں ڈھیریوں کے ارد گرد مقامات پر جنگی اور فوجی نکتہ نگاہ سے اس وقت کے لحاظ سے جگہ جگہ جو بستیاں تیار ہوگئیں تو یہ مقام نوکوٹ کے نام سے مشہور ہوگیا گلی باغ، نوکوٹ، بھیڑکنڈ کو ترکوں وسکھوں کے زمانہ میں بے حد اہمیت رہی ہے۔ اور یہ علاقہ پکھلی کے صدر مقام تھے۔ جہاں ترکوں اور سکھوں کے افسران اعلیٰ، حاکمانِ وقت و عہدہ داران قیام پذیر رہتے تھے۔

سید جلال بابا نے جب ترکوں سے سترھویں صدی کے آخیر اٹھارھویں صدی کے شروع میں یعنی آج سے کوئی تقریباً ۲۶۰ یا ۲۶۴ برس پہلے ترکوں سے یہ علاقہ فتح کرلیا اور ملک پر سواتیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سیدوں اور سواتیوں میں ویش، تقسیم ہوئی۔ کہتے ہیں کہ سید جلال بابا ـــــــ اس وقت شہر نوکوٹ میں قیام پذیر ہوگئے۔ سکھوں کی ہزارہ میں آمد کا زمانہ ۱۸۱۹ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۱۸۴۹ء میں مکمل طور پر انگریزی حکومت کا تسلط ہوجاتا ہے۔ سکھوں کا تسلط اس علاقہ پر بھی ہوا۔ تو سید جلال بابا یہاں سے رخصت ہوکر درہ بھوگڑمنگ جاچکے تھے۔ شہر خالی پڑا تھا۔ جبکی لاٹھی اسکی بھینس کا زمانہ تھا۔ یہاں کے میروںؔ نے بابا مرید خان گوگڑہ اعوان موجودہ گوگڑوں کے جد

ؔ کہتے ہیں یہ میر بھی اعوان ہیں۔
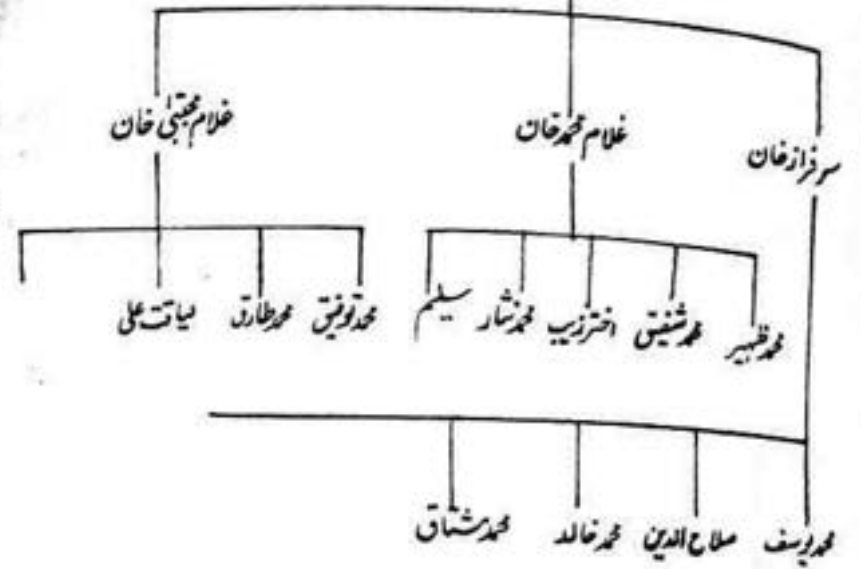
نوغام چکیاہ خوشحال نزد مانسہرہ سے آئے۔ جو وقت کے بڑے بہادروں، شاہ سواروں اور نیزہ باز و نشانہ بازوں سے ایک تھے۔ انہوں نے آکر یہاں سکھوں کی آمد سے پہلے اچھی طرح قدم جمائے۔ اور حدود نوکوٹ میں وسیع رقبہ پر قابض ہوگئے۔

پھر جب سکھوں کا دور سلطنت و انتظام بڑھتا گیا۔ تو کہتے ہیں کہ سکھ سردار ان کے ہمراہ کوئی میر عالم سکندر پور والے بھی تھے (شاید عملہ اراضی کی جانچ پڑتال والے پہنچے) نوکوٹ کے قریب کسی اونچی جگہ ڈیرہ ڈال کر پوچھ گچھ شروع کر دی۔ اس دوران بابا مرید خان کی ایک خوبصورت خچر دیکھ کر اس سکھ سردار نے طلب کر لی۔ مگر مرید خان نے خچر دینے سے انکار کر دیا۔ سکھ سردار نے اس انکار پہ برہم ہو کر سید جلال بابا کی اولاد سے سیدوں کو بلا کر دوبارہ یہاں آباد کر دیا۔ اور قاضی میر عالم کی مداخلت و مدد سے کچھ رعایت ملی۔ اور دخیلکار قرار پائے اور سیدوں و گوڑوں میں مقدمہ بازی شروع ہو گئی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آج مرید خان بابا کی اولاد کے گوڑے اعوان اکثر اس وقت دیہہ نوکوٹ کے مالک ہیں۔ اور بہت قیمتی اور وسیع آبپاش رقبے ان کے زیر کاشت و قبضہ میں ہیں۔ پکھلی کے عین وسط میں جہاں کے اردگرد اور کوئی گاؤں یا مقام اعوانوں کا نہیں۔ سیدوں اور سواتیوں کے درمیان قدم جمائے رکھنا اور اپنا وجود باقی رکھنا یا رہنا ہی ایک بہادر اور نڈر کنبہ و خاندان کی نشاندہی کرتا ہے۔

آج اس روشنی اور تمدن کے دور میں بھی اپنے آبائی شجاعانہ جذبہ اور خودداری کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً گردو پیش کے بعض مقامی لوگوں سے ٹکرا جاتے ہیں، اور عزت کی موت کو ذلت کی حیات پر ترجیح دیتے ہیں۔

مقام حیرت ہے کہ گوڑہ گوت جہاں بھی کہیں آباد ہے۔ اب بھی وہ ماضی کی طرح آپس کی الجھنوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اور خود آپس میں بھی ان کا اتنا اتفاق نہیں ہوتا جو قومی ترقی کی منزلوں کو طے کرنے میں حوصلہ افزائی کا باعث بنے۔ اور جو قوم آپس میں اتحاد، اتفاق اور یکجہتی نہ رکھتی ہو وہ کبھی سرخرو نہیں ہو سکتی۔ اس کا مستقبل دھندلا اور ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ دنیا میں اگر کسی قوم کو اپنا مستقبل درخشندہ بنانا ہے تو انکے افراد کو مل جل کر رہنا ہوگا۔

حاجی محمد حیات خان نوکوٹ

اب نوکوٹ میں یہی قوم کے بڑے معتبر لینڈ لارڈ اور سرپنچ ہیں۔ ضعیف العمر ہیں۔ اپنے آبائی و اجدائی پیشہ کاشتکاری و زراعت میں اب بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ سبزیاں باغات کا عمدہ شوق اور دیگر درختوں کے علاوہ باغ متفرق مقامات پر لگائے ہوئے ہیں۔ اور مزید ترقی دینے میں کوشاں ہیں۔ سال ۱۹۳۹ء میں زیارت حرمین الشریفین سے شرفیاب ہوئے۔

ان کے مورث اعلیٰ نورگل خان کے باپ شیر محمد خان گوڑہ میں تھے۔ اور نورگل وہاں سے نکل کر چکیاہ نزد خوشحال پہنچا۔ اور چکیاہ سے اس کے بیٹے مرید خان و حبیب خان نوکوٹ آئے۔ نورگل خان کا دوسرا بھائی وہیں گوڑہ شہر میں رہا۔ جنکی اولاد کا وہاں پر موجود ہونا اب تک بیان کیا جاتا ہے۔

حاجی محمد حیات خان بڑے صاف گو قومی کاموں میں دلچسپی لینے والے، نماز گذار خلیق بلند حوصلہ اور ہمدرد انسان ہیں[1]۔ ان کے لڑکے محمد اورنگزیب خان انجمن پٹواریاں تحصیل مانسہرہ کے سیکرٹری ہیں۔ ولی محمد خان نے جے۔ اے وی کی اور سکول ماسٹری کر رہا تھا کہ اچانک لڑائی جھگڑے کے مقدمے میں دھر لیا گیا۔ اور قید ہوگیا۔

محمد خان پسر غلام خان

دوبارہ ممبر یونین کونسل اپنے حلقہ میں منتخب ہوا۔ ملنسار اور مہمان نواز ہے۔ عطر شیشہ کے اعوان خاندان سے شادی کی ہے۔ انکے دو لڑکے نصیر احمد خان اور سجاد احمد خان نام ہیں۔ محمد خان کا دوسرا بھائی میٹرک ہے اور یونین کونسل کا سیکرٹری ہے۔

محمد افضل خان

انکے باپ کا نام نواب خان ہے جنہوں نے عطر شیشہ سے شادی کی تھی۔ نواب خان کے پانچ لڑکے ہوئے۔ محمد افضل خان، غلام اکبر خان، جہانزیب خان، اورنگزیب خان اور محمد ریاض خان محمد افضل خان بڑے خوش اخلاق، ملنسار، ہنس مکھ اور ہر دلعزیز انسان ہیں۔ مانسہرہ میں پرچون آٹا فلور کا گودام ہے۔ قومی ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے۔ ایک لڑکا محمد رفیق خان اس وقت گھوڑا گلی لارنس کالج میں تعلیم پا رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ بچہ کسی وقت اپنی قوم کا ایک درخشندہ ستارہ ہوگا۔ محمد افضل خان کے پانچ لڑکے ہیں محمد رفیق، محمد نسیم، محمد ممتاز، محمد مشتاق اور شفیق ہیں۔ جہانزیب کو نشہ میں ملازم اور انورزیب کراچی میں پولیس انسپکٹر ہے۔ محمد ابن الحنفیہؓ سے شجرہ ملاتے ہیں۔ باقی خاندانی اسمائے شجرہ نسب پر ملاحظہ ہوں۔

---

[1] مسودہ کتاب ترتیب پا کر لکھا جا چکا تھا کہ مورخہ ۲۳/۵/۸۵ کو حاجی صاحب اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پاگئے۔ عمر تقریباً سو سال کے لگ بھگ تھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خاندان سرداران عطرشیشہ قطب شاہی اعوان

عطرشیشہ مانسہرہ سے گڑھی روڈ پر تقریباً نو میل جانب مشرق واقع ہے۔ یہاں اعوانوں کی بڑی بستی ہے۔ جو اعوان قطب شاہی کہلاتے ہیں۔ عرب کھن اور کھوڑ بھی انہیں کی ملکیت ہیں اور اعوان ہی رہتے ہیں۔ سرداران عطرشیشہ کے مورث اعلیٰ بابا سونا خان ہیں۔ جن کے اسلاف پنجاب سے بعد برادران کنبہ چل کر موضع نواں شہر واقعہ ایبٹ آباد قیام پذیر ہوئے۔ سکھوں کا دم توڑتا ہوا دور تھا۔ وہاں قبضہ جمانا چاہا۔ تو وہاں کے مقیم پٹھانوں نے خبردار ہو کر سازش کی۔ اور ایک دن دعوت کے بہانے شام کو اپنے گھروں میں بلاکے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ رکھ کر گھروں میں بند کر کے قتل کر ڈالا۔ دوسرے جو اس سازش سے بچ گئے وہاں سے نکل کر شمال کی جانب مختلف گاؤں میں جا بسے۔

سونا خان عطرشیشہ میں آئے۔ وہاں سکھ لوگ آباد تھے۔ اور اس دور میں ان کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ سونا خان نے اپنے بیٹوں اور ساتھیوں کی مدد سے سکھوں کو مار بھگایا اور عطرشیشہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بعد کو عرب کھن اور کھوڑ پر بھی قبضہ کر کے یوں قدم جمائے گئے۔

سونا خان کی وفات پر انکے چار فرزندان محمد خان، احمد خان، حاکم خان اور معدین خان باقی رہے۔ جن سے آگے سلسلہ اولاد جاری ہوا۔

ملاہیبت خان

محمد خان کے آٹھ فرزندان میں سے ایک تھے۔ یہ بزرگ بچپنے میں اس وقت کے رواج کے مطابق دینی تعلیم مسجدوں میں حاصل کرنے کیلئے گھر سے بھاگ نکلے۔ اور بڑے عرصہ بعد ایک بڑے عالم فاضل ہو کر وطن لوٹے۔ بھائیوں اور افراد کنبہ نے پڑھے لکھے اور معزز ہونے کے باعث انہیں اپنا سردار کے لقب سے سرفراز کیا۔ اسی سربراہی و تکریم کی وجہ سے انہیں تینوں گاؤں عطرشیشہ عرب کھن اور کھوڑ میں کافی زمین دیدی گئی۔ جنکی اولاد تب سے میکر اب تک علاقہ و ماحول میں سرداران کے لقب سے مشہور و معروف چلی آتی ہے۔ عطرشیشہ میں سردار ملاں ہیبت کی اکثر اولاد تعلیم یافتہ ہے جو کافی تعداد میں استاد، چند ایک کوآپریٹو سوسائٹی میں سب انسپکٹر اور باقی چھوٹے اور نوجوان بچے کالجوں اور سکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ بندوبست .... میں ان کا نام خانہ نمبرداری میں ملاہیبت درج ہے جو ان کے اس وقت زندہ اور قائم ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

سردار پیر خان

بہادر، سخی، مہمان نواز، لمبا قد اور فوجی خیال کے آدمی تھے راجہ کشمیر کے ساتھ ملازم اور دوستانہ مراسم بھی تھے۔ کشمیری عوام انکی بہت عزت کرتے تھے۔ ہمیشہ فوجی لباس پہنا کرتے۔ انکی تلوار اور زرہ بکتر ابتک انکے افراد کنبہ کے پاس موجود ہیں۔ اچھے گھوڑے سوار اور تیر انداز تھے۔ عالم شباب میں ہی اپنے گاؤں میں فوت ہو گئے۔ تو کشمیر کے لوگ جوق در جوق انکی قبر دیکھنے کے شوق میں آئے۔ یہ خود بھی لکھے پڑھے تھے۔ دینی علوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اعوان خاندان کے افراد کو پڑھنے لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور ان کا دورِ زیست اپنے خاندان و کنبہ کیلئے ایک سنہری زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سردار اکرم خان

اچھی معتبر و شہرت کی شخصیت کے مالک تھے۔ خود بھی تعلیم یافتہ تھے خویش و اقارب کو بھی تعلیم کی دعوت دیتے۔ مہمان نواز، خوش اخلاق اور بہترین انسان تھے۔ گاؤں کے نظم و نسق سنبھالنے میں کافی ماہر و کامیاب تھے، اُن کے زمانہ میں چوری ڈاکہ وغیرہ اردگرد میں نہیں ہوا۔ اور نہ کسی کو یہ جرأت حاصل تھی۔ اعوان قوم کے ساتھ کافی ہمدردی رکھتے تھے۔ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ پیرزادہ عبدالقیوم شاہ داتہ والا کے مقابلے میں الیکشن لڑا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ بدن میں رسولی کی وجہ سے عین جوانی ہی میں وفات پائی۔ ان کے چار لڑکے محمد عمر خان، فرید خان، محمد نواز خان، ایاز خان اور دو لڑکیاں مسماۃ مختار بی بی اور مسماۃ فرخ تاج بی بی ہیں۔

سردار بدر الاسلام خان

سردار اکرم خان کے بھتیجے اور انہیں کی ترغیب و تحریص دلانے سے پرائیویٹ طور پر ایم اے بی ٹی علیگڑھ یونیورسٹی سے کیا۔ دوران ملازمت بتدریج ترقی کی۔ پرائمری سکول کی مدرسی سے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ اے، ڈی، آئی بنے۔ پٹ ورکنگ کے اسسٹنٹ آفیسر بھی رہے۔

اور آج کل ایکسٹینشن کالج EXTENTIONAL COLLEGE ایبٹ آباد کے چیف انسٹرکٹر ہیں۔ سخت محنتی اور جفاکش ہیں۔ ان کا مقولہ سننے میں آیا ہے۔ "ورک ہارڈ، ورک ہارڈ، اینڈ ورک ہارڈ"۔ محکمہ تعلیم میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

گاؤں کے اکثر بچوں کو گھر سے باہر تعلیم دلانے میں کافی مدد امداد کی ہے۔ عطرشیشہ میں انکی بدولت آج بہت کم لوگ ان پڑھ نظر آتے ہیں۔ بازار عطرشیشہ میں کافی دوکانات بنا کر آباد کرائی ہیں۔ مہمان نواز، خوش اخلاق، امن پسند اور قوم کو ترقی کے میدان میں دیکھنے کے بے حد خواہشمند ہیں۔ انکے دو بیٹے فیاض اور محمد عارف ہیں اور ایک لڑکی اسماء بیگم ہیں۔

مشتاق اعوان جنہنے سرداران عطرشیشہ و خاندان خود کے حالات و شجرہ جات نسب بہم پہنچانے میں میری مدد کی۔ اور مجھے اس محنت و محبت سے تیار کرکے ارسال کئے کہ نادیدہ مجھے انکے قومی جذبات کی قدر کرنی پڑی۔ سیاست پسند اور قومی جذبات و احساسات رکھتے ہیں۔ ایف اے پاس کرکے جے۔ اے۔ وی کیا۔ اب بی اے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

محمد بشیر محنتی اور خوش اخلاق ہیں۔ میٹرک پاس کرکے جے وی مدرس بن گئے خداداد قابلیت و لیاقت سے بی اے بی ٹی کا امتحان پاس کیا اور آج کل عطرشیشہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں

محمد ایوب خان نے ایف۔ ایس۔ سی ایبٹ آباد کالج سے کیا اور نشتر میڈیکل کالج ملتان میں ایم بی۔ بی۔ ایس کیا۔ آج کل سٹی ہسپتال پشاور میں انچارج ڈاکٹر ہیں۔ مریضوں کے ساتھ ہمدردی اور محنت کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز ہوگئے ہیں۔ قومی ہمدردی اور جذبہ رکھتے ہیں۔ اور سردار بدر الاسلام خان کے داماد ہیں۔ باقی اسمائے خاندان بابا سونا خان تا حال شجرہ نسب منسلکہ دیکھیں۔ شجرہ محمد بن الحنفیہؓ سے ملاتے ہیں۔

خاندان سرداران عطرشیشہ کے سوا بھی وہاں کچھ گھر دوسرے اعوانوں کے ہیں۔ جو قاضی کہلاتے ہیں۔ قاضی ضیاء الحق و محب الحق صاحبان کافی شہرت کے مالک ہیں۔ قاضی ضیاء الحق نے چند کانیں تعمیر کی ہیں۔ اور ایک فلور مل جاری کرکے اپنے کاروبار کو کافی ترقی دی ہے۔ اور قاضی محب الحق جو انکے چھوٹے بھائی ہیں مانسہرہ بازار میں بوٹوں کی دکان کھولی ہوئی ہے۔ دونوں بھائی نہایت نفیس اور شریف النفس انسان ہیں۔

۱) شجرہ نسب اولاد بہادر خان پسر محمد خان ولد سونا خان عطرشیشہ

(۲) شجرہ نسب اولاد سردار طالع بیت خان پسر محمد خان ولد سونا خان۔ عطر شیشہ

سردار طالع بیت خان

(از بطن سواتن)

سردار سکندر خان — سردار قلندر خان — سردار اللہ داد خان — سردار پیر خان

محمد اشرف — محمد افضل — زینت النساء (در عقد محمد خان تو کوٹ)

محمد انور — عبد القیوم — فریدون

سردار شیر زمان — سردار محمد زمان خان

غلام سرور خان — غلام یوسف خان

شفیق — واجد علی — یونس — نثار — جمیل — ارشاد — بیگم

نسیم — نعیم — جلوہ — محبوب — نحیلہ بی بی — نسرین بی بی

عبد الغفور — عبد اللطیف — میر افضل — غلام صادق — غلام نبی — سعید الدین

صابر — رشید — محمد بشیر — ارشاد

سردار علی خان — سردار اکرم خان — ستارہ بی بی میر جان — ستارہ حسن جان — علی اکبر — غلام رسول خان

نوشحال — محمد افضل — آصف — صدف — نجم النساء (زوجہ نواب خان توکوٹ)

جہانزیب — صدیق — بی بی صغری — زکی — حفیظ — شیر افضل — بی بی شاہجہان — شیر افگن — عزیز

محمد عمر خان — فرید خان — محمد نواز خان — ایاز خان — ممتاز بی بی — فرح تاج بی بی

سردار محمد اسلام — سرفراز — بی بی سیرالنساء — بی بی شمس النساء

فیاض — اسماء بیگم — عاقب

(۳) شجرہ نسب اولاد غازی خان، ستوتی خان، ہاشم خان، محمد علی، شیر خان، میرزمان خان پسران محمد خان ولد سونا خان عطر شیشہ

شجرہ نسب خاندان بیدڑہ جرل اعوان تحصیل مانسہرہ۔ مرتبہ ۱۲/۹۵ ء مرسلہ نذر حسین خان

نواب سرفراز خان (جرل اعوان)

حسن علی خان

حافظ گوھر علی خان — شاہولی خان — دوست خان (لا ولد) — سرور خان

عبداللہ خان (لا ولد) — عبدالجبار خان — اکبر خان لا ولد — عبدالغفار خان — تاج محمد خان — عبدالمجید خان — نور خان

(دا ولاد پھلتے گئے ہیں، نسل جاری ہے)

عزیز خان (لا ولد) — غلام خان (لا ولد) — غضنفر علی خان — عبدالرحمٰن خان

سکندر خان — عبدالغفور خان — خواجہ محمد خان

نذر حسین خان

اقبال حسین — صلاح الدین — عزیز الدین — محمد حسن — سعید احمد

جلیبار خان — خلیل الرحمٰن خان

عارف — گدو

خورشید عالم — جاوید — شہزاد گل — بابر — خرم

محمد رشید — الطاف — آمجاد — شہزاد — جہانداد — اسلم خان — فریم خان (لا ولد)

جمشید — راجہ — جاوید — بابو

عبدالجبار خان

خاندان اعوان بیدڑہ کے نامور آدمی تھے۔ مہمان نواز اتنے کہ ان کا لنگر جاری رہتا تھا۔ مسافروں، مہمانوں، اور سائلین و غرباء کو کھانا کھلاتے تھے۔ سخی اور فراخدل تھے۔ عابد، زاہد اور صائم الدھر تھے۔

غضنفر علی خان

سپرنٹنڈنٹ صاحب ڈپٹی کمشنر رہے اپنے وقت کے ہر دلعزیز اور بااثر شخص شمار ہوتے تھے

محمد نعمان ولد مولوی زکریا اللہ

نسب قریشی ہیں۔ عابد و زاہد تحصیل مانسہرہ کے پرانے نامور فضلاء اہل کی یادگار والی ہیں اور زیارت حرمین الشریفین نصیب ہوئی ہے۔

اخوندزادگان اعوان تمرکھولہ مانسہرہ

اخوند۔ فارسی لفظ خواندہ سے ہے۔ اخوندزادگان کے لقب سے اپنے ماحول میں مشہور ہوئے۔ یہ اس وقت پشت در پشت لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جب اس ملک میں عام تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ لکھنے پڑھنے سیکھنے کا رواج مسجدوں کی حدود کے اندر تک محدود تھا۔ قاضی اور اخوان زادے عالمان دین اور پڑھے لکھے جانے کی وجہ سے عام طور پر استعمال ہو جاتا تھا۔ شجرہ نسب و زبانی روایات کی بناء پر یہ کھیال خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بابا کھیا بابا سبجادل کھرے کوٹ تحصیل ہری پور ہزارہ کی اولاد سے تھے۔ شجرہ نسب امام محمد بن الحنفیہؓ سے ملاتے ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ بابا محمد امیر بہ معروف بابا میر ہیں۔ انکے بیٹے بابا مصطفےٰ تھے۔ اور وہ تین بھائی مصطفےٰ، عنایت اللہ۔ اخوند صالح محمد تھے۔ عنایت اللہ کی اولاد سے عبدالخالق برادران شیر گڑھ پانچویں پشت سے ہیں۔ جو اب ایبٹ آباد میں ملازمت کرتے ہیں۔ اور اخوند صالح محمد کی اولاد سے لقمان پسر محمد عمران مسوال کا اعوان خاندان سے منسلک ہوتا ہے۔ اور بابا مصطفےٰ کی اولاد سے اعوان خاندان تمرکھولہ میں ہے۔ بابا مصطفےٰ کے بیٹے بابا محمدی عرف آوان (اعوان) آباؤ اجداد سے پھلڑہ ریاست تناول میں رہتے تھے۔ بابا محمدی کے متعلق روایت آتی ہے۔ کہ وہ بڑے عابد و زاہد، عامل اور عالم تھے۔ اور اہل مکاشفہ سے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ ملا محمدی سکنہ پھوال نزد مانسہرہ ان کے تلمیذوں سے تھے۔ فقہ، اصول، تفسیر، نظم، خط و کتابت انہیں سے پڑھا و سیکھا تھا۔ وہ کئی دفعہ ذکر فرماتے کہ جناب مولینا محمدی صاحب نے جن اموات کی نسبت مجھے خبر کر دی وہ حرف بحرف پوری ہوئیں۔ اور اخوند زادہ صاحب بانڈیاں علاقہ پھلڑہ بھی ان کے مکاشفہ کی نسبت بیان کیا کرتے تھے۔ متمول و بزرگ گھرانوں میں شمار ہونے کے باعث نوابان و خوانین نواب خان اور پھر نواب پائندہ خان کی طرف سے بعض اراضیات انہیں بطور سیری و گذارہ ملی ہوئی تھیں۔ جنکی تصدیق و تجدید خوانین وقتی وقتاً فوقتاً اپنے دور میں کرتے رہتے۔ اور اب تک وہ

سندات موجود ہیں۔ بابا محمدی اور انکی اولاد کو سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد حریت سے واسطہ و سابقہ رہا ہے۔ جسکی میں نے قدر تفصیل سے زندگی کے بیباک محاسبہ سرگزشت پریشان میں ذکر کیا ہے۔ نواب خان کے عہد سے لیکر جسکی نشاندہی ملتی ہے۔ نواب محمد فرید خان و عبداللطیف خان پڑھنے کے وقت تک یہ نوابانِ خانانِ تناول سے وابستہ رہے۔ خصوصاً نواب محمد اکرم خان تناول کے عہد میں بابا محمدی کے پوتے غلام جان نے ریاست تناول میں نمایاں رسوخ و مقام حاصل کیا۔ وہ نواب موصوف کے وزیر مختار کل عدالتوں میں مقدمات کی پیروی و معتمد اعلیٰ رہے۔ نواب محمد اکرم خان کی وفات کے بعد پڑھنہ اور پھر وہاں سے غلام جان معہ کنبہ و قبیلہ تمر کہولہ میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اور حج کے سفر میں وفات پائی۔ غلام جان کے لڑکوں سے غلام ربانی نے حق جانشینی ادا کیا۔ بہادر، دلیر، کنبہ و خویش کا حق پہچاننے والا اور قوم و قبیلہ کا مخلص رضا کار تھا۔

محمد نواز اعوان

غلام ربانی کا بیٹا محمد نواز اور اسکے دو بھائی اور محمد اسلم و غلام جیلانی ہیں۔ اچھے اخلاق اور رسوخ کا مالک ہے۔ قومی جذبہ و خدمات کا عزم رکھتا ہے۔ تحصیل مانسہرہ کے سیاسی راہنما اسکی بہترین و رضا کارانہ خدمات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مانسہرہ میں کریانہ سٹور کی دکان کرکے اچھی کاروباری زندگی میں معروف ہے۔ عبدالعزیز پسر عبدالغفور بھی پشاور میں اچھی کاروباری زندگی بسر کرتا ہے۔ خوش اخلاق، ملنسار اور ہنس مکھ نوجوان ہے۔ اور پشاور میں رہتا ہے۔

ملک مقبول الرحمن برادران

بابا محمدی عرف آوان کے چھوٹے بیٹے احمد جان کے بیٹے عبدالرحمن کی اولاد سے مقبول الرحمن ملک، وحید الزمان، حبیب الرحمن سیف الرحمن چار بھائی ہیں۔ وحید الزمان پشاور میں چھوٹے ڈاکٹر ہیں۔ مقبول الرحمن ان سب بھائیوں سے بڑے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ بیرونی ممالک چین، ایران وغیرہ میں سفارتی حکم اعلیٰ کے ساتھ اچھے عہدے پر فائز رہے۔ مانسہرہ میں کوٹھی نما بنگلہ تعمیر کر لیا ہے۔ اب اس خاندان کے اکثر افراد [illegible] کہولہ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اور شہروں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اب ملک مقبول الرحمن پشاور میں امی گریشن اینڈ پاسپورٹس آفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔

حبیب الرحمان

محکمہ اطلاعات میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ انگریزی اور پشتو میں ان کے مضامین بڑی وقعت سے دیکھے جاتے ہیں۔ ادیبوں

کی سوسائٹیاں اور مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ مزاحیہ مضامین لکھنے میں بھی کافی [illegible] و دسترس رکھتے ہیں۔ جو خود ان کے ذوق کا ایک پہلو ہے۔ شکار کے بہت دلدادہ اور شائق ہیں۔ دور دراز مقامات تک احباب کی معیت میں شکار کھیلنے کیلئے جاتے ہیں۔ قیمتی اور نادر اسلحہ خریدنے اور رکھنے کا شوق ہے۔ بارسوخ اور قومی ہمدردی کا جذبہ، بے تکلفی اور سادگی سے خویش واقارب سے ملنا وغیرہ جملہ ایسے اوصاف ہیں جو کہ خویشوں میں ہر دلعزیزی کا باعث بن گئے ہیں۔ اور اب گویا اس لحاظ سے خاندان کے سرخیل ہیں۔

سیف الرحمن

بہترین قلمکار اور انشاء پرداز ادیب ہے۔ قوم و کنبہ قبیلہ کیلئے مخلصانہ خدمات و جذبات ترقی و خوشحالی کا موجزن جذبہ رکھتا ہے۔ پشاور کنٹونمنٹ پبلک سکول میں ملازمت اختیار کی ہوئی ہے۔ ابتداً کچھ عرصہ فوج میں بھی رہا ہے۔

شجرہ نسب ان کا یوں ہوا۔

سیف الرحمن بن عبدالرحمن، بن احمد جان۔ بن بابا محمدی (عرف آوان) بن بابا مصطفیٰ بن بابا امیر۔ معروف بابا تیر۔ بن رنگ۔ بن صل، بن شاہ میرز، بن دلیر، بن کیا بن انب بن بابا سکاؤل (سنجاف) کہرے کوٹ ہری پور ہزارہ بن بہیا، بن موپال بن کمانے۔ بن کامل، بن سینہ شاہ ابن قیل شاہ بن گلگان شاہ بن قطب شاہؒ سے ہوتا ہوا محمد ابن الحنفیہؒ پسر حضرت علی رضی اللہ سے جا ملتا ہے۔

خاندان امیر خان گولڑہ درالوڑہ علاقہ اگرور
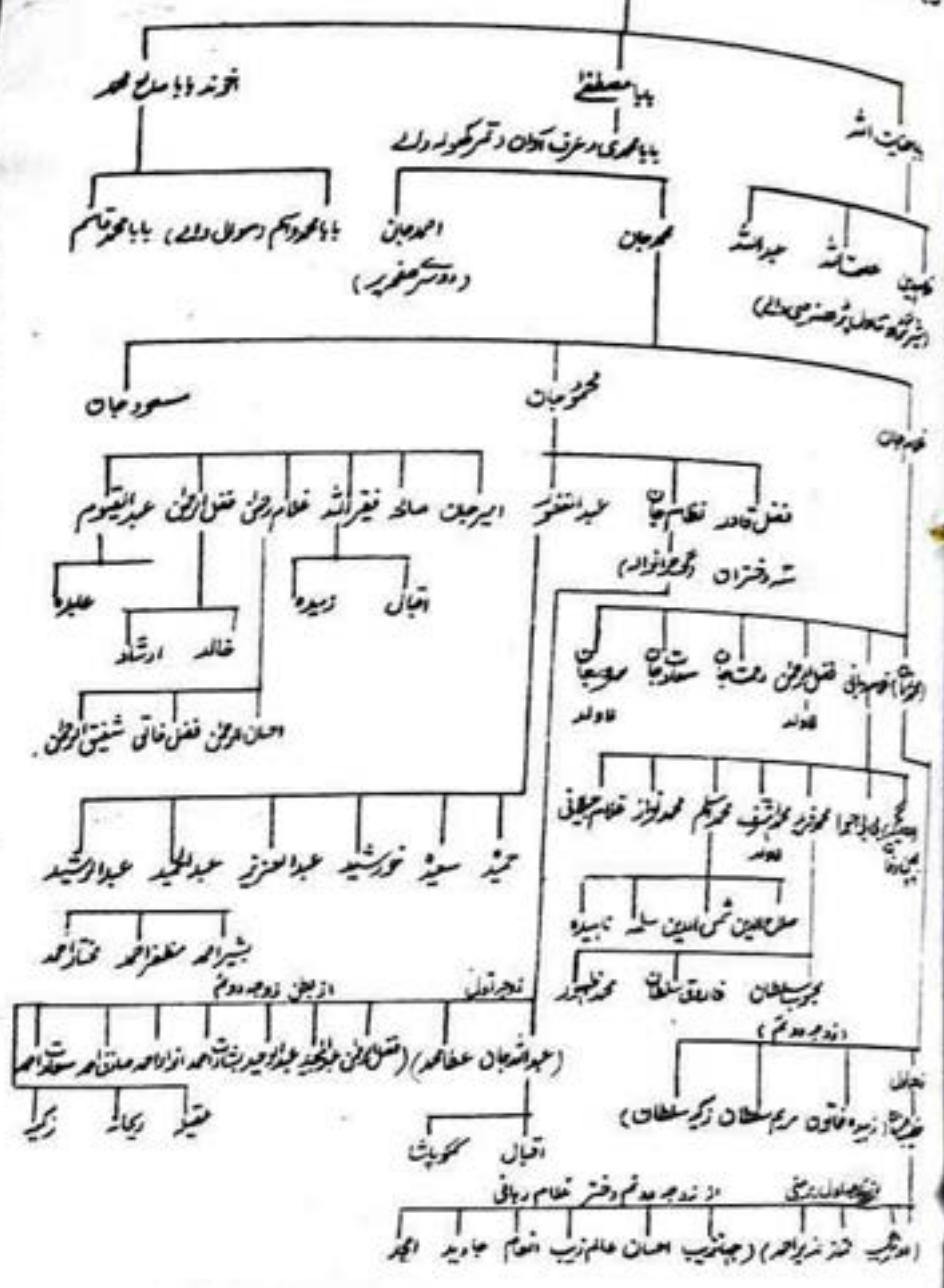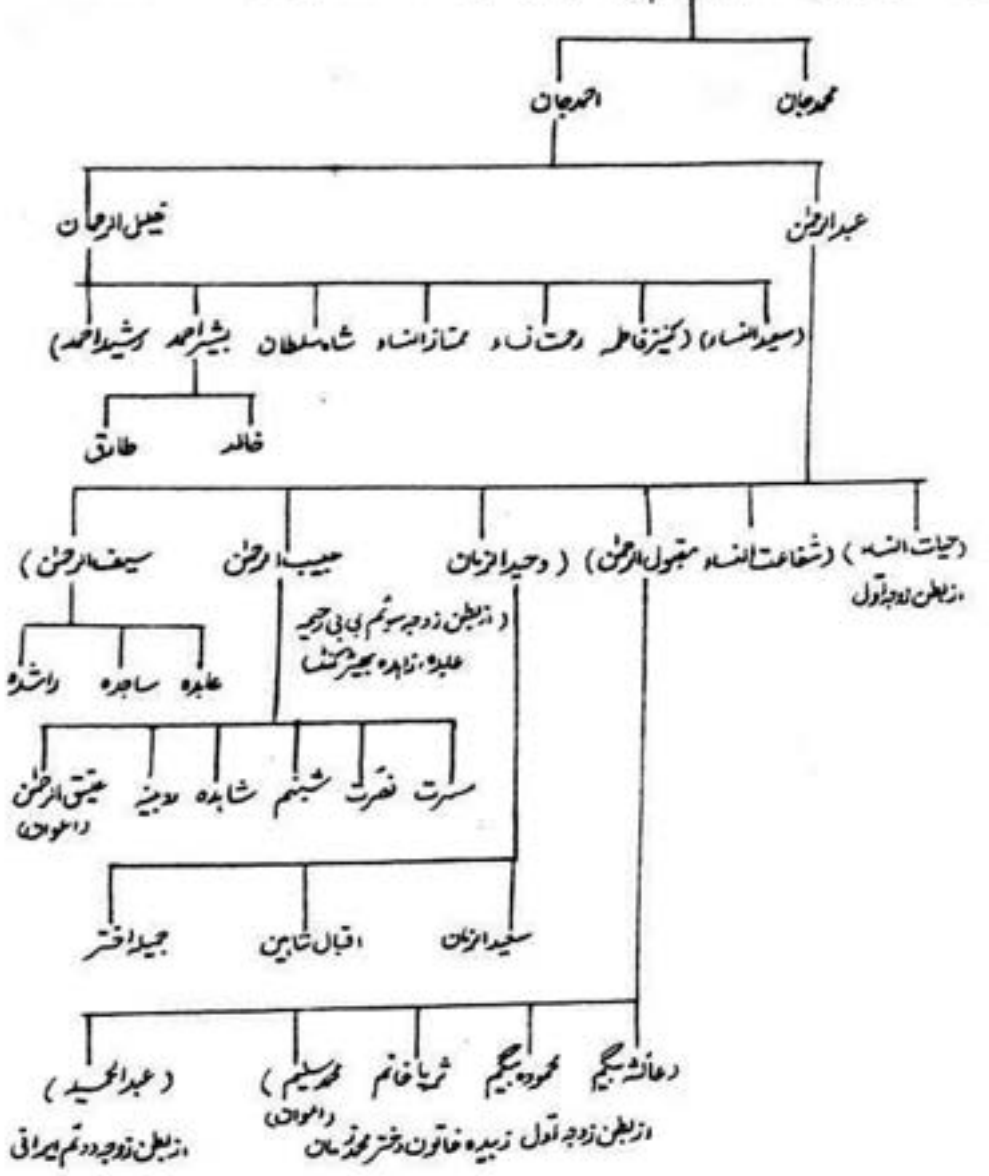
...مصنف کتاب ہٰذا اسی گوڑہ خاندان امیر خان سے نسبت رکھتا ہے۔ سب سے پہلے کہ
...کے متعلق کچھ سطریں لکھوں۔ یا اس ضمن میں کچھ صفحات بڑھ جائیں۔ تو یہ
...اس خاندان کی خود اپنی تاریخ و کتاب لکھدی ہے۔ اگر میں ایسا کرتا بھی تو مجھے کچھ مراعات
...سمجھا جانے کہ ہونی چاہیئے تھیں۔ جس خیال نے مجھے آپ حضرات کے سامنے آنیکی جرأت بخشی ہے،
...تھا اپنے خاندان کے حالات۔ تجسس سے ہی شروع ہوا۔ جنکو سرگذشت پریشان
...کے بیباک عالم میں ذکر کیا ہے۔

انقلاب دنیا میں آتے رہتے ہیں۔ ہر صبح طلوع ہونیوالی آفتاب کی کرنیں کسی قوم کنبہ یا شخص کو عروج بخشنے کی خبریں لاتی ہیں تو اسی طرح ہزاروں خاندان کنبے و افراد سورج کے غروب ہونے کیساتھ ساتھ کرۂ ارض سے نیست و نابود ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ہانتے خاندان امیر خان گوڑہ جو انقلابی حالات میں ہیشراں علاقہ کو تش پہنچا۔ تو مقامی متعلقہ لوگوں نے سازش کر کے امیر خان کا بہادر لڑکا بہادر خان بوقت ختنہ شہید کر دیا گیا۔ جیکے بعد امیر خان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔ ہم اسی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی میں گم کردہ راہ ہو گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

مختصرًا بزرگوں کے حالات اس ملک میں آنے کے یوں واقع ہوئے ہیں۔ اور یہ ...کی روایات معتوی بزرگوں سے چلی آتی تھیں۔ کہ ہمارے جدِ امجد سے بابا قالو جن کا ...نام حسن خان تھا۔ گوڑہ شہر یا انکے نزدیک راولپنڈی اعوان اکاری سے یہاں پہنچے ...یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ سید جلال بابا کی سرپرستی میں پکھلی فتح ہو کر سید اور سواتی کی ...میں یورش خانگی ہو چکی تھی۔ جملہ علاقہ اگرور تپہ بیگال موجودہ خوانین اگرور کے آباؤ اجداد

کے حصے میں آیا۔ اور یہ علاقے اکثر ویران پڑے تھے۔

میرے سامنے ایک مصدقہ نقل کی نقل بندوبست ۳ جولائی [illegible]ء موضع دھڑو اگرور کی اس وقت حد بست [illegible] کی آئی ہے۔ جسمیں آبادی دیہہ دھڑو کے حالات کے متعلق یہ لکھا ہے۔ جسے ہو بہو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"عام حالات آبادی دیہہ اس دیہہ دھڑو موضع داخلی اگرور کا بملاحظہ واجب العرض موضع اگرور جو منجانب سب فریقین حصہ داران لکھا گیا موجب ذیل ہے۔ کہ جب ترکوں سے قوم سواتی نے ملک لیا تو بروئے ویش کے زمین اس موضع میں دھڑو کا حصہ بہ قوم بیگال کیلئے آئی۔ لیکن آبادی انکی قوم بیگال کے ہاتھوں سے نہیں۔ بعد ویش کے یہ گاؤں ویران پڑا تھا۔ کہ کسی کالو خان (قالو) قوم گوڑہ نے مع قوم خود علاقہ پنڈی سے آکر اس گاؤں کو آباد کیا۔ اور اس وقت وارثان اشانی نے آوازہ عام کیا تھا۔ کہ جو کوئی غیر قوم سے اول آبادی اس گاؤں میں کریگا۔ وہ عوض کمربندی کے کھاوے۔ کالو خان گوڑہ نے اسے آباد کیا۔ اور انکی اولاد قابض [illegible] رہی۔ اول ایک دفعہ گرفتار ہونے عنایت اللہ خان کے ہاتھ نواب انب والا سے گاؤں ویران ہوا۔ پھر سراب خان دادا ہاشم علی خان وغیرہ نے اس دیہہ کو آباد کیا۔ پھر جب سردار ہری سنگھ نے اس ملک پر فوج کشی کی تو یہ گاؤں بھی جلا دیا گیا۔ چند مدت ویران رہا۔ اور قابضان گلی باغ جا رہے۔ اور سردار ہری سنگھ نے گلی باغ اولاد سراب خان کو جاگیر دیدیا پھر [illegible] ہجری میں تو نندی سلامی ہوئی تو وارثان گلی باغ نے گلی باغ پر قبضہ کر لیا۔ اور مسمیان قمر علی، ولیا خان وجیا خان و باجیب خان۔ (خواص) قوم گوڑہ مع دیگر اشخاص آ کر اسی دیہہ کو پھر آباد کیا۔ جب سے برابر آباد ہے ویران نہیں ہوا۔" انتہی ختم از نقل۔

نقل آبادی دیہہ دھڑو سے مورث اعلیٰ امیر خان بابا قالو کی آمد کا پتہ اور وقت کا تعین ہو جاتا ہے۔ وارثان اشانی کی تحقیق کرنے میں معلوم ہوا کہ یہ وارثان اشانی کی طویل داستان

[illegible] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قالو خان گوڑہ دھڑہ ہی میں فوت ہوا۔ خواص۔
[illegible] یہاں سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ شاید سراب خان گلی باغ فوت ہوئے۔
[illegible] [illegible] ہجری [illegible] عیسوی۔

[illegible] وہ یہاں نہیں لائی جاسکتی۔ مختصراً
سید جلال بابا نے [illegible] میں ترکوں سے ملک پکھلی فتح کیا اور پہلی ونش یعنی
تقسیم آپس میں ہوئی۔ اسکے چالیس سال بعد [illegible] میں دوبارہ ونش ہوئی۔ تو ترمہ
میں اگرور پکھلی ستراوی تپہ کے ودغیں کے سواتیوں کا نکلا۔ ستراوی کے دو طبقے
علی شیری اور بیگال تھے جو نرے ملے آباد رہتے تھے۔ بعد میں علی شیری پکھلی کو
چلے گئے اور بیگال اگرور میں رہے الخ۔
پس یہی وہ وقت تھا۔ کہ انکو دارشاہی ثانی بعد ونش دوئم قرار دیا گیا ہے۔
(بحوالہ نقل بندوبست اگرور [illegible])

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا قالو [illegible] کے لگ بھگ ہی آئے ہونگے۔ اور
[illegible] کا شہر آباد کیا۔ اس حساب سے بابا قالو کے پنڈی سے نکل کر اگرور میں قیام پکڑنے
کے بعد آج تک [illegible] ہے تو اس طرح ۲۲۹ سال تقریباً ہوگئے ہیں۔

اسکے بعد افراتفری کے زمانہ میں انہوں نے کئی انقلاب دیکھے۔ نوابان امب نے
[illegible] علاقہ پر سکھوں سے پہلے کئی بار یلغار کی۔ اور پڑوس کے خان اگرور عنایت اللہ خان کو
بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور بڑے بڑے شہر جلا دیئے گئے۔ اور پھر جب سکھا شاہی کی باری
آئی تو پھر گوڑوں کے دیہات تو کیا خان اگرور کے کئی دیہات بھی جلا کر بھسم کر دیئے۔
[illegible] کو کمہ میں تھانہ قائم کر دیا۔ عنایت اللہ خان اور گوڑوں کو اگرور سے نکال کر گلی باغ
[illegible] گئے۔ تو پھر جب تونڈی مسلمانی ہوئی تو دوبارہ اپنے علاقہ اگرور واپس آنے پر مجبور ہوئے
اسی طرح عنایت اللہ خان وغیرہ کے ساتھ ساتھ گھومتے پھرتے رہے۔ لیکن جب افرا
تفری کا زمانہ ختم ہوا۔ انگریزوں کا پرامن دور آیا۔ [illegible] اور کالا ڈھاکہ کے معرکوں سے
[illegible] ہوئی تو آخر عطا محمد خان کی باری آئی تو گوڑے درہ اربوڑہ سے بیدخل ہوئے
منتشر اوراق کی طرح حدود اگرور سے باہر زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔
سکھوں کی حکومت کے فوراً بعد میجر ایبٹ [illegible] میں آگئے۔ اگرور کا پہلا [illegible]
میں سرسری بندوبست بذریعہ طور ہوا۔ کہ جو گاؤں جاگیر کے تھے ان میں زیادہ دخل نہیں
ہوا۔ لیکن جو گاؤں خالصہ تھے۔ اسمیں کھیوٹ مقرر ہوئے۔ اس بندوبست میں خان
عطا محمد خان اور جاگیردار امیر خان برابر کے جاگیردار درج ہیں۔ اور علیحدہ علیحدہ

دیہات کی فہرست دی ہوئی ہے۔ خالصہ دیہات سے شاید وہ دیہات مراد ہیں [illegible]
کے زیر کاشت یا قبضہ میں تھے۔ ان میں کھیوٹ وغیرہ پیمائش ہوئی۔ چنانچہ مختصراً ذیل
میں امیرخان کی جاگیر کے دیہات کو درج کیا جاتا ہے۔ جو پشت در پشت قابض چلے
آتے تھے۔

(۱)	اربوڑہ	پاوی ۱/۴ حصہ
(۲)	بانڈی	نقدی فی ہل گورڑہ سے
(۳)	موگا	″
(۴)	دھڑہ	پاوی ۱/۵
(۵)	حاجی قمر	پاوے ۱/۵

بندوبست میں گورڑوں سے ملکیت کے ثبوت کیلئے اظہار یعنی بیان لئے گئے۔ اور ایسے
کیسے کر کے ۲۰۰ سال قابض رہنے کے بعد نکال دیئے گئے۔ تاریخ ہزارہ صفحہ ۱۰۰ سے بیان
نقل کیا جاتا ہے۔

- اور جاگیر قوم گورڑہ کے اور قبضہ امیر خان تنولی کا موضع اوگی اصل سیری
اخون سعدالدین پر اس طرح ہوا۔ کہ یہ قوم گورڑہ۔ ملازم اور کمر بند وقت عنایت اللہ خان
بیگال سواتی۔ و نواب[علہ] خان تنولی کے رہے ہیں۔ جب عنایت اللہ خان سے ناراض ہوتے
تو نواب خان کے پاس جب اس سے ناراض ہوتے تو عنایت اللہ خان کے پاس آجاتے
تھے۔ علاقہ تناول میں بھی انکے تین گاؤں ہیں۔ (ان میں سے موضع سیری و چھکوٹ ٹھیک
رہ گیا ہے) اب تک کھاتے ہیں۔ اور اس علاقہ میں بعوض خدمت کے زمین دیہات۔ اس
درہ اربوڑہ کے کھاتے تھے۔ اور اپنے اس جگہ آنے اور قبضہ کی نسبت گو کہ وہ چاہتے ہیں
کہ ہم ملکیت کی صورت میں پاؤں جمادیں۔ لیکن وہ بنیاد ملکیت کے پختہ نہیں قائم کر
سکتے۔ ایکمرتبہ انہوں نے اپنا بیان اور طرح پر لکھوایا۔ اور اسمیں ان کو دعویٰ کھاداؤ
قبضہ کا تھا۔ نہ ملکیت کا۔ دوسری مرتبہ اظہار اپنا خلاف دوسرے اظہار کے دیا۔ اور
کوئی ثبوت قرینہ ایسا نہیں پایا جاتا۔ جس سے ملکیت انکی کے کوئی بنیاد کسی صورت پر قائم

علہ نواب خان پسر پائندہ خان، جہانداد خان وغیرہ نوابان وغیرہ کے ہم عصر ہے۔

ہو سکے۔ بلکہ تمام قرائن خود ان کے بیان کے خلاف ان کے مدعا کے ہیں۔
جاتا ہے کہ عنایت اللہ خان کے وقت کبھی تناول۔ کبھی اس علاقہ میں رہے۔ گزر بسری کیا
کرتے تھے۔ عنایت اللہ خان اول تناول میں پھر پکھلی میں چلا گیا۔ گلی باغ و دھمتوڑ میں
آباد تھے۔ اور چند سال گلی باغ بھی بعوض خدمت ماتحل سرکار سکھاں سے جاگیر میں کھایا
۱۲۴۳ھ ہجری میں پاس عطا محمد خان و اللہ داد خان کے کونگلی میں رہے۔ اور اربوڑہ و دودھڑہ
میں با اجازت انکی سکونت کی اور پھر ان کو جاگیر بھی اربوڑہ و دودھڑہ سرکار سے جاگیر
میں ہو گیا۔ کہ اس وقت میں عطا محمد خان کی خدمت وکالت بھی امیر خان گورڑہ کرتا تھا
اسی دوران بندوبست امیر خان گورڑہ اربوڑہ میں فوت ہو جاتا ہے۔ اور دہیا متصل
سڑک مانسہرہ اپنے دیگر پیشروؤں کے پہلو میں دفن کئے جاتے ہیں۔ اور باقیماندہ اولاد
اور اسکے ہم قوم چند دیگر چیدہ چیدہ آدمیوں کو اخراج از علاقہ اگرور کا حکم ملا
چنانچہ انکی اولاد سے میر شیر زمان خان و میر بہادر خان راقم سطور کے دادا صاحب
سات برادران اور امیر خان کے چچا زاد میر ہاشم علی خان و میر محمود خان وغیرہ کو اگرور
چھوڑنا پڑا۔ پہلے وہ تناول گئے پھر عطا محمد خان کی فوتیدگی کے بعد اس کے لڑکے علی گوہر
خان کے وقت میر بہادر خان و میر محمود خان کو شمدھڑہ میں آبادی اجازت مل گئی۔ کیونکہ
شمدھڑہ کا فضل علی خان جو اس وقت علی گوہر خان کے مصاحب خاص و وزیر سمجھے جاتے
تھے۔ بہادر خان وغیرہ برادران کا بہنوئی تھا۔ سنا ہے خان اگرور نے کچھ زمین گزارہ
کیلئے بھی دی۔ اور دوسرے برادران و چچا زاد برادران اس وقت ہمشیر بالا چلے گئے۔ کیونکہ
وہاں کے خان فقیرا خان تنولی سے رشتہ تھا۔ چار جندر ایک ہل کی زمین انسے اگلوالی
وہاں مقیم ہو گئے جو بعد کو کنیش میں منتقل ہو گئے۔ اور ہاشم علی خان سوسل میں آباد
ہو گیا۔

بہادر خان وغیرہ کو نکالنے کے بعد انکی تا حین حیات جاگیر میں پانو ڈھیری وغیرہ
دیئے گئے۔ جو اس کا ذکر بھی تاریخ ہزارہ میں جاگیرداران اس وقت بندوبست میں دیگر
؎ تاریخ ہزارہ کے صفحہ ۱۰۱ و ۱۱ پر یوں مذکور ہے۔
فہرست دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

نام	سکونت	جاگیر
شیر زمان خان ولد امیر خان قوم گورڑہ وغیرہ ہمشیریاں	ہمشیریاں	از عہد سکھاں منجملہ پانو ڈھیری ۲۰۸/-/-
بہادر خان ولد امیر خان قوم گورڑہ ساکن شمدھڑہ اگرور	شمدھڑہ	" " " دہڑ گوٹ ۲۰۸/-/-
ہاشم علی خان ولد قمر خان قوم گورڑہ ساکن ہمشیریاں	ہمشیریاں	" " " "
محمود خان ولد میر ولی خان قوم گورڑہ ساکن شمدھڑہ اگرور	شمدھڑہ	" " " "

؎ تاریخ ہزارہ کے صفحہ ۱۰۱ و ۱۱ پر علی الترتیب ۱۱۲-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹ نمبر شمار فہرست جاگیرداران میں درج ہے۔

شمدھڑہ سے بہادر خان و فیروز خان، خان برادران باصرار سیدان بیشر علاقہ کونش چلے
گئے۔ علاقہ کونش اس وقت جاگیر خان سمندر خان گڑھی تھا۔ اور ابھی تک خان گڑھی
وغیرہ علاقہ کونش کے دیہات سے لیتے تھے۔ گو جاگیر نقدی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مگر
پھر کے خریداران پر فروخت کر دیتا۔ بہادر خان کے ساتھ بھی یہ مقدمات ہوئے۔ بہادر
خان ان میں کامیاب ہوتا رہا۔ اور کار بیگار سے انکار کر کے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر صاحب
سے پروانہ معافی بیگار بھی لے لیا۔ کوئی آٹھ یا دس سال بھی نہ گزرے ہونگے کہ بہادر خان
کو سازش کے ذریعے ۲۸ جون ۱۸۸۳ء کو شہید کرا دیئے گئے۔ لاش ملاحظہ کیلئے ایبٹ آباد
لے گئے۔ وہاں تین ماہ کیلئے امانت دفن کئے گئے اور پھر تین ماہ کے بعد وہاں سے نکال کر
اربوڑہ متصل سڑک مانسہرہ اپنے والد امیر خان کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

راقم السطور بہادر خان کے اکلوتے بیٹے قلندر خان کا بڑا بیٹا ہے اور چھوٹا
لڑکا جو زندہ ہے بیدار خان نام ہے۔ پردادا امیر خان و دادا بہادر خان کے
مٹی کے ڈھیر (قبریں) کے نشان اب تک باقی ہیں۔ سال ۱۹۳۶ء میں راقم نے بہادر
خان کی قبر پختہ کی۔ تو امیر خان کے شناختہ قبر پر جو ٹوٹا پڑا ہوا تھا اس پر لدھ

؎ تاریخ ہزارہ میں سہو کاتب سے گورڑہ کی جگہ گوجر لکھا گیا ہے۔ یہ علی الترتیب سب برادران بیجی اور گورڑے اعوان تھے۔

یہاں پر یہ الفاظ کندہ تھے:-

"(شکستہ قبر از بہادر سر امیر خان گورڑہ - اربوڑہ)"

ہر آنکہ زد دبہ ناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کل من علیھا فان!

اور یوں یہ قافلہ سالاروں کے لٹ جانے سے درہ کونش میں بھی کوہ
شنگلائی کے دامن میں کھویا کھویا بیٹر کے مقام پر بکھرتا ہوا ڈھلتے
سورج کی طرح غروب ہو کر ڈوب گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

راقم السطور کو ایک روایت اس ضمن میں جو سینہ بسینہ اب تک معزز اصحاب کے سلسلے کے اخراج میں سنی و روایت کی گئی بیان کرنی باقی ہے۔ کہ بدامنی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ علاقہ اگرور قبائل کی سرحد پر واقع تھا۔ قوت بازو اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا زمانہ تھا۔ جب تک کوئی کسی جگہ پہ دشمنوں اور مخالفین کی یورشوں کے سامنے جم سکا جما رہا۔ اور جہاں کہیں کسی علاقہ یا گاؤں پر کسی کا قبضہ تھا اپنے کو مالک تصور کرتا تھا۔ یہ وہ ہی جاگیریں اور علاقے سنبھالنا تر نقد نہیں تھے۔ بیشتر لڑائی جھگڑوں میں خون کی قربانیاں دیکر قطعات اراضی کو خریدا اور اسے قائم رکھنے کیلئے خونِ جگر دینا پڑتا تھا۔ قربانی اس وقت کے لحاظ سے غیر دخیلکاری نہیں تھی کہ جب وقت چاہتے نکال دیتے۔ لڑائیوں اور جھگڑوں میں ایک دوسرے کی مدد امداد کرنا۔ ڈلہ جنبہ، علاقائی ننگ و عار اس وقت زندہ رہنے کو باعث ہوتی تھیں۔ جیسا جانتے ہیں گورڑے اور خان اگرور ایک صف اور ایک ہی محاذ پر دو برابر کے ہمسائے اور دوست نظر آتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے مفاد کے لحاظ۔ جن کا بین ثبوت گذشتہ اوراق میں مل جاتا ہے۔

ادھر تناول میں نوابوں کی تین پشتیں گذر چکی ہیں جو کہ سرحدی علاقوں پر اکثر یلغاریں کرتے ہیں۔ ادھر قبائلی لوگ علاقہ اگرور پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ سکھوں نے ان پر متزاد اگرور کو تاخت و تاراج کیا۔ لونڈی مسلانی (ایک مختصر دور) ہوئی تو یہ کمزور تپہ کے لوگوں کے لئے بجائے خود ایک دور تباہی و بربادی تھا۔

ان جملہ حالات و واقعات پر بابا قالو سے لیکر پورے ۱۴۸ سال تک دھیڑہ اور درہ [illegible] اگرور میں۔ جنکو اب بھی "گورڑوں کا درہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور زیادہ۔

تو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ چاروں طرف مصیبتوں میں گھرے ہوئے گورڑوں کو سچ ہے کہ انگریزوں سے پہلے کے دور میں مصائب در مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ دورِ انگریزی میں جب امن ہوا تو انہیں بھی گرد و پیش میں آئے دن کی نبرد آزمائیوں سے فراغت ہوئی۔

۱۸۶۸-۶۹ء کے سال اگرور میں سخت بے چینی و اضطراب کے ساتھ تھے۔ قبائلی ڈاکے پڑنے لگ گئے تھے۔ انگریزوں نے اوگی میں نیا تھانہ قائم کیا تھا۔ حملہ کیا۔ لوٹ مار ہوئی انگریزوں نے اسے خان اگرور کی سازش سمجھ کر ۱۸۶۸ء میں گرفتار کر کے پہلے پنڈی اور پھر لاہور لے گئے۔ ابھی ابھی ۱۸۵۷ء کی جنگ حریت دوئم سے نجات پائی تھی۔ وہ دیگر کئی سرحدوں پر کابل کی جانب الجھے ہوئے تھے۔ اگرور کی سرحد پر امن و امان کی خواہش رکھتے تھے۔ بندوبست بھی زیر غور ہی نہیں بلکہ شروع کروائے تھے۔ اور یہی مصلحت وقت تھی۔

نظربند خان اگرور عطا محمد خان سے گفت و شنید ہوئی۔ اس نے امن و امان کی ذمہ داری قبول بھی کر لی۔ مگر شرائط پیش کر دیں۔ خان موصوف نے کہا کہ اگرور میں مجھ سے بڑے بڑے مفسد موجود ہیں۔ میری خانگی برائے نام ہے۔ کچھ بدامنی کے واقعات قبل گرفتاری اور بعد کے بھی ان سے منسوب کئے گئے (کیونکہ بعد گرفتار ہونے خان کے قبائلی رشتہ داروں نے اگرور میں پھر وارداتیں شروع کر دیں۔ تاکہ اس طرح سے خان کی رہائی کیلئے انگریز پر دباؤ پڑے) مجھے خود ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ کہ دوبارہ قید یا نظر بندی کا باعث ہونگے۔ جب تک انہیں علاقہ اگرور سے نکال نہیں دیا جائے گا۔ میں اگرور واپس نہیں جا سکتا۔ اور انکار کیا۔ اور بیان دیا کہ امیر خان و انکی اولاد درہ اربوڑہ پر قابض ہیں۔ اور خود اوگی شہر میں امیر خان تنولی برادر جہانداد خان نواب تناول مقیم ہیں۔ اور شمدھڑہ میں میر احمد خان سواتی علی شیری ہے۔ انہیں نکال دیا جائے۔

کہتے ہیں اور یہی روایت ابتک بیان کی جاتی ہے کہ ایک انگریز صاحب ضلع (شاید مجسٹریٹ ہوگا) اور خان عطا محمد خان صاحب سوئی گلی تک آئے اور پھر وہیں سے واپس بھی ہوئے کہتے یہ بھی ہیں کہ اس انگریز نے امیر خان کو بلایا بھی تھا۔ مگر وہ حاضر نہیں آیا۔ وہیں کھڑے کھڑے خان موصوف نے درہ اربوڑہ کی نشاندہی کرائی۔ کہ اس سالم درہ پر امیر خان گورڑہ قابض ہے۔ اور سامنے اوگی ہے۔ اس میں امیر خان تنولی مقیم ہے۔ اور جانب مشرق شمدھڑہ ہے۔ (جو گلی سے اوجھل ہے) وہاں پہ علی شیری قابض ہیں۔ میرے لئے شورش کرنے کرانے کو کونسا مقام باقی ہے۔؟
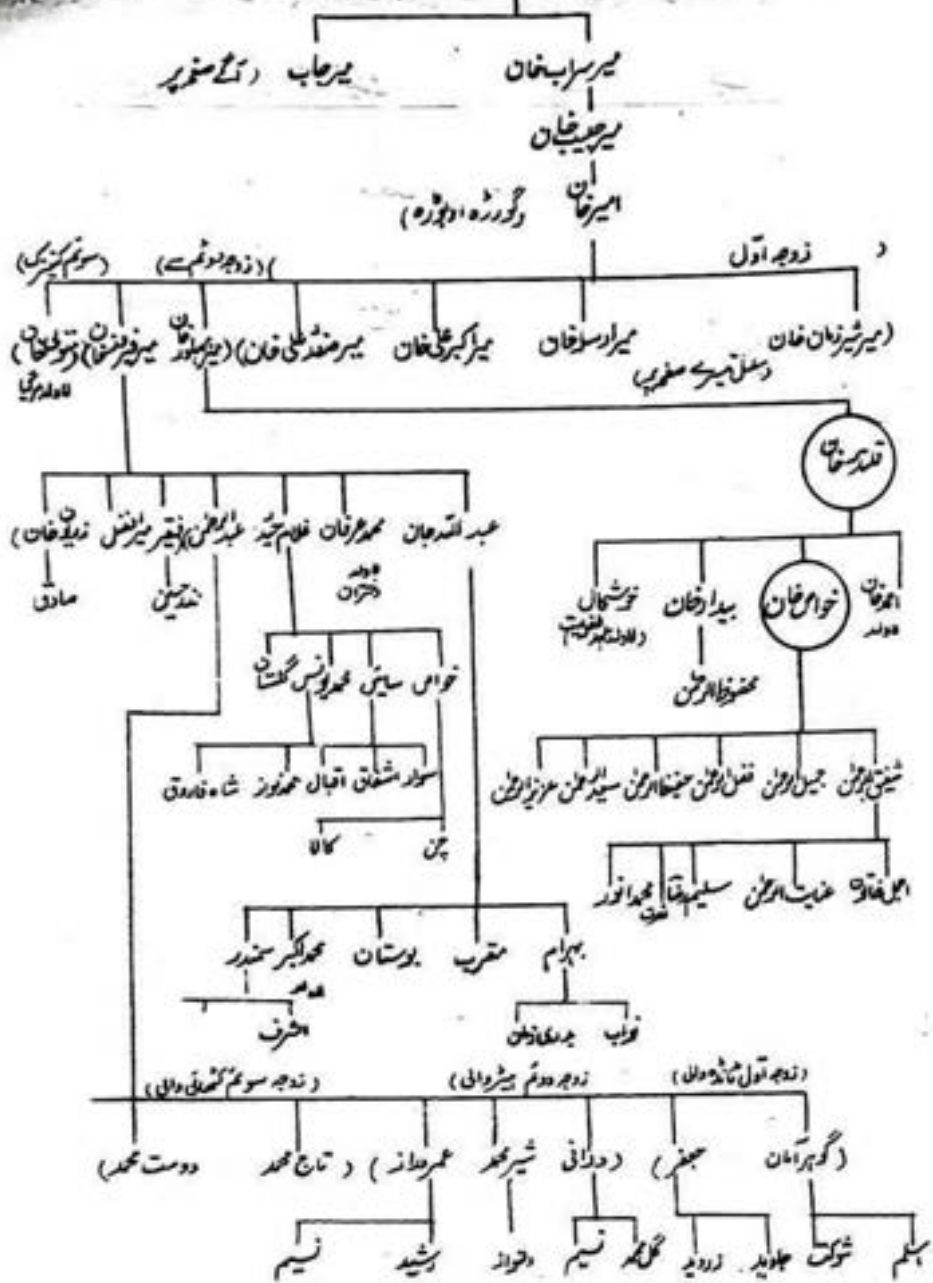
پس یہ وہ دن یا سانحہ تھا۔ کہ انگریز اس رائے سے متفق ہو کر بندوبست میں بیدخل کر کے نکال دیا۔ اور خان اگرور کی نظر بندی ختم کر کے قابض و مالک قرار دیا۔ جہاں تاریخ ہزارہ میں اسی دوران بندوبست میں خان کے اپنے آباد کردہ دیہات کی فہرست ہے۔ وہاں دھرتہ، اوزوڑہ، حاجی قمر، ملوگا، بانڈی صادق کو بھی خان کے آباد کردہ دیہات میں شامل کیا ہے۔ (اور انہیں بعد بیدخلی گورڑوں کے کرنا بتا تھا) مبنی بر حقیقت نہیں۔ بلکہ انہیں گورڑوں امیر خان وغیرہ، جاگیرداران کے آباد کردہ تھے۔ ان پر قابض و رہائش پذیر تھے اور خود مجلے اوراق میں ان کا ثبوت ملتا ہے۔ انتہیٰ۔

(۳۴) شجرہ نسب ملک اورنگزیب از نسل بابا قالو گورڑہ مورث اعلیٰ خاندان امیر خان گورڑہ درہ اللہ بورڑہ (سوسل)

میر سوابخان (صفحات گذشتہ پر)
میر جاب خان

میر ولی (ولیا خان)
محمد علی
میر سبز علی
شیر علی (شیر خان)
میر قمرد

میر محمود [1]
متوئی
جیا
نادر خان
فقیر بگ
لاولد
احمد علی
فضل الٰہی
محمد زمان
ہاشم علی خان [1]

میر احمد
میر عالم
میر زمان
عبدالرحمٰن
سکین
علی زمان
مقدر
لاولد
اکبر
لاولد
معصد علی
بیت
فتح خان
رسول خان
اورنگزیب
اقبال

شیر زمان
فقیر بگ (لاولد)
بہرام
سکین
محمد دوست
جیب الرحمٰن
نادر
ہمایون

---

[1] میر محمود و ہاشم علی خان بھی بہادر خان وغیرہ کے ساتھ ادبوڑہ سے نکالے گئے۔ فہرست جاگیرداران ۱۸۷۰ء تاریخ ہزارہ میں میر محمود اس وقت شمدھڑہ میں بہادر خان برادران کے ساتھ تھا۔ اور ہاشم علی خان جشیریاں میں شیر زمان خان وغیرہ کے ہمراہ تھا۔

اعوانان علاقہ اگرور۔ تحصیل مانسہرہ

اعوانان دیہات علاقہ اگرور کی فہرست آخر پر دیگئی ہے۔ اس فہرست میں بعض دیہات وہ ہیں کہ بندوبست ۱۸۷۰ء میں ان گاؤں میں اعوان قوم کا نام درج ہے۔ مثلاً اروڑہ۔ دھرٹو۔ ہانڈی صادق۔ ملوگا۔ بازاگے۔ باقی دیہات میرے اضافہ کئے ہوئے ہیں۔ جو حال ہی ان میں اعوان قوم کے کم وبیش افراد پائے جاتے ہیں۔

فقیر ملک اربوڑہ مختصر ذکر امیر خان گوڑہ میں گذر چکا ہے۔ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہر کے نمبردار اور پولیٹکل میں ملازم بھی ہیں اور نجیب ولد رسول خان جو اب سول میں چلا گیا ہے۔ اسی خاندان سے منسلک ہے۔

غلام نبی کٹھائی شدوال اعوان ہیں۔ دونوں انتخابوں میں بنیادی جمہوریت کا ممبر منتخب ہوا ہے۔ اس کا باپ بہرام خان اگرور کا معتبر اور دیانتدار کارکن تھا

محمد یوسف پٹواری شمدھڑہ زرگران شمدھڑہ کے وسیع کنبہ کا ایک فرد ہے۔ اعوان قوم سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ قوم کا اطلاق کسب یا پیشہ پر نہیں۔ قوم الگ چیز ہے اور پیشہ الگ۔ قومی ہمدردی کا بھرپور جذبہ رکھتا ہے۔ دیگر اسماء خاندان شجرہ میں ملاحظہ ہوں۔

اعوانان علاقہ تناول (عبدالخالق شیر گڑھ)

بابا محمد امیر بہ معروف بابا میر از اولاد بابا دسجالف، سجاؤل کھرے کوٹ کی اولاد سے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب محمد ابن الحنفیۃؒ پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے بابا محمد امیر کے تین لڑکے تھے۔ بابا عنایت اللہ بابا مصطفےٰ۔ بابا اخوند صالح محمد۔ بابا مصطفےٰ کی اولاد سے بابا نمدی عرف اعوان جنکی اولاد در اولاد سے اخوند زادہ گاؤں تمرکھولہ ہیں۔ اخوند صالح محمد کی اولاد سے محمد لقمان، عبدالحنان پسران محمد عمران مسوال والے ہیں۔ اور بابا عنایت اللہ کی اولاد سے عبدالخالق وغیرہ برادران شیر گڑھ والے ہیں۔ جو تناول علاقہ نواب صاحب امب دربند میں واقع ہے۔ پسران بابا محمد امیر ابتداً پھلڑہ میں رہتے تھے جو تناول ہی کا ایک علاقہ ہے۔ یہ خاندان علم و عمل زہد و اتقاء میں مشہور چلا آتا تھا۔ اور زیادہ وقت سے انھیں بہت سی اراضیات بطور سیری گذارہ منگر ڈوگا علاقہ پھلڑہ میں دی ہوئی تیں۔ سندات عطائیگی سیری از نوابان وقت جو وقتاً فوقتاً تصدیق کرتے رہتے تھے۔ بابا عنایت اللہ۔ اخوند۔ صالح محمد و عبدالنبی وغیرہ کا نام پایا جاتا ہے۔

عبدالخالق اس گھر و گھرانے کے ممتاز افراد سے ایک ہیں۔ اور اصلی مقام خاص شیر گڑھ علاقہ نواب صاحب تناول میں ہے۔ گو اب ایبٹ آباد میں عرصہ سے ملازمت کے باعث وہاں ہی سکونت پذیر ہونا پڑا ہے شجرہ بابا قطب شاہ تک یوں ہے۔ عبدالخالق بن فقیراللہ، بن صفی اللہ بن عصمت اللہ۔ بن بابا عنایت اللہ بن بابا محمد امیر بہ معروف بابا میر بن بابا رنگ بن بابا علی۔ بن بابا شاہ میرزہ۔ بن بابا دلیر۔ بن بابا کھیا۔ . . بن بابا امب بن بابا سجاؤل اسجالف؛ کھرے کوٹ ہزارہ۔ بن بابا بھیا، بن بابا موپال، بن کالے بن کامل، بن مینہ شاہ بن قیل شاہ۔ بن کلگان شاہ، بن بابا قطب شاہ۔ بابا قطب شاہ سے ہوتا ہوا محمد بن الحنفیۃؒ سے ملایا جانا روایت کیا گیا ہے۔
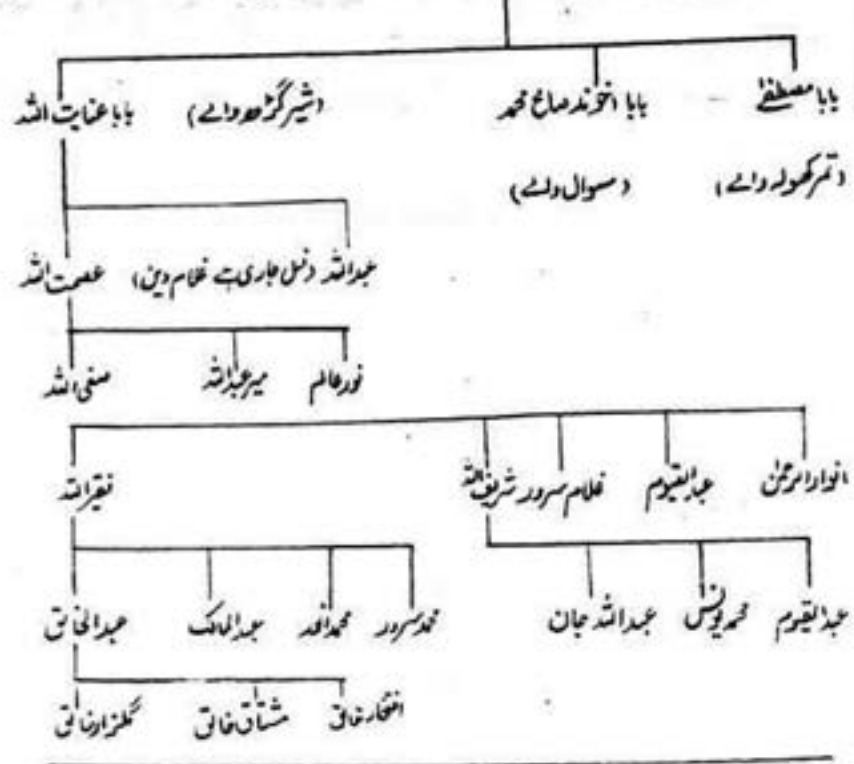
پنشنر صوبیدار رجب خان کھڑی تناول

نہایت بیدار مغز اور صدہ بردسنجیدہ انسان ہیں۔ کھڑی تناول علاقہ شیر گڈھ میں رہتے ہیں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں شریک ہوئے اور صوبیدار کے عہدہ تک پہنچکر ریٹائرڈ ہو گئے۔ اب وظیفہ تحصیر کی ڈیوٹی بھی ادا کرتے ہیں۔ قومی ہمدردی کا بے انتہا جذبہ رکھتے ہیں۔ ایک شجرہ نسب یوں میر قطب شاہ تک بیان کیا ہے۔

عبدالرحیم بن عبدالوہاب۔ بن شمس الدین، بن ولی احمد بن محمد اسحاق، بن محمد یونس، بن یعقوب خان، بن مطیع اللہ خان، بن داؤد خان۔ بن مطیع الرحمٰن۔ بن سید شریف۔ بن عبدالرشید بن عبداللطیف، بن میاں عبداللہ بن رحیم خان، بن مست خان، بن اسماعیل خان بن اللہ داد خان بن یحیٰ خان، بن ارگن خان، بن منڈل جان، بن عدی خان ردا عدمی، بن شادم خان، بن

دکھرے کوٹ، بن پہو خان، بن پال خان (دھوپال)، بن کالے خان، بن کامل
یوسف، بن کلی خان، بن کگان شاہ بن حضرت میر قطب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ
بن رن بہادی خان، بن
مجھے یہ سنکر افسوس ہوا ہے کہ بعض اعوانان ریاست چھلڑہ، نواب صاحب اب
بندوبست کے دوران اعوان سے اپنے آپکو تناولی اس بناء پر لکھوایا ہے کہ انھیں
دیگر تناولیوں کی طرح شاید حقوق ملکیت مل جائیں۔ کیونکہ ریاست تناول میں ایک تحریک
حقوق ملکیت کی چل رہی تھی۔ یہ گناہ عظیم کیا ہے۔ اور انہیں جلد اپنی صحت قوم کی طرف
قدم اٹھانا چاہیئے۔

متفرق اعوانانِ پکھلی

حاجی ضیاء الحق صاحب گاندھیاں

یہ حضرت بھی فارغ عالم دین ہیں۔ اور حافظ قرآن بھی ہیں۔ جماعت تبلیغی سے وابستہ ہیں۔
کی زندگی اسی کام کیلئے وقف کی ہوئی ہے۔ عابد و زاہد ہیں۔ اور اعوان قبیلہ سے تعلق
رکھتے ہیں۔
مولانا محمد قاسم ربانی و بدرالسلام بھی قومی کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔

وحید الزمان جبیر کنڈ اعوان قبیلہ کے ایک فرد ہیں۔ شعر و شاعری میں بھی
دک حاصل ہے۔ غزلیں اکثر رسالوں میں شائع ہوتی ہیں۔

مرلو پور (بجنہ) کے اعوان بھی ایک بڑے کنبہ و قبیلہ کے مالک ہیں۔ مقامی ماحول
میں ابتدائی دور میں لڑائی جھگڑوں کا نشان ملتا ہے۔ کئی افراد اچھے
ممتاز عہدوں پر فائز ہیں۔ ماسٹر علی گوہر خان مرحوم اس گھرانہ کے ممتاز رکن تھے۔
دوران خان گورڈہ کینٹ۔ جمعدار فقیر محمد جیاسیرا۔ غلام نبی میرا محمد علی۔ گل حسن خان بھی پول قابل ذکر
افراد شمار ہوتے ہیں۔

اعوان گولڑہ خاندان باغانوالہ ضلع جہلم

اس خاندان کے حالات بھیجنے و روشناس کرنے کا سہرا ملک محمد افضل خان اعوان گولڑہ کے سر ہے۔ بڑے باذوق انسان خصوصاً قومی تحقیقات میں ان کا تبحر و شوق نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ فی الحال ریلوے کالونی ملکوال ضلع گجرات میں معلمی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

ان کے مورث اعلیٰ ملک محمود کے دو بیٹے تھے ملک سرور خان، ملک عبداللہ ملک سرور خان کا بیٹا۔ قاسم اور اس کا بیٹا ملک دینا خان پہلوان تھے۔ ملک سرور خان محمود تغلق کے عہد میں سپہ سالار فوج ہوا۔ اور جب شمالی ہند میں گکھڑوں نے بغاوت شروع کر دی تو محمود تغلق نے انکی سرکوبی کیلئے ملک سرور خان کو بھیجا۔ نقد تنخواہ دینے کی بجائے قلعہ نندنہ (موجودہ باغانوالہ ضلع جہلم) کا علاقہ بطور جاگیر بخش دیا۔ ملک سرور خان نے انھیں تھوڑے سے عرصہ میں مطیع کر کے دوسرے قبیلوں پر بھی اقتدار حاصل کر لیا۔ انھوں نے ١٣٤٦ء میں ٥٠ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور انکو قلعہ کے نزدیک ہی سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں انکی تربت آج تک موجود ہے۔

١٥٤٠ء/٩٤٧ھ میں جب پنجاب شیر شاہ سوری کے قبضہ میں آ گیا۔ ہمایوں کا بھائی کامران بھاگ کر افغانستان چلا گیا۔ تو پنجاب کے گکھڑوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ شیر شاہ انکی سرکوبی کیلئے شمالی ہند میں آیا۔ ملک دینا خان از اولاد ملک سرور خان اپنے پسران سمیت انکی معاونت کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ شیر شاہ نے ان تمام مقتولوں کو قلعہ نندنہ کے مغرب میں پہاڑ کی چوٹی پر دفن کروا دیا۔ اور قبروں کی حفاظت کے لئے اردگرد دیوار بنا دی۔ یہ مقام اب تک "شہیداں والی" مشہور ہو کر چلا آ رہا ہے۔ شیر شاہ نے کچھ عرصہ قلعہ میں قیام کیا۔ اور قلعہ سے جنوب کی طرف ایک نہایت عمدہ باغ لگوایا۔ اس سے قبل اس مقام کو گورڈہ کہتے تھے۔ باغ لگنے کی وجہ سے باغانوالہ مشہور ہو گیا۔

ملے دوسری روایت میں ملک جعفر خان کے باغ لگوانیکا ذکر کیا گیا ہے۔ (م غ)

شیر شاہ نے قلعہ ننندنہ کا تمام نظام ملک جعفر خان کے سپرد کیا گیا جو سنگھڑ سے ۱۵۱۶ء / ۹۲۲ھ کو قلعہ ننندنہ میں تشریف لائے تھے۔ اور خود واپس چلا گیا۔ اس دوران میں راجہ عمرکوٹ کی لڑائی جعفر خان سے ہوئی۔ راجہ مقتول ہوا۔ اور اس کا تمام علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ رو بہ زوال ہوئی شروع ہوئی تو نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے ہند قدیم پر حملے کئے۔ پنجاب میں سخت ابتری پھیل گئی۔ سکھوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور چھوٹے چھوٹے جتھے بنا کر مسلمان حکمرانوں سے لڑنے لگے۔ ان جتھوں کو مثلیں کہتے تھے۔ ہر ایک مثل کا ایک سردار ہوتا تھا۔ جنھوں نے پنجاب کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ چھوٹی چھوٹی خود مختیار ریاستیں قائم کر لیں۔ ان مثلوں نے کئی بار قلعہ ننندنہ پر بھی یورش کی مگر شکستیں کھائیں۔ وہ جگہ جہاں ان مثلوں سے لڑائی ہوئی۔ ابتک "فتح والی" کہلاتی ہے۔ اور آخر کو بیت مثلوں نے ملکر قلعہ پر حملہ کیا۔ انکی فتح ہوئی۔ قلعہ اور مسجد کو مسمار کر کے برباد کر دیا۔ اور خونریزی کے بعد آگ لگا دی۔ اس خونریز معرکہ سے ملک جعفر خان کے خاندان سے ملک اسلام خان باقی زندہ بچے۔ قلعہ کی تباہی کے بعد باغانوالہ میں سکونت اختیار کی۔ اب تک انکی اولاد باغانوالہ میں موجود ہے۔ اور یہ ملک محمد افضل اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

ملک جعفر خان بن حسن کے جد امجد ملک شہاب الدین خان علاقہ سون سکیسر کے مقام کھبکی سے مقام چونترہ بسلسلہ سیر و تفریح تشریف لائے تھے۔ اور یہاں کی آب و ہوا کو پسند کر کے یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چونترہ کے گرد و نواح کے ۸۴ دیہاتوں پر قبضہ کر لیا۔ اور چونترہ میں قیام کرنے کی وجہ سے ذاتی نام پر "گورڑہ" مشہور ہو گیا۔ اب تک اس علاقہ میں شہاب الدین کی اولاد آباد اور مالک چلی آتی ہے۔ ملک شہاب الدین کے سات لڑکے ہوئے۔ چھ لڑکوں کی اولاد تو گورڑہ متصل راولپنڈی میں آباد ہے۔ اور ملک محمود کی اولاد کوٹلی میں ہے۔ اور ملک جعفر خان کی اولاد باغانوالہ میں ہے۔ اور جیسا

سکندر لودھی کے آخری سال زندگی ہیں۔ ۱۷۱۳ء / ۱۷۱۹ء فرخ سیر مغلیہ کا زمانہ ہے یا ۱۷۳۹ء / ۱۱۵۱ھ زمانہ روشن محمد اختر شاہ کا آخری عہد ہے۔ جبکہ نادر شاہ نے دہلی پر پہلا حملہ کیا۔ یا کہ اس کے بعد کا اسلئے کہ سکھوں کی شورش ہمیشہ اٹھتی رہتا ہے۔ اور دیتی بھی رہی ہے۔ کہ پالا ناقد پر تھا۔ جسکو آج کل بڑ کہتے ہیں ملک چونترہ گورڑہ شریف کے نام سے اب مشہور ہے۔ شجرہ نسب خاندان گورڑہ میں شہاب الدین کی اولاد آگے دے دیے ہیں ذکر خاندان گورڑہ میں آئیگا۔ (غ۔غ)

ملک جعفر خان ۱۵۱۶ء میں گورڑہ سے قلعہ ننندنہ میں تشریف لائے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں پیہم جنگ و جدال سے انکی اقتصادی حالت کو ناقابل نقصان پہنچا۔ صرف چند پن چکیاں جو کہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں قلعہ کے اناج پیسنے کی غرض سے بنوائی گئی تھیں اس وقت موجود تھیں۔ اور کوئی ۴۸۰۰ ایکڑ سے کچھ زیادہ قابل کاشت اراضی و پن چکیاں ان کے قبضہ میں رہ گئیں۔ مگر بیاہ شادیوں میں سابقہ آن بان کو برقرار رکھنے کیلئے رسومات پر بے دریغ خرچ کرنے لگے۔ اور اخراجات کیلئے ہندو مہاجنوں سے سودی قرضہ لینے کی خو پڑ گئی۔ سود خوار ہندو نے جونکوں کی طرح چمٹ کر چوسنا شروع کیا۔ اور وہ اراضیات جن پر معیشت کا انحصار و دار و مدار تھا۔ سود خواروں کے تصرف میں بشکل رہن بیع جانے لگی۔ اور یہ زیادہ تنگ و نادار ہو گئے۔ باغانوالہ سے مشرق کی طرف انکے خاندان کا قبرستان تھا۔ جسے اب تک "عربیوں کی قبریں" کہتے ہیں۔

ملک صاحب محمد افضل خان اعوان کا شجرہ نسب مرسلہ حسن و عن درج ذیل کیا جاتا ہے۔ (۱) ملک محمد افضل صاحب اعوان (باغانوالہ ضلع جہلم)، بن محمد دین، بن احمد دین، بن غلام محمد، بن دیرو عرف عبداللہ، بن کھیوا بن شاہ محمد، بن اسلام خان، بن نور محمد خان، بن کھیا خان، بن جعفر خان، بن حسن، بن ملک شہاب الدین، بن عبداللہ بن محمود، المشہور پیر مدھو بن طور، بن بہادر علی، بن حسن دوست (المشہور سندرج یا سجود) بن احمد علی بن سید ابو احمد عبداللہ المشہور گورڑہ بن عون قطب شاہ المشہور میر قطب علوی۔

ملک محمد افضل خان کافی تاریخی ذوق رکھتے ہیں۔ ابتداً قطب شاہی اعوانوں کو مثل سابق مصنف وغیرہ کے عباسؓ علمبردار کی اولاد ہی سمجھتے و ٹھہرانے پر سختی سے مصر تھے۔ مگر بعد از خطوط و انہام تفہیم کے بعد اپنے فرسودہ نظریہ سے رجوع کر کے اعوان قطب شاہیوں کو محمد ابن الحنفیہؒ بہ مشہور امام حنیفؒ کی اولاد تسلیم کر لیا ہے۔ جو انکے ذوق سلیم و تدبر پر دال ہے۔ مختصر شجرہ ان کے خاندان کا یہ ہے۔

- ملک احمد دین
  - ملک محمد دین
    - محمد اسمٰعیل
      - محمد ابو الحسن
    - محمد افضل
      - محمد اکرم
    - نذر حسین
      - خلیل الرحمن
    - محمد اشرف
  - ملک محمد ابراہیم
    - محبوب الٰہی
      - مشتاق احمد
  - ملک غلام حسن
    - محمد افضل
      - محمد شریف
    - محمد نذیر
      - محمد اسلم
    - عبدالغنی

مکتوبات محمد افضل خان اعوان باغانوالہ ضلع جہلم۔

شجرہ نسب بہادر علی طلحہ پسر قطب شاہ

(۱) بہادر علی طلحہ کا بیٹا حمزہ کا جعفر محمد نعمان۔ محمد طاؤس، محمد علی، محمد یحییٰ۔ محمد مقبول۔
بت اللہ، نور احمد، رکن دین۔ پہلوان خان، دولت خان، امانت اللہ، احمد ملوک، عبدالرحمان
فت اللہ، احمد، اللہ داد، محمود، ہاشم، نور الدین، محمد امیر، بڈھا، علی محمد، میاں احمد،
غلام مہدی، خدا بخش کا عبدالرحمٰن۔ (موضع علی پور تحصیل چکوال)

(۱) شجرہ نسب از مرۃ الانساب صفحہ خطی ۱۱ امام محمد اکبر پسر حضرت علی رضی اللہ عنہ سادات مروجہ ہندوستان از عبدالقادر ترنہ پٹ سیری تحصیل مانسہرہ علاقہ بالاکوٹ

(۲) شجرہ نسب کھوکھل (کھیال) اعوان موضع کھوڑی علاقہ شملائی و بیلہ بنج سیر یاغستان
جدید پاکستان مرتبہ ۹۵ ۳۶ موصولہ از عبدالقادر ترنہ پٹ سیری۔ بالاکوٹ۔ تحصیل مانسہرہ

علی رضی اللہ عنہ

امام محمد اکبر عرف پسر و امام حنیفہ

جعفر — علی — امام ابو ہاشم عبداللہ — زبیر شاہ

احمد شاہ، فیروز شاہ، ایبک شاہ، تراب شاہ، علاب شاہ، قواب شاہ، قطار شاہ، محمد شاہ، حسین شاہ، الف شاہ، حمید شاہ، امانت شاہ

قطب شاہ، کل کند شاہ، تنیس شاہ، شاشی ثانی شاہ، کل شاہ، کلنگان شاہ، مایا شاہ، بھی شاہ، سجا الف شاہ (دہمول)، انبا شاہ، کھیا شاہ

بشر خان، حسین شاہ خان، دینا شاہ، اوزل شاہ (افضل شاہ)، عبدالغفور شاہ، فواحد شاہ

محمد ابراہیم شاہ عرف عبدالحکیم شاہ، موسیٰ شاہ، عبدالرحیم شاہ

غلام علی بابا، احمد شاہ، حقا، فیض احمد، عبدو شاہ، مولوی سید شاہ، سچی نور شاہ، بیلہ بنج سیر

محمود شاہ، محمد فقیر شاہ، مولوی فضل اکبر شاہ، عبدالرؤف، فضل الرحمٰن، (اولاد موضع کھوڑی شملائی)، اولاد

عبدالصمد شاہ، عبدالستار شاہ، عبدالخالق شاہ، عبدالجلیل

عبدالجبار، عبدالغنی، عبدالحئی، شمس الرحمٰن

شجرہ انساب کا ذکر اور ان پر تبصرہ پہلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ صرف بعد میں ملنے کی وجہ سے یہاں درج و بیان ہو گئے۔ اور بعض شجرے اسلئے درج ہو گئے کہ شجرہ انساب میں پشتوں کے نام بیشک غلط ہوں تاہم یہ تو اندازہ ہے کہ جہاں کہیں سے بھی شجرہ ملتا ہے۔ اور جس کے ذریعے ملتا ہے محمد اکبر ابن الحنفیہؒ کے نام پر ہی منتہی ہوتا ہے۔ اور ایسا شجرہ نسب کوئی بھی آج تک میری نظر سے اس حدود کے اندر نہیں گذرا۔ اور نہ کسی نے پیش کیا ہے۔ جن کا سلسلہ نسب عباس بن علیؓ یا عمر الاطرفؓ سے ملایا گیا ہو۔

اعوان خاندان گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

گولڑہ شریف فرنٹیئر اور پنجاب کے خصوصاً گولڑے اعوانوں کا مرکزی شہر ہے۔ شہر راولپنڈی کے بہت سے اعوان خصوصاً گولڑہ گوت بھلے گرد و نواح سے منتقل ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ انکے مورث اعلیٰ شہاب الدین خان سون سکیسر کے علاقے سے بڑے سیر و شکار یہاں آئے تھے۔ آب و ہوا وغیرہ کی موزونیت سے یہاں ہی مسکن گزیں ہو گئے۔ اس قیام کیلئے ایک حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ شکاری کتے کیساتھ ایک خرگوش کے مقابلے نے یہ تاثر پیدا کر دیا تھا۔ خاندان گولڑہ والے کے حالات کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ عنوان ایک مستقل باب چاہتا ہے۔ بندوبست ۱۸۶۲ء میں کوئی ۳۱ گاؤں انکی ملکیت و حقیت کے درج ہیں۔ شہاب الدین کی یہاں پر آمد کا تخمیناً چھ سو سال قبل کا زمانہ بتاتے ہیں۔ دو فرزند عزیز خان و راجہ خان سے نسل چلی۔ خاندان کے بڑوں کے نام سے آگے چلکر حسنال، امینال، فتوآل، عنایت خانی، رحم خانی وغیرہ گوتیں مشہور ہوئیں۔ انکے خاندان سے جعفر خان و بکا خان نے سکھوں کے خلاف کاروائیاں کر کے نام بھی پایا اور مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ جعفر خان کو لاہور لیجا کر اور رنجیت سنگھ کے عہد میں ان کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا۔ جسکے بعد انہوں نے چاندی کا ہاتھ لگایا۔ جعفر خان گولڑہ ہی میں فوت ہوئے۔ بکا خان فتوآل سے بڑے بہادر اور تند انسان تھے۔ سکھوں نے انہیں گرفتار کر کے نصف جسم زمین میں گاڑ دیا۔ اور پوچھا کلمہ پڑھو۔ جواباً کہا کہ کلمہ تو ہمیشہ پڑھتا ہوں مگر اب تمہارے کہنے پر نہیں پڑھوں گا۔ جس پر سکھوں نے انہیں [illegible]۔
عظیم خان اور خدا بخش خان ذیلدار شہید افراد سے تھے جو ڈھاڈی ساہی خاندان کے افراد کے ہاتھوں قتل ہوئے۔
[illegible] وقت کی کھودی ہوئی مسجد مکان اب تک موجود بتایا کرتے ہیں۔

محمد یوسف خان ایم۔ پی۔ اے بابا شہاب الدین کے بیٹے راجہ خان کی نسل سے نہایت قابل شخص ہیں۔ دو بارہ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ دوسری بار راجہ سرور خان کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ محمد نواز خان ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ہیڈ ماسٹر غلام احمد خان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ **خدا بخش خان چیئرمین**: یونین کونسل گولڑہ شریف کے چیئرمین ہیں۔ دیگر سلطان محمد خان سابقہ ذیلدار، ان کا لڑکا غلام سرور خان کلرک، اللہ داد خان صوبیدار میجر، صوفی محمد خان پنشنر کپتان فوج، غلام محمد خان پنشنر حوالدار، غلام مصطفیٰ پٹواری قابل ذکر افراد سمجھے جاتے ہیں۔

سہام خان [illegible] میں شہاب الدین سے علیحدہ ایک اور خاندان سہام خان کا نام بھی مشہور ہے جن کے دو لڑکوں سے نسل چلی۔ کہتے ہیں کہ بابا شہاب الدین کو رشتہ دیا تھا اور انہوں نے ڈھائی سو بیگھہ زمین انہیں دی تھی۔ اسلئے انہیں ڈھائی سہامی بھی کہتے ہیں۔ جو [illegible] کثرت سے اور کچھ اب گولڑہ شریف میں بھی آباد ہیں۔ گوت گولڑہ بیان ہوتی ہے۔
گو خاندان گولڑہ و ڈھائی سہامی خاندان کی آپس میں صلح و صفائی ہو چکی ہے اور رشتے ناطوں کا آپس میں تبادلہ ہونے لگ گیا ہے۔ مگر پہلے کی دشمنی کی بنا پر کئی ایک افراد خاندان گولڑہ کے انکے ہاتھوں سے ضائع ہوئے۔ میر اکو کے صوبیدار اکو خان کے لڑکے جہانداد خان، فضل داد خان، محمد حسین خان، اللہ داد خان، شیر علی خان تھے۔ جن سے جہانداد خان، اللہ داد خان قتل وغیرہ کی

وارداتوں میں پھانسی ہوئے۔ محمد حسین خان کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ فضل داد خان بھی قاتل ہیں منظوری کے دوران مارے گئے۔ فضل داد خان، حسین خان اور شیر علی خان کی اولاد باقی ہے۔ باقی اولاد فوت ہو گئے۔ لفٹیننٹ خدا بخش خان پنشنر جو اب واہ فیکٹری میں کسی شعبہ میں سیکرٹری ہیں سہامی خاندان سے قابل ذکر آدمی ہیں۔ خدا انہیں آپس میں اتفاق بخشے۔

پیر مہر علی شاہ کا مزار اسی شہر گولڑہ میں ہے۔ جہاں زائرین کا بارہ مہینے ہجوم رہتا ہے۔ اور لنگر جاری اور ان کا ذکر ایک مستقل عنوان سے پہلے ہو چکا ہے۔

شجرہ نسب مختصر اعوان خاندان گولڑہ شریف اولاد شہاب الدین خان مورث اعلیٰ ۱۲/۶۵ ۱۲

غلام رسول مہر (اعوان) لاہور

غلام رسول نام۔ مہر لقب ہے۔ غلام رسول مہر صاحب کی شخصیت محتاج تعارف و بیان نہیں۔ دورِ حاضرہ کی علمی تاریخی، مدبر، سنجیدہ، اہل قلم و رائے، مستند شخصیت کے مالک اور بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ ہستی اُن لوگوں میں سے ایک ہے جو اپنے نے خود یا دیگر اہل زمانہ کے رمز آشنا لوگ ان کے لئے مستقل تاریخ کے دفتر رکھتے ہیں جیسے ہی دست و دامن کو اُن کے حق میں کچھ لکھنا یا کہنا اُنکی توہین کے مترادف ہے بہر حال وہ قوم اعوان کے مایہ ناز فرزند ہیں۔ قوم اور ملک اُن کے وجود اور ہستی پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

اندرون ملک و بیرون ملک پاک و ہند تاریخی نوعیت کے سفر اختیار کئے ہیں۔ پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں پر پیدل چل کر سینکڑوں تاریخی واقعات کا کھوج لگا کر ملک و قوم کو سچے تاریخی حالات سے روشناس کرایا ہے۔ اور اصحاب ذوق کو تسکین دلانے کا باعث بنے ہیں۔ اور اپنی زندگی انہیں امور کیلئے وقف کر دی ہوئی ہے۔ آپکی مساعی جمیلہ و تالیفات عظیم رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔ ایسی شخصیتوں کیلئے دنیا صدیوں ترستی رہتی ہے۔

آپ لاتعداد کتابوں کے مصنف، مفکر، ادیب اور صحافی ہیں۔ آپکی مطبوعہ کتب میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) سید احمد شہید بریلوی (۲) جماعت مجاہدین (۳) سرگزشت مجاہدین (۴) ۱۸۵۷ء کے مجاہد (۵) کن ستاون (۶) مختصر تاریخ اسلام (۷) مطالعہ تاریخ (۸) ترجمہ اسلام اور قانون جنگ (۹) خطوط غالب دو حصے (۱۰) سرگذشت عالم (۱۱) ترجمہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ——— تاریخ عالم ستہ حصص مع حواشی (۱۲) مطالب بانگ درا شرح اقبال (۱۳) مطالب بال جبریل (۱۴) مطالب ضرب کلیم (۱۵) مطالب ارمغان حجاز (۱۶) مطالب اسرار و رموز (۱۷) مطالب پیام مشرق (۱۸) مطالب زبور عجم (۱۹) مطالب جاوید نامہ (۲۰) مطالب پس چہ [illegible] (۲۱) اقبال۔ سوانح (۲۲) سرود رفتہ (۲۳) نقش آزاد (۲۴) برکات آزاد (۲۵) [illegible] اہل عرب (۲۶) دیوان غالب اردو (۲۷) تاریخ عالم کے سو بڑے واقعات [illegible] جوزیفین (۲۹) میرے اندر کیا ہے (۳۰) طیاروں کی پہلی کتاب خلاء میں سفر [illegible] کی پہلی کتاب (۳۲) تاریخ شام وغیرہ۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفےٰ احسن علوی

انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۶۰ میں لکھا ہے کہ یہ لکھنؤ یونیورسٹی [illegible] پروفیسر ہیں۔ اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے ممبر ہیں۔ محقق عالم اور بلند پایہ [illegible] ادیب اور مصنف ہیں۔ اور ان کے حوالے سے بھی کتاب ہذا میں کچھ سطور بطور استدلال [illegible] ہیں۔

شیخ عبدالوہابؒ شعرانی

شیخ عبدالوہاب شعرانی کا اس مختصر میں مختصر تذکرہ برائے تعارف بیجا نہ ہوگا [illegible] بزرگ بھی نسلاً فرزند ارجمند محمد ابن الحنفیہؒ پسر حضرت علیؓ سے ہیں۔ بیشتر کتب [illegible] میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں انکی اصل کتاب طبقات الکبریٰ کے ترجمہ طبقات [illegible] کے ابتدائی تعارف از حافظ رشید احمد صاحب لیکچرار شعبہ عربی جامعہ کراچی [illegible] ۲۲ ستمبر ۱۹۶۳ء سے نہایت اختصارانہ چند سطور کا اقتباس پیش کروں گا۔ اہل [illegible] کتاب مذکور انہیں لیکچرار کے اب پ۔ ت ٹ۔ ث۔ ج۔ چ۔ ح۔ خ۔ د۔ ڈ۔ ذ [illegible] صفحات پر پہلے ہوئے بیان پر رجوع فرما سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:۔

حضرت ابو المواہب عبدالوہاب شعرانی کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ کے فرزند محمد ابن [illegible] حنفیہ تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ خود انہوں نے اپنی کتاب لطائف المنن اور طبقات الکبریٰ [illegible] میں اپنے جد امجد کے حالات میں تحریر کیا ہے۔ تذکرۃ الکواکب السائرہ ج ۲ ص ۱۷۶

از شیخ نجم الغزی مطبوعہ جامعہ امریکیہ بیروت میں بھی سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ عبدالوہاب ابن احمد بن علی، بن احمد بن محمد، بن ذوقا، بن موسیٰ، بن احمد السلطان (وجد شیخ تونس فی عصر شیخ ابی مدین) ابن سلطان السعید۔ ابن السلطان تاشفین۔ ابن السلطان عیسیٰ بن سلطان ذوقا۔ آپکے اجداد کرام شمالی افریقہ میں تیونس اور تلمسان کے حکمران تھے۔ ابو عمران موسیٰ نے شیخ ابی مدین کی عقیدت سے متاثر ہو کر بادشاہی چھوڑ کر فقیری اور درویشی اختیار کرلی۔ اس خاندان کے افراد شمالی افریقہ۔ مصر و شام کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ جو اولاد ذوقا کے نام سے مشہور تھے۔

علامہ موصوف کو بھی ذوقا کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔ عرصہ بعد مصر کے علاقہ منوفیہ کے ایک قصبہ ساقیہ ابوشعرہ میں مقیم ہونیسے یہ خاندان شعراوی یا شعرانی مشہور ہوا اور علامہ موصوف کے نام کیساتھ شعرانی نسبت زیادہ مشہور ہو گئی۔ آپکے دادا نورالدین علی اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور صاحب طریقت بزرگ تھے۔ جو ۸۹۱ھ میں فوت ہوئے علامہ موصوفؒ کے باپ محمد بن علی بھی علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔ ابوشعرہ میں مزار ہے۔ باختلاف روایات عبدالوہاب شعرانی کا مقام ولادت قلقشندہ میں ننھیال کے مقام پر ہوئی۔ اور اسی کو کتاب الاعلام خیرالدین زرکلی نے ج ۴ ص ۳۳۱ میں تحریر کرکے صحیح کہا (التصوف اسلامی فی الادب والاخلاق مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۱۷۳) وہ بارہ برس عالم یتیمی میں قاہرہ آئے۔ جامع عمری اور ازہر میں تعلیم پائی۔ دو سو سے زائد اکابر علماء سے علم حاصل کیا۔ ظاہری علوم کے بعد تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے اور اس ضمن میں کوئی سو کے لگ بھگ مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ نماز عشاء کے بعد ذکر شروع کرتے تو سلسلہ نماز فجر پر ختم ہوتا۔ اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی پر وارد کئے ہوئے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔ اس زمانے میں تمام اسلامی ممالک میں صوفیاء اور علماء کی کشمکش پر ناخوشگوار حالات پیدا ہو گئے تھے۔ اور عوام دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ابتداء میں انکے خلاف حاسدوں نے ذاتی مخاصمت کی بناء پر ہنگامے برپا کئے تھے۔ مگر آپ کے دانشمندانہ رویہ سے سب مٹ گئے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کے معاصروں اور بعد کے تذکرہ نگاروں نے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مصر کے محقق علماء ابن حجر عسقلانی جلال الدین سیوطی وغیرہ رحلت فرما

اصحاب آپ ہی ایک محقق عالم رہ گئے تھے۔ جنھوں نے تصوف، فقہ اور حدیث
ت پیدا کرنیکی کوشش کی۔ بلکہ جب بعض صوفیوں کی غلط روش سے احکام
مقلوب ہو چکے تھے۔ اسلامی شریعت کی بالادستی کو قائم رکھا۔ آپ کا دوسرا
اسلامی کے مختلف مکاتیب فکر میں ہم آہنگی پیدا کی اور کس قدر فقہی میں مختلف
فرقوں کے اختلاف کم کرنیکی کوشش کی۔ آپ خود شافعی المسلک کے پیرو تھے۔ ایک
مورخ نکلسن نے بھی تاریخ ادبیات عرب میں انھیں محقق اور مفکر عالم بتایا ہے۔ مگر بعض
شدہ روایتیں غلط بھی ہیں۔ آپکی وفات بمقام قاہرہ ۹۷۳ھ میں ہوئی۔ اور وہیں اپنی
ہی دو فصیلوں کے درمیان مدفون ہوئے۔

انکی وفات کے بعد ان کے لڑکے شیخ عبدالرحمٰن شعرانی بھی بڑے پایہ کے باشرع
متدین عالم گذرے ہیں۔ وہ بھی ۱۰۱۱ھ میں وفات پاگئے۔ دیگر افراد خاندان سے
ہیم بن عبدالمحسن بن عبدالرحمٰن بن علی الشعرانی جو ۱۰۳۹ھ اور ان کے بیٹے ابو
سے ۱۰۸۰ھ میں استنبول میں وفات پائی۔ انھوں نے عثمانی دور خلافت میں زیادہ
ت پائی۔ اور مختلف اوقات میں ابوالسعود شام، فلسطین، بروسہ، اور قسطنطنیہ
ی مقرر ہوئے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی کی شخصیت، اولاد، اساتذہ، تلامذہ کے حالات میں مستقل
لکھی گئی ہیں۔ تصانیف کی تعداد باختلاف روایات تین سو آٹھ تک پہنچتی ہے۔ جن
ے بعض کے نام کتاب مذکور طبقات الاولیاء میں نام لئے ہیں۔

علامہ موصوف نے امام محمد بن الحنفیہؒ کے متعلق اسی کتاب مذکور میں مستقل باب باندھ
سطور لکھی ہیں۔ ایک روایت یہ بھی تحریر ہے کہ جب روم کے بادشاہ نے عبدالملک بن
ن کو حلف کے ساتھ یہ دھمکی لکھ بھیجی کہ اگر تم جزیہ قبول نہیں کرتے تو میں ایک لاکھ فوج
اور ایک لاکھ فوج بحری تم پر بھیجتا ہوں۔ عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ تو محمد بن الحنفیہؒ
رف دھمکی و تہدید لکھ بھیج۔ اور جو کچھ جواب وہ دیں اُسکو میرے پاس بھیج دے۔ چنانچہ حجاج
کو لکھا۔ اور انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تین سو نوے نگاہیں اپنی مخلوق پر
تی ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ میری طرف اللہ کی ایک نگاہ ایسی ہوگی جس سے وہ
مجھے محفوظ رکھے گا۔ حجاج نے یہ خط عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اور عبدالملک نے

یہی مضمون شاہ روم کو لکھ بھیجا۔ جسکو پڑھ کر اس نے کہا کہ یہ تمہارے دماغ سے نہیں نکلا ہے۔ ورنہ تم نے یہ لکھا ہے۔ یہ تو خاندان نبوت ہی کے دل سے نکل سکتا ہے۔[لہ]

ایک قول یہ بیان کیا ہے کہ جس کا نفس عیبوں سے پاک ہوا۔ اس کے نزدیک دنیا کی قدر کچھ نہ رہی۔ ایک اور قول بھی منسوب کیا ہے کہ کہتے ہیں جو شخص چھٹکارا حاصل ہونے تک اس آدمی کے ساتھ ہنسی خوشی بسر نہ کرے جسکی صحبت سے مفر نہ ہو۔ وہ حکیم نہیں ہے۔ کتاب انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری کے ص ۱۶۵ تذکرہ محدثین حصہ دوم کے شمارہ سلسلہ ۳۰۴ پر علامہ شعرانی کا ذکر بحوالہ کتاب شذرات الذہب ج ۸ ص ۳۷۲ ذکر کیا ہے۔ کہ علم تصوف وحقائق پر صفیؒ وشناوی کے علاوہ سید علی الخواص سے پورا پورا استفادہ کیا جو اُمی تھے۔ جن کے کشف وکرامات عجیب وغریب تھے۔ علامہ شعرانیؒ وسید علی الخواصؒ نے امام اعظمؒ کی بڑی مدح کی ہے۔ اور تصنیفات کی مختصر فہرست یوں پیش کی ہے۔

میزان مختصر الفتوحات وسنن بیہقی۔ مختصر تذکرہ قرطبی۔ البحر المورود فی المیثاق والعہود البدر المنیر فی غریب احادیث البشیر النذیر (تقریباً ۲۲ سو احادیث حروف معجم کی ترتیب پر جمع کیں) کشف الغمہ عن جمیع الامہ۔ شارق الانوار القدسیہ فی العہود المحمدیہ۔ الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر۔ لواقح الانوار۔ الکبریت الاحمر فی علوم الکشف الاکبر۔ وغیرہ۔

لہ روایت قابل غور ہے۔ مصنف۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ

آپ کا پورا نام شمس الدین حبیب اللہ ہے۔ موصوف علوی سادات بلند مرتبہ خانوادے تھے۔ آپکے آباؤ اجداد کا شمار امرائے شاہی سے ہوتا تھا۔ اور تیموری سلاطین سے بھی آپکی قرابت تھی[لہ] معمولات مظہریہ میں ہے۔ کہ اکبر کی بیٹی کا نکاح حضرت محمد امان بن حضرت بابا سلطان سے ہوا۔ جن کا نسب کمال الدین جو امرو تک یوں لکھا ہے۔ مرزا مظہر تخلص جان جاناں بن مرزا جان۔ بن مرزا عبد السبحان۔ بن مرزا محمد امان بن بابا سلطان، بن بابا خان۔ بن امیر غلام محمد بن امیر محمد، بن خواجہ رستم شاہ، بن امیر کمال الدین، بن امیر جان شاہ، بن میر قطب حیدرؒ۔ کیونکہ خود مرزا مظہر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میر قطب حیدر کی اولاد سے ہوں۔ اور وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور بعض روایت میں کہ میر قطب حیدر کی بارھویں پشت میں ہوں اور وہ حضرت علی المرتضیٰ سے بارھویں پشت میں ہیں۔ اور بعض روایات میں آیا کہ ۱۹ واسطوں سے نسب محمد بن الحنفیہؒ سے جو حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں ملتا ہے۔ مرزا جان کے بیٹے ہیں جیسا کہ مندرجہ نسب نامہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ مرزا جان محی الدین اورنگزیب کے منصبدار تھے۔ دکن سے منصب ترک کر کے اکبر آباد چلے۔ راستے میں مالوہ کالا باغ کے مقام پر بروز جمعہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ[لہ] میں مرزا جان جاناں پیدا ہوئے۔ والدہ بیجاپور کے شریف گھرانے سے تھیں۔ جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو فرمایا بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ اسلئے ہم نے اس کا نام جان جاناں مقرر کیا۔ اس تقریب میں وہ اس نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا تخلص مظہر ہے

لہ ان کے پڑدادا سے اکبر شاہ کی بیٹی منسوب تھی۔ اس لحاظ سے تیموری خاندان کے نواسے تھے۔ تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۶۔

لہ مولانا آزاد ۱۱۱۳ھ سن پیدائش لکھتے ہیں۔ مسٹر بیل اور گارساں دتاسی فرانسیسی محقق مقام آگرہ ۱۱۱۱ھ مطابق ۱۶۹۹ء پیدائش لکھتے ہیں۔ تاریخ ادب اردو۔

آپ ہر فن اور اور عام علوم ظاہری میں بہرہ کامل رکھتے تھے۔ مولینا کے غیر مطبوعہ مسودہ کتاب التمہید میں ہے۔ امام ربانی کے طریقہ مجددیہ کے اکابر سے ایک شمس الدین حبیب اللہ محمد مظہر جان جاناں ہیں۔ آپ شاہ ولی اللہ کے ہمعصر تھے۔ شیخ محسن اپنی کتاب۔ یانع جنی میں امام ربانی کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کے بعد آنیوالے انکے جلیل القدر اصحاب میں سے ایک شخص شمس الدین المظہر معروف بہ جان جاناں شہید دہلوی ہیں۔ آپ حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ موصوف بیشمار فضیلتوں کے حامل تھے۔ آپ نے الحاج محمد افضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی تھی۔ اور مجددی طریقہ امام ربانی کے بڑے عالی مرتبت پیروؤں سے حاصل کیا تھا۔ (حضرت سید نور محمد بدایونی مرید وخلیفہ شیخ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ مرید وخلیفہ شیخ احمد سرہندی قدس اسرارہم کے مرید وخلیفہ تھے)

اتباع سنت اور کشفی قوت میں آپ کا بلند مقام تھا۔ موصوف کے استاد شیخ سیالکوٹی امام ولی اللہ اور الحاج فاخر الہ آبادی ایسے آئمہ تصوف اور محدثین نے آپکے علم وفضل اور جلالت شان کی شہادت دی ہے۔ مشہور محدث محمد حیات سندھی ثم مدنی کا قول ہے۔ کہ اگر کوئی حدیث فقہ حنفی کے معمول کیخلاف وارد ہو۔ اور مرزا جان جاناں اس حدیث کی توثیق کریں۔ تو اس کے باوجود بھی اس حدیث پر عمل کر لینا چاہیئے۔ نئے نئے اشعار اور مفید مکتوبات ان سے یادگار ہیں۔ اس مختصر میں ان کے مفصل اوصاف حمیدہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۱۹۵ھ کا واقعہ ہے۔ کہ رات کا ایک حصہ گذر چکا تھا کہ آپکی خانقاہ پر چند لوگوں نے دستک دی۔ خادم نے عرض کیا کہ کچھ لوگ زیارت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں آنے دو۔ چنانچہ تین آدمی اندر آئے۔ ان میں سے ایک مغل زادہ تھا۔ (اور وہ شیعہ تھا) جسنے چھوٹتے ہی آپ پر حملہ کیا۔ اور دل کے قریب کاری زخم لگایا۔ اور کسی نے کہا ایک شیعہ نے ان کے سینہ مبارک پر طمانچہ مارا۔ یہ واقعہ ۷ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ کا تھا۔ اسکے بعد آپ تین روز تک زندہ رہے اور جمعہ کی شام

لہ میر تقی میر نے اپنے تذکرہ اور گل رعنا میں بھی آپکے۔ کمال وتقویٰ وغیرہ کا ادب سے ذکر کیا ہے۔ تاریخ ادب اردو۔ مصحفی اور شوق نے بھی اپنے تذکروں میں ذکر اور اعتراف کیا ہے۔

۱۰ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آپکی تاریخ شہادت عاش حمید اور مات شہیداً مشہور حدیث سے نکالی گئی ہے۔

التمہید میں ہے کہ مرزا جان جاناں مظہر اور امام ولی اللہ آپس میں دو بھائیوں کی طرح تھے۔ جو ایکدوسرے سے راضی ہوں۔ اور ایکدوسرے کی مدد کریں۔ سرزمین دہلی ابتک ان دو بزرگوں پر نازاں ہے۔ دہلی کے کسی شیعہ امیر کے نوکر کے ہاتھ سے یہ شہادت واقع ہوئی۔ اور امیر الروایات میں ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے قتل میں نجف علی خان، حاکم دہلی کا ہاتھ تھا۔ جو مذہباً رافضی تھا۔

انکی مزار پر ان کا اپنا یہ شعر کندہ ہے ؎

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

مرزا جان جاناں کے جلیل القدر اصحاب میں سے قاضی ثناء اللہ اموی ثم عثمانی ہیں۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے۔ اور بہت بڑے فقیہہ، اصولی زاہد اور مجتہد تھے۔ آپ نے حنفی فقہ میں بعض مسائل کا خود استخراج فرمایا تھا۔ فقہ تفسیر اور زہد کے مسائل پر آپکی مشہور تصنیفات بھی ہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں اپنے شاگرد موصوف پر فخر کیا کرتے تھے۔

(خزینۃ الاصفیا۔ بحوالہ ش۔م ص ۲۷۷ بحوالہ کتاب شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص ۱۶۲ تا ۱۶۴ سندھ ساگر اکاڈمی لاہور۔ تذکرہ علمائے ہند ترجمہ اردو ص ۴۹۵-۴۹۶ نقل بحوالہ مکتوبات سید غلام حسن شاہ کاظمی)

اور انعام اللہ خان۔ میر محمد باقر خواجہ احسان اللہ بھی آپکے شاگردوں سے ہیں۔

پہلے شیخ نور محمد بدایونی پھر شیخ سعد اللہ دہلوی اور پھر شیخ محمد عابد سندھی کی خدمت میں علی الترتیب دس، گیارہ، بارہ سال گذارے۔ کل تقریباً تیس سال مشائخ کی صحبت میں اور ۲۵ سال درس و افادہ میں مشغول رہے۔ آپکی ذکاوت، کرامات، مکاشفات

عنہ آپکی موت کا سبب یہ لکھا ہے۔ کہ عشرہ محرم تھا۔ تعزیوں کے جلوس نکل رہے تھے۔ یہ کوٹھے پر سیر کر رہے تھے۔ آپکی زبان سے نکلا کہ بارہ سو برس ہوگئے۔ اسی قدر شور وغل اور ماتم کرنا۔ کافر اور بانس کے ڈھانچے کا ادب واحترام کرنا خلاف عقل ہے۔ تعزیے کے جانثاروں سے کسی نے یہ سن لیا۔ اور یہ واقعہ پیش آیا (تاریخ ادب اردو)

ورع زہد۔ اتباع سنت کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ عام دعوتوں اور مجالس متعارف
سے گریز کرتے تھے۔ کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی۔ پکا ہوا کھانا خرید کر تناول
فرما لیتے۔ کپڑوں کا صرف ایک جوڑا رکھتے۔ ہدایا وتحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ فرمایا
کہ رد ہدیہ ضرور ممنوع ہے۔ لیکن قبول ہدیہ بھی واجب نہیں۔ اکثر لوگ مشتبہ مال سے
ہدیہ دیتے ہیں پھر قبول نہ کرنے پر معترض ہوتے ہیں۔ سلطان محمد شاہ کی پیشکش کو متاع
دنیا قلیل کہکر رد کیا۔ نظام الملک نے تیس ہزار روپے پیش کئے قبول نہ فرمائے۔ حنفی
المسلک تھے۔ چند مسائل میں ترک مذہب بھی کیا۔ فرماتے تھے کہ کسی حدیث کی قوت کی
وجہ سے اگر مذہب پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے خروج عن المذہب نہیں ہوتا۔ تشہد
میں اشارہ مسبحہ بھی کرتے تھے۔ اور اس بارے میں اپنے شیخ المشائخ مجدد الف ثانی کی تحقیق،
کے خلاف کرنیسے بھی باک نہیں کیا۔ آپکی تصانیف میں مجموعہ مکاتیب، دیوان شعر فارسی
فرائد وجواہر وغیرہ ہیں۔ (منقول از انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری ص ۱۰۴ حصہ دوم
تذکرہ محدثین)

معتمد الملوک سید علوی خان حکیم دہلوی

ان کا اصلی نام محمد ہاشم بن حکیم محمد ہادی۔ بن مظفر الدین علوی حضرت محمد بن الحنفیہؓ
کی اولاد میں سے ہیں۔ رمضان ۱۰۸۰ھ / ۱۶۷۰ء شیراز میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء میں پاک وہند
میں آئے۔ اور دستارہ میں عالمگیر بادشاہ کی خدمت میں خلعت ومنصب سے سرفراز ہوئے
معظم شاہ کی خدمت میں متعین ہوئے پھر (محمد معظم) شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں
علوی خان کا خطاب پایا۔ منصب میں اضافہ اور جاگیر ملی۔ محمد شاہ بادشاہ کا علاج بہت
اچھی طرح کیا۔ بادشاہ موصوف نے چاندی میں تلوایا۔ شش ہزاری منصب۔ تین ہزار روپیہ
ماہوار اور معتمد الملوک کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ نادر شاہ بہت اعزاز کے ساتھ اپنے
ہمراہ لے گیا۔ وہاں سے حج بیت اللہ کو گئے۔ ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء میں دہلی واپس آئے۔ انکی تصنیفات
سے علم طب میں ایک کتاب جامع الجوامع ہے۔ جو اسم با مسمٰی ہے۔ ۵ رجب ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء میں مرض

بالجوامع

علہ ۱۱۵۸ھ

استغنا میں انتقال ہوا۔ بوصیت کے مطابق انکو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن
کیا گیا (تذکرہ علمائے ہند ترجمہ اردو ص ۳۵۵ مفتاح التواریخ ص ۳۲۹ ۔ ۳۳۰ ملفوظات
شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۱) (از مراسلات ومکتوبات سید غلام حسن شاہ کاظمی)
انکی تین تصنیف خلاصۃ التجارب اور مطب علوی خان وتحفہ محمد شاہی اور نام بھی
ہیں۔ فہرست کتب کلاں مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ کانپور ۱۹۳۲ء کے ص ۵۲ پر لکھا ہے
کہ سب جانتے ہیں حکیم علوی خان دہلی کے وہ مشہور ومعروف اور نامور طبیب ہیں جنہوں نے
طب یونانی کے ساتھ مسیحائی کرکے انکو ہمیشہ کیلئے زندہ کردیا۔ اور انکی ہر دو کتابوں یعنی
خلاصۃ التجارب (مطب علوی) کو بڑے سے بڑے اطباء اور چھوٹے سے چھوٹے طلباء کیلئے
مسیح رہبر کہا۔ اور بالکل نئی چیز بنا دیا
تیسری کتاب تحفہ محمد شاہی بھی ہے جسکو حکیم صاحب مرحوم علوی خان نے بمعیت
نادر شاہ بادشاہ اثناء سفر میں اپنے مجربات سے اخذ کرکے مرتب کیا۔ یہ فہرست کتبخانہ
تجارتی مطبع علیمی دہلی ص ۲۶ پر درج ہے۔ گویا طب میں انکی کل چھ کتابیں ہیں۔ جامع
الجوامع۔ خلاصۃ التجارب، مطب علوی خان اور تحفہ محمد شاہی۔ مطب علوی خان وتحفہ محمد شاہی
کا نام فہرست کتب حمیدیہ انجمن لاہور کے ص ۴۷۔ ۴۸ میں بھی ملتا ہے۔ قرابادین علوی۔ عشرہ کاملہ
(ماہنامہ اسوۂ حکمت ۱۹۶۶ء لاہور)

دورِ غزنویہ کا مشہور علوی شاعر زینتی رح

محمود غزنوی کی شاہانہ فیاضیوں کا ذکر کرتے ہوئے شعر العجم میں مولانا شبلیؒ
نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک موقع پر جب شہزادہ مسعود خراسان سے غزنین میں آیا۔ اور
شعراء نے دربار عام میں قصائد پیش کئے۔ تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار درہم زینتی اور
عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عنایت کئے۔
خلاصۂ تنقید شعراء العجم میں اس پر تنقید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ مولانا نے (شبلی) نے

علہ عنصری زینتی کا معاصر اور دور غزنوی شعراء کا اول درجہ کا استاد شاعر مانا گیا ہے۔ مصنف۔
علہ خلاصۃ التجارب ومطب علوی خان علی الترتیب ۱۳۰۰ھ و ۱۳۰۶ھ میں نولکشور پریس سے شائع ہوئیں۔

واقعہ سلطان محمود کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ سلطان مسعود سے [illegible]
ہے۔ سلطان محمود نے ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو انتقال کیا۔ اور یہ انعام ۲۷ رمضان
کو جشن مہرگان مناتے وقت سلطان مسعود غزنین میں عطا کرتا ہے۔ اس انعام کے
وقت نہ محمود زندہ تھا۔ اور نہ مسعود شہزادہ۔ بہر حال پہلے کا انعام ہو یا بعد کا یہ علو ان
کی ذکاوت اور طبع سخن آزمائی کے ابتدائی دور کی نشاندہی کرتا ہے۔ (خلاصہ تنقید شعر
العجم ص۔ ۱۹ حصہ اول ۲ اقتصار ازی۔

ــــــ زبدۃ الحکماء ــــــ

حکیم حاجی غلام نبی خان صاحب

امرتسری ثم لاہوری۔ مرحوم (اعوان)

حکیم غلام نبی خان کے جد اعلیٰ سرودان تھے۔ یہ سروانی گوت سے ہیں۔ اور سلسلہ
نسب قطب شاہی اعوانوں میں جا ملتا ہے۔ یہ خود مستقل تصانیف کے مالک ہیں۔ اور کوئی
۲۹ کتب و رسالہ جات علوم عقلیہ ہر مرض کے فن طب میں تصنیف فرمائے ہیں۔ زبدۃ مطلع
لاہور میں آکر جاری کیا۔ پہلے یہ امرتسر سے دور اٹھارہ میل ایک گاؤں اعوان نامی[1] میں رہتے
تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد کوہستان نمک سے دیگر اعوانوں کی قدیمی بستیاں
میں آکر یہاں آباد ہوگئے۔ علم حاصل کرکے حکمت یونانی و ڈاکٹری میں کمال حاصل کیا۔ قوم
اعوان میں ذی علم و نامدار شخص ملنے گئے ہیں۔ گورنمنٹ سے زبدۃ الحکماء کا خطاب ملا۔ بڑے
بڑے راجوں اور مہاراجوں کا علاج کرتے۔ اور خصوصی طور پر بلائے جاتے۔ دیسی امراء میں
نوابوں اور انگریزوں میں ان کی قدر و منزلت بڑھی ہوئی تھی۔ جب وہ لاہور آکر موچی دروازہ
سے باہر مسکن گزیں ہوئے تو مطب جاری کرکے قومی خدمت میں نمایاں حصہ لیا۔ عرصہ تک لاہور

[1] علاقہ پنجاب میں کئی ایک دوسرے گاؤں کے نام بھی اعوان مشہور ہیں۔ چنانچہ پاک و ہند کی علاحدہ
ریاستوں میں بھاتی قوم والوں نے اعوان شریف نامی گاؤں جو کہ ضلع گجرات میں ہے۔ سب سے پہلے گوردواری
کی اسد بیر شریف شروع ہو گئی۔ (روزنامہ جنگ ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء) [2] زبدۃ الاخبار انہیں نے نکالا تھا (رقی ص ۴۴)

[illegible] شہر کمیٹی کے ممبر بنے رہے۔
[illegible] رشید بی اے ایل ایل بی وکیل جناب مظفر حسین خان تھے۔ جنہوں نے آپ کی
[illegible] خدمت میں حصہ لیا۔ اور ان کے آگے نسل چلی ہے۔ جن کا لاہور میں ممتاز فنی عہدوں
[illegible] پر فائز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ زبدۃ الحکماء کو خدا غریق رحمت فرماویں۔ سب سے پہلے انہوں نے
[illegible] ذی حیثیت سے متاثر ہو کر تاریخ علوی حیدری زاد الاعوان اور رہب الاعوان ۱۳۰۸ھ کو کوئی
[illegible] ۶۹۔ ۷۰ سال پہلے تقریباً ۱۸۹۵۔۹۶ء میں تصنیف کروا کر مع جملہ خرچ طباعت و اشاعت اپنے
[illegible] سے کر شائع کرکے ملک میں تقسیم بھی کیں۔ ایسے بزرگوں کے کارنامے قوم کیلئے قابل فراموش
[illegible] نہیں ہونے چاہئیں۔ تاریخی روایات پر تنقیدیں اور تحقیص ہوتی رہتی ہیں۔ مگر اس بے شعوری
[illegible] کے عالم میں بنیاد رکھنے کا کارنامہ صد بار قابل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ محرک و مصنف کی روحوں
[illegible] کو سکون بخشے۔ اور آخرت میں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔
حکیم مظفر حسین کے بیٹوں میں سے ایک اختر حسین اعوان ڈاکٹر ہیں۔ اور مرحوم ڈاکٹر
[illegible] تفری، علاج الغربا، اردو۔ کتاب المفردات یہ معروف خواص الادویہ، کتاب المرکبات
[illegible] یا میڈیکا یعنی علم الادویہ، کیپاؤنڈر گائیڈ (رہبر دوا) وغیرہ کتب انکی تصانیف[1] ہیں۔

مولینا عبد اللہ علوی قائم گنج ضلع فرخ آبادی

جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر ص ۲۹۵ پر لکھا ہے کہ یہ مئو قائم گنج ضلع
[illegible] فرخ آباد کے باشندے تھے۔ مدت تک دہلی میں رہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید سے علم حاصل کیا۔
[illegible] سید احمد شہید صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کر لی تھی۔ نظم و نثر میں ان کا پایہ بہت بلند تھا
[illegible] امام بخش صہبائی انہی کے شاگرد ہیں۔ طبابت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آخر عمر میں نواب سید
[illegible] علی خان بہادر شمس آبادی کے ہاں ملازم ہوگئے تھے۔ اصلاً فارسی کے شاعر تھے۔ اور
[illegible] اردو میں بھی کبھی کبھی کہہ لیتے تھے۔ وہیں ۱۲۶۳ھ بعارضہ تپ محرقہ وفات پائی۔ نساخ

[illegible] (یوحنا) اور رسالہ حافظ صحت بھی جاری ہوا۔ [2] حکیم مظہر حسین اور محمد افضل یکا تھے۔ دو صاحبزادے علاوہ
[illegible] [1] فہرست کتب ملاحظہ ہو ص ۲۵ غلام علی اینڈ سنز کتاب منزل لاہور ۱۹۲۰ء۔

نے تاریخ وفات ۹۹۸ھ لکھا ہے۔ (حسن شعراص ۳۳۲) لیکن جو روایت نواب صدیق
حسن خان نے تذکرہ شمع انجمن ص ۳۱۸ میں لکھی ہے۔ وہ روایت زیادہ مستند ہے

شیخ وجیہہ الدین بن نصر اللہ عماد الدین

علوی، گجراتی، حنفیؒ

انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری تذکرہ محدثین حصہ دوم کے ص ۱۴۱ پر انکے
متعلق یوں رقمطراز ہیں " محدث و فقیہ یکتائے زمانہ تھے۔ درس و تصنیف میں اقران پر فائق
تھے۔ علوم باطنی شیخ محمد غوث گوالیاری صاحب سے جو جواہر خمسہ کے مصنف ہیں کی خدمت
میں رہ کر حاصل کئے۔ اور انکی خدمت میں پہنچنے کا بھی عجیب واقعہ ہے۔ علماء نے غوث گوالیاری
کے رسالہ معراج نامہ کے مضامین پر معترض ہو کر انکی تکفیر کی۔ اور قتل کے محضر نامہ پر سب
نے حتی کہ شیخ علی متقی نے بھی دستخط کرکے بادشاہ وقت کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ
جب تک شیخ وجیہہ الدین کی مہر یا دستخط اس محضر نامہ پر نہ ہونگے۔ قتل کا حکم نہیں کیا جائے
گا۔ اور اسکو آپکے پاس (یعنی وجیہہ الدینؒ) بھیج دیا۔ آپ تحقیق حال کیلئے سید صاحب موصوف
(محمد غوث)، کی خدمت میں گئے تو دیکھتے ہی ان کے گرویدہ حال و قال ہوگئے۔ اور محضر نامہ
کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ علماء سے کہا کہ تم نے سید صاحب کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی۔ چونکہ
سید صاحب کو عالم واقع میں معراج ہو چکی ہے۔ اسی لئے اس سے مغلوب الحال ہو کر یہ
باتیں لکھدی تھیں۔ اس سے مقصود ظاہر شریعت کی مخالفت نہیں ہے واللہ اعلم۔ آپ نے
نے تمام عمر درس علوم و افادۂ ظاہری و باطنی و تصنیف میں بسر کی۔ امراء و اغنیاء سے
یکسو رہتے تھے۔ بہت قناعت پسند تھے۔ آپکی مشہور تصانیف یہ ہیں۔
شرح نخبہ (اصول حدیث میں)، حاشیہ بیضاوی۔ حاشیہ اصول بزدوی، حاشیہ ہدایہ
حاشیہ شرح وقایہ۔ حاشیہ مطول، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح
مواقف وغیرہ رحمتہ اللہ رحمتہ واسعۃ"
۹۱۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۹۷-۹۹۸ھ میں وفات پائی۔ کتاب انوار باری میں

...نزہتہ الخواطر ص ۳۴۳ و حدائق حنفیہ کا حوالہ دیا ہے۔
...نادرات مصنفہ پروفیسر سید ابوظفر ندوی دار المصنفین دہلی کے ص ۲۰۹
...حکیم علوی کی ایک کتاب قلمی نظر سے گذری۔ اسمیں درج تھا کہ مولینا
...بن عبد الوہاب تلمیذ شیخ عبد الغنیؒ تھے۔ جو علامہ شیخ وجیہہ الدین گجراتی (علوی)
...گرد تھے۔ جو اکبر اعظم کے ہم عصر تھے۔ بھروچ میں ایک مدرسہ کی بنا کی تاریخ
...بھی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے۔ کہ مدرسہ عرب تاجروں نے سن مذکور
...تعمیر کیا گیا ہوگا۔ اور مولینا اسحق نے انہی کو رونق دی ہوگی۔ یہ روایت عالیشان مولینا
...کی نشاندہی کرتی ہے۔ جن کے شاگرد ایسے شاگرد۔ اس پایہ کے ہو گذرے ہیں۔

سید غلام حسن شاہ صاحب کاظمی

سید غلام حسن شاہ ولد سید گل حسن شاہ، علاقہ بوٹی کے ایک گاؤں توری
...کے ایک سادات گھرانے ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ مسکن موجودہ موضع مھنگر شریف
...مظفر آباد، ڈب گی واقع آزاد کشمیر ہے۔ پبلک ریلیشنز آفیسر حال میرپور آزاد کشمیر،
...عہدہ پر فائز ہیں۔ ایک بیٹے مشتاق کمال کے نام پر کنیت ابی الکمال ہے۔ کاظمی خاندانی
...ہے۔ موسیٰ کاظمؒ کے بیٹے امیر اسحاق الموفق کی نسل سے حسینی ہیں۔ مشہدی شاخ سے
...ہیں۔ انکی برادری کے دیگر لوگ ضلع مظفر آباد اور ہزارہ کے متفرق دیہات میں
...گزین ہیں۔ موصوف کے خاندان میں بڑے بڑے صاحب کرامات بزرگ گذرے ہیں
...کے ترکوں کے عروج کے عہد میں انکے خاندان کا بھی بڑا مذہبی اور روحانی عروج
...انھوں نے اپنے خاندانی حالات پر سیر حاصل کتاب لکھی ہے جسمیں پچھلی کی فراموش
...کا بھی نمایاں طور پر ذکر آگیا ہے۔
ابتدائی تعلیم اسی ملک میں کی پھر پشاور میں اپنے ماموں لال شاہ کے پاس چلے
...ماموں مذکور نے تحریک خلافت میں حصہ لیا تھا۔ قید ہونے کے بعد لاہور جلاوطن

کرکے بھیج دیئے گئے۔ انہوں کی رفاقت میں یہ بھی لاہور چلے آئے ۱۹۱۹ء میں جب [illegible]
جماعت میں تھے۔ انہوں نے بھی خلافت کے ہنگامے دیکھے۔ اور سیاسی معاملات [illegible]
آغاز یوں ہوگیا۔ لاہور میں علمی تشنگی کو پورا کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے [illegible]
تعلیم عربی، فارسی، اردو، پشتو اور پنجابی کی تحصیل کی۔ رسالوں، لائبریریوں اور کتابوں سے
کافی علمی قابلیت حاصل کی۔ مختلف اسلامی فرقوں اور دوسرے مذاہب کے لٹریچر سے
آگاہی بہم پہنچائی۔ "زمیندار" لاہور اور "الہلال" کے مطالعہ سے مضمون نگاری کا شوق
پیدا ہوا۔ اب یہ ۱۹۳۰-۳۱ء کا زمانہ تھا۔ "زمیندار" سے رابطہ قائم کرکے مضمون نگاری کا
سلسلہ شروع کیا۔ تقریر سے فارن ریلیشنز آرڈی نینس (قانون تعلقات خارجہ) کے تحت
گرفتار ہوکر سال کیلئے جیل گئے۔ جیل میں اسی آرڈی ننس کے تحت آقائے مرتضیٰ احمد خان
میکش بھی قید تھے۔ یہ لاہور کی دونوں جیلوں بورسٹل اور سنٹرل جیل اور ڈسٹرکٹ جیل کیمبلپور
اور ملتان سنٹرل جیل میں اکٹھے رہے۔ حکام جیل کی سختی اور زیادتیوں پر کمال صبر و استقلال
سے وقت گذارا۔ جیل میں بھی تاریخ، تصوف، شاعری، ادبیات کی کتابیں مطالعہ میں آئیں۔
احراری، کانگرسی، ہندوؤں، سکھوں، جمعیت العلمائے ہند کے پیشواؤں سے بھی،
ملاقاتیں ہوئیں۔ چوہدری افضل حق مرحوم، مولٰنا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، مولٰینا
حبیب الرحمٰن لدھیانوی، قاری عبدالرحمٰن نکودری، ڈاکٹر نظیر محمد جہلمی، سید جعفر شاہ سیالکوٹی
ڈاکٹر اللہ دتا کنجاہی مجلس احرار کی تاریخ کشمیر ۱۹۳۲ء کی پاداش میں قید تھے۔ اور حضرت مفتی
کفایت اللہ صاحب صدر مولٰنا احمد سعید صاحب ناظم جمیعۃ العلماء ہند، مولٰنا احمد علی امیر انجمن
خدام الدین لاہور، مولٰنا عارف ہسوی جمعیت کی تحریک حمایت کانگریس کے جرم میں بجرم مجوس
تھے۔ اس کے علاوہ بہت ہندو اسیر تھے۔ جن سے استفادہ کا موقع ملا۔ سردار گوپال سنگھ قومی
بی اے سے گورمکھی اور پنڈت سوم دیو امرتسری بی اے سے ہندی پڑھی۔ کھڑک سنگھ اور ماسٹر
تارا سنگھ مشہور سکھ لیڈروں کی ذہنیت پرکھنے و قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مولٰنا ظفر علی خان
صاحب سے بھی وہاں جیل ہی میں شوق نیاز مندی حاصل ہوا۔

جیل سے رہا ہو کر دو تین ماہ لاہور رہنے کے بعد وطن مالوف چلے آئے۔ اور اب
۱۹۳۳ء کا زمانہ تھا۔ ۱۹۳۶ء میں ایبٹ آباد سے ہفت روزہ "پاکستان" جاری کیا جو ۱۹۳۸ء
تک جاری رہا۔ ڈاکٹر خان صاحب کی کانگرسی وزارت میں اجراء بند ہوگیا۔ کسی کی خوشامد اور

[illegible] تھی۔ تو یہ روز بد بھی دیکھنا نصیب ہوا۔ مطالعہ کتب اور ذوق شاغل علمی و
[illegible] وقت گذارنا پڑا۔ بیسیوں کتابوں کے مسودے جمع کر دیئے۔ اس شل ہو کر
[illegible] نگاروں نے طعن و تشنیع بھی کی مگر یہ اپنے شغل و مقام پر ڈٹے رہے۔ ان
[illegible]

جنگ آزادیٔ کشمیر کے مجوز تھے۔ مگر بہترین رفقائے کار نہ ملے۔ البتہ مہاراجہ کے مسلمان
[illegible] یوں میں شمول پاکستان کی تبلیغ میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مسلسل
[illegible] سیاسی و جنگی خدمات میں مصروف و وابستہ رہے۔ بارہ مولا اور ٹپن تک جنگی محاذ میں شامل
[illegible] ے۔ یہ بارہ مولا ہی میں تھے۔ مظفر آباد فتح ہوا تو کچھ مسلمان گھرانے بھی لوٹ کھسوٹ کا شکار
[illegible] ہوگئے۔ ان میں ان کا گھر بھی لپیٹ میں آگیا۔ اور یوں یہ سب کچھ نقدی، زیور اور گھر
[illegible] سامان سے محروم کر دیئے گئے۔ سب سے بڑا صدمہ جو ان کو لاحق ہوا وہ انکی کتابوں کے
[illegible] ذخیرہ کا پامال کرنا اور لے جانا تھا۔ تقریبًا پندرہ بیس ہزار کا یہ نقصان بھی برداشت
[illegible] پڑا۔ مگر ریاست کو ڈوگرہ راج سے نجات کی خوشی میں یہ سب کچھ پی لیا گیا۔ اور خاموشی
[illegible] رہے۔ لیکن چاپلوسی اور خوشامد سرشت میں نہ تھی کہ بطور آلہ استعمال کرکے حکام وقت کے
[illegible] نہ ہوتے اور اپنے کئے کی داد پاتے۔ کہتے ہیں ؎

رونا کہاں ہوا مجھے دل کھول کر نصیب
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آگیا

(ماخوذ از انقلاب کشمیر سید غلام حسن شاہ کاظمی) بہرحال ان چند سطروں میں انکی
[illegible] دکھیا اور غمناک داستان جھلک رہی ہے۔ اور یہی وہ کاظمی ہیں جن کے مکتوبات
[illegible] راقم مصنف "تحقیق الاعوان" نے جگہ بجگہ حوالہ دیا ہے۔ غائبانہ علمی تعارف کی بناء پر
[illegible] سے قرب اور شرف ملاقات حاصل ہوا۔ راقم پر انکی کرم فرمائی و مشفقانہ حالات
[illegible] زیادہ کچھ اس قسم کا رہا ہے۔ جو ورطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ نسبنامے اور شجرہ انساب کا
[illegible] بنانا و ملانا ہر کسی کا کام نہیں۔ لیکن انکی مہارت علمی و ذوق تاریخی نسبناموں میں خصوصًا
اس قدر زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کا ثانی قریب العہد میں مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ راقم
[illegible] وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ عربی النسل نسبناموں پر جس پر یہ مہر تصدیق ثبت کر دیں۔ کوئی
[illegible] تغلیط کا ثبوت نہ رکھتا ہوگا۔ اور جسے یہ غلط فرما دیں اسکی صحت کے دلائل مشکل سے ملیں

گے۔ الا ماشاءاللہ۔ کیونکہ ان کے پاس اس فن کی عربی فارسی پرانی کتب کا ...
مستند ذخیرہ پایا گیا ہے۔ اور ۱۹۳۰ء سے یہی ان کا شغلہ ہے۔ مجھے انکی کتب ...
ذاتی معلومات سے بیحد مدد ملی ہے۔ اور میری تسکین کا باعث انکی کتب ہوئی ...
چالیس پچاس کے لگ بھگ غیر مطبوعہ کتب کے مصنف[1] ہیں۔ جو نادر موضوعات ...
کے علمی تجربہ کا بیش بہا خزانہ ہے۔ المختصر یہ کہ آپ کی شخصیت میدان علم و ادب میں بہت ہی ...
ان کے پانچ صاحبزادے ضیاءالاسلام، اختر اقبال، مظہر امام دو چھوٹے لڑکے اور
ایک لڑکی گل بہار نام ہے۔
ضیاءالاسلام سب سے بڑے صاحبزادے ہیں بی اے کی ہے۔ اختر اقبال نے سال رواں
۱۹۶۵ء میں ایم۔ اے فائنل کا امتحان دیا ہے۔
اثنا عشریہ امامیہ اور پھر بریلوی مسلک و نظریات کے زیادہ قریب و حامی نظر آتے
ہیں۔ تاہم وہ فرقہ بندیوں کے تعصبات و موشگافیوں سے بیزار آزاد اور نہایت حلیم و بردبار
و بلند پایہ انسان ہیں۔ غلام رسول مہر نے جماعت مجاہدین کے ص ۱۰۰ پر کاظمی سید غلام حسن شاہ
کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔

ماسٹر سمیع اللہ جان خان سواتی ڈھوڈیال پکھلی تحصیل مانسہرہ

ماسٹر سمیع اللہ جان پکھلی بالا کے مشہور گاؤں ڈھوڈیال کے رہنے والے نجابت خیل ...
ملکال سواتی سے نسبتی تعلق رکھتے ہیں۔ صاف گو، خوش مزاج آدمی ہیں۔ ۵ جولائی ۱۹۰۳ء
کو پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے جے اے وی کر لی۔ ابتداً فوج میں حوالدار کلرک
بھی رہے ۱۹۳۶ء سے محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی جو اب تک مسلسل جاری ہے۔
انہوں نے تاریخ اقوام پکھلی[2] نام کتاب مرتب کی ہے۔ خصوصاً قوم سواتی کا ذکر زیادہ
زیر بحث آگیا ہے۔ اور ضمن میں سید، تنولی اور کاکا خیل کا ذکر سرسری کیا گیا ہے۔ اا

---

[1] ان میں ایک کتاب "انقلاب کشمیر" نام ۱۹۶۰ء میں چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے۔ خواص۔
[2] گو کہ یہ نام جامعیت چاہتا ہے۔

... تاریخ سواتی جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ کسی نے مرتب نہیں کی۔ البتہ
... جواہر خان الائی سواتی خان خیل بغہ دجر بعد میں بمقام بغہ قتل کیا گیا، کا ایک چھوٹا سا
... شکل میں شجرہ نسب اقوام افاغنہ بنی اسرائیل موسوم بہ "ملمعات جواہری" میں مختصر
... قوم سواتی کیا گیا تھا۔ ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ میں اصحاب قلم و روایت کی کمی تو
... ہی ہے۔ پھر اس قحط الرجال کے دور میں ان کا قوم سواتی کی تاریخ مرتب کرنا جو خصوصاً
... تحصیل مانسہرہ کے شمالمغربی بشمول علاقہ قبائل جسکری میں کثرت سے پائی جاتی ہے
... کارنامہ ہے۔ جنھوں نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد قوم سواتی کی تاریخ و
... نسب کے احیاء کی پہلی بار ہزارہ میں نمایاں کوشش کی ہے۔

محبوب شاہ داتہ تحصیل مانسہرہ ہزارہ

میرا یہ ایک خیال تھا کہ چلتے چلتے مصنفین ہزارہ کے نام گنوا دوں۔ مگر وقت نے
... کی اور میں اس تحقیقات کو عملی جامہ پہنانے سے تقریباً محروم رہا۔ صاحب موصوف
... کے رہنے والے ہیں اور داتہ "پیرزادوں" کے گاؤں سے مشہور ہے۔ یہ صاحب
... اندازاً کم و بیش ایک صدی کی عمر میں اب بھی بقید حیات ہیں۔ رئیس گھرانے کے فرد
... اور مصنف ہیں۔ انکی ایک کتاب بحر الجمان نام ہے جو ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوئی ہے۔
... الاعوان کے ص ۲۱۱ بار سوم ۱۹۲۳ء میں یہی محبوب شاہ داتہ والے ہیں۔ جنھوں نے باب الاعوان
... تصنیف کے وقت ہزارہ و کشمیر کے چند اعوان دیہات کے نام و مختصر حال برائے اشاعت
... باب الاعوان کو بھیجے اور تتمہ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔
ایک کتاب تاریخ اسلام کا نسخہ غیر مطبوعہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ضمن میں اعوان قوم کا بھی
... کیا ہے اور وہ شجرہ نسب یا نسب نامہ وہی ہے جو مولوی نور الدین کی تجعیت میں ذکر کیا گیا ہے
... کو تسلیم نہیں۔ میں نے اپنا نقطہ نظر اور اظہار خیال و رائے موقع پر دوران ملاقات ان
... کیا۔ انکی ضعیف العمری و شوق کو دیکھ کر داد دینی پڑتی ہے کہ صاحب علم و تدبر اپنی موت
... تک اپنی دلچسپی کے مشغل سے دستکش نہیں ہوتے۔ شجرہ جات محمود الافضل اعوان ضلع جہلم جو مجھے سال میں
... شجرہ نسب بھی درج ہو گیا ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء سے بعد کے مشاہیر تحصیل مانسہرہ

گو یہ میرا موضوع اصل عنوان ، تاریخ تو نہ تھا۔ مگر اس موقعہ و مقام پر پہنچ کر فطری اور طبعی تقاضے کے ماتحت ناگزیر ہو گیا۔ آج سے قبل ۷۰ سالہ عرصہ کے دوران کی چند نمایاں شخصیتیں چلتی پھرتی نظر آتیں۔ اور میں نے جب مزید غور کیا تو وہ مشاہیر تحصیل مانسہرہ کے اس دور کے تھے۔ جن میں سے طبقۂ اول کے بیشتر زعماء رخت سفر باندھ کر ہم سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اپنے حافظے پر زور ڈال کر شمار کرنا شروع کیا اور اپنی محدود معلومات و وسعت کی حد تک ان کے عمل و کردار کے لحاظ سے چند جامع تعارفی نوٹ بھی مرتب کئے۔ تقدم یا تاخر ذکر و ترتیب یا رہ جانے کیلئے معذرت خواہ ہوں گا۔ بلحاظ عمر و قت طبقہ اول کے مشاہیر

(۱) محمد اسلم خان گڑھی حبیب اللہ — ان کا خاندان محتاج تعارف نہیں حبیب اللہ خان کے جانشین اور جدی جاگیردار نظام نو آنے پر بڑی جاگیر بھی ختم ہو گئی۔ مگر خانگی وضعداری قائم رہی۔ خان مرحوم وفات پا گئے ہیں۔ اب ان کے جانشین خان محمد نسیم خان ہیں۔

(۲) محمد حسین خان مانسہرہ مرحوم — معزز خان تو تھے ہی۔ مگر حکومت وقت نے بھی انکی خدمات کے صلہ میں خان بہادر کا اور آنریری مجسٹریٹی دی۔

(۳) محمد عباس خان مرحوم — خان بہادر محمد حسین خان کے صاحبزادے۔ جنہیں صوبائی اسمبلی کی ممبری اور وزارت کو پہنچنے میں کوئی سیاسی عقیدہ حائل نہ ہوا۔ کانگرس اور مسلم لیگی دونوں حکومتوں میں وزیر بنے۔ حلیم الطبع اور زمانہ شناس تھے۔

حاجی فقیر خان ملک پور مرحوم — فخر پکھلی۔ عوامی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا۔ جوڑ توڑ کا ماہر، نڈر مقرر، کٹر کانگرسی جسے حکومت کا کوئی عتاب بھی اپنے راستہ سے نہ بدل سکا۔ عوام اور اسمبلی ہر محاذ پر وطن پرستی کا علمبردار

[...]طائی خان جاگیردار بفہ — سرکردہ۔ عظیم مدبر، خوانین بفہ ابھی تک ان کا ثانی پھر قوم کو نہ دے سکے۔

عبد القیوم خان سفیدہ مرحوم — بے باک اور راست گو وکیل سے زیادہ کٹر کانگرسی مشہور تھے۔ جو اپنے سیاسی عقیدوں [...] پر جیل میں بھی گئے۔ اور اسمبلی میں بھی۔ اور آخر میں وکالت چھوڑ کر اللہ ہو اللہ ہو۔

ولی محمد خان ادگرہ مرحوم — محمد علی خان سابق والئے کونش کا نامی پوتا۔ جو تحریک خلافت سنہ ۱۹۲۲ء میں مجاہد ملت مولانا محمد اسحٰق مانسہری [...]وش بدوش حصہ لینے اور سائن کمیشن کے سامنے میمورنڈم میں اصلاحات اور صوبائی خود [...]ی کی اتنی حمایت کی کہ جاگیر دار ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کے باغی تصور ہوتے رہے [...]پنی خداداد قابلیت تدبر، اور وسیع النظری کی بناء پر وطن کی خدمت بساط بھر جاری رکھی

[...]عظیم اللہ خان اکبر خان سچہ کلاں — خلیق کشادہ دل ، پابند صوم صلوٰۃ اور مہر خاص رکھام کے منے بے لوث روایتی مہمان [...]ی کا بہترین نمونہ۔

[...]مظفر خان بھوگڑ منگ — فہیم انسان جنہنے اپنی خدمات کا صلہ حکومت وقت سے بصورت خان بہادری لیا۔

[...] محمد افضل خان جاگیردار گیدڑ پور — اللہ تعالیٰ نے ان کو ترکہ میں وہ پوزیشن عطا فرمائی تھی کہ جس سے وہ اپنے علاقہ اور [...] کو چار چاند لگا سکتے تھے۔

[...] حاجی علی گوہر خان تاتار مرحوم — مسلم لیگ کے ٹکٹ کا موزوں امیدوار ہو کر جیتے میں پاکستان کی پہلی صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی [...] اور ریاست امب کے وزیر بھی۔

[...] عبد الغفور خان تاتار مرحوم — قسمت اور قابلیت اتنی کہ فوج میں جمعدار بھرتی ہو کر پبلک سروس کمیشن کے ممتاز رکن تک [...]۔ موت اگر بے وقت نہ آتی تو شاید اور کہاں تک جا پہنچتے۔

(۱۳) **بدیع الزمان خان اگرور** — مشہور جاودان علی گوہر خان اگروری کے خاندان کے جانشین جن کے جوہر دیکھنے کیلئے قوم ترستی ہی رہی۔

(۱۴) **علی گوہر خان مانسہرہ مرحوم** — زمن خان اور محمد خان کا جانشین جو ریاست کشمیر کے وزیر وزارت تھا۔ انگریزی سرکار سے خان بہادر اور اپنی برادری میں ایک زبان دراز رکن۔

(۱۵) **محمد ایوب خان مانسہرہ** — خوانین مانسہرہ کی یادگار۔ جن کی محفل آرائی کے قصے افسانوی چٹکلوں کی طرح زبان زد ہیں۔ عوامی بہبود کے کاموں میں زندگی گذاردی۔

(۱۶) **غلام ربانی خان۔ مانسہرہ** — اپنے وقت میں چوٹی کا وکیل۔ اور جسٹس کی سب سے پہلی اسمبلی کا نامزد رکن، جنکی سیاسی قابلیت محض عقیدہ میں اختلاف کی بناء پر پروان نہ چڑھ سکی۔

(۱۷) **مولینا غلام غوث ہزاروی بفہ** — شعلہ بیان مقرر اور خطیب جنھوں نے مجلس احرار میں جان ڈال دی۔ اور جمعیت العلماء کی بہت بڑی خدمت کی اور صوبائی اسمبلی تک پہنچ کر بھی چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال۔ والا معاملہ رہا۔

(۱۸) **سید منور شاہ کاگان مرحوم** — سادات کاگان کا خلیق اور ہر دلعزیز اور فیاض انسان

(۱۹) **محمود شاہ کاگان** — منور شاہ مرحوم کے بعد سادات کاگان کے بزرگ سرگروہ جو صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی بنے۔

(۲۰) **مبارک شاہ بیلہ سچہ** — مجلس آرائی، معاملہ فہمی۔ساری تقریروں، مقامی جوڑ توڑ سادات کاگان میں آپ کا ثانی نہیں۔ جنگل کا کاروبار موافق نہ آیا۔

(۲۱) **سید نواب شاہ باگڑیاں** — اگرور کا نامی اور جبار شخصیت کا مالک۔

(۲۲) **سید جلال شاہ تمرکھولہ مرحوم** — پابند صوم صلوۃ، شب بیدار، تہجد گزار، تدریشاہر و بارسوخ انسان۔

نواب خانیزمان خان اسب ورنبد مرحوم — پرانے افغانی وضعدار نوابوں کا عمدہ نمونہ تھے۔ فیاضی میں نام پیدا کیا۔

(۲۴) **عطا محمد خان پھلڑہ مرحوم** — انکی سخت گیری کی تلخی کو انکی فیاضی کھا جاتی ہے۔

(۲۵) **عبداللطیف خان پڑھنہ مرحوم** — حیا چشم، غیور اور خودداری کا مجسمہ کامل۔

(۲۶) **محمد اکرم خان موڑہ قلعہ کلاں مرحوم** — پرانے وضعدار خانوں کا نمونہ۔ جو اسی خاطر بے وقت چل بسے۔

بہ لحاظ عمر و وقت درجہ دوئم کے مشاہیر ہم عصر حضرات

(۱) **محمد ہارون خان بہ مشہور بادشاہ خان سم الہی منگ** — پیشہ ور سیاسی کارکن سیاست سے واقفیت عامہ۔ نڈر اور بارسوخ۔ آج کل ضلع مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ حال ہی میں ستارۂ قائداعظم کے خطاب سے نوازے گئے۔

(۲) **محمد حنیف خان مانسہرہ** — جن کو نو عمری ہی میں انکی دیرینہ خاندانی شہرت نے دوبارہ قومی اسمبلی میں پہنچایا۔

(۳) **خداداد خان سابقہ وزیر صحت بھوگڑمنگ** — ۱۹۲۸ء میں شمولیت مسلم لیگ ۱۹۳۰ء نائب صدر مسلم لیگ۔ خان وزارت کے دوران تحریک سول نافرمانی میں سنٹرل جیل میں نظر بندی۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ایک یونٹ کے وجود میں آنے پر مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ پھر صوبائی وزیر صحت بنائے گئے۔ نواب مظفر علی قزلباش کی کابینہ میں بھی بعد ڈاکٹر خان مرحوم کے وزیر صحت کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۶۲ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا۔ کامیاب نہ ہوئے۔ پابندی صوم و صلوۃ کتب بینی میں بیشتر وقت گذار رہے ہیں۔

(۴) اصباح اللہ کا کاخیل کنہیاں:۔ اپنے ہمعصروں میں ممتاز حیثیت و جائداد کے مالک۔ محمد اللہ، احمد اللہ اور قدرت اللہ تین فرزند ہیں۔

(۴) محمد عمر خان سچہ کلاں چیئرمین — شریف صاف دل معزز انسان، جو ناسازگار حالات کے باوجود موروثی عظمت کو بچانے کیلئے ڈٹے ہوئے ہیں۔

(۵) شوکت علی خان — جوان العمر۔ ہونہار وکیل۔ فطری شرافت سمیت کامیاب وکالت اور سیاست میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔

(۶) مفتی محمد ادریس مانسہرہ — ممتاز وکیل۔ اور علماء کے خاندان کے ممتاز چشم و چراغ جن کی سیاسی شخصیت بھی اپنا مقام پیدا کر رہی ہے۔

(۷) جمعہ خان بیرسٹر سیکوٹ — مانسہرہ تحصیل کو پہلا بیرسٹر۔ تحصیل علم کے بعد وطن پہنچ کر وکالت، سیاست اور تجارت میں مشغول ہوگئے۔

(۸) محمد اکبر خان مانسہرہ — اپنے نامی دادا خان بہادر علی گوہر خان کی اکثر خوبیوں کے حامل اور نامی وکیل ہیں۔ ابتدائی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔

(۹) محمد افضل خان آف سفیدہ — اپنے مشہور چچا عبدالقیوم خان کی بعض خوبیوں کا حامل اور بار ایسوسی ایشن کا صدر۔

(۱۰) محمد حسین خان عثمانی — اپنی ابتدائی زندگی میں کافی نشیب و فراز دیکھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اب کامیاب وکیل بھی ہیں۔ اور سیاست کا رخ بھی کر رہے ہیں۔

(۱۱) عارف حسین شاہ مانسہرہ — مانسہرہ میں سب سے پہلے وکیل سید عبداللہ شاہ کے بڑے صاحبزادے۔ جو مختلف سیاسی اور کاروباری اداروں میں منسلک رہنے کے بعد اب طبقہ وکلاء میں بھی امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

(۱۲) محمد اسمٰعیل خان چھچھڑ اگرور — خان مرحوم کی موت سے وادی اگرور کا چمن اپنی بلبل ہزار داستان سے محروم ہوگیا۔

(۱۳) خلیل خان جی کی گیدڑپور — نوابی گیدڑپور ہیں۔ خاموش مگر سنجیدہ شریف اور باثر آدمی ہیں۔

(۱۴) حاجی عبداللہ خان ڈھوڈیال — ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں اچھا نام پیدا کیا۔

(۱۵) سید حاجی عبدالرزاق شاہ پرہنہ — نو سادات پکھلی گڑھیاں تناول۔ باثر دیانتدار سوخ دار گفتار منصف مزاج ہیں۔

(۱۵) اسر بلند خان (اچھڑیاں) — بذات نفس ربی کی عملی شان۔ لکڑی کے کاروبار میں داخل ہو کر اب مغربی پاکستان میں مختلف کاروباروں کے روح رواں ہیں۔

(۱۶) محمود خان مسافر۔ اوگرہ — اپنے نامی والد کی وفات کے فوراً بعد لکڑی کا کاروبار شروع کیا۔ اور اپنی اعلیٰ تعلیم تجربہ کی بناء پر ابھی چمکا ہی تھا کہ چند دوستوں کی غداری کا شکار ہو گیا۔ اور سیاست سے بھی بیزار ہو گیا۔

(۱۷) فتاح اللہ کہنیاں — تحریک مسلمانوں کو بعض حقوق دلوانے کیلئے بڑے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ مگر کوئی سختی لالچ اور خوف انکو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکا۔

(۱۸) نواب محمد فرید خان امب — معاملات کی خبرگیری۔ انتظام وغیرہ میں خاصہ نام پیدا کیا۔ بندوبست علاقہ تناول اور سرکار دقتی کا بیشتر انتظامی امور میں عمل دخل انکے دور کی یادگار ہے۔

(۱۹) محمد اسلم خان پڑھنہ — اعلیٰ تعلیم اور کردار۔ سول سروس۔ مگر بے وقت موت نے انکے خاندان میں بڑا خلاء پیدا کر دیا۔

(۲۰) محمد فقیر خان پڑھنہ — تحصیل کے سب سے پہلے ڈی آئی جی پولیس۔ جو اب پنشن پر آگئے ہیں۔

(۲۱) بابو فضل حق ولد محمد خان شمدہڑہ — محمد اسماعیل خان چھچھڑ کی وفات کے بعد اگرور وادی میں عوامی فلاح و بہبود کے ابھرتے ہوئے مقبول کارکن ہوئے۔

(۲۲) منزل شاہ کاگان — سادات کاگان کی نئی ابھرتی ہوئی طاقت تعلیمی کمی کو کاروباری تجربہ اور عملی سیاست میں حصہ لیکر پورا کیا جا رہا ہے۔

(۲۳) شاد محمد خان ۔ ایم اے ڈی سی کو چھوڑ کر صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے۔ ملکی پی۔ ڈبلیو ڈی کے کاروبار میں شریف کہلاتے ہو گئے۔

(۲۴) خان بہادر گڑھی حبیب اللہ ۔ ابھی تو نئی نئے مگر اسمبلی سے ہو آئے۔

(۲۵) آدم خان دریچستان خان آف۔ گورنمنٹ فاریسٹ کنٹریکٹر کے کاروبار میں نام پیدا کیا۔

(۲۶) منظم شاہ وانہ۔ عمدہ گھوڑے پالنے، نیزہ بازی کا شوق، کرکٹ کے بہترین کھلاڑی اول طبقہ کے مشاہیر سے ہیں۔

رواجنامہ قوم اعوان ضلع ہزارہ مرتبہ و مصدقہ ۷۲-۱۸۷۰ء

یہ رواجنامے قوم کے بڑوں نے لکھے اور تصدیق کئے گئے۔ قوم اعوان کا رواجنامہ اس وقت قاضی میر عالم صاحب نے تحریر کرایا۔ جو شامل در فصل منقولہ تاریخ ہزارہ ص ۱۰۹۳ سے شروع ہوا۔ اور یہی خاندان قاضیاں سکندرپور اس وقت اعوان ہزارہ کا بڑا گھر شمار کیا گیا تھا۔ اور اب بھی یہ فخر انہیں کو حاصل ہے۔

گو شریعت ایکٹ کے نفاذ سے اب یہ رواجات و حالات قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ تاہم بعض اوقات صاحبان کشتیاں گذشتہ حالات کے جاننے کیلئے بیقرار ہو جاتے ہیں۔ اس نظریہ کے پیش نظر و موازنہ تمیز کیلئے رواجنامہ قوم اعوان ہزارہ نقل کرتا ہوں۔

(۱) مد نمبر ۱ تقسیم ترکہ پدری درمیان پسران :-

حصہ سب پسران کا برابر ہوتا ہے۔ صرف اس قدر بڑا بھائی یا جس پر سب بھائیوں کا اتفاق ہو۔ کچھ زیادہ بطور بزرگی کے دیدیتے ہیں۔ اور یہ زیادتی حسب حیثیت ہوتی ہے کچھ مقدار اسکی مقرر نہیں۔ اور نہ یہ امر عام ہے۔ جہاں کہیں شاذ و نادر ایسا امر واقعہ ہو۔ اس جگہ بھی سب بھائیوں کی رضامندی پر منحصر ہے۔ کوئی بھائی اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ حال تو اولاد ایک عورت کا بعد فوت ہو جانے باپ کے بحالت نہ تقسیم کرنے اپنی زندگی کے ہے۔ جبکی ۲ یا زیادہ عورتیں ہوں۔ انکی بھی اولاد کا حصہ برابر عورتوں کی تعداد پر تقسیم ہماری قوم میں نہیں ہوتی۔ تعداد اولاد پر تقسیم ہوتی ہے۔ البتہ اگر باپ اپنی زندگی میں عورتوں پر تقسیم کر دیوے۔ یا کسی بیٹے کو حصہ کم و بیش کر دیوے۔ اور علیحدہ اس پر کرا دیوے۔ تو بعد مرنے باپ کے بھی وہی تقسیم قائم رہتی ہے۔ اگر زندگی میں تقسیم نہ کرا دے۔ اولاد اسکی بالاشتراک کھاتی ہے۔ تو بعد مرنے اس کے تقسیم تعداد پسران پر ہوگی۔ باپ جو اپنی زندگی میں پیداوار عورتوں پر یا کسی اور طور پر تقسیم کرتا ہے۔ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور جو حصہ ایسی تقسیم میں باپ اپنے واسطے رکھتا ہے

اگر بحالت حیات کسی کو دے نہ جائے تو سب بھائیوں پر حصہ برابر تقسیم ہوگا۔ یا بہ رضامندی سب بھائیوں کے ایک بھائی لے لے گا۔ جو باپ کا قرضہ ادا کرے۔ تو باپ والے حصے سے مثل اور بھائیوں کے وہ بھی حصہ پاتا ہے۔ ہماری قوم میں کوئی عورت کم قوم ہونے کے سبب وراثت کی تقسیم میں کم درجہ کی شمار نہیں ہوتی۔

(۲) مد نمبر ۲ نسبت حقوق دختران :-

بموجب رواج کے دختران کو حصہ زمین سے نہیں ملتا۔ خواہ اولاد نرینہ ہو۔ خواہ نہ ہو۔ اگر اولاد نرینہ نہ ہو۔ تو میراث خواران کو حصہ بموجب شرع کے مل جاتا ہے یا جسکو وارث اپنی حیات میں دے جائے۔ لیکن باپ بحالت حیات خود اگر اولاد نرینہ نہ ہو اختیار رکھتا ہے کہ کل اپنا ورثہ دختر کو یا کوئی جزو اس کا ہبہ کر دے۔ الا عملدرآمد اس کا نہیں ہے۔ جب شادی دختر کی کرنے میں مال منقولہ تو ہر کوئی دیتا ہے۔ زمین داج میں کوئی نہیں دیتا۔ زمین دینے کا رواج ہماری قوم میں نہیں۔

(۳) مد نمبر ۳ نسبت حقوق بیوگان و دختران یتیم و ناکتخدا :-

بیوہ جب دوسرا خاوند نہ کرے تاحیات اپنی کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ خاوند پر قابض رہتی ہے۔ اور اسکو ہر قسم کے تصرف کرنے کا خاوند کے مال میں اختیار رہتا ہے۔ البتہ انتقال دائمی یعنی ہبہ اور فروخت نہیں کر سکتی۔ اپنی ضرورت یا ادائے معاملہ سرکار وغیرہ ایسے خرچوں کے واسطے باجازت ورثاء رہن کر سکتی ہے۔ اگر فرزندان صاحب جائداد کے باقی رہیں۔ اور بیوہ بھی رہ جائے۔ اور جائداد منقسم نہ ہو تو بعد مرنے کے جب جائداد تقسیم ہوگی۔ تو ایک حصہ بیوہ کا واسطے گذارہ کے علیحدہ نکالا جاتا ہے۔ جیسا کہ اپنی زندگی میں مالک جائداد رکھتا ہے۔ اسی طرح بیوہ کے واسطے رکھا جائے گا۔ اور بعد مرنے کے ایسا ہی عملدرآمد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب جائداد کے حصہ کا ہوگا۔ لیکن بیوہ کو اختیار نہیں۔ کہ کسی کو منجملہ اولاد اپنی کے وہ جائداد ہبہ کر دیوے۔ اور جو دختر ناکتخدا رہ جائے اس کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ جیسا کہ بیوہ کا۔ یعنی جب تک اسکی شادی نہ ہو جائے اپنے باپ کی جائداد پر قابض رہتی ہے۔ اور پرورش اسکی سپرد کسی رشتہ دار قریبی کے کی جاتی ہے۔ خواہ بھائی ہو یا دوسرا۔ اور انتظام اس جائداد کا بھی اسکے سپرد ہوتا ہے۔ جب شادی اسکی ہو جائے تو وہ جائداد پھر وارثوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اگر اولاد

نرینہ کیس تھے دختر ناکتخدا رہ جائے تو وقت تقسیم اس کا بھی حصہ مقرر کر دیتے ہیں۔ جیب
اسکے بیوہ کے واسطے مقرر رہتا ہے۔ اور بعد شادی اسکے وہ بھی وارثان میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگر
پرورش دختر میں تنازعہ ہو کہ کس کے سپرد کی جائے۔ اور انتظام اسکے حصہ کا کون کرے تو
ہی رشتہ دار کے ساتھ رہیگی۔ اور معاش اسکی اچھی منظر ہووے۔ دو چار آدمی قریبی رشتہ دار
بطور جرگہ بیٹھکر اسکے سپرد کر دیتے ہیں۔

(۴) مدنمبر ۴ نسبت رواج متبنّٰی:- متبنّٰی کرنے کا رواج ہماری قوم میں نہیں ہے۔

(۵) مدنمبر ۵ نسبت ہبہ و وصیت:-

اگر مالک بحیات خود کل اپنی ملکیت کسی کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دیوے۔ جب بھی بعد
مرنے کے وارث اسکے منظور نہیں کرتے۔ اور نہ آج تک ایسا ہماری قوم میں کہیں ہوا ہے
کہ بحالت موجودگی وارثان کے کسی صاحب جائداد نے کل جائداد کسی کو ہبہ کی ہو۔ البتہ اگر
کوئی جزو ہبہ کر دے اور قبضہ کرا دیوے۔ تو وہ ہبہ جائز ہے۔ اور وصیت کا رواج اس
قدر ہے۔ کہ مرتے وقت جو وصیت کرتا ہے۔ اسکی تعمیل بہ خیالات محبت اور عزت اسکی
کرتے ہیں۔ اور جو تعمیل نہ کرے لوگ اسکو برا کہتے ہیں۔ لیکن حکماً تعمیل نہیں کرائی جاتی۔ اسی
واسطے کہ وصیت مرتے وقت ہوتی ہے۔ اس وقت حواس اس صاحب جائداد کے درست
نہیں رہتے۔ خیالات بدل جاتے ہیں۔ جو کوئی دو چار روز اسکی خدمت کرے خواہ غیر مستحق ہووے
تو اسکو بھی وہ دینا چاہتا ہے۔ بخلاف رواج ہبہ کے کہ وہ بحالت صحت حواس قبضہ دلا دیتا ہے

(۶) مدنمبر ۶ نسبت نکاح و طلاق:-

بابت متعلقہ نکاح تعمیل شرع کی بھی ہر امر میں منظور ہے۔ بلکہ بخیال ضرورت
ایجاب قبول کے یہ بھی ہماری رسم ہے۔ کہ ایک نکاح وقت ناطہ کے پڑھ دیا جاتا ہے۔ جسکو ہم
شرع جواب کہتے ہیں۔ اور پھر جب تیغ لے جاتے ہیں۔ اور عورت کو گھر لے آنا چاہتے ہیں۔ تو پھر
دوبارہ نکاح پڑھاتے ہیں۔ اسکو ہم نکاح بولتے ہیں۔ اور مقدار مہر کی ہماری قوم میں علی العموم
فی صد پچاس روپیہ سے سو تک اور ایک قہر ہے۔ جو ملک وغیرہ اس قسم کے لوگ عزت دار ہیں
خاص ان کے کسی گھر کا پانچسو روپیہ تک بھی ہوتا ہے۔ اور مہر کے نقد ادا کرنے کا رواج
عام نہیں۔ بلکہ اسکے ادا کی یہ صورت ہے کہ جب عورت کو گھر میں لاتے ہیں۔ تو کچھ زیور جو
مقدار مہر سے بہت کم ہوتا ہے۔ یا گائے بھینس، گھوڑی۔ اس قسم کی کوئی چیز اسکو دیدیتے ہیں

اور گھر کی خیرات میں اس کا حصہ مقرر کر دیتے ہیں۔ یعنی اس گھر میں سے جس قدر خیرات ہووے
اس خیرات کے اجر میں نصف حصہ یا تیسرا حصہ یا کم و بیش اس عورت کا مقرر کر دیتے ہیں۔
اور اسی طرح اسکو خوش کر کے مہر بخشوا لیتے ہیں۔ اکثر بخشوایا جاتا ہے۔ کوئی شاذ و نادر عورت
ایسی ہے۔ جس کا نہ بخشا ہو۔ اور جب دن مہر بخشوایا جائے۔ اس روز دو چار دس آدمی علاوہ
سید کو کہ جیسی توفیق ہووے۔ روٹی کھلاتے ہیں۔ اور اس وقت مہر بخشواتے ہیں۔ تاکہ سب
کو خبر ہو جاوے۔ اور جب عورت مر جاوے۔ تو جائداد باقیماندہ گھر سے وہی حصہ اس کے
مرنے پر خرچ ہوتا ہے۔ جو خیر خیرات گھر سے مقرر ہووے۔ اور علی العموم لوگ زیادہ بھی اس
سے خرچ کرتے ہیں۔ اگر اس سے کوئی خاص آدمی کم خرچ کرے تو لوگ اسکو برا کہتے ہیں
اگر طلاق کسی وجہ سے دی جاوے تو اسکی دو صورت ہیں۔ اگر مرد کے قصور سے طلاق دی
جاوے۔ تو عورت سے کچھ لیتے ہیں اور نہ کچھ دیتے ہیں۔ کیونکہ یا تو مہر بخشا ہوا ہوتا ہے
اگر کسی کا مہر نہ بخشا ہوا ہو۔ اور وہ دعویٰ مہر کا کرے۔ تو مرد دعویٰ اسکی لاگت نکاح کا
کرتا ہے۔ کہ میرے والدین نے فلاں یا اور رسوم نکاح میں اس قدر روپیہ لیا ہے۔ اس طرح
سے نہ عورت کو کچھ دیتے ہیں۔ اور نہ عورت سے کچھ لیتے ہیں۔ اور اگر عورت طلاق چاہے اور
اپنی خواہش بموجب طلاق دی جاوے۔ تو عورت سے کچھ نقد روپیہ بابت لاگت نکاح خاوند
لے لیتا ہے۔ اور یہ روپیہ کچھ مقرر نہیں۔ حسب حیثیت اس شخص کے جس کے اغواء سے
عورت طلاق چاہے یہ روپیہ لیا جاتا ہے۔ فقط۔
اور کئی ایک دوسری قومیں بھی یہی رواجات اپناتی و رکھتی تھیں۔

ضلع ہزارہ میں اعوان دیہات کل آبادی

ذیل میں ضلع ہزارہ میں ان دیہات کی فہرست دی جاتی ہے۔ جو بندوبست [illegible] میں
موجود تھے۔ اعداد و شمار کے لحاظ سے اعوان قوم دوم درجہ پر تھی۔ اور قوم گوجر
اس سے ایک نمبر پہلے۔ گوجروں کی تعداد [illegible] تھی ——— اور اعوان

۵۰۶ ۶ ڈ کھتے ۔ باقی قومیں کم ۔ گاؤں مندرجہ ذیل میں بعض گاؤں سالم ۔ بعض میں اول
بعض میں دوئم ۔ اور بعض میں سوئم درجہ اکثریت والی قوم شمار کی گئی ۔ چند اعوان نمبردار
بطور یادداشت اس وقت کے میں نے بھی لکھے ۔ اور بوجہ حقیقت معلوم نہ ہونے کے اکثر
ک کر دیئے گئے ۔ اس وقت ہری پور کے کل دیہات ۳۱۰ ۔ ایبٹ آباد ۳۵۸ ۔ اور
نسہرہ کے ۲۰۸ ۔ کل ۶۸۶ دیہات ماسوائے اگرور ...... اور سوائے علاقہ تناول
شمار ہوئے ۔ ضلع ہزارہ کی تقسیم اس وقت اکثر بہ لحاظ قدرتی محل وقوع یا کچھ انتظامی
حدود کے کل ۳۴ علاقہ جات پر تقسیم پر مشتمل تھی ۔ جن میں سے ہری پور اور ایبٹ آباد کے
تیرہ تیرہ علاقہ اور تحصیل مانسہرہ کے آٹھ علاقہ ہوئے تھے ۔
(۱) تحصیل ہری پور کے علاقوں کے نام یہ تھے ۔ کھلری ۔ گندگر ۔ بندبک ، تربیلہ ، خالصہ ، ہر بہے
سالخ ، مانکرائے ، ہرتیجہ خاص ، جاگل ، کوٹ نجیب اللہ ، کنڈی کابل ، خانپور ، بگڑہ ۔ تحصیل ہری پور
میں زراعت کار و غیر زراعت کار ہر دو طبقہ ۱۹۶۶۵ تھے ۔
(۲) تحصیل ایبٹ آباد کے علاقوں کے نام :- شنگری ، کچی ، ہیرتان ، شیروان ، گرھیاں ، مانگل
ہزاں شہر ، دہتوڑ ، دھجوعیہ ، نارہ ، دناہ ، بکوٹ ، بوئی ۔
تحصیل ایبٹ آباد میں زراعت کار و غیر زراعت کار طبقہ اعوان کے اعداد و شمار
۵،۰۰۳ تھے ۔
(۳) تحصیل مانسہرہ کے آٹھ علاقوں کے نام :- گرھیاں ، مانسہرہ ، شنکیاری ، بالاکوٹ
پیر کنڈ ، بھوگرمنگ ، کونش ، کاگان ۔

کل اعوان ۱۸۶۸ء	زراعت کار	غیر زراعت کار
	۴۶۰۰۳	۴۵۶۳
		۵۰۵۶۴

(۴) اعوان گھروں کی تعداد ۱۳۲۲۸ ۔ کل
اور یہ ضروری نہیں ہے کہ سوائے ان دیہات کے اور کہیں اعوان نہ بستے ہوں ۔
تاریخ ہزارہ میں ان شہروں میں کثرت قوم بشمول دیگر قوموں کے اعوانوں کا شمار ہوا ہے
ہو سکتا ہے کہ جن شہروں میں اکا دکا اعوان رہتے ہوں ۔ دیدہ دانستہ یا نادانستہ طور پر

ملے بقول مدیرہ معاون عبدالعزیز فاروقی ۱۹۰۰ء میں اعوانوں کی تعداد و شمار
۲۳۰۴۵۳ تھی ۔

نقشہ ضلع ہزارہ علاقہ وار تفصیل

کاگان
بھوگرمنگ
کونش
پیر کنڈ
بالاکوٹ
شنکیاری
مانسہرہ
گرھیاں
مانگل
بوئی
بکوٹ
شیروان
ہیرتان
دھجوعیہ
نارہ
دناہ
کچی
شنگری
تربیلہ
خالصہ
ہری پور
بگڑہ
کوٹ نجیب اللہ
کنڈی کابل
جاگل
کھلری
گندگر
خانپور

تھا یا چھوٹ گئے ہوں۔ یا چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ میں بھی تحقیق مزید نہیں کر سکا۔ البتہ چند دیہات کا بقدر معلوم اضافہ ضرور کیا ہے۔ خانہ معتبران یا نمبرداران میں اسماء کچھ تو ترجمشدہ کے ہیں اور کچھ میں نے بقدر معلوم خانہ حال میں اضافہ کئے۔ اسی طرح خانہ گوتوں میں بھی۔ تاکہ آئندہ کیلئے کچھ صحیح بات قائم رہ جائے۔ اور یہ صرف تحصیل مانسہرہ تک محدود نہیں۔ چند دوسرے گاؤں دیگر تحصیلوں کے بھی بقدر معلوم لکھے۔ ورنہ وہی پرانے۔ جو بعض لکھے اور بعض ترک کر دیئے گئے۔

فہرست نام اعوان دیہات تحصیل ہری پور ہزارہ

از تاریخ ہزارہ مرتبہ جارج ویس ۷۲-۱۸۸۰ء صفحات ۵۰ تا ۸۰

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	نام گوت اعوان	نام نمبردار بندوبست ۱۸۷۲ء	نمبردار حال	
۱	میرپور	گھڑی				
۲	نقارچیاں	"				
۳	ڈھیری	"				
۴	اندوچی	"				
۵	قاضی پور	"				
۶	بہائی	"				
۷	جبلو	"		میر عالم خان		
۸	خاکو	"				
۹	صوبڑہ	"				
۱۰	کہاڑہ	گندگر				
۱۱	خورہ بارہ	"				

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	نام گوت اعوان	نمبردار بندوبست ۱۸۷۲ء	حال	
۱۲	کوٹھڑہ	گندگر				
۱۳	بیڑہ	"				
۱۴	ٹام گاہ	"				
۱۵	کرپلیاں	"				
۱۶	ڈبرہ	کوہائی				
۱۷	مرادپور	بیرہٹک			سے عبدالغنی و قاضی عبدالرحمن	
۱۸	پنڈ خانخیل	"				
۱۹	سنگر	"				
۲۰	ماڑے	"				
۲۱	کنڈف	"				
۲۲	کھیری	"				
۲۳	کٹھی کرث	"				
۲۴	کسدرن	"	شدوداں			
۲۵	ڈاٹرف جبہ جنتری	"				
۲۶	جان محمد ڈال	"				
۲۷	تھبوگاں	"				
۲۸	تربیلہ	تربیلہ				
۲۹	بیں	"				
۳۰	بلوچہ	"				
۳۱	مناتیہ	"				
۳۲	ہوتہٹ	"				
۳۳	ناڑہ	"				
۳۴	پنڈ خانہ	"				
۳۵	پتیالہ	"	خالصہ			

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اموں گرت	نام نمبردار بندوبست سکھ	حال
۳۷	بجاڑ و پھلدار	خالصہ	شدوال		
۳۸	کوٹ	〃			
۳۹	بھونڈ پنڈ	〃			
۳۹	بیدا ہگل و ٹھہ	〃			
۴۰	جبی پنڈ	〃		فیروز خان اکبر خان	ملک فضل داد خان ڈاکٹر [illegible] زراعت پشاور [illegible]
۴۱	اوری	〃			
۴۲	اچون پانڈی	〃			
۴۳	موہری	سرائے صالحہ			
۴۴	مقصود	〃			
۴۵	کلانوان	〃			
۴۶	بھیڑی پانڈی	〃			
۴۷	برتھال	〃			
۴۸	حویلی صالح خان	〃			
۴۹	مراد آباد	〃			
۵۰	گوہر خان	〃			
۵۱	ترتیمہ	بانکڑائے			
۵۲	نگری	〃			
۵۳	چھراڑی	〃			
۵۴	نیر	〃			
۵۵	بانکڑائے خاص	〃			
۵۶	موہڑہ محمد	〃			
۵۷	چھرالہ	〃			
۵۸	گھکہ ڈنگہ	〃			
۵۹	بکھن	〃			

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اموں گرت	نام نمبردار بندوبست سکھ	حال
۶۰	دو بندی	بانکڑائے			
۶۱	چک ترکھر وطوکس	برمجید			
۶۲	پانڈک	〃		قاضی فیض عالم	قاضی میر عالم (ڈگری قاضی محمد یوسف حال)
۶۳	ہری پور	〃		〃	〃
۶۴	سکندر پور	〃		〃	〃
۶۵	ڈھیری	〃		〃	محمد سعید
۶۶	قاضیاں	〃		میاں محمد ولد میاں شیخ احمد جاگیردار	مولوی نثار احمد پیر عبد الرحمٰن
۶۷	ملکیلہ	〃			
۶۸	چھوہر	〃			
۶۹	ٹوڈیاں	〃			
۷۰	درویش	〃			
۷۱	کالس	حاگل			
۷۲	عالم	〃			
۷۳	سیلم	〃		سلطان احمد ولد حافظ نواب	
۷۴	ڈھینڈہ	〃			
۷۵	حاگل خاص	〃			
۷۶	بھاڑو	〃			
۷۷	بجرہ	〃			
۷۸	کالو پنڈ	〃			
۷۹	پنیاں	〃			
۸۰	کالنگوہ	〃			
۸۱	کوکلیا	کوٹ نجیب اللہ			میر احمد اعوان
۸۲	لدہ	〃			
۸۳	موہڑی علیا	〃			

نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت	نام نمبردار بندوبست ۱۸۶۲ء	حال
موہڑہ پیر بخش	کوٹ نجیب اللہ			
کھٹڑہ	״			
سرائے گدائی	״			
موہڑہ	״			
ڈنگی	״			
کوٹ نجیب اللہ	״			
بانڈی سریہ	״			
کوئی تراڑ	״			
بھرتیہ	سکندری کوہل			
سنگ	״			
چیچیاں	״			
میرپور	״			
کابلاں	״			
رڑہ	״			
زردی گل قصیرو	״	گورڑہ[1]		مطلوب خان
حطار	״			
کام پور	״			
پنڈ جہاں خان	״			
دمنہ دریوٹہ	״			
چھترے	״			
کوکا	״			
بھڈی پنیم	خانپور			
دھیاں گہیاد	״	اعوان گورڑہ		

[1] گورڑہ اعوان ہی ہیں۔ گورڑہ گوت ہے۔

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت	نمبردار بندوبست ۱۸۶۲ء	حال
۱۰۶	کھوئی ناڑہ	خانپور			
۱۰۷	ترنگیاں	״	کوکھر۔ گورڑہ[1]		
۱۰۸	پنڈ کاکھٹڑ	״	گکھڑ۔ اعوان		
۱۰۹	سلطان پور	״			
۱۱۰	کھٹڑیاں	״			
۱۱۱	کوٹھہ	״	اعوان جند		
۱۱۲	بھرہ	״			
۱۱۳	دو بنڈی	״			
۱۱۴	نین سکھ	״			
۱۱۵	خانپور خاص	״			
۱۱۶	بھمالہ	״			
۱۱۷	کھرالہ	״			
۱۱۸	سرادبہنہ	״			
۱۱۹	جھونے	״			
۱۲۰	کوٹھڑہ	״			
۱۲۱	ترکئی	״			
۱۲۲	گرم تھون	״			
۱۲۳	کینتھلہ	״			
۱۲۴	کوٹ جنداں	״			
۱۲۵	جھجیاں	״			
۱۲۶	گاہندیاں	״	برسین		
۱۲۷	کوٹالہ پائیں	״			

[1] کھوکھر اعوان بھی ہیں۔ اور کھوکھر ہندوستانی بھی ہیں۔ یا گکھڑ مشہور قوم ہے۔ شاید سہو کتابت ہو۔

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت	نام نمبردار یا معتبر بمدت گورنمنٹ	حال
٢٨	جب	خانپور			
٢٩	سنجیلہ	//			
٣٠	اکھوڑہ	//	اعوان، برسین		
٣١	بدھوہ	//	// //		
٣٢	کھوجال والی	//			
٣٣	بانڈی شیر خان	بگڑہ			
٣٤	بگڑہ خاص	//			
٣٥	باندہ حیری	//			
٣٦	کیک	//			
٣٧	بچی ڈھکی	//			

نمبر شمار	نام علاقہ	کل تعداد گاؤں			
١	کھڑی	٩			
٢	گندگر	٦			
٣	پنڈ ہبکا گرلانی	١٣			
٤	تربیلہ	٤			
٥	خالصہ	٨			
٦	سرائے صالح	٨			
٧	بیگڑے	١٠			
٨	ہری پور	١٠			عبدالعزیز فاروقی مدیر رائے عامہ
٩	جاگل	١٠			
١٠	کوٹ نجیب اللہ	١١			
١١	منڈی کابل	١٢			
١٢	خانپور	٢٩			
١٣	بگڑہ	٥			
	دیہہ تحصیل کل میزان سابقہ	١٠١٣٧	کل ١٣٨		

نوٹ: یاد رہے کہ برسین بھی اعوان قوم کی گوت ہے۔ اعوان اور برسین جدا قوم نہیں۔ رواجنامہ بندوبست ١٩٠٧ء

فہرست اعوان دیہات تحصیل ایبٹ آباد

از تاریخ ہزارہ مرتبہ ١٨٧٠ء جارج ویس صفحات ٨٠ تا ١١٦

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	نام گوت اعوان	نمبردار یا معتبر	حال
١	بانیاں	شنگڑی		احمد علی	
٢	بانڈی پیرداد	//			
٣	نور پور لسپوال	//			
٤	بانڈہ منیر	//		محمد	
٥	سرائے نعمت خان			نیک محمد	منصف خان
٦	تمبہ	//		شریف	
٧	پچھتہ	//			
٨	جیسالہ	//		ہاشم	
٩	بیرم گلی	//			
١٠	کوکمنگ	//			
١١	شنگلی دوخان	//			
١٢	تجبتی	بچھی			
١٣	تصوکیالہ	//			
١٤	بچھاد	//			
١٥	کٹرم	//			
١٦	بجکی	//	گورے		
١٧	ککوتری	//		عبداللہ خان	علی محمد خان ڈی۔ ایف۔ او
١٨	کٹھاری	//	شہد ملال اعوان		
١٩	بیکی	//			
٢٠	بجٹ	//	اعوان شہد ملال	ہاشم خان، کمال خان	

نام گاؤں	علاقہ	گوت اعوان	نمبردار یا معتبر ۱۸۷۲ء	حال
دروازہ	کھپی			
کھپی خاص	〃			
بل بیٹر	〃			بدرالزمان
چھچیالہ	〃	اعوان چک		
کنڈ عالم گاہ	〃			
نابی	بشیریاں		جیا	
شدیال	〃			
بانیں تولہ	〃	آوان شہدال	غلام خان	
بانیں گوجری	〃			
سکی کلاں	〃		برکت اللہ	ملک یعقوب ممبر یونین کونسل
پسوال	〃			
صوبڑہ	〃		میرزمان	
بن سیری	〃			
چیرا	شیروان			قاضی شیرزمان خان نمبردار ممبر یونین
تندملا	〃			
کیل		آوان شہدال	میر	
تھاتی پونشتر	〃	شہدال	کالا	
سیال	گڑھیاں			
گوامڑی	〃			
جیال	〃			
بنڈی منرچھ	〃			ولی محمد خان ممبر یونین
تھاتی خورد	〃			
دھرین	〃			محمد صادق ایم اے
سوہن تحالا دبالا	〃			قاضی علاؤالدین، گلاب دین

نمبر شمار	نام گاؤں	علاقہ	گوت اعوان	نام نمبردار یا معتبر ۱۸۷۲ء	حال
۴۶	پانڈو تھانہ	گڑھیاں			سوسیار پیر بخش، غلام حسن خان
۴۷	تھہاڑ	〃			ملک غلام حیدر خان چودھری، محمد افضل چیئرمین ستار خان
۴۸	کماکوٹ	〃			
۴۹	نکی دی بنڈی	〃			
۵۰	موچی کوٹ				
۵۱	کشن	〃			
۵۲	پاوہ	〃			
۵۳	کمہار بنڈی				
۵۴	طلا پیرہ	بانگل			
۵۵	سجیکوٹ	〃			
۵۶	میرجان آتما	〃	گورشے	نصر اللہ خان	ملک محمد سلطان خان
۵۷	مندو چھپڑی	نواں شہر			
۵۸	میرا	〃		شیر علی	
۵۹	کٹھوال	〃		نواب	
۶۰	چھتری	〃			ملک جہانداد خان چیئرمین یونین۔
۶۱	نگی جٹیاں	〃			
۶۲	ڈھیری	رجستوڑ			
۶۳	بانڈہ شیر علی خان	〃			
۶۴	درہ تھر سالم	〃		میرزمان	شیرزمان ہیڈ ماسٹر
۶۵	بانڈہ پھگواڑیاں	〃		شیر خان	
۶۶	لوہا نقدو	〃		عالم شیر	
۶۷	اوکھر شیع	〃		قاسم علی	
۶۸	گل زہرک	〃		چھیرا، محمود شیر	
۶۹	چھان	〃			

فہرست اعوان دیہات تحصیل مانسہرہ ہزارہ

از تاریخ ہزارہ۔ مرتبہ جارج ویس ۱۸۷۲ء سے شروع صفحہ ۱۱۶

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	نام گوت	نام نمبردار ۱۸۷۲ء	حال
۱	شنگی	گڑھیاں	شدوال		فقیر محمد و برکت اللہ
۲	بسند	″	گوڑہ، شدوال		برکت اللہ گوڑہ غلام نبی شدوال
۳	جھوج	″	اعوان، شدوال، کھیال		گل آسن شدوال۔ دوست محمد کھیال
۴	مدن	″	جرل، بڈھیال		گل زمان جرل۔ فضل احمد بڈھیال
۵	سوباندی	″	کھیال، شدوال		سید سردار اللہ کھیال۔ حیات اللہ شدوال
۶	چھانجہ	″	کھیال۔ جرل	محمدی، شیر خان	عزیز الرحمٰن جرل، گلزمان کھیال
۷	پاؤ باندی	″	جرل	شتوی خان	یعقوب خان
۸	بیدڑہ	″	اعوان، شدوال، جرل		نذر حسین خان۔ سعادت خان
۹	ڈیگراں	″	کھیال، شدوال	عبدالرحمٰن، عبداللہ خان	ملک فیض عالم کھیال، ملک مسکین شدوال
۱۰	جبو	″	کھیال / گوڑے	شیر زمان خان / بہادر خان	وزیر محمد خان، قلندر خان، غلام رسول [illegible]
۱۱	گنگڑا	″	جرل، شدوال		کالا جرل گنگروال۔ شاہ زمان شدوال
۱۲	شیبی	″	اعوان، شدوال / کھیال	شیر زمان خان	عبدالعزیز خان کھیال، فیروز خان شدوال
۱۳	بھنگ تلی	″	کھیال، گوڑہ / بدھن	سمندر خان	محمد اکبر خان کھیال، فقیر محمد جواد اللہ گوڑہ۔
۱۴	بھنگ آٹی	″	کھیال، بدھن	امیر خان	ولی محمد خان کھیال۔ صفدر علی بدھن۔
۱۵	اوگرہ	″	شدوال، کھیال		فقیر محمد شدوال۔ ولی محمد کھیال۔ یوسف درزی
۱۶	پوڑھہ	″	شدوال	جیا	نیک گوہر۔ فضل الٰہی۔

۱ تاریخ ہزارہ میں اعوان اور شدوال دو الگ قومیں لکھی ہیں حالانکہ شدوال بھی اعوان ہی ہیں۔ بابا شادو اور میراں بابا سچا ول سے شدوال کہلاتے ہیں۔

نمبر شمار	نام علاقہ	نام علاقہ	نام گوت	نمبردار ۱۸۷۲ء	حال
۱۷	قتیال	گھڑیاں			
۱۸	کھرالہ	″			
۱۹	جنکیاری				
۲۰	پیشگاہ	″	گوڑے	تقاوی عہ	مولانا دوست محمد
۲۱	موڑیفہ خورد	″	شدوال		
۲۲	موڑیفہ کلاں	″	شدوال		ملک فقیر توتا والا، فیض عالم خان سیٹھ
۲۳	نتوڑا	″	گوڑے		
۲۴	منگلور	″	جرل	تقاوی	غلام حسین خان ہیڈ ماسٹر
۲۵	ٹاہی	″			
۲۶	ہتریالہ	مانسہرہ			
۲۷	واتہ	″			
۲۷/۲	خوشحالہ	″			
۲۸	جبڑی	″		میر موسیٰ خان:	
۲۹	شاہ خیل گڑھی	″		″ ″ شاہ ولی	میر عبدالجبار خان۔ سبز علی خان
۳۰	کھوڑ	″ عام	قطب شاہی	ملا حبیب علہ	
۳۱	عرب کھن	″ ″	″	″ ″	
۳۲	عطر شیشہ	″ ″	″		عبدالسلام خان۔ مشتاق
۳۳	تپیر	″			
۳۴	تنڈہ جھے	گڑھی بالاکوٹ			سرفراز خان۔ محمد ظہور خان
۳۵	ہمشیریاں	شنکیاری	گوڑے	میر عالم علی خان و میر محمود خان	اس خاندان کی نسل سے سوہل اور بڑوہ میں چلے گئے تھے

علہ ہاتے دیہہ منگلور عتہ تاریخ ہزارہ میں ملا بیت سہو کتابت یا نقص طباعت سے لکھا گیا ہے۔ اصلی نام ملا حبیب خان ہے۔ جو سرداران عطر شیشہ کے مورث اعلیٰ بابا سرتاج خان کے بیٹے محمد خان کے بیٹے ہیں۔

عتہ میں نے اپنی یادداشت سے اضافہ کیا۔ تاریخ مذکور میں یہاں اعوان آباد ہونے نہیں لکھے

فہرست اعوان دیہات علاقہ اگرور تحصیل مانسہرہ ہزارہ

نمبر شمار	نام گاؤں	علاقہ	گوت	نمبردار ۱۸۷۲ء	حال
۱	ادبوڑہ	اگرور	گوڑے	امیر خان	فقیر ملک، ہارون پسر بھرام
۲	دھڑہ	"	[illegible]		
۳	ڈنڈی صادق	"			
۴	حاجی قمر	"			
۵	ملوگا	"			
۶	بزارگے	"			
۷	رشید	"			حاجی اکبر علی ولد شیر زمان، ملک آمان، کالا۔
۸	شمدھڑہ	"		بہادر خان علاقہ میں تنا نور خان	حاجی غفور، عبدالجبار، محمد یوسف، پڑان
۹	بادر خان	"			کالا
۱۰	شمدوڑ	"	گورشہ شادوال		سائیں
۱۱	کٹھائی	"			غلام نبی ممبر یونین کونسل حضرت شاہ خان
۱۲	دبوڑی	"			حضرت اللہ
۱۳	کوکہ	"			نجیب خان
۱۴	بیلیاں				
	کل دیہات علاقہ اگرور ۱۴				

علہ تاریخ ہزارہ میں ابتداً اگرور کو صرف ایک دیہہ شمار کیا ہے۔ اور علی محمد خان بڑا ذکر کیا ہے وہ دبوڑہ ہیں ادبوڑہ۔ دھڑہ۔ ڈنڈی صادق۔ حاجی قمر۔ ملوگا۔ امیر خان جاگیردار رہا ہے۔

علہ بحوالہ تاریخ ہزارہ ص نمبر ۱۰۰ بہادر خان و محمود خان وطن ... جاگیردار رہے ہیں۔

فہرست اعوان دیہات علاقہ تناول (امب، دربند)

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت	معتبر قدیم	حال
۱	شیر گڑھ	شیر گڑھ	کھیال		عبدالحق حال ایبٹ آباد
۲	کھتڑی	"			پنشنر صوبیدار رحمت خان
۳	بجنہ بالا	"			سعد اللہ ولد دتہ
۴	راکوٹ	"			
۵	رگال	"			
۶	تنوہ بالا	"			
۷	پانی	"			
۸	کھیک	"			
۹	نیل شیلہ	"	بعض اعوان		
۱۰	کاجلہ	"			
۱۱	جبوڑ	شنگلی درہ			
۱۲	چھچھی	شدوال			خان زمان منیر دار
۱۳	دربند	خاص دربند			قاضی عبداللطیف ڈاکٹر ہومیوپیتھک
۱۴	سیکیاں	"			
۱۵	سچ پور	"			
۱۶	سنبھلی	علاقہ ستان			
۱۷	چکڑ کھوئی	"			
۱۸	نوراں ڈوگا	"			
۱۹	بگلہ	"			
۲۰	ککڑ ڈوگا	"			

نمبر شمار	نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت	ستبر قدیم	حال
۲۱	باڈی	علاقہ رسالہ نوابی			
۲۲	جلاں	"			
۲۳	بگوڑی	"			
۲۴	کوٹلہ	"			
۲۵	درکالہ	"			
۲۶	باڈی سلاح	"			
۲۷	سان بیرا	"			
۲۸	شکوکی	"			
۲۹	چھلڑہ	چھلڑہ			
۳۰	ناڑے وا ڈوگہ	"			
۳۱	موہ تیاں چھنہ	"			
۳۲	گھوڑا	"			
۳۳	پٹیاں	"			
۳۴	سیری گلی	"			
۳۵	خیل بی	"			
۳۶	سیری سنی	"	کھیال		
۳۷	پوجدرہ	پڑھنہ		سوہدان	فقیراللہ
۳۸	منچورہ	"			
۳۹	گجراں	"			
۴۰	کھیٹاں ایڑاں	"			
۴۱	باڈی بیرا	"			
۴۲	چھپال	"			عبدالقادر
۴۳	جبی				
۴۴	ٹھاکر بیرا				

کل دیہات علاقہ پرتناول ــــ ۱۴

قبائل علاقہ غیر قدیم

نام گاؤں	نام علاقہ	اعوان گوت
گھوڑی	شمالی بن سیر صوبہ پاکستان	
بیلہ	بن سیر ڈسٹرکٹ	
گوندلہ	مداخیل	

۳

فہرست اعوان جاگیرداران ہزارہ

از تاریخ ہزارہ۔ مرتبہ جارج ویس صاحب۔ مہتمم بندوبست ۷۴-۱۸۶۸ء

نمبر شمار	نمبر جاگیر	نام جاگیردار	موضع و تحصیل	
۱	۲۸	قاضی فیض عالم	ہری پور	از عہد سکھاں
۲	۲۹	قاضی میر عالم	"	" " "
۳	۳۰	میاں محمد ولد شیخ احمد صاحب قوم اعوان	ملکیار	" " "
۴	۳۴	حافظ سراج احمد ولد حافظ نواب اعوان	ڈھینڈہ	" " "
۵	۱۱۰	شیرزمان خان ولد محمد خان قوم اعوان ساکن جلو	جلو (مانسہرہ)	" " "
۶	۱۱۱	جمال خان برادر جاگیردار ۱۱۰	"	" " "
۷	۱۱۶	شیرزمان ولد امیر خان قوم گوڑہ؎ ہمشیریاں	ہمشیریاں	" " پنجہ پانو میر "
۸	۱۱۷	بہادر خان ولد امیر خان قوم گوڑہ ساکن شمدھڑہ۔ اگرور	شمدھڑہ۔ اگرور	" " منجملہ میر ۳۰۸/-

؎ تاریخ ہزارہ میں سہو کاتب یا لغزش قلم سے یا طباعت کی وجہ سے گوڑہ کی جگہ گوجر لکھا گیا۔ جو غلط ہے۔ اسماء مندرجہ سلسلہ ۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹ سب یکجدی گوڑہ دے گوڑہ سے تھے۔ شیرزمان خان و بہادر خان پسران امیر خان آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔ اور ہاشم علی خان ولد قمر (قمو) خان اور محمود خان ولد میر ولی وغیرہ بھی از نسل بابا قادو گوڑہ بہادر خان وغیرہ کے چچا زادوں سے تھے۔ اور جو بندوبست میں سیدار وڑے سے بیدخل ہوئے۔ اور جاگیر تا عین حیات انہیں ملتی رہی۔

۹	۱۱۸	ہاشم علی خان ولد قمر خان قوم گوڑہ؎ ہمشیریاں ساکن ہمشیریاں		از عہد سکھاں ۳۰۸/-
۱۰	۱۱۹	محمود خان ولد میر ولی خان قوم گوڑہ ساکن شمدھڑہ۔ اگرور	شمدھڑہ۔ اگرور	" " " ۳۰۸/-

فہرست کل دیہات ہر تحصیل مع اگرور تناول و قبائل ہزارہ

	تحصیل	تعداد
۱	تحصیل ہری پور	۱۳۸
۲	" ایبٹ آباد	۱۰۴
۳	" مانسہرہ	۶۸
۴	اگرور و مانسہرہ	۱۴
۵	تناول "	۴۳
۶		۳
	کل تعداد	۳۷۰
	کل آبادی	۵۰۵۳۴
		۳۲۶۹۵۲

نوٹ:- یہ فہرست گاؤں کی تحصیل وار از تاریخ ہزارہ لی گئی تھی۔ جو بہت پرانی ہے۔ ماسوائے اگرور و تناول کے اگرور میں بھی کسی قدر گاؤں میں اعوان کا آباد ہونا ممکن تھا میں نے کچھ بہ قدر واقفیت کر دینے کے اضافہ کیا ہے۔ اور بہت سے گاؤں فہرست میں آنے سے بھی رہ گئے ہوں گے میں کما حقہٗ استیعاب نہیں کر سکا۔ ان جملہ گاؤں کی تحصیل وار فہرست میں بعض گاؤں میں سالم اعوان رہتے ہیں بعض میں اکثریت اور بعض میں درجہ دوم پر اور بعض میں دیگر اقوام کے ہمراہ ان کا بھی آباد ہیں۔

دیم خواص خان دگوڑہ اعوان

میراں۔ علاقہ کونش

تحصیل مانسہرہ۔ ضلع ہزارہ

(مغربی پاکستان)

۱۰-۱۲-۶۵